قومی سیرت کانفرنس برائے مرد
۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

مقالات سیرت

عصرِ حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت

سیرت طیبہ کی روشنی میں

وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر
حکومت پاکستان



پروف ریڈنگ: افتخار حسین زوار

مطبوعہ: پوسٹ آفس فاؤنڈیشن پریس، اسلام آباد

پیش لفظ

محسن انسانیت، خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کا ظہور ایسے حالات میں ہوا جب پوری انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہر سو ظلمت کا دور دورہ تھا۔ حیاتِ انسانی ظلمت و فساد کا شکار تھی اور امن و سکون غارت ہو چکا تھا۔ محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کی آمد سے سرزمین عرب میں ہی نہیں بلکہ گلستان عالم میں بھی بہار آ گئی۔ آپ ﷺ کی مبارک محنت سے ایسا انقلاب بپا ہوا کہ لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں۔ آپ ﷺ جو پیغام لے کر آئے اور جس کا عملی نمونہ آپ ﷺ نے اپنی سیرت طیبہ میں پیش کیا، وہ تمام انسانیت اور جہانوں کے لئے رحمت اور اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ مبارک ہی ہے جس نے امت مسلمہ کو ایک لڑی میں پرو دیا اور مسلمان بھائی بھائی بن گئے۔ اخوت و بھائی چارے کے اس اخلاقی وصف سے متصف ہو کر جب تک مسلمانوں نے اسلام پر عمل کیا، وہ دنیا کی ایک بے مثال اور موثر قوم بن کر ابھرے۔ یہ محسن انسانیت حضور اقدس ﷺ کی کرم نوازی تھی کہ وہ لوگ جو آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، ایک عظیم قوت بن کر ابھرے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تعلیماتِ رسول ﷺ کو عام کرنے کی ضرورت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہے گی۔ ہر زمانے میں ہر خطے میں ایسے لاتعداد لوگ ملتے ہیں جنہوں نے خاتم الانبیاء محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کی مرتبت و رسالت اور سیرت و شخصیت تحریر و تقریر سے روشنی ڈالی۔ وزارت مذہبی امور نے سیرت اور تعلیمات رسول کو عام کرنے کی خوشگوار ذمہ داری اٹھائی ہے اور مقام شکر ہے کہ اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی ہر آن کوشش کرتی ہے۔ وزارت مذہبی امور ہر سال 12 ربیع الاول کو سیرت کانفرنس منعقد کرتی ہے۔ اس کے لئے قومی اور بین الاقوامی حالات کے حوالے کسی اہم موضوع کا انتخاب کیا جاتا ہے اسی موضوع پر مرد اور خواتین سیرت نگاروں کے درمیان مقابلہ مقالات سیرت منعقد ہوتا ہے جب کہ مختلف زبانوں میں کتب سیرت و نعت وغیرہ کے بھی مقالات منعقد ہوتے ہیں۔ مقابلہ مقالات سیرت کی سلسلہ میں خواتین اور مرد حضرات کی طرف سے موصول ہونے والے معیاری مقالات کو کتابی شکل میں علیحدہ علیحدہ طبع کیا جاتا ہے اور خواہش مندوں کو مفت فراہم کیا جاتا ہے۔

بہر حال وزارت نے قومی اور بین الاقوامی حالات کے حوالے سے مقابلہ مقالاتِ سیرت 2005ء کے لئے ''عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی ضرورت و اہمیت تعلیماتِ اسلام اور اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں'' کا عنوان مقرر کیا اور اب اس عنوان پر موصول ہونے والے مقالات میں سے معیاری مقالات کو شائع کیا جا رہا ہے۔

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عالمی دہشت گردی اور ملک عزیز میں پھیلی ہوئی فرقہ واریت کے خاتمے اور معاشرے کو روشن خیال اور اعتدال پسند بنانے کی ضرورت کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ ہم ایک طرف ان چیلنجوں کا مقابلہ کریں اور دوسری طرف کچھ عناصر نے تشدد پسندی کے ذریعے پاکستان کا امیج خراب کرنے کا جو وطیرہ اپنایا ہوا ہے اس کی بیخ کنی کی طرف بھی متوجہ رہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو، (آمین)

(وکیل احمد خاں)

سیکرٹری

وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ و عشر

فہرست

حصہ (الف) خطبات

حصہ (ب) تقاریر

حصہ (ج) مقالات

☆☆☆☆☆

خطبات

محترم شوکت عزیز
وزیراعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان کا
قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس 2005ء سے افتتاحی خطاب

وزیر مذہبی امور جناب اعجاز الحق صاحب،

وزراء کرام،

اراکین پارلیمنٹ،

وکیل احمد خان صاحب سیکریٹری وزرات مذہبی امور،

سفراء کرام،

علماء کرام،

خواتین و حضرات

السلام وعلیکم

12 ربیع الاول کا دن تمام مسلمانوں کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ آج کے دن ہمارے پیارے نبی ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔ میں عید میلاد النبی کے موقع پر آپ سب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میرے لئے بڑی سعادت کی بات ہے کہ مجھے 29 ویں قومی سیرت کانفرنس میں شرکت کا موقع ملا ہے۔ عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر گذشتہ 29 سالوں سے اس کانفرنس کا باقاعدہ انعقاد ہو رہا ہے اور یہ وزارت مذہبی امور نے کروایا ہے یہ ان کا بہت اہم کارنامہ ہے اس کے لئے انہیں میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کانفرنس ہر سال اسی جوش و جذبے سے اور عقیدت واحترام سے منعقد ہوگی۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ اس تقریب میں ملک کے انتہائی قابل احترام علماء ومشائخ تشریف رکھتے ہیں۔ اس مبارک محفل میں آپ حضرات کی موجودگی ہمارے لئے بڑی اہم ہے۔ آپ کے علم اور تجربے سے ہمیں رہنمائی ملتی ہے میری کوشش ہوتی ہے کہ میں علماء کی محفل میں شرکت کروں آپ سے ملاقات کروں اور مختلف مسائل پر آپ کے علم اور تجربے سے استفادہ کروں۔ قومی سطح پر سیرت کانفرنس کا انعقاد علماء کرام، پالیسی سازی اور حکومتی نمائندوں کے مل بیٹھ کر اپنے پیارے نبی ﷺ کی مبارک زندگی کو سمجھنے اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے ایک موقع ملتا ہے۔

معزز حاضرین!

آج کی سیرت کانفرنس کا عنوان عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل وضرورت سیرت طیبہ کی روشنی میں موجودہ حالات میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اپنے بے پناہ افرادی وقدرتی وسائل کے باوجود مسلمان ملکوں کو دنیا میں وہ مقام حاصل نہیں ہوا، جوان کا حق ہے۔آج کا اسلامی معاشرہ بے شمار مسائل کا شکار ہے۔اس کی بنیادی وجہ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے دوری ہے۔ہم نے ان سنہری اصولوں کو تاریخ کے کسی حصے میں کہیں بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے، جن کی بنیاد پر ایک اسلامی فلاحی معاشرہ قائم ہوتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے نبی ﷺ پوری زندگی قرآن کریم کی تفسیر ہے۔آپ کا ہر عمل اسلام کے پیغام کے مطابق ہے۔آپ کی سیرت سے ہمیں دنیا کے ہر معاملے پر رہنمائی ملتی ہے۔

معزز حاضرین!

ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔دنیا میں آنے والے تمام نبی اور رسول اسلام کا ہی کا پیغام لائے کیونکہ اسی پیغام میں انسانوں کی سلامتی ہے اسی پیغام پر عمل کرنے سے دنیا میں امن وسلامتی کے تقاضے پورے ہوتے رہیں گے۔انسانی قدروں کا احترام،ایک صحت مند معاشرے کا قیام،سماجی انصاف اور کمزوروں سے محبت اس جیسے اہم اصول ہر مذہب کی بنیاد ہیں۔اس حقیقت کی روشنی میں تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ ہرگز قابل قبول نہیں۔جو سیموئیل ویلنگٹن صاحب نے کلیش آف سولائزیشن کی بات کی ہے،اس کو ہم رد کرتے ہیں۔یہ ہمارے نبی ﷺ کا اعزاز ہے کہ آپ کو رحمت للعالمین یعنی تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔آپ سے پہلے جو نبی اور رسول دنیا میں تشریف لائے ان کا مینڈیٹ محدود تھا۔وہ کسی خاص قوم،علاقے یا مدت کے لئے اللہ تعالی کا پیغام لائے جبکہ ہمارے نبی ﷺ کو آنے والے ہر دور علاقے رنگ ونسل کے لئے دنیا میں رہنمائی کے لئے بھیجا گیا۔انسان پیدائشی طور پر ترقی پسند ہے۔ترقی پسندی سے میری مراد کوئی نظریاتی ترقی پسندی نہیں۔بلکہ یہاں میری مراد انسان کی فطرت سے ہے۔وہ ترقی کرنا چاہتا ہے اور وہ ترقی پسند ہے اپنے ماحول کو بہتر سے بہتر بنانا چاہتا ہے اپنی زندگی کو آسان سے آسان تر بنانا چاہتا ہے۔انسان نے اپنی اسی فطرت کی وجہ سے پتھر کے زمانے سے لے کر آج کے خلائی دور تک کا سفر طے کیا ہے اور ترقی کا یہ سفر قیامت تک جاری رہے گا۔ہمارا اس بات پر بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کے بعد پیغمبروں کا سلسلہ بند کر دیا ہے اور یہ سلسلہ شاید اس لئے بند کیا گیا ہے کہ انسانی ذہن اور شعور اللہ تعالی کے آخری پیغام کو سمجھنے اسے محفوظ رکھنے اور اس کی بنیادی اصولوں کی بنیاد پر آئندہ کے مسائل حل کرنے کے لئے پختہ ہو چکا ہے۔اسلام میں بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ ایڈجسٹ

ہونے کی پوری پوری صلاحیت ہے اسلام کا فلسفہ اجتہاد اور قیاس ہمیں وقت کے ساتھ آہنگ ہونے کے لئے ایک فریم ورک مہیا کرتا ہے اسلام کی یہی لچک اسے ہر دور اور ہر علاقے کے لئے قابل قبول بناتی ہے۔

معزز حاضرین!

آپ جانتے ہیں کہ اسلام کے معنی امن وسلامتی کے ہیں۔ امن وسلامتی کے لئے اعتدال ضروری ہے شدت پسندی سے کبھی امن قائم نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے انسانوں کی سلامتی کو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ساری زندگی اعتدال پسندی کی تبلیغ کی شدت پسندی کو کبھی بھی پسند نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ عبادت کے معاملے میں صحابہ کرام کو اعتدال پر رہنے کا مشورہ دیتے رہے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کی تبلیغ کا کیا طریقہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس جا کر قرآن کریم کی آیات سناتے تھے لوگوں کو دلیل کے ذریعے اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ یہ آپ کا کردار آپ کی تبلیغ کا طریقہ آپ کی نرمی اک اظہار تھا کہ لوگ اسلام قبول کرتے گئے۔ اپنے پیارے نبی ﷺ سے اپنے ماں باپ سے بڑھ کر محبت کرنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے اس محبت کا تقاضا ہے کہ ہم آپ کے ہر عمل کی پیروی کریں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہمارے نبی ﷺ کی سنت سے رہنمائی حاصل کریں۔ دنیا اور آخرت میں کامیابی کا یہی ایک راستہ ہے۔

معزز حاضرین!

ان حقائق کی روشنی میں ایک بات صاف اور واضح نظر آتی ہے کہ ہمیں نہ صرف اپنی بلکہ پوری انسانیت کی بقا ترقی، خوشحالی کے لئے اسلام کے اصولوں پر عمل کرنا ہوگا۔ ان اصولوں پر مبنی ایک ایسا معاشرہ کی بنیاد رکھنی پڑے گی جس کی اساس اعتدال پسندی، روشن خیالی، نرمی اور سماجی انصاف وضع ہو اور اس پر یہ معاشرہ قائم ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نام لیوا ان کی تعلیمات کو اپنائیں۔ اس کی بنیاد پر جنم لینے والا کردار خود بخود ہمیں دنیا میں ممتاز کر دے گا۔ لوگ اسلام اور رتعلیمات میں دلچسپی لیں گے۔ ایک عالمگیر انسانی معاشرے کی راہ ہموار ہوگی، جو ہر مذہب کی روح اور ہمارے نبی ﷺ کا بھی مشن تھا۔ آیئے اس مشن تکمیل کے لئے ہم اپنا اپنا کردار ادا کریں۔

بہت بہت شکریہ

والسلام علیکم

استقبالیہ کلمات محترم محمد اعجاز الحق، وفاقی وزیر مذہبی امور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عالی جناب محترم شوکت عزیز، وزیر اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان

جناب وکیل احمد خان، سیکرٹری وزارت مذہبی امور، زکوۃ وعشر

وفاقی وصوبائی وزراء کرام

سفیران ممالک اسلامیہ

علماء کرام ومشائخ عظام

معزز خواتین حضرات

السلام علیکم ورحمتہ اللہ!

میں محترم وزیر اعظم پاکستان، دیگر معزز خواتین وحضرات کا قومی سیرت النبی کانفرنس 2005 میں شرکت پر دل کی گہرائیوں سے استقبال کرتا ہوں اور جناب وزیر اعظم کا خصوصی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی ملی اور بین الاقوامی گونا گوں مصروفیات میں سے وقت نکال کر آج کی کانفرنس کی اہمیت کو اجاگر کر کے نہ صرف ہمارا مان بڑھایا بلکہ نبی اکرم ﷺ سے اپنی محبت کا ثبوت فراہم کیا۔

یہ دن تمام ایام پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس میں تمام مخلوق کے ہادی رہبر خالق کائنات کی طرف سے بشکل رحمتہ للعلمین تشریف لائے آپ ﷺ کا تشریف لانا تمام خلائق کے لئے بالخصوص امت مسلمہ کیلئے اللہ تعالی کا احسان عظیم ہے۔ تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو سرکار ﷺ کی بعثت سسکتی ہوئی مخلوق اور مرجھاتے ہوئے باغ انسانیت کیلئے ابر بہار کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ آپ ﷺ کی آمد سے پہلے تمام دنیا اپنے اعمال کے باعث جہنم زار بنی ہوئی تھی۔ آپ کی آمد سے ہر طبقہ انسانیت کو نئی زندگی ملی۔ حضور ﷺ کی آمد پر ہم اللہ تعالی کا جتنا بھی شکر ادا کریں، کم ہے۔ کیونکہ اس نے ہمیں اپنی سب سے بڑی نعمت عطا کی، جس کے ذریعے ہمیں ایمان اور ایقان جیسے تحفے ملے اور ہم ایسی راہ پر چلے جو معرفت الٰہی کی طرف لے جاتی ہے۔

معزز حاضرین کرام!

ہم الحمدللہ مسلمان ہیں۔ اللہ کے نام لیوا اور محمد رسول اللہ ﷺ کے پیروکار ہیں۔ ان کی محبت ہمارا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ اس محبت کا حق ادا کرنے کے کچھ تقاضے ہیں۔ حضور ﷺ کی محبت کا سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ ہم گفتار کے

غازی نہ بنیں بلکہ کردار وعمل کے غازی اور سپاہی بنیں۔دیکھئے نبی اکرم ﷺ اپنی لخت جگر، سیدۃ النساء اور خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا کو تین بار عمل، عمل اور عمل کی تلقین فرماتے ہیں اور یہ تعلیم امت کے لئے بھی ہے۔آپ جانتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی پر صحابہ کرام نے خوب خوب عمل کیا اور دنیا میں اسلام اور اہل اسلام کی عظمت کی دھاک، ان کی عملی زندگی نے ہی بٹھائی۔

جناب عالی!

میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ حکومت کی سطح پر قومی سیرت کانفرنس کی ابتدا 1976 میں ہوئی۔اس اہم قومی، ملی، مذہبی، روحانی اور عرفانی اجتماع کے تسلسل کو قائم ودائم رکھنے کی شاندار روایت میرے والد محترم صدر جنرل محمد ضیاالحق شہید نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قائم کی، یہ اب حکومت کی سطح پر قومی لیول کی ایک باقاعدہ تقریب کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔

سیرت کانفرنس کا ایک اور شاندار پہلو ہے جس کا میں تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔یہ سیرت کانفرنس کے ایک حصہ کے طور پر سیرت ونعت کی کتابوں کے مقابلوں کا انعقاد ہے۔اس کے علاوہ خواتین کے لئے سیرت کانفرنسوں کی بھی روایت کا قیام ہے۔درحقیقت سیرت کانفرنس کے حوالے سے مقابلہ کتب سیرت ونعت ایک ایسا کام ہے جس کی ضرورت واہمیت ہر لحاظ اور اعتبار سے ظاہر و باہر ہے۔وزارت مذہبی امور نے پاکستان کی حکومت کی طرف سے فروغ سیرت طیبہ کے ضمن میں اس پر عائد ہونے والے فرض کی ادائیگی کا اہتمام کردیا۔میں وزارت مذہبی امور کو بھی مبارکباد دیتا ہوں کہ اس کے متعلقہ شعبہ کے اہل کاران نے بھی اپنے اس دینی، مذہبی اور سرکاری فریضہ کو اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت ادا کرنے کی مقدور بھر کوشش روا رکھی ہوئی ہے۔

ان محافل سیرت کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ہر سال کانفرنس کیلئے کسی نہ کسی قرآنی آیت کی روشنی میں یا حالات حاضرہ کے تناظر میں، سیرت طیبہ سے شغف رکھنے والے افراد کو لکھنے کی دعوت دی جاتی ہے۔اس طرح سال میں ایک ہی موضوع پر مختلف افکار کا ایک گلدستہ تیار ہو جاتا ہے۔ان میں سے منتخب مقالات کو زیور طباعت سے آراستہ کر کے عام قارئین سیرت کے لئے ملک کی مختلف لائبریریوں، اداروں اور دانشوروں میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔اس سے لوگوں میں سیرت النبی پر لکھنے کا ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے۔یوں چراغ سے چراغ جلتا ہے۔سیرت طیبہ کی روشنی سے نئی راہیں کھلتی ہیں۔نئے نئے زاویوں کو فروغ ملتا ہے۔اس طرح سیرت نگاری کے ان صحت مند مقابلوں کی وجہ سے نہ صرف وطن عزیز میں، بلکہ بیرونی

ممالک میں بھی معروف زبانوں میں سیرت نگاری کا رجحان بڑھا ہے اور قارئین کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

اس سال سیرت کانفرنس کے عنوان:

''عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں''

مقرر کیا گیا۔ اس عنوان پر خواتین و حضرات کے مابین مقابلہ مقالات سیرت بھی منعقد ہوا۔

خواتین و حضرات!

اس موضوع پر اصل روشنی تو صاحبان علم و فکر اجلاس کے مقالات میں ڈالیں گے تاہم میں یہ عرض کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ باہمی اتحاد و اتفاق، اخوت و مساوات اور عدل و احسان کی بنیاد اقدار اور تابندہ روایات کے قیام سے اسلام کی حقیقی، معتدل اور روشن خیال روایات کو زندہ کرنے کی ضرورت سے انکار خود کو موت کے منہ میں دھکیلنے کا مترادف ہے۔ یاد رہے کہ یہی روایات و اقدار وہ سرمایہ تھا جس کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے معاشرے کی فکری بنیادیں قائم کیں اور انتہائی مایوس کن حالات اور بہت ناساز گار فضا میں یکہ و تنہا اٹھے اور ایک سوچے سمجھے منصوبے، ایک نقشہ فکر و عمل، ایک متعین رہنمائی اور ایک ہمہ گیر اصلاح کے روشن و تابندہ پروگرام کو لے کر آگے بڑھے اور دنیا کو ایک نئے نظام، نئے معاشرے، نئے فہم و شعور اور نئے فکر و نظر سے آگاہ کیا اور اس کا نام اسلام رکھا جو ایک ایسا دین ہے جو انسانی زندگی کی تمام مساعی اور فکر و عمل کے تمام شعبوں کو ایک ایسی وحدت بنا دیتا ہے جس کے افراد میں ایک مقصد ہم آہنگی اور ایک ارادی ربط پایا جاتا ہے۔ جو اعتدال پسندی کا خوشہ چین ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ماننے والوں کو امت وسط کے لقب سے نوازا ہے۔ جو وقت کے دھاروں میں سمٹ کر نہیں رہ جاتا بلکہ اپنی روشن تعلیمات سے انسانی معاشرتی مسائل کا خوب سے خوب تر حل پیش کرتا ہے۔ اسی لئے تو اسے دین فطرت کہا گیا ہے کہ یہ انسانی طبائع سے قریب ترنہج پر استوار ہے۔ اس میں آسانی کی تعلیم دی گئی ہے اور دشواری اور تنگی سے منع کیا گیا ہے۔

آج انسان نے اپنی ذہانت اور انتھک محنت سے ماہ و انجم کو تسخیر کر لیا ہے مگر اس کی یہ مادی ترقی غارتگر امن و سکون بن چکی ہے۔ چار سو آگ ہے، دھوئیں کے بادل ہیں اور جنگ کے شعلے ہیں اور اولاد ابراہیم کو انہیں سرد کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کے پاس حقوق انسانی کے تحفظ کے چارٹرز بھی موجود ہیں، اصلاحی پروگراموں کی بھی کمی نہیں اور تعمیر و ترقی کی منصوبہ بندی بھی ہو رہی ہے۔ ان حالات میں امت مسلمہ کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ ایسے میں ہماری کیا حکمت عملی ہونی چاہیے؟ عالم انسانی کو امن و آشتی کا گہوارہ بنانے کیلئے ہم کیا اور کیسے مدد کر سکتے ہیں؟ یہ وہ سوال

ہیں جن کا جواب ہمیں ہی دینا ہے۔

ہم نے اپنے عمل اور قول سے دنیا پر ثابت کرنا ہے کہ ہم امن پسند قوم ہیں۔ ہم امن کی کوششوں کے لئے، اسوۂ رسول پاک ﷺ کی روشنی میں، کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہیں۔ اس لئے کہ ہمارا دین اسلام ہے یعنی سلامتی اور امن، ہمارا ایمان ہے۔ ایمان وسلامتی ہی اللہ کو پسند ہے۔ اس کے رسول اور ہمارے محبوب ﷺ کو پسند ہے۔ امن قرآن کا نعرہ ہے اور اسلام کا مقصود و منزل ہے۔

اسلام ایک روشن خیال اور معتدل مذہب ہے۔ اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کا عمل بھی گواہ ہے۔ تنگی اور بے جا سختی اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کا طریق کار ملاحظہ فرمایا جائے تو ایک نہایت دل چسپ نکتہ سامنے آتا ہے۔ سیرت کی کتابوں میں منقول ہے کہ ایک دفعہ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے طائف کا سفر فرمایا۔ راستے میں ایک تنگ مقام آیا۔ آپؐ نے پوچھا کہ اس راستہ کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس کا نام (ضیق) یعنی تنگ راستہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تنگ نہیں ہے بلکہ یہ آسان ہے۔ مذکورہ راستہ حقیقتاً تنگ تھا مگر آپؐ نے اسے آسان قرار دیا۔ اس طرح آپ نے تعلیم دی کہ زندگی ایک امتحان ہے۔ یہاں تنگی اور دشواری ضرور پیش آئے گی۔ تمہارا یہ کام نہیں کہ دشواری کو دشواری کہہ کر خود کو بے حوصلہ کرلو۔ بلکہ تمہارا کام یہ ہو کہ تم تنگی کو کشادگی میں تبدیل یعنی (convert) کرلو۔ تم جنگ کے میدان میں نکل کر امن کے میدان میں پڑاؤ ڈالو۔ فریق آخر کی طرف سے ہر تخریب پر مشتعل ہونے کی بجائے صبر، حوصلہ، درگزر اور برداشت سے کام لے کر ہر مشکل کو آسان بناؤ۔ یونہی حکمت و تدبر اور بردباری سے بڑی سے بڑی مشکل پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا یہ وہ زرین اور سنہری اصول ہے جس پر عمل کرنے سے ہمارا معاشرہ ہی نہیں بلکہ عالمی معاشرہ بھی امن وسکون کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

محترم وزیر اعظم صاحب!

میں آپ کی اجازت سے، سیرت نگاری کے مقابلوں کے انعقاد کے طریق کار کے بارے میں نہایت اختصار سے محترم سامعین وناظرین کو آگاہ کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہوں۔

وزارت ہر سال عید میلاد النبی ﷺ کی تقریبات سے کافی عرصہ پیشتر قومی، پاکستانی علاقائی اور بین الاقوامی زبانوں میں کتب سیرت ونعت کے مقابلے، اسلامی موضوعات پر مقابلہ کتب خواتین اور سیرت ونعت پر خصوصی شمارے شائع کرنے والے رسائل ومجلات کے مقابلوں کے انعقاد کے اعلان کے ساتھ ساتھ کسی مخصوص عنوان پر مرد حضرات اور خواتین کے لئے

کبھی کبھی ایک ہی اور بسا اوقات علیحدہ علیحدہ مقابلہ مقالات سیرت کے انعقاد کا اعلان ملک بھر کے اخبارات کے ذریعے کرتی ہے۔ موصول ہونے والی تمام ENTRIES کا وزارت میں ابتدائی طور پر مشتہر کردہ شرائط کی روشنی میں تکنیکی اور فنی جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس مرحلے میں منتخب ہونے والی ہر کتاب کو کم از کم تین ماہرین پر مشتمل JUDGES کمیٹی کو تفصیلی جانچ پڑتال کے لئے ارسال کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں ان ماہرین کی رپورٹوں اور آرا کو ایک دوسری اعلیٰ کمیٹی، اپیکس کمیٹی، کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ جو ہر کتاب کا، اس کے بارے میں منصفین (Committees Judges) کی کمیٹی کی طرف سے موصول شدہ رپورٹس کی روشنی میں جانچ پرکھ کے بعد، حسب حال انعام کا مستحق قرار پانے یا نہ پانے کا فیصلہ کرتی ہے۔ انعامات کے فیصلے کے عمل کے بارے میں وزارت کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے انعامات کا حتمی فیصلہ اپیکس کمیٹی کے معزز اراکین ہی کرتے ہیں۔ بہر حال حسب روایت اس سال بھی مقابلے منعقد ہوئے۔ اس ضمن میں وزارت کو کل 55 کتب سیرت ونعت اور 84 مقالات سیرت موصول مقابلے منعقد ہوئے۔ ان میں سے ابتدائی جائزہ کے بعد منتخب ہونے والی 51 کتب اور جملہ مقالات سیرت کو منصفین کی کمیٹیوں کو جانچ پڑتال کے لئے بھیجا گیا۔ اپیکس کمیٹی (Apex Committee) کے فیصلے کے مطابق اس سال کے مقابلوں میں 13 کتابیں اور 20 مقالات سیرت انعامات کے مستحق ٹھہرے، جن کو جناب وزیر اعظم اپنے دست مبارک سے انعامات عطا فرمائیں گے۔

دانشور، علماء کرام اور ماہرین اس اجلاس کے بعد مقالات سیرت کے اجلاس میں کانفرنس کے موضوع پر اظہار خیال فرمائیں گے۔ حسب روایت اس سال موصول ہونے والے معیاری مقالات سیرت کو کتابی شکل میں طبع کرا کر مفت تقسیم بھی کیا جائے گا۔

انہی الفاظ کے ساتھ میں ایک بار پھر محترم وزیر اعظم کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ اس سال مقابلہ کتب سیرت ونعت اور مقالات سیرت میں خوش نصیب انعام یافتگان خواتین وحضرات کو اپنے دست مبارک سے انعامات سے نوازیں اور ازاں بعد اپنے افتتاحی خطاب سے قومی سیرت کانفرنس کا افتتاح فرمائیں۔

شکریہ

پاکستان پائندہ باد

کلیدی خطاب

قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس 2005ء

ڈاکٹر محمد خالد مسعود (صدر نشین اسلامی نظریاتی کونسل، پاکستان)

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن االرحیم

یاایھا النبی ان ارسلنک شاھداً ومبشراًونذیراً وداع الی اللہ باذنہ وسراجاًومنیراً.

مبشراللمومنین بان لھم من اللہ فضلاًکبیراًولاالکافرین والمنافقین فتو کل علی اللہ وکفی بل للہ وکیلاً

صدق اللہ العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم

گرامی قدر جناب محمد اعجاز الحق صاحب،

علماء کرام، مشائخ عظام،

خواتین وحضرات!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

سب سے پہلے تو میں منتظمین کانفرنس کا شکر گزار ہوں کہ سیرت النبی کی اس تقریب میں شرکت کی سعادت کا موقع بخشا۔ اہل علم کی اس محفل میں حاضر ہوں لیکن اپنی بے بظاعتی کا احساس بھی ہے کوئی بڑا بول، بول جاؤں تو حاضرین مجلس سے درخواست ہے کہ سیرت طیبہ سے والہانہ عقیدت کی دیوانگی سمجھ کر درگزر فرمائیں۔

سیرت النبی کی یہ کانفرنس ایک روشن خیال، اعتدال پسند، اسلامی معاشرے کی تشکیل اور ضرورت کے موضوع پر دعوت فکر کے لئے منعقد کی جارہی ہے۔ جو عصر حاضر کا تقاضا بھی ہے اور سیرت طیبہ کا مطلوب بھی۔ ملک میں ایک عرصے سے اس موضوع پر بہت وسیع پیمانے پر گفتگو ہورہی ہے۔ اس کے حق میں بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے اور اس کی مخالفت میں بھی۔

اعتدال پسندی اور میانہ روی پر تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ اسلامی تہذیب کی ایک مسلمہ قدر ہے۔ البتہ روشن خیال کی ترکیب پر بعض حلقوں کی طرف سے تحفظات کا اظہار کیا جارہا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ مغربی اور یورپی قدر ہے اور عالمی دباؤ کے تحت اسے اسلامیانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جدید اصطلاحات کے بارے میں جب اسلام کے

حوالے سے بات ہو تو احتیاط لازم ہے کیونکہ یہ یورپ کے مخصوص تاریخی ثقافتی اور مذہبی پس منظر میں وجود میں آئی ہے۔ جن تحریکوں نے تصورات اور اصلاحات کو جنم دیا، وہ اکثر دین بیزار تھیں۔ چنانچہ یہ کہا جا رہا ہے کہ ان تصورات اور اصلاحات کے ذریعے مسلمانوں کو دین سے دور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ان خدشات کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ لازماً سنجیدہ غور و فکر اور تجزیہ کی متقاضی ہیں

ان تصورات کی وضاحت کی ضرورت ہے۔ اس تحقیق کی بھی ضرورت ہے کہ روشن خیالی کیا ہے؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ یہ دین بیزار تحریک کیسے بنی اور وہ کون سی باتیں ہیں جن سے اسے دین بیزار بننے سے روکا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ ہماری روشن خیالی کی مخالفت سے مغربی تہذیب کو تو کوئی دھچکہ نہیں پہنچے گا۔ لیکن ایک طرح سے اس مغربی پروپیگنڈے کو تقویت ہی ملے گی کہ اسلام روشنی کا ساتھ نہیں دیتا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے لئے موقع ہے کہ وہ دنیا کو اس بات کی گواہی دے سکیں کہ دین پر قائم رہتے ہوئے عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکتا ہے اور سیرت طیبہ کی روشنی میں ایک روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے اور یہ کہ ہم یورپ کی دین بیزاری کو بھی ایک متبادل فکر دے سکتے ہیں۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہم نہ صرف دنیا سے کٹ جائیں گے بلکہ ہمارا یہ فیصلہ اس بات کی توثیق کر دے گا کہ یورپ کی غیر دینی روشن خیالی کے سوا اور کوئی صورت ممکن نہیں۔ وقت تفصیلی گفتگو کی اجازت نہیں دیتا۔

مختصر یہ عرض کروں گا کہ روشن خیالی انگریزی کی اصطلاح Enlightenment ان لائٹمنٹ'' کا ترجمہ ہے۔ فرانسیسی میں اس کے لئے'' سی ایقل ڈولومی ایف'' جرمنی میں ''م آف کلورنگ'' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ یہ سترھویں صدی کی ایک یورپی تحریک کا نام ہے۔ اس میں جوش کے بجائے ہوش اور جذبات کے بجائے، عقل اور تجرباتی استدلال پر زور دیا۔ قانون کی بالادستی اور قوانین فطرت کے مطالعے کی دعوت دی۔ عظمت انسانی کا سبق دیا۔ فرد کی اہمیت اور جمہوریہ کی حکومت کا تصور دیا۔ دین میں شخصی اقتدار کی جگہ، مقدس صحیفوں کی حجیت پر زور دیا۔ بدعات کی تردید کی اور کلیسا کے اقتدار کے خاتمے کے لئے اصلاح مذہب کی دعوت دی۔ اس تحریک کا بنیادی پیغام کلیسا کی غلامی سے آزادی اور عقل انسانی پر بھروسہ تھا۔ غور فرمائیں تو اس تحریک کی اکثر باتوں سے آپ اتفاق کریں گے کیونکہ اسلام بھی، ایسے ہی فکری انقلاب کی دعوت دیتا ہے۔ علماء کرام، صوفیائے عظام اور مفکرین اسلام انہی اصولوں کی تعلیم دیتے آئے ہیں۔ فرق یہ ہے جو یقیناً بہت بڑا فرق ہے کہ روشن خیالی کی یہ یورپی تحریک دین سے بیزار تھی اور اس کی وجہ وہ مخصوص تاریخی پس منظر تھا، جس میں کلیسا نے اسے دین سے بیزار کر دیا۔ اسلام میں ایسی فکری تحریکیں، دینی تحریکوں کی شکل میں ابھریں اور انہوں انتہا پسندی، غلو فی الدین اور آباء پرستی کی روش اپناتی ہے اور عصری تقاضوں کو نظر انداز کر کے روایت پسندی میں عافیت تلاش کرتی ہے تو دین سے بیزاری کی

راہیں کھلتی ہیں۔

یورپی روشن خیالی میں دین بیزاری سرایت کرنے کی وجوہات بھی کچھ ایسی ہی تھیں۔اس عہد میں کلیسا کی قوت واقتدار پر نظر ڈالیں تو اس تحریک سے ہمدردی ہوتی ہے۔کلیسا کی ساری دینی، قوت سیاسی جوڑتوڑ پر صرف ہوتی تھی کلیسا خدا کا نمائندہ ہی نہیں، خود خدا کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔مذہبی پیشوا گناہ معاف کر سکتے تھے۔معافی نامے فروخت کرتے تھے۔دین کی جو چاہے تعبیر کرتے تھے۔عبادات اور دینی واجبات میں تبدیلی کرتے تھے۔جس کو چاہیں جنت دیں اور جس کو چاہیں دوزخ میں ڈالتے تھے۔تعلیم پر کلیسا کا قبضہ تھا تو معیشت پر ان کی حکمرانی تھی۔کوئی سوچے تو ان کی اجازت سے اور سانس لے تو ان کی اجازت سے۔فطری بات ہے کہ اس میں جتنی فکری تحریکیں ابھریں کلیسا نے ان کی مخالفت کی۔اس کا منطقی نتیجہ تھا کہ یہ تحریکیں بتدریج بغاوتی تحریکیں بنتی گئیں۔روایت سے بغاوت، کلیسا سے بغاوت، دینی اقدار سے بغاوت اور بالا خر دین سے بیزاری۔

اسلامی تاریخ میں بھی ایسی بہت سی روشن خیال تحریکیں وجود میں آئیں لیکن ان میں سے کسی نے بھی دین بیزاری کی راہ اختیار نہیں کی۔معتزلہ کی عقل پسندی کی تحریک ہو یا زہد کی صوفیانہ تحریک، فلسفہ کی مابعد الطبعیاتی طرز فکر ہو یا اخوان صفا کی باطنی سوچ، ارباب طریقت کی اصحاب شریعت پر کڑی تنقید ہو یا سلفیہ کی مذاہب فکر اور تقلید پر رد وقدح۔آج کی جدیدیت کی تحریک ہو یا مسلم ترقی پسند فکر، کسی سوچ کے دھارے میں دین سے بیزاری نہیں پائی جاتی۔حتیٰ کہ مخالفین اور معاندین نے ان پر گمراہی اور کفر کے فتوے تک لگائے۔لیکن ان میں سے کسی نے بھی دین سے بیزاری کا اعلان نہیں کیا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام کا فکری دامن بہت وسیع ہے اور عصری تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اسلام سے باہر نہیں جانا پڑتا۔آج بھی عصری تقاضوں سے نبرد آزمائی میں، جہاں دوسرے ادیان مضمحل اور سراسیمہ نظر آتے ہیں، اسلام اسی طرح تازہ دم ہے جیسے آج سے صدیوں پہلے تھا۔

آج کا مسئلہ یہ ہے کہ مغرب نے اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کا جو انداز اختیار کیا ہے مسلمان اس کے بری طرح فریب میں آگئے ہیں۔مغرب کا کہنا ہے کہ روشنی پہلے یورپ میں آئی اور وہ بھی سترھویں صدی میں۔اس سے پہلے یورپ سمیت ساری دنیا اندھیرے میں تھی۔آج بھی ان کے بقول مغرب کے سوا ساری دنیا خصوصاً عالم اسلام اندھیرے میں ہے۔مغرب کا یہ دعویٰ تاریخ عالم کی تکذیب بھی ہے اور متکبرانہ ناسپاسی بھی۔

ایک تو مغرب ان تمام دوسری تہذیبوں کے احسانات سے انکار کر رہا ہے جو صدیوں پر محیط اس انسانی تہذیبی سفر میں شامل رہے۔یورپ نے یہ ترقی تن تنہا حاصل نہیں کی۔اس میں مصر، یونان، ہندو اور اسلام نے بھی برابر حصہ

لیا ہے۔ مسلمانوں نے کبھی یہ احسان فراموشی نہیں کی۔ وہ یونان اور ہند کے علوم سے استفادے کا ذکر کرنے میں کبھی شرم محسوس نہیں کرتا۔ دوسرے مغرب تاریخ کو یوں بھی جھٹلاتا رہا ہے کہ یورپ سے صدیوں پہلے روشن خیالی کی یہ لہر نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کی دعوت سے وجود میں آئی تھی۔ جب آپ نے جاہلیت کے خاتمے کا اعلان کیا۔

اسلام نے جاہلیت اور جہالت میں فرق قائم کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ جاہلیت نہ تو لاعلمی کا نام ہے او نہ ہی قبل اسلام زمانے کا نام ہے۔ یہ ایک مخصوص جاہلی رویے کا نام ہے جو جھوٹے غرور، قبائلی فخر ومباہات، اندھے جوش جذبے، انتقام، تعصب، شدت پسندی اور انتہا پرستی کے یکجا ہونے سے مرتب ہوتا ہے۔ یہ رویہ طاقت اور مردانگی کی پرستش کا رویہ ہے جو صبر، برداشت، تحمل اور بردباری کو کمزوری گردانتا ہے جو عقل کی جگہ جنون کا قائل ہے وہ مکالمہ کی جگہ انتقام کا نعرہ لگاتا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے مکی زندگی کے 13 سال صحابہ کو صبر و تحمل کی تربیت میں گزارے اور جب مدینہ میں جہاد کا حکم آیا تو وہاں بھی یہ مطالبہ تھا کہ دشمنی میں عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ جہاد اعلائے کلمۃ الحق کے لئے ہے۔ انتقام کے لئے نہیں ۔توحید کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ دوسروں کے خداؤں کو برا بھلا کہو۔ یہود و انصاریٰ اہل کتاب ہیں۔ قابل احترام ہیں۔ آپ ﷺ نے انسان کی تکریم کا سبق دیا۔ کسی کو رنگ، نسل، زبان، مال اور دولت یا مذہب کی بنیاد پر فضیلت نہیں۔ وجہ فضیلت صرف تقویٰ ہے۔ نیک اعمال ہیں۔ عدل ہے کیونکہ یہی تقویٰ کے راستے ہیں۔

سیرت طیبہ نے انسانوں کو اندھیروں سے نکال روشنی کی راہ دکھائی۔ نور یعنی روشنی اللہ کا نام بھی ہے۔ نبی کے ذریعے دین کی تکمیل بھی ہوئی اور نبوت کا سلسلہ بھی اپنے اختتام کو پہنچا۔ اللہ نے اپنے آخری نبی اور آخری کتاب کے ساتھ اپنی حجت کو تمام کر دیا۔ اب غیی الگ اور رشد الگ، نیکی اور بدی دونوں واضح کر دیئے گئے۔ اب کسی نبی کی ضرورت نہیں، نہ ظلی کی نہ بروزی کی۔

دوسرے مذاہب میں پنڈت، پادری وغیرہ خدا کے نائب بن کر مذہبی اقتدار کے دعویدار بنتے ہیں۔ یورپ میں روشن خیالی کی تحریک نے تو سترھویں صدی میں کلیسا کے اس مذہبی اقتدار کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ قرآن کریم نے چھٹی صدی میں اعلان کیا کہ پیشوائی ان لوگوں کی اپنی اختراع ہے۔ انہوں نے احبار اور رہبان کو خدا کا درجہ دے دیا ہے۔ نبی کریم نے روشنی کی جانب دعوت دی تو قریش سخت مزاحمت کرتے چونکہ ان کی سیاسی اور اقتصادی قوت کا دارومدار ان کے دینی اقتدار پر تھا۔ کعبہ کی تولیت ان کے پاس تھی۔ حج جیسے مناسک کا تعین وہ کرتے تھے۔ قربانیوں کا اہتمام وہ کرتے۔ حج کے مہینوں میں جنگ وجدل اور لوٹ مار حرام تھی، اس لئے کہ دور دراز سے لوگ امن وسلامتی کے ساتھ حج کے لئے مکہ مکرمہ

آسکیں۔ سال میں کتنے مہینے ہوں گے اور کون سے مہینے حرمت کے ہوں گے، اس کا حساب کتاب بھی قریش نے اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ ہر سال حج کے موقع پر قریش کا دینی پیشوا بڑے اہتمام سے اعلان کرتا تھا کہ اگلا سال 12 مہینوں کا ہوگا یا 13 کا۔ نبی اکرم ﷺ نے دینی اقتدار کی ان رسوم پر ضرب کاری لگاتے ہوئے اعلان کیا کہ مہینوں کے آغاز اور تعین کے لئے کسی پیشہ ور کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص خود چاند دیکھ کر مہینوں کا حساب لگا سکتا ہے۔ مہینوں کی تعداد 12 مقرر کردی گئی۔ ان میں بیشی کو کفر بتا کر قریش کے دینی پیشوا کے عہدے کا خاتمہ کردیا گیا۔ قریش کا سارا سود کا کاروبار اسی کمی بیشی پر چلتا تھا۔ قرآن کریم نے اس کمی بیشی کو منع کیا اور سود کو بھی حرام قرار دیا۔ مکہ میں دینی اقتدار اور جاہلیت کا خاتمہ کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینے تشریف لائے تو یہاں یہود نے دینی اقتدار قائم کیا ہوا تھا۔ جس طرح مکے میں قریش سیرت طیبہ کی روشنی کی تحریک کو اپنے دینی اقتدار کے لئے خطرہ سمجھتے تھے اور جی جان سے اس تحریک کے مخالف رہے، بالکل اسی طرح مدینے کے یہود اور منافقین روشنی کی اس تحریک کی جان توڑ مخالفت کرتے رہے کیونکہ اسلام کے آنے سے ان کا دینی اقتدار ختم ہوتا تھا۔

آج کی گفتگو کے آغاز میں، میں نے سورۃ الاحزاب سے جو آیات پیش کیں ہیں ان میں یہود و منافقین کی اسی مخالفت کا ذکر ہے۔ غزوہ احزاب یہود و منافقین کی اسلام کے خلاف آخری سازش تھی۔ بدر کی فتح کے ساتھ اسلام دشمن طاقتوں کے حوصلے پست ہوگئے تھے لیکن غزوہ احد میں جب چند مسلمان تیراندازوں نے ہدایات نبوی کو نظرانداز کر کے مسلمانوں کی طاقت کو کمزور کردیا تو مدینے کے یہود اور منافقین کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے قریش اور دوسرے عرب قبائل کو مدینے پر حملے کی دعوت دی۔ یہ حملہ اتنا بڑا اور شدید تھا کہ بہت سے مسلمان حوصلہ ہار گئے۔ قرآن کریم کے الفاظ میں جب اوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے، جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آگئے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ غور کیجئے تو آج بھی ہم ایسے ہی دور سے گزر رہے ہیں۔ عالم اسلام دشمنوں کے نرغے میں ہے۔ ایسے میں حوصلہ ہارنے کے بجائے ضروری کہ ہم اپنے منصب اور مقصد کو یاد کریں۔ ان آیات میں انہی حالات و واقعات کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو ان کی بعثت کا مقصد یاد دلائے ہوئے یہود و منافقین کی تنقید کی پرواہ نہ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے! اے نبی ہم نے تمھیں گواہ بنا کر بھیجا ہے۔ خوشخبری سنانے والا اور عذاب سے ڈرانے والا۔ تو اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہے جو اللہ کی طرف بلاتا ہے، تو روشنی پہنچانے والا چراغ ہے جو ایمان لے آئے ہیں تو انہیں خوشخبری سنا دے کہ اللہ نے انہیں بڑے خاص فضل سے نوازا ہے اور جو ناشکرے، کافر اور منافق ہیں ان کی پرواہ نہ کر۔ ان کی تکلیف وہ باتوں کی طرف دھیان نہ دے۔ اللہ پر بھروسہ رکھ کہ اللہ کے سوا کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔ ان آیات میں سیرت طیبہ کے پانچ خصائص بیان ہوئے ہیں۔ شاہد، مبشر، نذیر، داعی اور سراج منیر یعنی روشن چراغ۔ شاہد یعنی گواہ کا

عدل اور اعتدال سے تعلق اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ قرآن میں امت محمدیہ کو بھی گواہ کی صفات کے ساتھ یاد کیا ہے تو فرمایا! ہم نے تمہیں امت وسط بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہی دے سکو۔ وسط یعنی میانہ روی وہ صفت ہے کو گواہ بننے کی اہلیت عطا کرتی ہے۔ امت مسلمہ کو اقوام عالم کی گواہی کا منصب سونپا گیا ہے تا کہ وہ سیرت طیبہ کی روشنی کو چاردانگِ عالم میں پھیلا سکیں۔ ہم اگر مغرب کی باتوں میں آ کر یہ یقین کر بیٹھے کہ روشن خیالی مغربی قدر ہے تو اقوام عالم کی گواہی کا منصب ہم مغرب کو سونپ دیں گے۔ پھر دنیا میں اگر سیرت طیبہ کی روشنی کی بجائے یورپ کی دین بیزار روشن خیالی کو فروغ ہوا تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی۔ آیئے دعا کریں۔

اے اللہ! تو نے ہمیں اقوام عالم پر گواہی کا جو منصب عطا کیا ہے ہمیں توفیق دے کہ پورے عزم و یقین کے ساتھ اس ذمہ داری کو نبھا سکیں۔ اے اللہ! ہمیں صبر اور برداشت کا حوصلہ دے۔ ہمیں ثابت قدمی کی نعمت سے سرفراز فرما۔ اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن کو تو نے اپنے انعامات سے نوازا۔ ان لوگوں کے راستے سے دور رکھ جنھوں نے تیرے غضب کو آواز دی۔ ان لوگوں کے راستے سے بھی بچا کے رکھ جو بھٹک کر منزل سے دور ہو گئے۔ اے اللہ! تو نے ہمیں ہدایت کی راہ دکھائی ہے تو ہمارے دلوں کو کجی سے محفوظ رکھ۔ آمین۔

اظہار تشکر

جناب وکیل احمد خاں

سیکرٹری وزارت مذہبی امور، زکوۃ وعشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب اعجاز الحق صاحب، وفاقی وزیر مذہبی امور زکوۃ وعشر،

ڈاکٹر خالد مسعود صاحب، چیئرمین اسلامک آئیڈیالوجی کونسل،

معزز علماء کرام، مشائخ عظام،

خواتین وحضرات!

میں وزارت مذہبی امور اور حکومت پاکستان کی طرف سے آپ تمام حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ نے دور دراز علاقوں سے تشریف لا کر قومی سیرت کانفرنس میں شرکت فرمائی۔ آپ کی شمولیت دراصل اس چیز کا اظہار ہے کہ ہم سب اس فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی امت میں سے ہیں اور آپ ﷺ کی ذات گرامی سے جو ہمیں ایک نسبت ہے، اس عمل سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم نے جن کو دعوت نامہ دیا وہ تمام خواتین وحضرات تشریف لائے ہیں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس میں شرکت کی سعادت کو قبول فرمائے (آمین)۔

میں تہہ دل سے آپ تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بہت بہت مہربانی۔

تقاریر

حکیم سید محمود احمد سرو سہارنپوری

راولپنڈی

الحمد لله رب العلمين

الصلوة والسلام على سيد المرسلين وخاتم الانبياء وعلى اله واصحابه اجمعين.

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

وكذلك جعلنا كم امته وسطاً لتكون شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيداً

صدق الله العظيم

صاحب صدر،

معزز علماء کرام،

مشائخ عظام،

میرے بھائیو اور میری بہنو!

ہم اللہ تعالیٰ کا اس بات پر شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اپنے نبی پاک ﷺ کی سیرت طیبہ پر اس کانفرنس کے انعقاد کا موقع بھی مہیا کیا اور یہاں حاضری کی سعادت بھی بخشی۔ یہ ہمارے لئے بڑا اعزاز ہے۔ چاہے کوئی چھوٹا ہے یا بڑا، وہ اپنا دامن اور اپنی جھولی جو خالی ہے لے کر آیا ہے اور ان شاء اللہ، اللہ کی رحمتوں سے بھر کر واپس ہوگا۔

جس عنوان پر اس مختصر سے وقت میں میں نے گفتگو کرنی ہے۔ پہلی بات تو عصر حاضر کے تقاضے ہیں۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ عصر حاضر کا کوئی تقاضا ایسا نہیں ہے جو کل تھا اور آج نہیں ہے یا آج ہے اور کل نہیں تھا۔ یہ عصر حاضر کا تقاضا اس وقت بھی موجود تھا، جب محمد رسول ﷺ پتھر کے بتوں کو ہٹا کے ایک اللہ کی بندگی کی طرف بلا رہے تھے اور اس وقت بھی مخالفین یہی کہتے تھے کہ تم تنہا ہو تمھارے ساتھ چند لونڈی، غلاموں کے علاوہ کوئی طاقت نہیں ہے۔ سب سے کیسے لڑو گے؟ اس کے چچا کے پاس وفد گئے کہ اپنے بھتیجے کو سمجھا لو کہ یہ کس کس سے لڑے گا۔ یہ جو کچھ مانگتا ہے ہم اسے دینے کے لئے تیار ہیں۔ دولت لے لے، عہدہ لے لے، اختیار لے لے، بادشاہت لے لے، سرداری لے لے، کسی عورت پر انگلی رکھے وہ دے دیں گے۔ تو آپ نے جواب دیا تھا کہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دو تو میں اپنی دعوت سے ہٹنے والا نہیں ہوں اور

میری دعوت تو ہے ہی روشنی۔ میری دعوت تو ہے ہی اعتدال:۔

اس ساری غیر اعتدال دنیا میں، یہاں لوگ اللہ کو تو پہچانتے تھے لیکن انسان کو نہیں پہچانتے تھے۔ اگر وہ اللہ کو نہ پہچانتے تو مشرکین مکہ کے گھروں میں ان کی عبادت گاہ کا نام بیت اللہ نہ ہوتا۔ کوئی بیت ہبل ہوتا، بیت لات، کوئی بیت منات۔ وہ اللہ کے نام کا کھاتے تھے، لیکن شیطان کے نام کا گاتے تھے، ان کے پاس جو کچھ تھا، وہ خدا کے اس گھر کی پیشوائی کی بنیاد پر پہنچ کر رہا تھا اور وہ جو کچھ مانگتے تھے وہ اللہ کے نام پر مانگتے تھے، تو اللہ سے آشنا تھے، آدمی سے آشنا نہیں تھے۔ چاہے رومی ہو یا یونانی، مصری ہو یا ہندی ہو، دنیا کی وہ ساری تہذیبیں اس وقت بھی موجود تھیں۔ جو برسر اقتدار تہذیبیں تھی جس طرح آج بقول ڈاکٹر خالد مسعود صاحب کے موجودہ تہذیب اور جو سترھویں صدی عیسوی سے روشنی کی بات چلی ہے وہ بے خدا تحریک ہے، وہ ملحدانہ تحریک ہے۔ اس میں انسان کی جاہلیت کو، اس میں انسان کی لذت گوشی کو، اس کی نفس پرستی کو اور ان سفید چمڑی والے لوگوں کے مفاد کو اعتدال سمجھا جاتا ہے اور اس کے علاوہ کسی اور اعتدال کے قائل نہیں ہیں۔

آپ آج ہی کی اس دنیا میں 24 گھنٹے کا اگر ریکارڈ دیکھیں گے تو آپ کو نظر آئے گا کہ پسماندہ اقوام کے لئے ان کے پاس اعتدال اور انصاف کے قانون اور قاعدے کچھ اور ہیں اور گوری چمڑی والوں کے لئے ان کے اپنے قاعدے کچھ اور ہیں۔ وہ ہمارے جس چاہے خارجہ کمیٹی کے رکن کو روکے۔ اس کے ہاں حق وقیادت سلب کرنے کو بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں سمجھتے۔ یہ میں آج کی بات کر رہا ہوں وہ کسی نن کے سر پر اسکارف اوڑھنے کو بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں سمجھتے ہیں اور برہنگی کا حق جو ہے وہ ایک خاتون کو دیتے ہیں کہ وہ بالکل برہنہ ہو جائے۔ اگر اس کا برہنہ ہونا اعتدال پسندی ہے تو میری بیٹی کا ستر لباس میں ہونا بھی اعتدال پسندی ہے۔

ان کے ہاں روشنی کا جو مطلب ہے وہ نہیں ہے جو بظاہر لغت میں نظر آ رہا ہے۔ نہ ان کے ہاں اعتدال کا مطلب وہ ہے جو بظاہر نظر آ رہا ہے۔ اور ہم جس دین کو ماننے والے ہیں محترم ڈاکٹر خالد مسعود نے اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ یہ امت تو گواہ امت ہے۔ ساری دنیا کے سامنے اس بات کی گواہی دینے کے لئے کہ اللہ نے جو نظام قرآن کی صورت میں عطا کیا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ جس کا عملی نمونہ ہیں، وہ ساری کی ساری قابل عمل ہے۔ کل بھی قابل عمل تھی آج بھی قابل عمل ہے۔

میرے لئے محمد رسول ﷺ گواہ ہیں اس بات کے کہ جب اللہ کی عدالت انصاف میں بات پیش ہو اور کوئی یہ کہے یا میں یہ کہوں کہ یہ تو میری خود قوت برداشت کے باہر تھا۔ تو وہ میرا نمونہ عمل جو ہے محمد رسول اللہ ﷺ وہ کہے کہ میں اللہ کی طرف سے نمونہ بنا کر بھیجا گیا تھا۔ تمہیں پانچ نمازوں کا حکم دے کے آیا خود چھ نمازیں پڑھ کے آیا۔ میری تہجد قضا نہیں ہوئی۔ تمہیں

76507

تیس روزوں کا حکم دے کے آیا، میں نے سال میں ایک سوتیئس روزے رکھے اور تمہیں حج پر ایک قربانی کا حکم دے کے آیا، میں نے اپنے آخری حج میں تریسٹھ قربانیاں کیں۔ تمہیں ڈھائی فیصد زکواۃ کا حکم دے کے آیا اور میں اس قاعدے پر عمل کر کے آیا کہ میری چھت کے نیچے، دولت نے کبھی رات گزاری ہی نہیں۔ میری بیٹی کا یہ فتویٰ سن لو کہ جب فاطمہ بنت محمد ﷺ سے پوچھا گیا کہ زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے؟ پوچھا تیرے لئے بتاؤں کہ اپنے لئے؟ اس نے کہا! کیا دو نصاب ہیں؟ کہا! ہاں۔ تیرے لئے یہ ہے کہ ڈھائی فیصد دے دے، چالیسواں حصہ۔ اور میرے لئے یہ ہے کہ سو فیصد دے دوں۔

ہم تو اس روشن خیال نظام کو مانتے ہیں جس میں قیادت کا معیار وہ ہے کہ مفاد ہمارا کم ہے اور کام ہمارا زیادہ ہے۔ اور عوام کا نظام یہ ہے کہ کام تمہارا کم ہے اور مفاد تمہارا زیادہ ہے۔ اور ہم تمہارے مفاد کے نگران کار ہیں۔ لہٰذا اس اعتدال پسندی کے مقابلے پر کھڑے ہو کے کوئی آئے اور یہ بات کرے کہ اس کے ہاں اس اعتدال پسندی کا کوئی تصور موجود ہے تو جناب جس بات کو آپ کے سامنے مجھے عرض کرنا ہے کہ آج کوئی یہ کہتا ہے کہ صاحب مذہبی جذباتیت، دیکھئے افراد کی بات کو اصول کے آئینے میں نہ دیکھا جائے۔ اگر آپ افراد کے کریکٹر کی بنیاد پر اصولوں کا تعین کریں گے تو دنیا میں کوئی اصول بھی طے نہیں ہو سکتا۔ اچھے اور برے افراد ہر جگہ ہوتے ہیں لیکن فیصلے جذباتی افراد پر نہیں ہوتے۔ فیصلے ان اصولوں پر ہوتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں لکھے ہیں یا ان کے دستور حیات میں لکھے ہیں۔ لہٰذا محمد رسول اللہ ﷺ نے جو حقوق چھٹی صدی میں دیئے۔ چھٹی صدی عیسوی میں۔ جو حقوق آپ نے 675ء میں دیئے، وہ حقوق تو یورپ نے 1971ء تک نہیں دیئے۔

یہاں یہ میری بہنیں بیٹھی ہیں۔ یہ اس بات پر ان میں بعض جو ہیں، وہ بڑی سیخ پا ہوتی ہیں کہ ہم رجعت پسند ہیں۔ یورپ نے حقوق دے دیئے۔ روس نے ووٹ کا حق عورت کو 1917ء میں دیا۔ برطانیہ نے 1930ء میں دیا۔ امریکہ نے 1928ء میں دیا۔ فرانس نے 1944ء میں دیا۔ سوئٹزرلینڈ نے 1971ء میں دیا اور محمد رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے مشاورت اور اظہار رائے کا حق تو صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ام سلمیٰؓ کو دے دیا تھا۔ یعنی وہ احرام اتارنا آپ کا اور بغیر عمرہ کیئے ہوئے اس بات کا اظہار کہ احرام اتار دیا جائے۔ یہ مشورہ حضرت ام سلمیٰؓ کا تھا کہ آپ جب تک خود احرام نہیں اتاریں گے، امت کا کوئی آدمی احرام نہیں اتارے گا۔ لہٰذا سب سے پہلے آپؐ اتار دیجئے تا کہ لوگوں کے لئے نظیر بن جائے۔ گویا اظہار رائے لے کے فیصلہ کیا تھا۔ خلافت عثمانیہ کا۔ ہم نے ان عورتوں کو وہ حق جو تھا وہ سمجھ لیجئے کہ 12 ویں صدی ہجری میں دے دیا تھا۔ یعنی حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد۔

پھر اور کس حق کی بات کرتے ہیں ہم نے انہیں حق ملکیت سن 3 ہجری میں دے دیا۔ ہم نے انہیں حق وراثت سن 4 ہجری میں دے دیا۔ ہم نے انہیں مہر کا حق دے دیا۔ ہم نے انہیں شادی میں اظہار رائے کا حق دے دیا۔ کسی لڑکی کی

شادی اس کی مرضی کے خلاف نہیں کی جاسکتی۔اور کس کس حقوق کی بات کرتے ہیں۔اور کس کس روشنی کی بات کرتے ہیں۔ہم نے ماں کو اس مقام سے اٹھایا کہ جہاں باپ کے مرنے کے بعد وہ تقسیم ہو جاتی تھی اولاد میں، بھیڑ بکریوں کی طرح۔اس کے پاؤں کے نیچے جنت آگئی کہ اسے راضی کئے بنا کوئی صاحب جنت میں نہیں جاسکتے۔ہم نے باپ کو وہاں سے اٹھایا کہ جب اس کے بازوؤں میں طاقت نہیں رہتی تھی اور اولاد اس کی بات نہیں مانتی تھی کیونکہ زور تو صرف طاقت کا چلتا تھا۔کہ باپ تمہاری جنت کا دروازہ ہے، باپ کو راضی کرو گے تو اللہ راضی ہوگا۔باپ ناراض ہوگا تو اللہ ناراض ہو جائے گا۔بہن کے سر کو ڈھاپنا بھی اس کی آبرو کا تحفظ بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔بھوکے کی ذمہ داری یہ نہیں کہ تمہیں آ کے بتائے کہ میں بھوکا ہوں۔یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تمہارے پڑوس میں کوئی آدمی بھوکا سویا تو تم جنت میں نہیں جاؤ گے۔گویا یہاں بھکاری بنانے کی بات نہیں ہے۔عزت نفس کے قیام کی بات ہے۔

اس روشن خیالی سے یورپ آج محروم ہے اور اس حد تک محروم ہے کہ ان کا بوڑھا باپ دارالامان میں جاتا ہے۔ان کی بوڑھی ماں دارالامان میں جاتی ہے ان کی بیوہ بہن کسی برے بازار میں جاتی ہے اسی لئے کہ ان کے ہاں کوئی بھائی بہن کی آبرو کا ذمہ دار نہیں اور کوئی بیٹا باپ اور ماں کے بڑھاپے کا سہارا نہیں۔یہ اس روشنی کی بات کرتے ہیں۔ہم کس روشنی کی بات کرتے ہیں۔آج بھی ہم کسی جنریشن گیپ میں مبتلا نہیں ہیں۔جزاکم اللہ۔

میں بہت شکر گزار ہوں مولانا قاضی عبداللطیف صاحب کا۔اللہ تعالیٰ خیر و عافیت کے ساتھ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کی رہنمائی ایک طویل عرصے تک ہمیں نصیب فرمائے کہ انہوں نے اپنا وقت مجھے دیا ہے۔بہر حال میں کوشش کروں گا اگر چہ کہ میں ذرہ ہوں مگر ہم رکاب آفتاب ہوں اپنے وقت میں ان شاءاللہ میں اپنی بات کو ختم کرلوں گا۔

بیان یہ کر رہا تھا کہ جناب آپ کس اعتدال پسندی اور کس روشن خیالی کے چکر میں پڑے ہیں۔یورپ تو اس وقت تک راضی نہیں ہوگا اور یہ فیصلہ میرا نہیں ہے یہ فیصلہ قرآن کا ہے۔یہ یہود و نصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔تم جو مرضی آئے کرلو، ان کے کہنے پر، اپنی شکلیں بدل لو، نقاب اوڑھ لو، نعرے بلند کرلو، تہذیب کے دائرے کو محدود کرلو، تم جس چاہے روشن خیالی کے نقاب کو اوڑھ لو، یہ راضی نہیں ہوں گے۔اس لئے کہ جھگڑا ان کا مسلمانوں سے نہیں ہے ان کا جھگڑا مسلمانوں ہوتا تو مسلمان ان کے پاس رہتے ہیں، ان کی بولی بولتے ہیں، یہ ان کے دشمن نہیں ہیں۔

یہ ان مسلمانوں کے دشمن ہیں جو اسلام کی بولی بولتے ہیں۔جو محمد رسول اللہ ﷺ کی بات کرتے ہیں، جن کا آئیڈیل خلافت راشدہ ہے، جن کا نمونہ عمل ابوبکرؓ سے لے کر امام حسینؓ تک ہے۔خلافت کا وہ دور اور جن کا نمونہ عمل امن کی صورت میں حضرت امام حسنؓ ہے تو ظلم کے خلاف آواز کی صورت میں حسینؓ ہے۔یہ اس سے ڈرتے ہیں، یہ اس اسلام سے ڈرتے

ہیں اور ہم نے کیونکہ اس کفر کو جو آہنی پردے کے پیچھے تھا اس کو ختم کر دیا۔ روس کی شکست کے بعد دنیا وحدانی قسم کی جبلت میں مبتلا ہوگئی اور اس وحدانی قسم کی جبلت میں اب صورت حال یہ ہے کہ انہیں پتہ ہے کہ اسلام کے سوا ان کا مدمقابل کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا ان کا جھگڑا آپ سے نہیں ہے، حکومت پاکستان سے نہیں ہے، سعودی عربیہ سے نہیں ہے، مراکش سے کر اور افغانستان تک سے، ان کا جھگڑا صرف اسلام سے ہے تو بھئی! تم اسلام سے تائب ہو سکتے ہو؟ نہیں ہو سکتے تو پھر تیاری کرو جذباتی بات ہے۔ لڑائی جھگڑے کی تیاری نہیں بلکہ آپ سمجھ لیجئے کہ اپنے نظام پر، اپنے دستور پر محمد ﷺ کی رہنمائی پر، قرآن کے نظام پر ڈٹ جایئے کہ اس سے ایک انچ ہم نے پیچھے ہٹنا نہیں ہے اور کسی کی بات ماننی نہیں ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد الله رب العالمین۔

ڈاکٹر محمد خالد رضا

(صدر علماء مشائخ ونگ، پاکستان مسلم لیگ (ق)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قابل صد احترام جناب اعجاز الحق صاحب، وفاقی وزیر مذہبی امور، جناب سیکرٹری مذہبی امور، جناب چیئرمین صاحب اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان، علماء کرام، مشائخ عظام اور معزز سامعین اور حاضرین

سیرت طیبہ کی روشنی میں اعتدال پسندی اور روشن خیالی کے موضوع پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے مگر میں دو، تین باتیں عرض کروں گا اور پہلی بات یہ ہے کہ سیرت کی روشنی معاشرے کے اندر انتہا پسندی سے گریز کرنا چاہیے اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آنا چاہیے جو تمام معاشرتی امور میں اعتدال اور میانہ روی کو اختیار کرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ نے کفار کو دین اسلام کی دعوت دی، ان کے ساتھ مذاکرات بھی کیے، ان کے ساتھ ڈائیلاگ بھی کیا، ان کے ساتھ مناظرے بھی کیے اور دین اسلام کے لئے بادشاہوں کو خطوط بھی لکھے اور جب ضرورت پڑی تو ان کے ساتھ دفاعی معاہدے بھی کیے۔ ان تمام پہلو کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ ہمیں بھی مغرب کے ساتھ ڈائیلاگ کرنا چاہیے اور ان کو کوئی خدشات ہیں، تحفظات ہیں تو ان کو دور کیا جائے اور اسلام کی اشاعت کے راستے ہموار کیے جائیں۔ تیسری بات یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن میں غیر مسلموں کو اور خصوصاً اہل کتاب کو یہ دعوت دی کہ آؤ ان باتوں کی دعوت جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہیں۔ اور یہ دعوت اس لئے دی گئی کہ غیر مسلموں کے ساتھ ان سے تعاون حاصل کرنے کے لئے کم از کم مشترک باتوں کی دعوت دو تا کہ تعاون کی فضا پیدا ہو سکے اور اسلام کی توحید اور اشاعت کا راستہ ہموار ہو سکے۔

اب روشن خیالی، میرے نزدیک روشن خیالی یہ ہے کہ جہاں سے کوئی اچھی چیز ملے اس قبول کر لو۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ تو دانائی ہے۔ آپ کا فرمان ہے کہ یہ مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ علم و حکمت کے حصول میں کسی قسم کا تعصب کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے اور دانائی کو اپنی گمشدہ میراث سمجھ کے جہاں سے بھی ملے اس کو حاصل کرنا چاہیے۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں اپنے عروج کے دور میں قابل فخر ترقی کی مگر چند صدیوں سے وہ زوال پذیر ہیں۔ لہٰذا دانائی مشرق سے ملے یا مغرب سے ملے، ہمیں اس کو حاصل کرنا چاہیے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان کہ اگر کوئی صاف چیز ملے تو اس کو لے لو۔ اور اگر صاف چیز نہ ہو تو اس کو

تبدیل نہ کرو۔ہمیں جدید علوم حاصل کرنے کے لئے اس پہ ہمیں توجہ دینی چاہیے تاکہ معاشرتی ترقی کی راہ ہموار ہو سکے اور آخر میں میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ معاشرتی ترقی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ضد اور ہٹ دھرمی ہے اور حضور پاک ﷺ پر اہل کتاب ایمان لانے میں اس لئے مشکل محسوس کر رہے تھے کہ جب قرآن پاک کا نزول ہو رہا تھا کہ یہ پیغمبر ﷺ ،یہ آخری پیغمبر ﷺ ان کو بنی اسرائیل میں ہونا چاہیے تھا۔ان کے خیال میں،مگر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ تو ان کا خیال تھا،بہر حال سائنس اور ٹیکنالوجی،کمپیوٹر سائنس،مینجمنٹ سائنسز میں ہمیں پیش رفت کرنی چاہیے تاکہ ایک ایسا معاشرہ،معاشرے کی ایسی تشکیل نو ہو سکے جو روشن خیال بھی ہو اور اعتدال پسند بھی ہو۔اس کے ساتھ ہی اجازت۔

و آخر ودعوانا ان الحمد اللہ رب العالمین

علامہ عقیل ترابی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ سبحان وتعالیٰ یقول:

ادعوا الی سبیل ربک بلحکمته والموعظته الحسنته. وجادلهم بالتی هی احسن

صدر عالی قدر جناب اعجاز الحق صاحب،

میرے محترم وعزیز دوست جناب ڈاکٹر خالد مسعود صاحب،

جناب سیکرٹری امور مذہبی،

قابل احترام علماء

حیران ہوں کہ گفتگو کو کہاں سے شروع کیا جائے اور کہاں ختم کیا جائے۔

کب کھولی زباں ہماری لذت گفتار نے
پھونک ڈالا جب چمن کو آتش پیکار نے

رہی نہیں گفتگو کی کوئی مہلت اتنا عرض کروں کہ مجھ سے پہلے معزز مقررین نے اپنے علم وفضل کا مظاہرہ کیا ہے قابل تحسین۔ میں اپنی لاعلمی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں، علم کی انتہا لاعلمی ہے۔ ارسطو سے جب کسی نے پوچھا! حکیم آپ کے علم کا اب کیا عالم ہے؟ تو کہا کہ اب سمجھنے لگا ہوں کہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ ارسطو کی انتہا۔ یہ فلسفہ کی انتہا، لیکن وہ اللہ کا حبیب جو کسی مکتب میں نہیں گیا، کتاب نہیں پڑھی، کسی سے پڑھنا نہیں سیکھا، علم نبوی لے کر آیا تو اس نے کبھی یہ نہیں کہا کہ نہیں سمجھ سکتا بلکہ یہ بتلایا کہ دیکھو میں اللہ کی جانب سے آیا ہوں جو کچھ علم چاہیے، مجھ سے لے لو، میں علم دوں گا۔ مرکز علم ختمی مرتبت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ کی ذات ہے۔

گفتگو جذباتی نہیں میرے احباب جانتے ہیں میں سندھ کے اپنے علاقے میں تبلیغ نہیں کرتا ہوں، میں پنجاب کے دیہاتوں کی گفتگو نہیں کرتا، آپ جہاں جو چاہے کہیں، چھوٹی چھوٹی مثال دیں، فقہی مسائل کو پیش کریں، میں کلیتاً گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ ایسی گفتگو جو اس ایوان میں نہیں بلکہ آپ نیویارک میں گفتگو کر سکیں، واشنگٹن میں بول سکیں، آکسفورڈ میں بول سکیں اور ورلڈ میں بول سکیں۔ یہاں سب اپنے ہی ہیں۔ محبت کی باتیں اپنوں میں ہو جاتی ہیں غیروں کو منوائیں کہ ہمارا ممدوح کون ہے؟ محبوب کون ہے؟

یہاں میں نے جس آیت کی تلاوت اس کے ضمن میں یہ عرض کروں یہ نکتہ قابل غور ہے جناب محترم صدر عالی قدر پہلا ریولوشن، انقلابی میسج پولیٹیکل سائنس میں ہمارے رسول نے پیش کیا وہ میثاق مدینہ، مدینہ معظمہ کا اگریمنٹ آنے کے بعد مدینے میں رسول ﷺ نے جو خطبہ دیا، متحد کیا۔ مدینے میں یہودی بھی تھے، نصرانی بھی تھے، مشرک بھی تھے، مہاجر بھی تھے، انصار بھی تھے، سب کو جمع کر کے اتحاد کے ایک مرکز پر قائم کیا۔ کہا ایک دوسرے کی حفاظت تمہارا فرض ہے۔ تو یہ میثاق مدینہ پولیٹیکل سائنس میں ایک بڑا میسج ہے۔

دنیا جو یہ سمجھتی ہے کہ ہم دہشت گرد ہیں یا دہشت پسند ہیں ایسا نہیں ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے محبت کا پیغام بنیاد میں رکھ کر یہ بتلایا کہ تفرقہ و دہشت پرستی اسلام میں نہیں ہے۔ کسی نے ایک انسان کو بلاوجہ قتل کیا تو ایسے ہے کہ جس نے پوری انسانیت کو قتل کر دیا۔ یہ ہے پیغام انسانیت کا، جیسا کہ محترم ڈاکٹر صاحب نے فرمایا اور ہمارے وزیر اعظم صاحب نے فرمایا، انسان ارتقا کی کوشش میں ہے ہر لحظہ ترقی ہے، ہر لحظہ تبدل ہے مگر ہر لحظہ ترقی تبدل کو ہم شریعت کے تابع بناتے ہیں دوسروں کی مثال نہیں کس میں کیا برائی ہے؟ اس سے واسطہ نہیں ہم اپنی دین کی نیکی کو پیش کریں۔

عزیزان محترم!

ہم دریا کے خلاف تیر نہیں سکتے، دریا کے خلاف تیرا نہیں جاسکتا، زمانے کو سمجھو۔ پاکستان کے اطراف بڑی سی دیوار کھڑی کر کے ہم دنیا سے جدا نہیں ہو سکتے۔ بے شک یہ لوگ برے ہیں، بے شک پردہ نہیں ہے، عریانی ہے فحاشی ہے مگر عزیزو! یہ آپ کے پاس الیکٹرک سٹی کس پیر اور بزرگ کے معجزے کی علامت ہے۔ کیا یہ ایڈیسن کی ایجاد نہیں ہے؟ کیا یہ نیوٹن نے کشش ثقل کے نظریے کو نہیں دیا؟ کیا یہ ماڈرن تہذیب میں یہ آلات یہ ترقی یہ فضا کی تسخیر، کیا پیر و مرشد کی کرامتیں اور مراقبہ ہیں یا یورپ کی تحقیق ہے۔ تو یقیناً جو یورپ کے صحیح واقعات ہیں، علم ہے اس کو حاصل کرو۔ میرے عزیز دوست ڈاکٹر خالد رضا صاحب نے فرمایا کہ علم گمشدہ مومن ہے، ہم کو حاصل کرنا ہے۔ فقط مبارزہ اور جہاد کے معنی یہ نہیں کہ ہم اپنے پرانے اسلحہ سے یا پتھر سے یا اسٹون ایج کے طریقے سے ہم یورپ کا مقابلہ کریں گے۔ نہیں۔ اسٹون ایج سے نکل کر تسخیر فضا کا کوئی طریقہ بتاتا ہے تو اس کی پیروی کرو ورنہ یہ کہ بھیک مانگے ہوئے اسلحہ سے ہم یورپ سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ انہی سے مانگ کر آلات حرب و ضرب ان کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ یا پہلے اپنے آپ کو سائنس میں، تخلیق میں اپنے آپ کو اتنا بلند کرو کہ آپ ان کے مقابلے میں قیام کر سکیں اور ان کے محتاج نہ رہیں یا یہ کہ فقط ادعا کوئی شے نہیں ہوتی۔ فقط یہ کہہ دینا کہ وہ برے ہیں، بے شک وہ برے ہیں، لیکن خیر ذات نبی کا نام ہے۔ علم ذات نبی کا نام ہے۔ محبت کا پیغام نبی کا پیغام ہے۔

میں زیادہ وقت نہیں لوں گا وہ یہ عرض کردوں کہ آخری منازل میں نبوت کے، نصاریٰ بنی نجران جب آئے مدینے میں، لوگوں نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! یہ مسیحی ہیں انہیں کہاں ٹھہرائیں؟ فرمایا! انہیں مسجد نبوی میں رہنے کا انتظام کیا جائے۔ مسجد نبوی میں نصاریٰ رہے، نجرانی رہے اور وہاں پر جب ان کی عبادت کا وقت آیا تو بگل بجانے لگے جو اس کی موسیقی کی رسم ہے۔ صحابہ نے کہا۔ یارسول اللہ ﷺ! مسجد میں یہ کام کر رہے ہیں۔ فرمایا! نہیں۔ وہ ان کی آزادی ہے وہ ان کی عبادت ہے وہ اپنی طرح سے عبادت کریں، ہم اپنی طرح سے عبادت کریں۔

عزیزو!

ہم سے پوچھو ہم جب عبادت کرتے ہیں تو ہمارے ہمسائے پہ کیا گزرتی ہے؟ کیسے ہم راستوں سے گزرتے ہیں، کیسے ہماری زندگی گزرتی ہے۔ جب تک یہ رواداری نہیں ہوگی، دین قائم نہیں ہوگا۔ کتاب وسنت ایک حقیقت ہے۔ کتاب جہاں بوعلی سینا جیسے حیران رہ جائیں۔ سنت طیبہ آپ کیا جانیں؟ ہزاروں روایتیں، لاکھوں حدیثیں، پہلے ان کو سمجھو، علم سے سنت کو سمجھو پھر کرو عمل۔ عمل ایک شئے جامد نہیں۔ اجتہاد کا نام ہے، تحقیق کا نام ہے، وقت کے تقاضے کا نام ہے۔ طب میں، سائنس میں، ہر علم میں مغرب نے ترقی کی اور آپ بھی ترقی کریں اور آپ اجتہاد کریں۔

ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہم سے کام لیں، ہم خدمت کرسکیں، ایسے افکار کو ڈھونڈیں جو یورپ کا جواب دے سکیں دنیا کے موجودہ مسائل کو حل کرسکیں۔ آخر میں عرض کروں وہ پیغمبر ہمارا امام اولین و آخرین ہے جس نے کائنات میں ایک نیا نظام، نیا پیغام دیا جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔

وما علینا الا البلاغ

مولانا محمد اسد تھانوی

السلام علیکم!

الحمدلله و کفی وسلام علی عباده الذین الصطفے،امابعد

فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم

بسم الله الرحمن الرحیم

هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی دین الحق لیظهره علی دین کله و کفی بالله شهیداً. محمد رسول الله الخ

قابل احترام جناب اعجاز الحق صاحب،

سیکرٹری مذہبی امور،

جناب خالد مسعود صاحب،

قابل احترام علماء کرام اور معزز حاضرین مجلس

اللہ تعالیٰ کی کریمی ہے کہ آج جناب محمد مصطفیٰ احمد سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت طیبہ کی اس مجلس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو حاضری کی توفیق عطا فرمائی۔ جیسا کہ آج کا موضوع ہے اعتدال پسندی اور روشن خیالی۔ اگر آپ تاریخ پہ نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ سرکار دو عالم ﷺ سے پہلے دنیا میں سوا لاکھ کے قریب نبی اور رسول بھیجے گئے لیکن یہ تمام انبیاء اور تمام رسول ان کی جو بعثت ہے وہ کسی مخصوص زمانے، کسی مخصوص علاقے کے لئے تھی لیکن جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت پوری انسانیت کے لئے ہے۔ فرمایا قرآن پاک میں کہ اے نبی! بابانگ دہل اس بات کا اعلان کر دیجئے کہ میں پوری انسانیت اور ہر زمانے کے لئے نبی اور رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تو جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ سرکار دو عالم سرکار دو عالم ﷺ جو نبیوں کے سردار اور خاتم النبین ہیں۔ وہ کائنات کے واحد نبی ہیں جن کی نبوت کل انسانیت کے لئے ہے اور آپ جانتے ہیں کہ ہر 300 میل کے بعد زبان بھی بدل جاتی ہے، معاشرہ بھی بدل جاتا ہے، ثقافت بھی بدل جاتی ہے، طرز رہائش بھی بدل جاتی ہے۔ یہ جو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو دین دے کر بھیجا گیا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں

کہا! تو اس کو اللہ نے نور بیان کیا تو اگر اس دین کے اندر اعتدال پسندی نہ ہوتی، اگر اس دین کے اندر یہ حقیقت نہ پائی جاتی اور یہ خاصیت نہ پائی جاتی تو ہر علاقے اور ہر زمانے کے اندر جا کر یہ وہاں کے حالات کے اندر جذب ہو جائے تو مشرق سے لے کر مغرب اور جنوب سے لے کر شمال تک دین نہ پھیلتا۔

آپ تاریخ اٹھا کر دیکھئے کہ جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ سرکار دو عالم ﷺ نے جب ان کی بعثت ہوئی اس کے تقریباً 60,55,50 برسوں کے اندر اندر مشرق سے مغرب اور جنوب سے لے کر شمال تک اللہ تعالیٰ نے اسلام کو سربلندی عطا فرمائی ۔خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت کے اندر افغانستان تک اللہ تعالیٰ نے اسلام کو پہنچایا اور خاقان چین مسلمانوں کا باج گزار تھا۔ یہ جو اسلام مدینہ منورہ سے نکلا، مکہ مکرمہ سے نکلا، سرزمین حجاز سے نکلا مشرق اور مغرب اور جنوب اور شمال کے اندر پھیل گیا۔ اگر اس میں اعتدال پسندی اور روشن خیالی نہ ہوتی تو اسلام چہار دانگِ عالم میں نہ پھیلتا۔

آج یورپ میں اور امریکہ کے اندر جو عریانی ہے اور مجھ سے پیشتر مقررین نے لمبی تفصیل سے روشنی ڈالی میں اس کے اوپر تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ جو عریانی اور فحاشی ہے، کیا اس کا نام اعتدال پسندی ہے۔ نہیں اس کا نام اعتدال پسندی نہیں۔ آپ دیکھئے مولانا سمیع الحق تشریف لے گئے پاکستان کے ایک منتخب پارلیمنٹ کے ممبر اور ایک بڑی اسلامی جماعت کے رہنما اور ایک بڑے ادارے کے مہتمم۔ کیا یہ اعتدال پسندی ہے کہ ایک آئے ہوئے مہمان کو تم نے اندر داخل ہونے سے 3 گھنٹے تک روکے رکھا۔ اور میں مبارکباد دیتا ہوں پاکستان کی قومی اسمبلی کو کہ پاکستان کی قومی اسمبلی نے پاکستان کے وقار کا مسئلہ سمجھ کر متفقہ اس میں قرارداد پیش کی اور میں سمجھ رہا تھا آج علماء کا یہاں مجمع ہے اور وہ علماء برادری سے تعلق رکھتے ہیں تو یہاں بھی ایک قرارداد ایسی منظور کی جائے جس کے اندر وزیر اعظم پاکستان اور جناب اعجاز الحق صاحب کو بھی اس کا نوٹس لینا چاہیے۔ میں آپ کی خدمت میں یہ گذارش کرتا ہوں کہ کیا آپ اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ بلجئیم کی حکومت نے یہ جو پاکستان کی بے عزتی کرنے کی کوشش کی ہے اور ایک منتخب رکن پارلیمنٹ اور ایک پاکستان کے بڑے لیڈر کو روکا ہے، ہم اس کے خلاف قرارداد پیش کرتے ہیں کہ اس کی مذمت کی جائے۔

اور پھر آپ سے اجازت چاہوں گا۔ میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تمام جہانوں کے لئے رحمت العالمین بن کر آئے اور میرے آقا نے جو روشنی کا تصور دیا میں سمجھتا ہوں کسی اور نے ایسا تصور نہیں دیا ہوگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہؓ سے پوچھا گیا۔ اماں! بتایئے کہ نبی کا اخلاق اور سیرت کیا تھی؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ قرآن کریم کو کھولو، پورا قرآن میرے نبی کے اخلاق اور سیرت سے بھرا ہوا ہے۔ تو آج ہمیں وہی سیرت کو، اسی اخلاق کو اپنانے کی ضرورت ہے جو ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دے کر گئے اور آج ہمیں اس آیت کا نمونہ بننا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے جو اللہ کا قرآن کہہ رہا

ہے کہ تفرقہ بازی میں مت پڑو۔ ایک ہو جاؤ اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ میرے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تو لوگوں کے نفع کی بات کرتے تھے۔

آپ نے ارشاد فرمایا! تم میں بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے ،تو آؤ! آج ہم سب نفع پہنچانے والا کام کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمدالله رب العالمین

مقالات

عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال' اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں

(نوید احمد شہزاد (فیصل آباد)

دنیا تیزی سے بدل رہی ہے۔ نئی ایجادات معرض وجود میں آ رہی ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے مادی وسائل کو زیادہ بہتر انداز سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اب وقت کی رفتار نہایت سریع محسوس ہوتی ہے۔ ذرائع ابلاغ کی تیزی نے پوری دنیا کے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے۔ اور اس تیزی اور قربت نے اقوام کے انفرادی تشخص کو متاثر کیا ہے۔ روایات دم توڑ رہی ہیں۔ علاقائی کلچر کی جگہ گلوبل رجحانات متعارف ہو رہے ہیں۔ کسی بھی مفید رویے کو کوئی قوم زیادہ عرصے تک اپنے لیے خاص نہیں رکھ سکتی۔ مزید یہ کہ اب دنیا میں مقابلے کی فضا ہر لمحے طاری رہتی ہے۔ بقا اُس کے لیے ہے جو دوڑ میں اپنے آپ کو زیادہ اہل ثابت کر دے۔ جو رہ گیا سو رہ گیا۔ جس نے ہمت کی وہ آگے بڑھ گیا۔

جدید تعلیم یافتہ حضرات ہر نئی تبدیلی کو قدرے آسانی سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ وہ ہر مفید چیز کو دنیا کا مشترکہ سرمایہ سمجھتے ہیں اور ہر نئی سہولت لینے اور نیا رجحان اپنانے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک یہ خالص دنیا کو برتنے کا معاملہ ہے۔ اس سلسلے میں مذہب کے ذریعے قدغن لگانا درست نہیں ہے۔ جبکہ دوسرا طبقہ روایت پسند لوگوں کا ہے۔ جو اپنے ماضی سے چمٹے ہوئے' افکار میں پختہ اور اپنے مکتبہ فکر سے مخلصانہ وفاداری پر یقین رکھتے ہیں۔ کون سے گروہ کا طرز عمل درست ہے؟ روایت پسند اور راسخ الفکر لوگ یا جدت پسند اور کھلے ذہنوں کے لوگ۔ آیئے دیکھیں رسول عربیؐ نے جو معاشرہ مدینے میں تشکیل دیا' اس میں آپ نے کون سا منہج اپنایا؟

مثالی معاشرہ وہ ہے جو سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تشکیل دیا۔ جس کی بنیاد مستحکم عقائد پر رکھی گئی۔ جس کی اقدار خود رب العالمین نے متعین فرمائیں۔ بہترین افراد تھے جو مدینہ کی بستی میں اسلام کے ناطے رسول اللہ کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ جن کو آباد کاری کے اصول رسول کریمؐ نے سکھلائے۔ جنہیں آپس میں ملنے جلنے اور برتاؤ کے اسالیب رحمت عالمؐ نے بتلائے۔ یہ وہی معاشرہ ہے جو مدینہ طیبہ میں سید الانبیاءؐ نے ترتیب دیا۔ اس معاشرے کی بنیاد جہاں راسخ افکار پر تھی وہاں عملی زندگی میں رویوں کی خوبصورت عکاسی کے لیے اان کو روشن ضمیری، تحمل، ایثار اور اعتدال پسندی جیسی صفات سے بھی متصف فرمایا۔

پس منظر

عرب کا علاقہ زیادہ تر صحرائی تھا۔ پیداوار کی قلت تھی۔ ذرائع آمدنی محدود تھے۔ زیادہ تر آبادی خانہ بدوش تھی۔ جو دنیا کی ترقی سے بے خبر اور جنہیں حصول تعلیم کی بجائے زیادہ فکر پیٹ بھرنے کی رہتی تھی۔ جس کے لیے وہ چھین کر کھا لینے میں بھی کوئی حرج محسوس نہ کرتے تھے۔ بلکہ کسی کو لوٹنے اور قتل و غارت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے پر فخر کرتے۔ ایک دوسرے کو نسب کے طعنے دینا عام تھا۔ شاعر مخالف قبیلے کو اپنے اشعار کے ذریعے مطعون کرتا اور قبیلے کے جوان اپنی بہادری کی سند حاصل کرنے کے لیے دوسرے قبیلے والوں کا خون بہانے کے لیے بے چین رہتے۔ حافظ ابن اثیر نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسی وجہ سے عرب کی سرزمین پر اسلام سے قبل بے شمار چھوٹی موٹی اور بڑی لڑائیاں ہو چکی تھیں۔ جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا 1

ان حالات کی وجہ سے اہل عرب میں جاہلانہ تعصّبات خوب فروغ پا چکے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو برداشت کرنا چھوڑ رہے تھے۔ اپنے قبیلے اور دھڑے سے انتہا درجے کی وفاداری اور بلا سوچے سمجھے فریق مخالف پر چڑھ دوڑنا ان کا شعار تھا۔ قرآن کریم نے ان کے اس طرز عمل کو تنگ نظری قرار دیتے ہوئے۔ ایسے انداز زندگی کو جاہلانہ ہٹ دھرمی کا طریقہ قرار دیا۔ 2

جاہلانہ تعصّبات نے عربوں کو روشن خیالی کے وصف کی بجائے تنگ نظر بنا دیا تھا۔ آوارہ پھرتے رہنا اور شاعری پر مسلسل توجہ دینے کی وجہ سے وہ عربی زبان کو بلیغانہ پیرائے میں اتنی مہارت سے استعمال کرتے کہ یہی چیز ان کے ہاں باعث فخر بن گئی اور وہ قوت لسانی کی بنا پر اپنے آپ کو "عرب" یعنی
بولنے والے اور باقی پوری دنیا کو حقارت سے "عجم" یعنی گونگا سمجھتے تھے۔

عربوں کی یہ تنگ نظری صرف غیر اقوام کے معاملے تک ہی محدود نہ تھی بلکہ عرب کے بعض قبائل اپنے آپ کو دیگر قبائل سے برتر اور اعلیٰ تصور کرتے اور دوسرے قبیلے کے لوگوں کو نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ عرب کے ممتاز قبائل میں سے قریش کو ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ اور قریش کی سوچ یہ تھی کہ جب دوسرے قبائل کے لوگ بیت اللہ کا طوائف کرنے کے لئے آئیں تو وہ کسی قریشی کا لباس مانگ کر پہنیں پھر بیت اللہ کا طوائف کریں وگرنہ ننگے بدن کعبہ کے چکر لگائیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا تب آپ نے حکماً اس مکروہ سوچ اور برے رویے پر مستقل پابندی عائد کی۔ 3

مکہ عرب کا مرکزی مقام تھا۔ یہاں کا معاشرہ بھی رویوں کے اعتبار سے تیزی کے ساتھ زوال پذیر تھا۔ رواداری

اور معتدل رجحانات کوفروغ دینے کی بجائے یہاں کے لوگ انتہا پسندی کے ساتھ زبردستی عدم توازن قائم رکھے ہوئے تھے۔ بے کس اور غریبوں کی حالت نہایت قابل رحم تھی اور غلاموں کوتو جانوروں سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا۔ سرور کائنات علیہ السلام کی دعوت میں چونکہ برابری کا اصول تھا اور تمام لوگوں کے حقوق کے تحفظ کا سبق تھا' اسی وجہ سے مکے کے بہت سے کافروں کے ایمان قبول کرنے میں اسلام کی برابری اور اعتدال کی تعلیمات بھی حائل تھیں۔ جس پر مضبوطی سے جمے رہنے کی تلقین قرآن کریم نے سورۂ عبس میں شفیع المذنبین علیہ السلام کو کی ہے۔ 4

الغرض احمد مجتبیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل کا دور تنگ نظری، انتہا پسندی اور معاشرتی عدم توازن کا دور تھا۔ جہاں مختلف گروہوں کے درمیان رواداری مفقود تھی۔ تعلیم سے دوری اور جاہلانہ تعصبات نے ان کو منفی انداز سے سوچنے کا عادی بنا دیا تھا۔ بایں وجہ قرآن عربوں کے ماضی کو دور جاہلیت قرار دیتا ہے۔

عہد رسالت اور معاشرتی ارتقاء

جب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا تو انہیں ٹھوس اور واضح عقائد عطا فرمائے۔ عبادت اور توبہ کے طریقے سکھلائے نیز اللہ کریم نے زندگی گزارنے کے لیے راہنمائی کا بندوبست فرمایا۔ ان کی طرف وحی کا سلسلہ جاری کیا۔ یوں دنیا پر آنے والا پہلا انسان نہ صرف خود صاحب علم وفضل تھا بلکہ ان علوم ومعارف کو عام کرنے کا ذمہ دار بھی تھا۔

جہاں تک عقائد ونظریات کا معاملہ ہے تمام انبیاء کرام اِس میں پوری طرح ہم آہنگ تھے۔ اور ان کے نظریات میں ہمیں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا' لیکن زندگی گزارنے کے لئے جو شریعت نازل ہوئی اِس میں ہر نبی کو دیے جانے والے احکام دوسرے نبی کی شریعت سے قدرے مختلف محسوس ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب زمین پر انسان آباد ہوا اور دنیا کے بارے میں اس کا شعور آہستہ آہستہ بڑھا اور ہر آنے والی نسل گزشتہ نسل سے قدرے تبدیلی کا سامنا کرتی رہی اور نئے حالات کے تقاضوں کے تحت شریعت میں تبدیلی ہوتی رہی اور نئے احکام آتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آگیا جب انسان اِس قابل ہو گیا کہ ارتقائی مراحل کے اعلیٰ درجے کو پہنچ سکے تب رب العالمین نے شریعت کی تکمیل کے لیے رحمتہ اللعالمین ؐ کو بھیجا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا. 5

"آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا"۔

رسول عربی علیہ السلام کو شریعت آہستہ آہستہ مختلف مراحل میں دی گئی۔ درجہ بدرجہ احکام میں تبدیلی آتی رہی۔ یوں

تقریباً بائیس برس اور چند ماہ میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدی کے افراد کو ارتقائی مراحل سے گزار کر نویں ذوالحجہ کو میدان عرفات میں شریعت کی تکمیل کا مژدۂ جانفزا سنایا جو کہ یقیناً کئی پہلوؤں سے ہمارے لیے اعزاز کی بات ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ شافع محشر علیہ السلام نے کون سا طریقہ استعمال کیا کہ صحابہ کرامؓ کے اذہان تبدیلی کو قبول کرنے والے بن گئے۔ وہ ہر نئی بات پر اعتراض نہ کرتے۔ پرانے معاملے کے ختم ہونے پر احتجاج نہ کرتے۔ جب بھی کوئی تازہ حکم پہلے سے مختلف موصول ہوتا' وہ چون چرا کیے بغیر تعمیل کے لیے فوری تیار ہو جاتے۔ رسول عربیؐ کی سیرت طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اِس کے لئے تعلیم عام کرنے کا طریقہ اپنایا۔ جس سے لوگوں کا طرز حیات بدلا اور اِس سے پہلے ان کی سوچ بدلی اور سوچ کا بدلنا ہی دراصل آپ علیہ السلام کا بڑا کارنامہ ہے۔

رسول کریمؐ کی زندگی میں اگر تیئس برس کا عرصہ دور نبوت ورسالت کا ہے تو اتنا ہی عرصہ آپ کا بطور معلم اور استاد کا ہے۔ پہلی وحی سے ہی آپ کو علم کی اہمیت سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ اللہ ذوالجلال نے اپنا تعارف قلم کے ساتھ تعلیم دینے والے کی حیثیت سے کروایا تھا۔

اقراء وربک الاکرم الاذی علم بالقلم. علم الانسان مالم یعلم . 6

''پڑھ اور تیرا رب بڑی عزت والا ہے۔ جس نے قلم کے ساتھ تعلیم دی۔ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا''

سیدالانبیاء کی تعلیمی تحریک ذہنوں کو روشن اور قلوب کو منور کرنے کے لیے تھی۔ اس لیے قرآن کریم کی سرسری تلاوت کرنے کی بجائے اِس میں فکر و تدبر کی ترغیب دی گئی۔ دین سیکھنے والے لوگوں کو بہترین قرار دیا گیا۔ خود قرآن مجید آپ کی معلمانہ اور مبلغانہ کاوشوں کا مقصد جہالت کا خاتمہ بتاتا ہے۔

یتلو علیھم آیاتہ ویز کیھم ویعلمھم الکتاب والحکمتہ وان کانومن قبل لفی ضلال مبین. 7

''وہ ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک قرار دیتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اِس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''۔

ضلال مبین یعنی دور جاہلیت کا تذکرہ اہل ایمان کے ناپسندیدہ ماضی کا تذکرہ ہے۔ اور اِس جاہلیت کے ازالے کے لیے آپ کی تگ ودو اور طریقہ کار کو تعلیم کتاب وحکمت سے عیاں کیا گیا ہے۔

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو آیاتِ الٰہی پڑھ کر سناتے اور دین سکھلاتے لیکن اِس کے باوصف تحریر سے نا آشنا معاشرے کو بنیادی تعلیمی مہارتیں سکھانے کی طرف بھی آپ نے بھرپور توجہ دی۔ بدر کے قیدیوں کے ساتھ آپ نے جو معاہدہ کیا وہ اسی امر کی شہادت ہے۔ صفی الرحمان مبارک پوری لکھتے ہیں کہ قیدیوں کی آزادی کے لیے فدیہ کی

مقدار چار ہزار درہم سے لے کر ایک ہزار درہم تک تھی۔ اہل مکہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے جبکہ اہل مدینہ اس سے واقف نہ تھے۔ اس لیے یہ بھی طے کیا گیا کہ جس قیدی کے پاس فدیہ نہ ہو وہ مدینے کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ جب یہ بچے اچھی طرح سیکھ جائیں تو یہی اُس کا فدیہ ہوگا۔ 8 الغرض سید المرسلینؐ نے تعلیم عام کر کے عربوں کو جہالت اور تنگ نظری سے نکال کر روشن ضمیر اور تعلیم یافتہ بنا دیا۔

اعتدال پسند مدنی معاشرہ

معلم انسانیت علیہ السلام نے افراط وتفریط سے پاک، معتدل رویے اور متوازن رجحانات تشکیل دیے۔ آپ نے زندگی کے ہر شعبہ میں انتہا پسندی کی نفی کی۔ اسلام سے قبل دنیاداری کو روحانیت سے متصادم سمجھا جاتا ہے۔ کچھ صحابہ کرامؓ نے سوچا کیوں نہ ہم اپنے آپ کو عبادت کے لیے وقف کر دیں اور ازدواجی زندگی وغیرہ کو ترک کر دیں۔ انہوں نے ام المومنین عائشہؓ کے پاس اِس جذبے کا اظہار کیا۔ جب رسول کریم کو علم ہوا تو آپ نے ان کے اِس ارادے کو سخت ناپسند فرمایا اور فرمایا ''نکاح کرنا میری سنت ہے جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ 9 اللہ کے راستے میں خرچ کرنا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے لیکن قرآن مجید اِس معاملے میں افراط وتفریط کے انداز اپنانے سے روکتا ہے۔ حکم دیا گیا ہے کہ اپنا سارا مال اللہ کے راستے میں مت دو ایسا نہ ہو کہ بعد میں تم لوگوں سے مانگتے پھرو۔ اسی طرح کنجوسی کی بھی مذمت کی گئی 10 یمن کے لوگ بہت متقی تھے۔ حج کے لیے نکلتے تو اللہ پر توکل کر لیتے اور زادراہ نہ لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسباب کا بندوبست کیے بغیر توکل کرنے سے منع کر دیا اور زادراہ لینے کی تلقین کی۔ 11 حج کے موقع پر، جب اہل ایمان جمعرات کو کنکریاں مارنے کے لیے جمع تھے۔ آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ بڑی بڑی کنکریاں یا پتھر کے ٹکڑے اٹھائے ہوئے ہیں اور جمرات کو مارنا چاہتے ہیں۔ اس موقع پر خاتم النبین علیہ السلام نے فرمایا۔

ایاکم والخلو فی الدین فانھا اھلک من کان قبلکم الغلو فی الدین 12

''دین میں حد سے بڑھ جانے سے بچو بے شک دین میں حد سے بڑھ جانے، نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا''۔

پھر آپ نے باقاعدہ وضاحت کی کہ چنے کے دانے کے برابر کنکریاں ماری جائیں۔ اگرچہ انتہا پسندی سے ممانعت کی یہ چند امثال ہیں۔ لیکن بنظر غائر دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ مکی مدنی معاشرے کے ہر معاملے میں اصول اعتدال کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور اسی مستقل وصف کی بنا پر ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اِس امت کو ''امت وسطا'' یعنی میانہ رو اُمت قرار دیا ہے۔ 13

مذکورہ بالا شواہد کے تجزیے سے دوسرا اہم نکتہ یہ بھی سامنے آتا ہے کہ معاملات اگرچہ نیک نیتی اور بھلائی کے ہی کیوں نہ ہوں، پھر بھی انتہا پسندی بری بات ہے چہ جائیکہ عام معمولات زندگی گویا انتہا پسندی ہر معاملے میں صرف منفی اثرات ہی مرتب کرتی ہے۔

مدنی معاشرے کا اصول تھا، جیو اور جینے دو۔ جس طرح اہل اسلام اپنی عبادات کو ادا کرنے اور شعائر اسلام کے احترام میں آزاد تھے، اسی طرح انہوں نے اہل کفر کو بھی حتی الامکان مذہبی آزادی دینے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ رسول مقبول علیہ السلام کے پاس جب نجران کے عیسائی آئے اور ان کی عبادت کا وقت ہوا تو آپ نے وسعت ظرفی کے ساتھ انہیں مسجد میں عبادت کرنے کی اجازت دی 14۔ نیز قرآن کریم نے اہل کتاب کو یہ بھی کہا کہ اگرچہ تم اپنے عقیدے پر رہو مگر ہمارے ساتھ ایک مشترکہ اصول یعنی توحید پر ہی اکھٹے ہو جاؤ 15۔ مدینہ پہنچتے ہی آپ نے اہل مدینہ کے ساتھ تاریخ ساز معاہدہ کیا۔ جس کی ایک اہم شق یہ بھی تھی کہ مسلمان ، یہودی اور عیسائی اپنے مذہبی معاملات کی ادائیگی میں آزاد ہوں گے اور اہل مدینہ اس معاملے میں کسی دوسرے پر معترض نہیں ہوں گے 16۔ آپ کی یہی فراخدلانہ سوچ تھی جس کے تحت آپ نے حدیبیہ کے مقام پر بظاہر بہت نرم شرائط پر مشرکین مکہ کے ساتھ صلح کر لی۔ حالانکہ صحابہ کرام خصوصاً سیدنا عمرؓ اس موقع پر افسردہ بھی تھے۔ 17۔ رسول کریم دشمنوں سے بھی حسن سلوک فرماتے۔ عبداللہ بن ابی کے طلب کرنے پر آپ نے اس کی وفات پر اپنا کرتہ بھیجا جس میں اُسے دفنایا گیا۔ نیز باوجود بعض صحابہ کے ناپسند کرنے کے آپ نے اُس کی نماز جنازہ بھی پڑھائی حالانکہ اس کا نفاق پوری طرح کھل چکا تھا۔ 18۔ قرآن کریم اہل اسلام کو تلقین کرتا ہے کہ جب تم اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلو تو جس طرح تم نے مسجدوں کا تحفظ کرنا ہے اسی طرح دیگر اقوام کی عبادت گاہوں کا تحفظ اور احترام برقرار رکھنا ہے۔ 19۔ کبھی حد اعتدال کو پار نہیں کیا۔ جس شخص کا اپنے مخالفوں سے یہ رویہ ہو، اندازہ لگائیں کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کا مشفقانہ سلوک کیسا ہو گا اور اُس نے اُن کی کردار سازی کرتے ہوئے انہیں میانہ روی کے کون سے اسلوب سکھائے ہوں گے۔

سید البشرؐ نے اپنی امت کو وسعت ظرفی کا درس دیا۔ اسے اختلاف رائے برداشت کرنے کا عملی سبق دیا۔ اگرچہ آپ نبی تھے۔ آپ کے حکم سے انکار نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن حکم الٰہی کے مطابق آپ پھر بھی اہم معاملات میں صحابہ سے مشورہ کرتے اور اگر کبھی صحابہ کی رائے آپ سے مختلف ہوتی تو آپ اپنی رائے چھوڑ کر انہی کی رائے کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔ یوں نہ صرف انہیں آزادیِ اظہار کی مکمل اجازت دیتے بلکہ ان کے اختلاف رائے کو اہمیت بھی دیتے۔ غزوہ بدر میں آپ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا مگر جب حباب بن منذرؓ نے اِس جگہ کو نامناسب قرار دیا اور چشمے کے اوپر قبضہ کر کے پڑاؤ ڈالنے کی رائے دی تو آپ نے یہ مشورہ قبول کر لیا۔ غزوہ احد میں آپ کی رائے تھی کہ مدینہ میں رہ کر لڑیں لیکن اکثر ساتھیوں

کی رائے تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کریں گے آپ نے تب بھی انہی کی مانی۔ جنگ احزاب میں آپ نے جناب سلمان فارسیؓ کی رائے کے مطابق خندق کھودنے کا فیصلہ کیا۔ 20ے اس طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ رسول کریم کے دور میں لوگ آزادی سے مشورہ دیتے ، اختلاف رائے کرتے اور آپ کثرت رائے کا احترام فرماتے اور ہر دانشمندانہ تجویز کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ صحابہ کی تربیت آپ نے اسی نہج پر کی' یہی وجہ ہے کہ ان کو معاملات میں رائے دینا اور اختلاف رائے برداشت کرنا آ گیا۔ وہ اپنے بڑے بڑے اور پیچیدہ معاملات بھی بخیر و عافیت طے کر لیتے۔ جب ہمیں سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے معاملے انتہا درجے کا اختلاف رائے نظر آتا ہے' تو یہ بھی نظر آتا ہے کہ رائے دینے والوں نے دوسروں کی بات کو نا صرف توجہ سے سنا بلکہ دلیل آنے کے بعد ان کا اختلاف رائے فوراً ختم ہو گیا اور وہ آپس میں پہلے سے زیادہ شیر و شکر بن گئے۔ 21ے یہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہی تو اثر تھا۔

اختلاف رائے کی اجازت اپنی جگہ لیکن رسول کریم نے اہل ایمان کو اسلامی اخوت کے رشتے میں پرو کر جسد واحد کی طرح بنا دیا تھا۔ صحابہ نے گروہ بندیوں اور جتھہ بندیوں کا خیال تک دل سے نکال دیا تھا۔ کیونکہ قرآن کریم میں انہیں یہی حکم تھا۔

واعتصمو بحبل الله جميعاً و لاتفرقوا 22ے

''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ فرقہ مت ہو''

فرقہ بنتا ہی تب ہے جب اُس کا مرکز سے تعلق کمزور ہو جائے۔ اور اللہ ذوالجلال اِس تعلق کی کمزوری کو پسند نہیں کرتا۔ اُسے مضبوط رکھنے کے لیے حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیتا ہے۔ لہٰذا اہل ایمان کسی معاملے میں باہم علمی واجتہادی اختلاف تو کر سکتے ہیں لیکن اِس اختلاف کی وجہ سے اپنا الگ سے فرقہ بنانے کی اجازت نہیں ہے۔ نیز اوپر دی گئی صراحت سے معلوم ہوا کہ رسول عربی اپنے مخالفوں کو کس حد تک برداشت کرتے تھے تو ہمیں اپنے اختلاف کے باوجود اپنے کلمہ گو بھائی پر کفر و شرک اور بدعت کا فتویٰ لگانے میں جلدی کرنے کی اجازت کس طرح مل سکتی ہے؟

تازگی کا احساس

خوش گوار زندگی بسر کرنا سنت رسول ہے۔ رسول کریم گھر میں ہوتے یا بیرونِ خانہ احباب میں، آپ سے زیادہ مسکرانے والا شخص کوئی اور نہ تھا۔ جھوٹ تو ہر گز نہ بولتے لیکن گفتگو کے دوران مخاطب کی جھجک زائل کرنے کے لیے ہلکا پھلکا مذاق کر لیتے۔ آپ کی محفل میں کوئی اکتاہٹ محسوس نہ کرتا۔ یہ صرف آپ کا ذاتی کردار نہ تھا بلکہ جو تعلیمات آپ نے اپنے ساتھیوں کو دیں اور جو طریقہ زندگی ان میں متعارف کروایا وہ تنگ نظری اور گھٹن کی بجائے زندگی کی بھرپور تازگی کا احساس لیے

ہوئے تھا۔

رسول اللہ باغوں میں بیٹھنا پسند فرماتے۔ کبھی اکیلے اور کبھی مع احباب آپ کسی باغ میں تشریف لے جاتے۔ اور وہاں جو کچھ میسر آتا اُسے تناول بھی فرماتے۔ جن خوش نصیبوں کے باغ میں آپ جاتے ان میں ایک سیدنا جابر بھی ہیں۔ 23ے مدنی دور میں آپ کو ساتھیوں کے ہمراہ اکثر سفر پر رہنا ہوتا۔ اور یہ سفر بذات خود ایک دل چسپ سرگرمی ہوتا۔ دوران سفر آپ نے شادیاں کیں اور دوران سفر ہی ولیمہ کی دعوت بھی کی 24ے ایک دفعہ سفر میں آپ پیلو کے درختوں کے پاس سے گزرے۔ صحابہ پیلو کے پھل چننے لگے تو آپ نے فرمایا ان میں سے کالے رنگ کے پھل وہ زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔ 25ے یعنی صحابہ کے ساتھ ان کی دل چسپیوں میں شرکت فرمائی۔ جب قافلہ چلتا تو قافلے کو تیز چلانے کے لئے اور اونٹوں کی رفتار بڑھانے کے لیے کچھ صحابہ گانا گاتے، جس کو حدی خوانی کہتے ہیں۔ سید المرسلین کے حدی خوانوں میں جن صحابہ کے نام ملتے ہیں اُن میں عبداللہ بن رواحہ، انجشہ، عامر بن الاکوع اور مسلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنھم شامل ہیں 26ے ٹھنڈی ہوا اور بارش نبی رحمت کو پسند تھے۔ سیدنا انس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم آپ کے ہمراہ تھے کہ بارش شروع ہوگئی تو آپ نے اپنے بدن کا اوپری حصہ کھول دیا اور بارش کے چھینٹے اپنے جسد اطہر پر وصول کرنے لگے۔ ہم نے عرض کی' اللہ کے رسول ایسا کیوں کر رہے ہیں تو فرمایا۔ اس لیے کہ یہ بارش ابھی ابھی اپنے رب کی طرف سے آئی ہے۔ 27ے

دشمن سے مقابلے کے وقت مجاہدین نا صرف مطمئن ہوتے بلکہ سج سنور کر، تیار ہو کر نکلتے۔ سیدنا انسؓ کہتے ہیں کہ جب نواسہ رسول حسین رضی اللہ عنہ کا سر عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے اپنے بال رنگے ہوئے تھے۔ 28ے جناب ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ جنگ احد میں سر پر سرخ رومال باندھے اکڑتے ہوئے چل رہے تھے۔ رسول اللہ نے دیکھا تو فرمایا یہ چال اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے مگر اِس موقع پر نہیں۔ 29ے

خواتین کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ عہد رسالت میں خواتین زندگی کی دل چسپیوں میں بھرپور انداز سے شریک ہوتیں۔ اور ایسی دل چسپ سرگرمیاں اختیار کرتیں جو نسوانیت کے منافی نہ تھیں۔ سیدنا جابر نے بیوہ سے شادی کی تو فرمایا' کنواری سے کیوں نہ کی۔ تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی۔ 30ے معاشرتی عمل میں لذت و تسکین کو شریعت نے عورت کا حق تسلیم کیا ہے۔ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کا یہ حق پورا نہیں کر سکتا تو عورت کو اجازت ہے کہ وہ ایسے خاوند سے خلع حاصل کر لے 31ے نیز شریعت میں بجنا سنورنا عورت کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ عورت چاہے تو بوقت ضرورت زیورات وغیرہ ادھار لے کر بھی زیب و زینت اختیار کر سکتی ہے۔ 32ے

عہد نبوی میں خواتین صرف گھر کی چار دیواری تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ تحفظات کے ساتھ گھر کے باہر بھی حسب

ضرورت جسمانی سرگرمیاں اختیار کر لیتی تھیں۔امام ابوداؤد نقل کرتے ہیں کہ خاتم النبین علیہ السلام نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا کے ساتھ دو دفعہ باہر کھلی جگہ میں دوڑ لگائی۔ایک دفعہ عائشہ سبقت لے گئیں جبکہ دوسری دفعہ رسول اللہ آگے نکل گئے۔ 33 مدینہ کے اندر یا نواح میں اگر سیر کے لے جانا ہوتا تو عورتیں مل کر بھی چلی جاتیں اور اگر باہر جانا ہوتا تو محرم کے ساتھ سفر کرتیں۔سیدہ عائشہ گھر سے باہر جاتیں تو ام مسطح ؓ کو ساتھ لے جاتیں۔ 34 یہ بھی مذکور ہے کہ جب مسجد نبوی میں جنگی نمائش کا اہتمام کیا گیا تو دیکھنے والوں میں سیدہ عائشہ بھی شامل تھیں۔حالانکہ ان جنگی کرتبوں کو مرد پیش کرر ہے تھے۔امام نووی کہتے ہیں کہ اگر مراد مردوں کو دیکھنا بلکہ ان کے کرتب وغیرہ دیکھنا ہے تو عورتیں بھی انہیں دیکھ سکتی ہیں 35 اگرچہ کھلونے اور گڑیا سے کھیلنا چھوٹی عمر کی بچیوں کا مشغلہ تھا۔لیکن سیدہ عائشہ شادی شدہ خاتون تھیں۔اور رخصت ہو کر اپنے خاوند کے گھر آچکی تھیں۔ان کی ہم جولیاں آتیں اور وہ ان کے ساتھ مل کر کھیلتیں۔معلوم ہوا یہ مشغلہ بالغ عورتوں کے لیے بھی ممنوع نہ تھا 36 نیز سیدہ فرماتی ہیں کہ جب میری رخصتی کا وقت آیا تو میں اپنی سہیلیوں کے ہمراہ جھولے جھول رہی تھی۔ 37 گویا بچیوں کی طرح اگر جوان عورت شرم وحیا کو مدنظر رکھ کر جھولا جھول لے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔اس طرح کے مزید شواہد کثرت کے ساتھ ہیں ،جن سے واضح ہوتا ہے کہ دور رسالت میں خواتین سماجی مشاغل میں دل چسپی کے ساتھ شرکت کرتیں اور زندگی کی لذتوں کے اوپر ان کا حق کسی طرح سے کم نہ تھا۔سیرت طیبہ کا یہ پہلو واضح کرتا ہے کہ آپ نے جو معاشرہ ترتیب دیا اُس میں گھٹن نام کو نہیں تھی بلکہ مدنی ماحول میں ایک خوش گوار فرحت اور تازگی کا احساس تھا۔

سیرت طیبہ میں جدت قبول کرنے کا تصور

تعصب اور ضد عربوں کے مزاج میں راسخ ہو چکے تھے۔عموماً غیر جانبداری سے معاملے کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا تجزیہ نہ کرتے۔جو روایت باپ دادا سے چلی آتی اُسی کو حرفِ آخر سمجھتے۔رسول کریم علیہ السلام کا ان کے ساتھ اس معاملے میں بھی اختلاف تھا۔آپ نے اُن کے سامنے واضح کیا کہ 'تم دلائل و براھین کی روشنی میں پرکھ کر فیصلہ کرنا سیکھو' ضروری نہیں کہ باپ دادا کے تمام طور طریقے بالکل درست ہی ہوں۔قرآن کریم اُن کے رسول اللہ کے ساتھ مکالمے کو اس طرح واضح کرتا ہے۔

قالو ا بل نتبع ماالفینا علیه اباء نا اولو کان اباء هم لا یعقلون شینا و لا یهتدون

''وہ بولے بلکہ ہم تو اُسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ واجداد کو پایا۔اگرچہ ان کے آباء واجداد کسی چیز کی عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں''

اِس کے برعکس رب ذوالجلال نے اہل ایمان کوتحقیق کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ انہیں علوم کونی کے حصول کی طرف راغب کیا۔ انہیں زمین، آسمان اور مظاہر فطرت پر غور و فکر کرنے پر ابھارا۔ اہل عقل اور اولی الالباب کی اصطلاحیں استعمال کر کے ان میں شامل ہونے کی راہ دکھلائی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے واضح کیا کہ ایمان لانے کے بعد تجربہ کرنا ایمان میں اضافے کا باعث بنتا ہے 39 قرآن مجید نے کہا کہ جسے دانائی عطا کی گئی اُسے خیر کثیر عطا کی گئی 40 اور صادق و مصدوق علیہ السلام نے فرمایا

الکلمته الحکمته ضالته المومن حیث ما وجدھا فھو احق بھا. 41

دانائی کی بات مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ وہ اُسے جہاں بھی پالے وہی اُس کا زیادہ حق دار ہے"

اس حدیث میں دو اہم باتوں کی طرف راہنمائی کی گئی ہے۔ پہلی بات حکمت کے حصول کی زبردست ترغیب ہے۔ راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ حکمت سے مراد عقل وفکر کے نتیجے میں درست فیصلے تک پہنچنا ہے۔ 42 گویا حدیث بالائی اشیاء اور امور پر غور و خوض کر کے حقیقت سمجھنے کی تلقین کرتی ہے۔ دوسرا قابلِ توجہ نکتہ اِس حدیث میں یہ ہے کہ حصول علم کے لئے مآخذ کی حد بندی ختم کر دی گئی ہے۔ یعنی قرآن و سنت کے سوا دیگر ذرائع علم سے بھی استفادہ کرنا چاہیے۔ جیسے تکنیکی اور سائنسی علوم یا فکری اور ادبی کاوشیں۔ ذریعہ علم جو بھی ہو' مسلمان کو دانائی کے حصول میں کوتاہی نہ کرنی چاہیے۔

مدنی دور رسالت میں معاشی خوش حالی اور دولت کی فراوانی کی نسبت صبر و قناعت کے مظاہر زیادہ نظر آتے ہیں۔ اور یہ دور مسلسل جنگوں میں مشغولیت کا بھی ہے۔ فقر و فاقہ کے باوصف مجاہدین اِسلام جہاد کے لیے رغبت سے اپنی جانیں پیش کر رہے ہیں۔ اگرچہ اُن کے اوپر جذبہ غالب ہے لیکن اِس کیفیت کے باوجود سیرتِ سرورِ عالم سے واضح ہے کہ آپ نے ہمیشہ میدانِ جنگ میں جدید جنگی ٹیکنالوجی کے حصول اور اس کو روبعمل لانے کی سعی کی۔ غزوہ احزاب میں جب عربوں کے ایک بڑے متحدہ لشکر کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی اطلاع ملی تو نبی دو عالم نے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ سیدنا سلمان فارسی نے ایک ایسی دفاعی حکمت عملی کی تجویز پیش کی۔ جس کے بارے میں حملہ آور لشکر سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آپ نے مدینہ میں محصور ہونے اور دشمن کے راستے میں خندق کھودنے کی تجویز دی' جو کہ اہل فارس کے ہاں ایک متداول دفاعی تدبیر تھی اِس جدت کو مدنی لشکر کے سالار نے قبول کیا اور یہ تدبیر اتنی کارگر ہوئی کہ آخر کار حملہ آور جتھوں کو ناکام و نامراد واپس لوٹنا پڑا۔ 43

غزوہ احزاب پر جدید جنگی ٹیکنالوجی استعمال کرنا صرف ایک مخصوص واقعہ اور حالات کا اضطراری تقاضا نہ تھا بلکہ فنِ حرب و ضرب میں جدت اختیار کرنا مدنی ریاست کی پالیسی میں شامل تھا۔ امام بخاری نقل کرتے ہیں کہ عید کے دن' جب سید البشر علیہ السلام عید کی نماز سے فارغ ہوئے تو میدانِ عید سے سیدھے مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ وہاں صحابہ کا اجتماع تھا۔

حبشی لوگ برچھیوں کے ساتھ اپنے علاقے کے فنونِ حرب وضرب پیش کر رہے تھے۔ مردوں کے علاوہ دیکھنے والوں میں سیدہ عائشہ بھی شامل تھیں۔ یوں عید کے موقع پر رسول اللہ کی نگرانی میں مسجد نبوی میں اہتمام کے ساتھ عوام کے لیے اِس جنگی نمائش کا اہتمام کیا گیا۔ 44

اس نمائش کے اہتمام کا ایک مقصد تو اہل مدینہ کے جہادی شوق میں اضافہ کرنا تھا۔ دوسرا چونکہ مدینہ والے میدانِ جنگ میں برچھیوں کا استعمال کم جانتے تھے، اس لیے انہیں اہل حبش کی جنگی تکنیک سے متعارف کروانے کے لیے عید کے دن اِس نمائش کا اہتمام کیا گیا۔

مدنی دورِ رسالت میں چونکہ غزوات کا سلسلہ نمایاں رہا اس لیے اسی حوالے سے شواہد پیش کیے گئے ہیں وگرنہ اوپر گزر چکا ہے کہ قرآن مجید خود تحقیق وجستجو اور مظاہر فطرت کو استعمال کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔ سیرت طیبہ کا یہ وہی پہلو ہے جس سے رہنمائی لے کر بعد ازاں اندلس وبغداد کے مسلم سائینس دانوں نے مادی علوم میں عظیم کارنامے سرانجام دیے۔

کفر سے دشمنی کی حدود

موجودہ دور میں علوم وفنون پر اہل کفر کا تسلّط ہے۔ جدید ایجادات کا سہرا زیادہ تر ان ہی کے سر ہے۔ دنیا کے لوگ زندگی کے ہر میدان میں اہل مغرب کی اقتداء کر رہے ہیں۔ جبکہ اہل اِسلام بہت سی جدید اشیاء اور نئے رجحانات اپنانے کے لیے محض اِس لیے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں کہ کہیں اِس طرح اُن کی کفر سے دشمنی میں کمی واقع نہ ہو جائے۔ لہٰذا جدت قبول کرنے میں اِسی اہم فکری رکاوٹ جامع مانع جائزہ پیش خدمت ہے۔

قرآن کریم نے بالکل واضح کیا ہے کہ اہل کفر کبھی بھی اہل ایمان کے ساتھ مخلص نہیں ہو سکتے۔ اور اہل اسلام کو اُن پر اعتبار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

یا ایھا الذین آمنو لا تتخذوا بطانته من دونکم لا یا لو نکم خبالا 45

''اے ایمان والو غیروں کو دلی دوست نہ بناؤ۔ وہ تم سے دشمنی میں کمی نہ کریں گے''

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنا ذہنی رویہ درست رکھیں۔ اہل کفر کی دوستی پر فخر نہ کریں۔ ان کی چمک دمک اور دنیاوی ترقی کو دیکھ کر مرعوب نہ ہوں اور اِس ذہنی مرعوبیت کی وجہ سے وہ کافروں کے طور طریقوں کو اپنانا شروع نہ کریں۔ اگر کوئی شخص اہل کفر کی نقالی میں رغبت رکھتا ہو۔ اور ان کے کلچر کی حمایت کرے اگرچہ ان کے انداز واطوار اسلام کی واضح تعلیمات کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر وہ شخص کفر سے مختص علامت کو اپنا کر اِن کی توجیہ کرے نیز کفر سے متصادم اسلامی تعلیمات کی

تاویل کرنے کی تلاش میں ہو۔اور پھر اپنی ذہنی مرعوبیت کو وہ روشن خیالی یا اعتدال پسندی سمجھے تو یہ غلط ہوگا۔ یہ روشن خیالی نہیں بلکہ ایمان کی کمزوری ہے۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من تشبه بقوم فهو منهم 46

''جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے گا تو وہ انہیں میں سے ہوگا''

اس حدیث کی روشنی میں جمہور اہل علم نے مسلمان کی اہل کفر سے مشابہت کو حرام قرار دیا ہے۔اور اس فعل کو کفر قرار دیا ہے۔جیسا کہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ 47 لیکن اس بحث میں اہم نکتہ یہ ہے کہ کفار سے مشابہت کن معاملات میں حرام ہے؟۔اہل علم کا ایک گروہ ایسا ہے جو اسے مطلق حرام قرار دیتا ہے کہ ہر وہ عمل جو کفار کے ساتھ مختص ہو اُس میں ان کی مشابہت سے اجتناب لازم ہے۔ابن تیمیہ اور عصر حاضر کے بہت سے حنفی علماء بھی اِسی خیال کے حامل ہیں 48 جبکہ زیادہ تر اہل علم نے حدیث کا مصداق انسان کی ظاہری حالت، وضع قطع اور لباس کو ٹھہرایا ہے۔یہی وجہ ہے کہ حدیث بالا کو محدثین کتاب اللباس میں ذکر کرتے ہیں اور فقہاء کے اقوال بھی زیادہ تر لباس میں اہل کفر کی مشابہت کے حوالے سے ہیں۔ 49 مزید یہ کہ کسی شخص کے بارے میں یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ وہ اہل کفر کی مشابہت کا مرتکب ہوا ہے کہ نہیں ، فقہاء نے اِس معاملے میں چند شرائط کا تعین کیا ہے۔

1۔وہ شخص یہ فعل بلادِ اسلامیہ میں کرے نہ کہ دارالحرب میں، کیونکہ امکان ہے کہ وہ دارالکفر میں مجبور ہو یا حالت خوف میں ایسا کر رہا ہو۔ 50

2۔وہ شخص بغیر ضرورت کے ایسا کرے۔ کیونکہ کبھی شدید ضرورت سے مشابہت اختیار کرنا ناگزیر بھی ہوتا ہے۔ 51

3۔مشابہت کا حکم ان امور میں معتبر ہے جو کہ اہل کفر سے مختص ہوں اور ان کی پہچان بن چکے ہوں۔وہ امور جو فطرتاً انسان ہونے کے ناطے یا بنیادی ضرورت ہونے کی بناء پر تمام بنی آدم میں یکساں ہوتے ہیں، وہ ارتکاب تشبّہ کے دائرے میں نہیں آتے۔ 52

4۔اگر کوئی شخص فقط ہنسی مذاق کے لیے، عارضی طور پر اہل کفر کی حالت سی اپنائے گا۔اگرچہ یہ بات بھی معیوب ہے مگر ایسا کرنے سے وہ دائرہ کفر میں داخل نہ ہوگا۔

5۔امورِ خیر جو تمام نبی آدم کے ہاں پسندیدہ ہیں مثلاً تعلیمی ترقی ، اخلاقیات، اچھا کردار وغیرہ ان کو کسی ایک قوم کی خاص شناخت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ایسے امور میں مشابہت اختیار کرنا ناجائز نہیں بلکہ مستحب ہے۔کیونکہ دانائی کی بات

جہاں سے بھی ملے، مومن اس کا زیادہ حق دار ہے۔ 53

نتیجہ بحث یہ ہے کہ اگر ہم اہل کفر کی نقالی بلا سوچے سمجھے کرتے جائیں اور اس ضمن میں اُن کی مذہبی شناختوں کو اپناتے جائیں اور ان کے افعال واعمال کو تنقیدی نظر سے دیکھنا گوارا نہ کریں تو واقعی معیوب بات ہے لیکن اگر معاملہ اُن سے علمی استفادے کا ہے، اچھے اخلاقیات اور بہترین اصولوں کو اخذ کرنے کا ہے، تو یہ کفر سے محبت نہیں بلکہ اسلامی شریعت کی روشنی میں علم کی تلاش کا معاملہ ہے۔ جو کہ پسندیدہ امر ہے۔

نتائج

سیرت طیبہ کا مذکورہ پہلو ہمیں درج ذیل نتائج کی طرف راہنمائی کرتا ہے:۔

1۔ اسلام سے قبل معاشرے میں تنگ نظری اور گھٹن تھی۔

2۔ رسول اللہ نے تعلیم عام کر کے سابقہ معاشرتی رجحانات کو تبدیل کیا۔

3۔ آپ نے جو معاشرہ تشکیل دیا وہ انتہا پسندی سے پاک تھا۔

4۔ رسول اللہ نے اہل کفر کی خوبیاں بھی قبول فرمائیں۔

5۔ آپ نے ہر مفید اور جدید علم حاصل کرنے کی ترغیب دی۔

6۔ آپ نے صحابہ کرام کو اختلاف رائے برداشت کرنے کا سبق دیا۔

7۔ اہل کفر سے مرعوبیت اور ان کی دوستی پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔

8۔ دنیا کی جدید تعلیمی ترقی سے غافل رہنا درست نہیں ہے۔

حوالہ جات

1۔ ابن اثیر، علی بن محمد حافظ ''الکامل فی التاریخ'' ج ا ، ص 502 (دار صادر بیروت)

2۔ القرآن: الفتح : 26

3۔ بخاری ، محمد بن اسمعیل ''الجامع الصحیح'' کتاب المناسک ، باب لا یطوف بالبیت عریان......، حدیث نمبر 1622 ص: 483/3 (دار النشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

4۔ القرآن : عبس : 1-10

5۔ القرآن : مائدۃ : 3

6۔ القرآن : العلق : 3-5

7۔ القرآن : آلِ عمرآن : 164

8۔ مبارکپوری ، صفی الرحمان ''الرحیق المختوم (اردو)'' ص 314 (المکتبہ السلفیہ لاہور)

9۔ مسلم بن حجاج ''القشیری'' ''الجامع الصحیح'' کتاب النکاح ، باب استحباب النکاح ، ص 449/1 (قدیمی۔کتب خانہ کراچی)

10۔ القرآن : الاسراء :

11۔ القرآن : البقرہ :

12۔ نسائی ، احمد بن شعیب ''السنن'' کتاب المناسک الحج ، باب القصناۃ الحصی ، ص 42/2 (مکتبہ السلفیہ لاہور)

13۔ القرآن : البقرہ : 143

14۔ حافظ ابن کثیر، اسمعیل بن عمر '' تفسیر القرآن العظیم (اردو) '' تفسیر آل عمران : 63 پ ۳ ص 72/1 (اصح المطابع آرام باغ کراچی)

15۔ القرآن : آل عمران : 64

16۔ صفی الرحمان مبارکپوری ''الرحیق المختوم'' ص 263

17۔ ابن قیم الجوزی ، محمد بن ابی بکر ''زاد المعاد فی ھدی خیر العباد'' ص 262/3 (موسۃ الرسالہ، بیروت)

18۔ حافظ ابن کثیر ''تفسیر القرآن العظیم (اردو)'' تفسیر آیت توبہ : پ10 ص 86/3

19۔ القرآن : الحج : 40

20۔ ابن قیم الجوزی ''زاد المعاذ'' ص 242/3, 173, 156

21۔ السیوطی، جلال الدین عبد الرحمان ''تاریخ الخلفاء'' ص 68-67
(میر محمد کتب خانہ'' آرام باغ'' کراچی)

22۔ القرآن : آل عمران : 103

23۔ بخاری ''الجامع الصحیح'' کتاب الاطعمہ، باب الرطب ولتمر......حدیث نمبر 5443، ص 566/9

24۔ بخاری '' ایضاً '' کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، حدیث نمبر 4200، ص 419/5

25۔ مسلم ''الجامع الصحیح'' کتاب الاشربہ ، باب فضیلۃ الاسود من الکباث ، حدیث نمبر 5232 ، ص 182/2

26۔ ابن قیم الجوزی ''زاد المعاذ'' ص 124/1

27۔ مسلم ''الجامع الصحیح'' کتاب صلوۃ الاستقاء ، فصل جی الخوف برویۃ الریح......، ص 294/1

28۔ بخاری ''الجامع الصحیح'' کتاب فضائل الصحابہ، باب، مناقب الحسن والحسین، حدیث نمبر 3748، ص 94/7

29۔ حافظ ابن کثیر ، اسمعیل بن عمر ''البدایۃ والنھایۃ فی التاریخ'' ص 15/4 (مکتبہ قدوسیہ ، لاہور

30۔ بخاری ''الجامع الصحیح'' ''کتاب النکاح'' باب تزویج الثیبات، حدیث نمبر 5097، ص 121/9

31۔ مسلم ''الجامع الصحیح'' کتاب النکاح، باب لاتحل المطلقہ الثلاثۃ......، ص 463/1

32۔ بخاری الجامع الصحیح ''کتاب اللباس ، باب استعارہ القلائد، حدیث نمبر ، 582 ص 331/10

33۔ ابوداود، سلیمان بن اشعث ''السنن'' کتاب الجہاد، باب فی السبق علی الرجل، ص 334/2
(مع عون المعبوذ نشر السنہ، ملتان)

34۔ بخاری ''الجامع الصحیح'' کتاب التفسیر، باب قولہ لولا اذ سمعوۃ......حدیث نمبر 4750 ، ص

35۔ نووی ، یحیی بن شرف ''الکامل شرح صحیح مسلم'' ص ، 291/1 (قدیمی کتب خانہ کراچی)

36۔ ابوداود ''السنن'' کتاب الادب ، باب الحب بالبینات، ص 438/4

37۔ ابوداود ''ایضاً'' کتاب الادب ، باب فی ارجوحۃ، ص 440/4

38۔ القرآن : البقرۃ : 170

39- القرآن : البقرۃ : 260

40- القرآن : البقرۃ : 269

41- ابن ماجہ ،محمد بن یزید ''البواب الزھد ، باب الحکمۃ ، ص 317
(احیاء السنۃ النبویۃ سرگودھا)

42- اصفھانی ، راغب '' مفردات القرآن'' ترجمہ محمد عبدہ ، ص 254/1
(اہل حدیث اکادمی ۔ لاہور)

43- ابن قیم الجوزی ''زادالمعاذ'' ص 242/3

44- بخاری ''الجامع الصحیح'' کتاب النکاح باب النسوۃ التی......حدیث نمبر 5162،ص 255/9

45- القرآن : آل عمران : 118

46- ابوداود ''السنن'' کتاب اللباس ۔ باب فی بس اشھر ۃ ، ص 78/4

47- قاری محمد طیب ''اسلامی تہذیب وتمدن'' ص 98-94 (ادارہ اسلامیات ، لاہور)

48- قاری محمد طیب ''ایضاً'' ص 94,98

۲ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم الحرانی '' اقتضاء الصراط المستقیم فی مخالفۃ اصحاب الجحیم '' ص 471/1
(وزارۃ شئون الاسلامیہ ۔ سعودی عرب)

49- ابن البزاز ، محمد بن شہاب '' فتاوٰی بزازیہ'' علی ہامش الھندیہ ۔ ص
(المطبعۃ الکبری الامیریہ ۔ مصر (1310ھ)

50- ابن تیمیہ ''اقتضاء الصراط المستقیم'' ص 471/1

51- ابن ابزاز ''فتاوٰی بزازیہ'' علی ھامش الھندیہ ص 332/6

52- حافظ ابن حجر العسقلانی، احمد ''فتح الباری شرح البخاری'' ص 275/10 (دارالنشر الکتب الالامیہ ، لاہور)

53- العلوان، عبداللہ الناصح ''تربیۃ الاولاد فی الاسلام'' ص 183/1 (دارالسلام ۔ بیروت)

الراقم

نوید احمد شہزاد

عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت سیرت طیبہ کی روشنی میں

(پروفیسر (ریٹائرڈ) محمد سعید اکرام (چکوال)

عصر حاضر کو آج بے شمار خطرات اور مشکلات کا سامنا ہے۔ دنیا اتنی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی ہے کہ کسی قدم پر بھی ٹھوکر کھا کر آن کی آن میں تباہی کے گہرے غاروں میں گر سکتی ہے۔ ذرا سی غلطی اسے کسی بڑی قیامت سے دوچار کر سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جدید سائنسی ترقی نے دنیا کو بے پناہ آسائشوں سے مالا مال کر دیا ہے۔ لیکن یہ بات بھی بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اس سائنسی ترقی نے اسے ایسی مہلک ایجادات بھی فراہم کر دی ہیں کہ جن کے سبب وہ چند لمحوں میں اپنی موت کے خود سامان پیدا کر سکتی ہے۔ لہٰذا عصر حاضر، انسان سے بے حد احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ شدت سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ دنیا کو خوف کے مضبوط پنجوں سے نکال کر اسے ایسی زندگی فراہم کی جائے جس میں ہر طرف سکون، محبت اور اخلاص کی فراوانی ہو۔ وہ زندگی جو خدا کی اشرف ترین مخلوق کے شایان شان ہو۔ اسے وہ معاشرہ دیا جائے جس کے لئے آئندہ آنے والی نسل آدم ہمیشہ اس کی ممنون رہے۔ بے شمار خطرات اور مشکلات سے دوچار عصر حاضر' انسان سے جو تقاضے کر رہا ہے۔ انہیں بتفصیل مندرجہ ذیل عنوانات سے پیش کیا جا سکتا ہے۔

(1) گلوبل ولیج کی تھیوری کو سمجھنے کی ضرورت

آج پوری دنیا ایک گلوبل ولیج بن چکی ہے۔ جدید سائنسی ترقی نے زمینی فاصلے ختم کر کے رکھ دیئے ہیں۔ کوئی ملک کسی دوسرے ملک سے اور کوئی تہذیب کسی دوسری تہذیب سے دور نہیں۔ کوئی جدید ترین اور حد درجہ ترقی یافتہ ملک بھی دوسری دنیا سے کٹ کر اور اپنے طور پر زندہ رہنے کا تصور نہیں کر سکتا ہے۔ کسی ملک کی ترقی یا پسماندگی اکیلے ایک اسی حد تک محدود نہیں رہ سکتی۔ کہیں خلا میں جاتا ہوا راکٹ ہو یا کہیں زمین کی گہرائیوں میں ہونے والا کوئی دھماکہ، کسی سڑک پر ہونے والا کوئی حادثہ ہو یا زمین کے کسی حصے پر آنے والے زلزلے کی تباہ کاریاں ہر بات کی خبر محض چند سیکنڈ کے اندر ہر کان سن سکتا ہے۔ اور ہر منظر چند لمحوں کے اندر دنیا کی ہر آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ کوئی کسی سے کچھ چھپا کر نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے ضروری ہو گیا ہے۔ کہ مغربی ہوں

یا مشرقی، توحید پرست ہوں، یا تثلیث پرست، اشراکیت پسند ہوں یا نوآبادیاتی نظام کے علمبردار، اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ وہ دوسروں کو زندگی دیں گے تو یہ ان کی اپنی زندگی کی ضمانت ہوگی۔ وہ دوسروں کو جینے کے حق سے محروم کریں گے تو خود ان کا اپنا عرصہ حیات ان پر تنگ ہو جائے گا۔ اب حالات یک طرفہ سفر نہیں کریں گے۔ اب ٹریفک دوطرفہ چلے گی۔ ورنہ حادثات قدم قدم پر زندگی کی گاڑی کا راستہ روکتے رہیں گے۔

(2) جموریت اور انسانی آزادیوں کے فروغ کی ضرورت

عصرِ حاضر اب شدت کے ساتھ دنیا سے تقاضا کرتا ہے کہ آمریت اور شخصی حکومتوں کو دنیا سے رخصت کر دیا جائے بادشاہت اور ملوکیت کی جگہ عوام کو راج دیا جائے۔ فیصلے اکثریت رائے سے ہوا کریں ہر قوم کے لوگ بدل بدل کر اپنی حکومت کا کاروبار چلائیں۔ وراثت کی بجائے اہلیت معیار ٹھہرے۔ باپ کے بعد بیٹے کے حق والا تصور ختم کر دیا جائے۔ تمام انسان اور تمام انسانوں کے حقوق برابر ہوں۔ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا اور کوئی ملک کسی دوسرے کا حق سلب کر لینے کا تصور نہ کرے۔ انسانی آزادیوں کا احترام کیا جائے۔ محض رنگ، نسل ، مذہب کی بنیاد پر دوسروں کے معاملات میں مداخلت نہ کی جائے۔ اور اپنی پسند کے فیصلے دوسروں پر زبردستی مسلط نہ کیے جائیں۔ نیز ہر سطح پر احترام کرو اور احترام کراؤ کا جذبہ اجاگر کیا جائے۔

(3) جنگ کی بجائے باہمی افہام و تفہیم سے مسائل حل کرنے کی ضرورت

یہ بات قبول کر لینے کی ضرورت ہے کہ اب دنیا کا اسلوب اور مزاج بدل چکا ہے۔ اب وہ دور نہیں رہا جب ایک فاتح دنیا کو فتح کرنے کے ارادے سے نکلتا اور ہر شے کو تاخت و تاراج کرتا چلا جاتا۔ کسی تنازعے کی صورت میں آناً فاناً فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو جاتیں اور گھنٹوں یا دنوں میں دنیا کا جغرافیہ اور تاریخ دونوں بدل جاتے۔ آج انسان نے دیکھ لیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی سرحدی جھڑپوں سے لے کر جنگ ہائے عظیم تک نے دنیا کو تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ ایران اور عراق کی جنگ ہو یا امریکہ اور ویت نام کی لڑائی کہیں بھی تنازعات کو طے نہیں کیا جا سکا۔ اسرائیل اور فلسطین نے مسلسل حالت جنگ میں رہ کر اور پاکستان اور بھارت نے تین بڑی لڑائیاں لڑ کر دیکھ لیا ہے۔ اور سوائے ایک دوسرے کے نقصانات گن گن کر اپنی فتح کے شادیانے بجانے کے کچھ حاصل نہیں کیا۔ افغانستان پر روس کی یلغار اور کویت پر عراق کی یورش کے نتیجے میں دنیا کے اندر بھڑکی ہوئی آگ پھیلتی ہی جا رہی ہے۔ اور آج بھی اگر امریکہ یہ سمجھتا ہے کہ افغانستان اور عراق میں آگ اور خون کے کھیل سے دنیا کو امن نصیب ہوگا۔ تو یہ اس کی بھول ہی نہیں بہت بڑا جرم بھی ہے۔ اب عصرِ

حاضر دنیا سے تقاضا کرتا ہے کہ ہر ملک ہوش کے ناخن لے۔کوئی ملک اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ ہمیں است وہمیں است۔آج کسی کو غلط فہمی نہ رہے کہ بزور شمشیر اپنے فیصلے منوا سکتا ہے۔

(4) عالمی دہشت گردی کے اسباب تلاش کرنے اور ان کے تدارک کی ضرورت

آج دہشت گردی کے خوف سے بڑی سے بڑی طاقت کی راتوں کی نیندیں حرام اور دنوں کا چین ختم ہو کر رہ گیا ہے ایک چھوٹے سے قصبے سے لے کر دنیا کے جدید ترین شہر تک ہر آبادی ہر وقت کسی دھماکے، کسی خون ریزی یا کسی تباہ کاری کے انتظار میں رہتی ہے۔آج پوری دنیا دہشت زدہ نظر آتی ہے آج وقت کا زبردست تقاضا ہے کہ موجودہ عالمی دہشت گردی کے خلاف پوری دنیا ایک ہو جائے تشدد کی ہر لہر کو مل کر روکا جائے لیکن اس کے ساتھ ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ دنیا مل کر سوچے کہ صرف دوسروں کو خوفزدہ کرنے کے لیے کوئی خودکش حملہ نہیں کرتا۔کوئی بے مقصد بارود بھری گاڑی کے ساتھ خود کو اڑا نہیں سکتا۔آج ضرورت اس بات کی ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ کون سے مظالم ہیں اور کون سی محرومیاں ہیں جو لوگوں کو دہشت گرد بننے پر مجبور کر دیتی ہیں کوئی اتنا مایوس اور منتقم کیوں ہو جاتا ہے۔کوئی اپنے سمیت ساری دنیا کو خاک میں ملانے پر کیوں تل جاتا ہے یقیناً اتنا بڑا فیصلہ کوئی بھی اتنی جلدی میں نہیں کرتا۔ بلکہ ہر واقعہ کے پیچھے ایک پوری تاریخ ہوا کرتی ہے۔

وقت کرتا ہے پرورش برسوں حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

اس لئے وقت کا تقاضا ہے کہ اس عالمی دہشت گردی کو ختم کرنے کے لئے پہلے اس کے اسباب کو ختم کیا جائے۔غاصب اقوام کے منہ زور گھوڑوں کو لگام دی جائے۔اپنے تحفظ کو یقینی بنانے کیلئے دوسروں کو مظالم کا نشانہ بنانے اور ان کو ان کے اپنے ہی گھروں سے نکال باہر رکھنے کے سلسلے ختم کئے جائیں اور دنیا قطعاً نہ بھولے کہ انتقام کی آگ وقتی طور پر تو ٹھنڈی ہو سکتی ہے، ہمیشہ کیلئے بجھ نہیں سکتی۔

(5) دہشت گردی اور تحریک آزادی میں فرق کی ضرورت

ہمیشہ کی طرح آج بھی طاقت کے نشے میں مبتلا کوئی اپنی مرضی کے خلاف بات سننے کو تیار نہیں۔آج بھی ظالم اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا ہے۔اپنا حق مانگنے پر غریب مجرم قرار دیا جاتا ہے۔آزادی کیلئے اٹھنے والی آواز بغاوت گردانی جاتی ہے۔اس میں شک نہیں کہ محض دنیا کو ہراساں کرنے، کسی لالچ اور ذاتی غرض کے سبب دوسرے انسانوں کا سکھ چین لوٹنے کیلئے دہشت گردی کا ہلکے سے ہلکا جرم بھی بڑی سے بڑی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔لیکن فلسطین والے آزاد فلسطین کا مطالبہ کریں،

کشمیری مسلمان، غاصبانہ قبضے کے خلاف آزادی رائے کا حق مانگیں، بوسنیا والے اور چیچنیا والے جینے کا حق طلب کریں اور ان پر قابض قوتیں انہیں دہشت گرد قرار دے کر ان کو بچوں سمیت اجتماعی قبروں میں اتار دیں تو یہ حد درجہ نا انصافی اور ظلم ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ دہشت گردی اور تحریک آزادی میں فرق سمجھا جائے۔ حقوق و فرائض کے پیمانے سائنسی پیمانوں کی طرح پوری دنیا میں یکساں ہوں۔ بے گناہ لوگوں پر چڑھ دوڑنے اور محض اپنی ذات کے تحفظ کی خاطر ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کا جرم بھی دوسروں کیلئے مقرر کیے گئے پیمانوں سے ناپا جائے۔

(6) سُپر پاور کے دماغ سے سُپریم پاور بننے کا خیال نکالنے کی ضرورت

روس کے ٹوٹ جانے کے نتیجے میں جہاں دنیا کو کچھ فوائد حاصل ہوئے ہیں وہاں بہت بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ امریکہ دنیا کی واحد سُپر بن گیا ہے اب اس کے راستے میں رکاوٹ بننے والی بظاہر کوئی طاقت نظر نہیں آتی۔ لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں۔ دنیا یہ مناظر پہلے بھی کئی بار دیکھ چکی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ قدرت ایسی ہر طاقت کو پہلے پورے طور پر کُھل کھیلنے کا موقع دیتی ہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اسے مٹا کر اِک نشانِ عبرت بنا دیتی ہے اور اب بھی یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ لیکن اس کے ہمراہ دنیا کی نسبتاً کمزور طاقتوں پر بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں انہیں ایسی طاقت کی ہر ہاں میں ہاں ملانے کی بجائے کبھی کبھی آنے والے خطرناک نتائج سے بھی اسے آگاہ کرتے رہنا چاہیے۔ گزشتہ دو تین عشروں میں دنیا کی واحد سپر پاور نے جس طرح پوری دنیا کو زیر نگیں کرنے اور پوری دنیا کے وسائل پر قابض ہو جانے کے جنوں میں ہر جھوٹا بہانہ بنا کر آگ اور خون کا کھیل شروع کر رکھا ہے اس کے پیش نظر اشد ضروری ہے کہ دنیا کی دیگر طاقتیں مصلحت کی پالیسی ترک کر دیں۔ اس کے جرم میں اس کے حصہ دار بننے سے رک جائیں اُس کی کاسہ لیسی چھوڑ کر کم از کم اس کی حوصلہ افزائی کے گناہ سے باز آ جائیں ورنہ انہیں بھی یاد رکھنا چاہیے کہ قدرت کی چکی چلتی ہے تو گندم کے ساتھ گھن بھی ہمیشہ پس جایا کرتا ہے۔

(7) اقوام متحدہ (U.N.O) کو حقیقی محترم اور معتبر ادارہ بنانے کی ضرورت

مجلس اقوام عالم کی تحلیل اور جنگ عظیم دوئم کے اختتام پر اقوام متحدہ جن مقاصد کے حصول کیلئے بنائی گئی تھی عصر حاضر اب تقاضا کرتا ہے کہ اس بات کا بغور جائزہ لیا جائے کہ وہ مقاصد اب تک کیوں حاصل نہیں ہو سکے۔ اقوام عالم کے درمیان موجود جھگڑوں کو ختم کرانے میں یو۔ این۔ او ابھی تک کیوں ناکام رہی ہے۔ اس کی قراردادوں کا اب تک کیوں مذاق اڑایا جاتا رہا ہے۔ یہ بڑی طاقتوں (اور اب تو صرف ایک سپر پاور) کا ایک یرغمالی کیوں بن کر رہ گئی ہے۔ اسے ایک محض انگوٹھا چھاپ مشین کیوں بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ ویٹو پاور سے پوری دنیا کی آواز کو کیوں دبا دیا جاتا ہے۔ افغانستان اور عراق پر

حملوں کی قراردادیں دیکھتے ہی دیکھتے کیسے نہ صرف منظور ہو گئیں بلکہ لفظاً اور معناً ان پر عمل درآمد بھی کرالیا گیا اور ان کے مقابلے میں کشمیر اور فلسطین کے مسائل حل کرنے سے متعلق قراردادیں فائلوں کے انباروں کے نیچے سے نکلنے کو اب تک کیوں ترس رہی ہیں۔ اس ضمن میں عصر حاضر تقاضا کرتا ہے کہ اگر دنیا میں ہر مظلوم کو اس کا حق دلا سکے۔ اسے بڑی سے بڑی طاقت کے سامنے بولنے کا حوصلہ دیا جائے بصورتِ دیگر اسے مسلسل کمزور رکھنے کے نتیجے میں یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا انجام بھی اپنی پیش رو انجمن سے مختلف نہیں ہوگا۔

(8) مادیت کے پنجوں میں بے بس دنیا کو روحانیت کی طرف لانے کی ضرورت

عصرِ حاضر جن گھمبیر مسائل سے دوچار ہے انہیں دیکھ کر بلا جھجک کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب کچھ مختلف اقوام اور ممالک کے درمیان سائنسی ترقی کی دوڑ کا نتیجہ ہے۔ سارا قصور صرف مادہ پرستی اور ہوسِ مال و زر اور جاہ کا ہے۔ دنیا جس قدر مادی ترقی میں آگے بڑھتی جا رہی ہے اسی قدر روحانیت سے خالی ہوتی جا رہی ہے۔ آج انسان کی من کی دنیا اور تن کی دنیا کے درمیان توازن حد درجہ بگڑ چکا ہے۔ امیر اور غریب دنیاؤں کے درمیان فاصلے بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ دونوں کے درمیان تصادم کے خطرے کا گراف چڑھتا ہی جا رہا ہے۔ ان حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب کے رہنماء اپنے اپنے مذہب کے پیروکاروں کی دونوں دنیاؤں میں حد درجہ بگڑے توازن کو درست کرنے کی طرف فوری توجہ دیں۔ دنیا کا کوئی سچا مذہب کسی دوسرے سچے مذہب کی اور کوئی حق پرست گروہ دوسرے حق پرست کی تکذیب یا تکفیر نہیں کرتا، محض کم علمی کی وجہ سے دنیا شدید انتہا پسندی اور عدم برداشت کا شکار ہوتی جا رہی ہے۔ آج دنیا دو طبقوں میں بٹ چکی ہے۔ ایک طبقہ مذہب کو بالکل الگ رکھ کر مادی ترقی کے بل بوتے پر اخلاقی قدروں میں آگے بڑھ جانا چاہتا ہے اور دوسرا طبقہ مذہب کے ساتھ جنون کی حد تک چمٹے رہنے اور قدیم رسوم و رواج کی کڑی پابندیوں ہی کو زندگی کی معراج تصور کرتا ہے اور نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ اس لئے اب دنیا کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ ساری دنیاؤں کے پیدا کرنے والے اور بلا امتیاز مذہب و رنگ سب کو رزق دینے والے 'رب' جو کائنات کی واحد سپر پاور ہی نہیں سپریم پاور بھی ہے' کی طرف متوجہ ہو۔ کیونکہ وہ ذاتِ واحد لاشریک اس کی طرف سے توجہ ہٹا لینے والوں اور ناشکری کرنے والوں کو معاف نہیں کیا کرتی۔

فَسِيرُو فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَتُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۔ (النحل ۳۲)

''ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھ کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا''

(9) اسلام کو عالمگیر اخوت کا علمبردار مذہب ثابت کرنے اور اس کے متعلق مغرب کے شکوک وشبہات دور کرنے کی ضرورت

مذکورہ بالا تمام تقاضے عمومی نوعیت کے حامل تقاضے ہیں اور عصرِ حاضر یہ تقاضے بالا جماع پوری دنیا سے کرتا نظر آتا ہے۔لیکن ایک تقاضا جو عصر حاضر صرف اور صرف امت مسلمہ سے کرتا دکھائی دیتا ہے۔وہ اپنی شدت نوعیت اور اہمیت کے حوالے سے دوسرے ہر تقاضے پر فوقیت بھی رکھتا ہے اور فوری توجہ کا مطالبہ بھی کرتا ہے۔

اسلام ہر لحاظ سے ایک روشن خیال اعتدال پسند اور عالمگیر اخوت کا حامل مذہب ہے لیکن آج مغرب اپنے تمام ذرائع کے ہمراہ یہ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے کہ اسلام ایک انتہا پسند' قدامت پرست اور دہشت گرد مذہب ہے۔مغرب اور بالخصوص امریکہ آج دنیا کو ہر طرح سے یہ باور کرا دینا چاہتا ہے کہ مذہب اور خاص طور پر اسلام' دنیا کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے وہ ہر مسلمان کو دہشت گرد اور اسلام کو دہشت گردی کی فیکٹری قرار دینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا۔وہ جس ملک میں بھی اسلام کی کونپل کو ذرہ برابر بھی پھلتے پھولتے دیکھتا ہے وہ کسی نہ کسی بہانے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کو فوراً وہاں پہنچ جاتا ہے۔وہ بڑے منظم طریقے سے لبرلزم کے نام پر مسلمانوں کے دلوں سے ایمان کی حرارت سرد کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کر رہا ہے۔وہ اپنے بے پناہ سرمائے اور جدید میڈیا کے زور پر فحاشی اور بے حیائی کو نہایت تیزی سے دلوں میں اتارنے میں کوشاں ہے۔

ان حالات میں امت مسلمہ سے عصر حاضر یہ تقاضا کرتا ہے۔کہ مغرب آج مسلمانوں اور اسلام کے خلاف جو پراپیگنڈا کر رہا ہے وہ اپنی صفائی میں نہ صرف اس کا موثر جواب دے بلکہ ہر سطح پر یہ ثابت کرے کہ اسلام تو ساری دنیا کو بھلائی دینے والا دین ہے۔یہ امت عالمگیر امن کی دعویدار امت ہے۔ان کی کتاب تمام دنیا کو ہدایت کی روشنی فراہم کرنے والی کتاب ہے۔اور ان کا رسول ﷺ تمام جہانوں کے لئے رحمت بن کر آنے والا رسول ﷺ ہے۔عصرِ حاضر ان سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ دنیا کو بتائیں کہ رب کائنات نے تو انہیں یہ اعزاز عطا کیا ہے کہ

كُنتُم أُمّتهِ أُخرِجَتْ لِلنَّاسِ تأمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ

(آل عمران۔۱۱)

"تم سب سے بہتر امت ہو جو لوگوں کیلئے باہر لائی گئی۔تم اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو"۔

عصر حاضر ان باتوں کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ دنیا کو بتائیں کہ وہ اس رسول ﷺ کے امتی ہیں جو کہ کہتا ہے۔

"مجھے میرے رب نے نو باتوں کا حکم دیا ہے۔ کھلے اور چھپے ہر حال میں خدا سے ڈرتا رہوں۔ غصے میں ہوں یا خوشی میں ہمیشہ انصاف کی بات کہوں محتاجی اور امیری دونوں حالتوں میں اعتدال پر قائم رہوں۔ جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں۔ جو مجھے محروم کرے میں اسے دوں۔ جو مجھ پر ظلم کرے میں اسے معاف کروں۔ اور میری خاموشی غور و فکر کی خاموشی ہو۔ میرا بولنا یاد الٰہی کا بولنا ہو۔ میرا دیکھنا عبرت کا دیکھنا ہو" (مشکوٰۃ المصابیح ص 458)

امت مسلمہ کے لیے لازم ہے کہ وہ علی الاعلان کہے کہ وہ اس ہادی برحق ﷺ کی امت ہے جس نے صرف ۶۳ سال کی مدت میں دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا تھا۔ اور جس کے اتنے عرصہ انقلاب کے دوران کم و بیش ۸۱ معرکے پیش آئے اور ان کے دوران کل ۱۰۱۸ ہلاکتیں ہوئیں جن میں ۲۸۹ مسلمان شہید اور ۷۵۹ کی تعداد میں مخالفین ہلاک ہوئے اور یہ دنیا کا عظیم ترین انقلاب تھا۔ (پیغمبر انقلاب ص ۴۳)

لازم ہے کہ مغرب کو بتایا جائے کہ خود ان کے بڑے بڑے دانش ور تسلیم کرتے ہیں کہ

"He was the only man in history who was superemely successful on both the religious and secular levels."

"آپ (ﷺ) تاریخ کے تنہا شخص ہیں جو انتہائی حد تک کامیاب رہے، مذہبی سطح پر بھی اور دنیوی سطح پر بھی"

(Dr.Michal Hart, "The 100" New Yark,1978.)

لازم ہے کہ بتایا جائے کہ جن لوگوں کے دین کا مزاج ہی **لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ** (البقرہ۔256) (دین میں کوئی زبردستی نہیں) ہو وہ تشدد اور دہشت گردی جیسے برے راستے پر کبھی نہیں نکل سکتے۔

دنیا کی یہ عظیم ترین سچائی ہے کہ رب کائنات نے نبی کریم ﷺ کو اپنی کائنات کے سب سے بڑے منصب پر بٹھا کر اور سب سے بڑا انسان بنا کر نسل انسانیت پر سب سے بڑا احسان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صورت میں ایسا بلند مینار کھڑا کر دیا ہے کہ جس طرف سے آدمی نظر ڈالے آپ ﷺ کو دیکھ سکتا ہے انسان جب بھی حق کی تلاش میں نکلے۔ آپ ﷺ کا وجود ہی سب سے پہلے اسے اپنی طرف متوجہ کرتا ہے آپ ﷺ اتنے بلند مقام پر کھڑے ہیں کہ کوئی آنکھ اٹھانے والا آپ ﷺ کو دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا آپ ﷺ صرف رسول ہی نہ تھے بلکہ خاتم النبیین بھی تھے۔

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ "مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں" (الاحزاب 40)

دیگر رسولوں کی طرح آپ ﷺ کا کام پیغام پہنچا دینا ہی نہ تھا۔

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔

"تو کیا رسولوں پر صاف صاف بات پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری ہے" (النحل۔35)

بلکہ خاتم النبین کے حوالے سے آپ کے ذمہ ایسا انقلاب برپا کرنا اور ایسا نظام زندگی دینا تھا جس کے نتیجے میں قیامت تک آپ ﷺ کے خاتم النبین ہونے کا مقصد پورا ہوتا رہے آپ ﷺ کی سیرت ایک زندہ نمونہ کی صورت میں دنیا کی رہنمائی کرتی رہے اور بڑی وضاحت سے کہہ دیا

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا "

اور جو کچھ رسول تمہیں دے لےلو اور جس چیز سے روک دے باز آجاؤ (الحشر۔7)

اسی خاطر آج امت مسلمہ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے پیروکاروں کی سیرت کا ورق ورق دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دے اور دنیا دیکھ لے کہ اسلام کا پیش کردہ، معاشرہ حد درجہ روشن خیال اور اعتدال پسند ہے اور ہر دور کے انسانوں کی مشکلات دور کرنے کی طاقت رکھتا ہے کیونکہ:۔

(الف) اسلام علم کے زیور سے آراستہ معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔

اسلام کی تاریخ اور اسلام کی تعلیمات ثابت کرتی ہیں کہ اسلام نے علم حاصل کرنے اور رموزِ کائنات پر غور کرنے اور ان کا کھوج لگانے پر جتنا زور دیا ہے کوئی اور مذہب اس کی مثال پیش نہیں کرسکتا رب کائنات نے آپ ﷺ سے جو پہلا رابطہ کیا وہ لفظ اقراء سے کیا اور جن باتوں کا پہلی وحی میں ذکر آیا وہ علم اور قلم کا تھا

۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (العلق 5-1)

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جو خالق ہے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون کے قطرے سے پیدا کیا پڑھ کہ تیرا رب بزرگ و برتر ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی اور انسان کو وہ سکھایا جو وہ جانتا نہ تھا"

اسلامی معاشرے میں جاہلوں اور بے علموں کو ہرگز وہ مقام نہیں مل سکتا جو صاحبِ علم کو حاصل ہوا کرتا ہے

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (الزمر۔ ۹)

"آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ علم والے اور بے علم برابر ہوتے ہیں کیا؟

آپ ﷺ نے جو معاشرہ تشکیل دیا اس میں علم حاصل کرنے والے کو حد درجہ اہم قرار دیا اور مسلمان کو آمادہ کیا کہ وہ ہمیشہ زیور علم سے آراستہ ہوں۔

اغد عالماًاو متعلما مستمعاًاو محباً ولا تكن الخامسته فتهلك

''تجھے اس حال میں صبح کرنی چاہیے کہ تو عالم ہو، متعلم ہو، علم سننے والا ہو اور علم سے محبت رکھنے والا ہو۔ اگر کوئی پانچویں صورت اختیار کی تو ہلاک ہو جائے گا (مجمع الزوائد ج ا، ص 122) آپ ﷺ نے علم کو ان امور میں شامل کیا جن پر رشک کیا جا سکتا ہے۔ فرمایا

لا حسد الافی اثنتین: رجل اله اللہ ما لا فسلطه علی هلکته فی الحق واخرته اللہ حکمته فهو یقضی بها ویعلمها (جامع۔ بیان العلم، ج ا۔ ص 17)

''دو چیزوں کے سوا کسی پر حسد جائز نہیں۔ وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا اسے حق کی راہ میں صرف کرنے پر لگا دیا۔ دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت عطا فرمائی۔ وہ اس سے فیصلہ کرتا ہے اور اسے سکھاتا ہے''

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا۔

طلب العلم فریضه علی کل مسلم ''حصول علم ہر کسی پر واجب ہے'' (اسنن ابی ماجہ، ج۔ ا، ص۔ 81) حضور ﷺ کی دعاؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ علم میں اضافہ کی دعا مانگتے۔

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْماً (طٰسه۔ 114) ''آپ فرمائیں اے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما''۔

آپ صحابہ کرام کو علوم شرعیہ کے علاوہ ہر مفید علم حاصل کرنے کی دعوت دیتے۔ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو ایک روز جب حضرت زیدؓ بن ثابت سے قرآن پاک کی دس پندرہ سورتیں سنیں تو بہت پسند فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ یہودیوں کی زبان سیکھیں۔

یا زید تعلم لی کتاب یهود فانی۔ واللہ ما امن یهود علی کتابی وفی روایه انی اکتب الی قوم فاخاف ان یزید واعلی او ینقصو، فتعلم سریانیه۔ قال زید:۔ فتعلمها فی سبعة عشریو ما۔ (تاریخ دمشق ج۔ ٦، ص ٢٨١)

''زید! تم میرے لئے یہودیوں کی کتاب سیکھو۔ خدا کی قسم میں اپنی کتاب کے بارے میں یہودیوں سے مطمئن نہیں ہوں اور ایک روایت میں ہے میں ایک جماعت کی طرف لکھتا ہوں مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میرے بارے میں کمی بیشی نہ کریں زید تم سریانی سیکھو! زید کہتے ہیں کہ میں نے سترہ دنوں میں زبان سیکھ لی''۔

سیرت طیبہ کے باب علمیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اکثر صحابہ کی علمی مجالس میں تشریف فرما ہوتے اور ان کے تعلیمی اور تربیتی امور کو درست فرماتے۔ اور ایک علمی معاشرہ تشکیل دینے میں ہمہ وقت کوشاں رہتے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے روائت کرتے ہیں کہ آپ طلبہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے تھے۔ آپ فرماتے تمہارے پاس لوگ طلب علم کے لئے آئیں گے۔ جب تم انہیں دیکھو تو انہیں کہو۔

مرحبا بوصیعه رسول الله، افتوهم (سنن ابی ماجه۔ ۱، ص ۹۱)

''حضور ﷺ کی وصیت کے مطابق تمہیں خوش آمدید ہے اور انہیں بات سمجھاؤ''

اس طرح قرآنی آیات اور سیکڑوں احادیث رسول ﷺ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام ہمیشہ علم کے نور سے روشن معاشرہ تشکیل دے کر دلوں سے جہالت کے اندھیرے مٹانے کی کوشش میں رہتا ہے۔

(ب) اسلام تعلیم نسواں سے مزین معاشرہ تشکیل دیتا ہے

آج مغرب الزام دیتا ہے کہ اسلام عورتوں کے ضمن میں ان سے انصاف نہیں کرتا۔ لیکن انہیں خبر ہی نہین کہ جن کا خدا انہیں حکم دے۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء۔ ۱۹)

''اور ان کے ساتھ اچھی طرح رہو سہو، اور جن کا نبی ﷺ انہیں یوں مخاطب ہو۔

فاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ (مسلم ج۔ ۱، ص ۳۹) ''عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو''

ان کے متعلق اس طرح کا الزام دینا سراسر زیادتی اور کم علمی ہے۔ اسلام نے تو انہیں برابر کا حق دیا ہے۔ فرمایا

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ (البقرہ۔ ۲۲۸)

''عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق ان پر ہیں''۔ اور

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔ (النساء۔ ۳۲)

''مردوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں''

جہاں تک اسلام میں تعلیم حاصل کرنے کی بات ہے۔ تو اس سلسلے میں معلمِ خیر ﷺ نے تعلیم کو صرف ایک طبقہ تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ دیا۔ آپ ﷺ ان کے مسائل بغور سنتے اور جواب دیتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ خواتین نے حضور ﷺ سے مطالبہ کیا تو آپ نے ایک جگہ کا تعین فرما دیا۔ وہاں انہیں تعلیم دی۔ (مسند احمد، ج۔ ص ۸۵)

خواتین آپ سے سوال کرتیں اور آپ انہیں جواب عطا فرماتے۔ خاص اوقات میں مجلس منعقد ہوتی اور آپ اسلامی تعلیمات سے انہیں روشناس کراتے۔ (انسانِ کامل ۲۴۳)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

نعم انساء الانصار لم يمنعهن الحيا ان يتفقهن فی الدین۔ (فتح الباری،ص ۲۲۹) ''انصار خواتین بہت اچھی ہیں کہ انہیں دینی بصیرت حاصل کرنے میں حیاء مانع نہیں ہوتی۔تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں اسلام خواتین کے راستے میں کہیں بھی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا بلکہ انہیں برابری کا حق دے کر ان کی پوری پوری حوصلہ افزائی کرتا ہے۔البتہ اپنی تعلیمات کی روشنی میں اتنا ضرور تجویز کرتا ہے کہ

''1- اسلامی نظام تعلیم میں لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام الگ ہونا چاہیے۔

2- لڑکیوں کے لیے نصاب تعلیم مختلف ہونا چاہیے کیونکہ ان کی عملی زندگی مردوں سے مختلف ہوتی ہے''۔

(انسان کامل،ص ۲۴۵)

اب ان اصولوں کو سامنے رکھ کر اسلامی معاشرہ اگر خواتین کو زیور علم سے آراستہ ہونے کے مواقع فراہم کرتا ہے اور انہیں پورا پورا تحفظ فراہم کرتا ہے تو اسلامی معاشرے کی روشن خیالی میں کہاں کوئی کمی رہ جاتی ہے۔ہاں یورپ اگر اہل ایمان کی قندیل ایمانی کو بے حیائی اور فحاشی سے مدھم کرنا چاہتا ہے تو پھر اس روشن خیالی کا پیوند اسلامی معاشرے میں کبھی نہ لگایا جا سکے گا،کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ

ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا ۔۔۔ دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت

(بانگِ درا۔اقبال)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَاللّٰهَ كَثِيراً (الاحزاب۔۳۸)

(ج) اسلام تعصب سے پاک اور عالمگیر محبت کا دعویدار معاشرہ تشکیل دیتا ہے

غیر مسلموں کے پروپیگنڈہ کے برعکس قرآن مجید کی تعلیمات اور ارشادات نبی کریم ﷺ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے ہمیشہ تعصب کی مذمت کی اور معاشرے کو ہمیشہ اس برائی سے پاک رکھنے کی کوشش کی قرآن مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِالْحَرَامِ اَن تَعْتَدُوا (المائدہ۔ 7)

''اس قوم کی نفرت جس نے تم کو کعبہ سے روکا تھا تم کو ادھر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان پر زیادتی کرو''۔ اور پھر کہتا ہے

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا كُونُو قَوّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءُ بِالْقِسْطِ وَلَايَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا

تَعۡدِلُو اِعۡدِلُو ھُوِ اَقۡرَبُ لِتَّقوٰی وَ اتَّقُواللّٰہ اِنَّ اللّٰہَ خَیۡرُ بِمَاتَعۡمَلُونَ (المائدہ ۔8)

''اے لوگوں جوایمان لائے ہواللہ کی خاطر راستے پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خداترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے''

اہل کتاب کے حوالے سے نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ

قُلۡ یٰاَیُھَا الۡکِتٰبِ تَعَالُوا اِلٰی کَلِمَۃِ سَوَاءِ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمۡ الَّاتَعۡبُدُوا اِلَّا اللّٰہُ وَلَا تُشۡرِکُ بِہٖ شَیۡئًاوَلَا یَتَّخِذُو بَعۡضُنَا بَعۡضَا اَرۡبَابَامِّنۡ دُونِ اللّٰہ فَاِنۡ تُوَلُّو فَقُولُوا شھَدُو بِاَنَّا مُسۡلِمُونَ

''اے نبی ﷺ کہو اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی اور اطاعت کرنے والے) ہیں''۔

اب ملاحظہ کریں کہ سیرت طیبہ اسلام کے اس دعوے کو کس طرح سچ ثابت کرتی ہے۔

- فتح مکہ کے موقع پر جب سرور کائنات ﷺ کے سامنے شکست خوردہ کر قریش سرنگوں کھڑے تھے اور آپ ان کے ایک ایک ظلم کا بدلہ لینے پر قادر تھے تو آپ نے ان سے پوچھا ''تمھارا کیا خیال ہے۔ میں تمھارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ تو وہ دشمن جو اپنی حد درجہ دشمنی کے باوجود آپ کی صفتِ رحیمی اور آپ کی دریا دلی کے قائل تھے فوراً بول اٹھے'' آپ رحم دل ہیں اور رحم دل بھائی کے بیٹے ہیں''

تو آپ نے فرمایا کہ **لا تثریب علیکم الیوم ازھبو افانتم الطلقاء** ''آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو'' مدینہ میں یہود و نصاریٰ سے جو معاہدات کیے گئے وہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے مسلم معاشرہ کے دامن کو کسی پرانی رنجش اور تعصب سے داغ دار نہیں ہونے دیا، فرمایا

من قتل معاھد یرح رائعۃ الجنۃ وان ریحھا لتوجد من مسیوہ اربعین عام (بخاری ج۔ ا۔ص 448)

''جو کسی معاہدہ کو قتل کرے گا اسے جنت کی بو تک نصیب نہ ہوگی حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے

بھی محسوس ہوتی ہے پھر آپ کا فرمان ملاحظہ ہو۔

اربع خلال من کن فیتہ کان منافقا خالصا من اذحدث کذب واذاوعداخلف واذادا غدراو اذا خاصم فجر (بخاری ج-ا-ص451)

"چار خصلتیں جس میں پائی جائیں گی وہ خالص منافق ہوگا ایک یہ کہ جب وہ بولے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے اسکی خلاف ورزی کرے، جب معاہدہ کرے اسکو توڑ دے۔ جب جھگڑا کرے گالیاں دے"۔

حضور اکرم ﷺ کہ جن کے بارے میں رب کائنات نے فرمایا کہ

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء۔ 107) "اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے"

اور عربی میں رحمت عواطف کی ایسی پیروی کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری ہستی کے لیے احسان وشفقت ارادتاً جوش میں آجائے پس رحمت میں محبت، شفقت، فضل، احسان سب کا مفہوم داخل ہے۔ اور مجرد محبت لطف اور فضل سے زیادہ وسیع اور حاوی ہے۔ (ترجمان القرآن ابوالکلام آزاد۔ص۔62،ج۔1) آپ نے جو معاشرہ تشکیل دیا وہ انسانوں کی باہمی محبت اور شفقت سے جگمگاتا معاشرہ تھا آپ ﷺ کی سیرت ثابت کرتی ہے کہ اسلام سراسر دین محبت ہے آپ نے فرمایا

لاتدخلو الجنۃحتیٰ تومنو اولا تومنو حتیٰ تخابو ا

(مسلم ، ابوداؤد ، ترمذی)

"جب تک ایمان نہیں تب تک جنت میں داخلہ نہ ہوگا جب تک آپس کی محبت نہیں تب تک ایمان نہیں"

مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کے متعلق فرمایا

مثل المومنین فی توادھم وتراجھم وتعاطفھم کمثل الجسد الواحد اذا شتکی منہ عضوا تدعٰی لہٗ سآئر الجسد بالمھر والحمّٰی

(مسند احمد ج۔ 4 ، ص 270)

"آپس کی محبت اور رحمت و مہربانی میں مسلمانوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو اس کے لیے سارا جسم بے خواب و بے آرام ہو جاتا ہے"

لا تنزل الرحمھہ علی قوم فیہ قاطع "اللہ کی رحمت اس قوم پر نہیں ہوتی جس میں قطع رحمی کرنے والا کوئی موجود ہوتا ہے" (تفہیم الاحادیث)

تاریخ اسلام سے اس ضمن میں مثالیں دینے کی اگر چہ یہاں گنجائش نہیں لیکن اشارۃً چند ایک کا ذکر دینا بالکل مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کی فتح کے بعد جو معاہدہ لکھوایا اس کے الفاظ تاریخی حیثیت رکھتے ہیں انہوں نے کہا

''یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی یہ امان ان کی جان و مال گرجا صلیب تندرست بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے اس طرح کہ نہ ان کے گرجوں میں سکونت کی جائے گی۔ اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ ان کے مالوں میں کمی کی جائے گی مذہب کے بارے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا''

استق ان کا ایک عیسائی غلام تھا اس کو اسلام کے بارے میں ترغیب فرماتے لیکن جب انکار کرتا تو فرمایا۔

لا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن۔ ''دین میں کوئی زبردستی نہیں''

حکمران امویہ عباسیہ واندلسیہ و فاطمیہ کی شان و شوکت کے زمانوں میں اقوام غیر کا پورے حقوق کے ساتھ صدیوں تک آباد رہنا مسلمانوں کی بے تعصبی کی روشن دلیل ہے کیونکہ یہودی عیسائی وغیرہ بلا امتیاز ہر ایک عہدے پر فائز رہے۔ (رحمتہ اللعالمین۔ص 371)

اورنگزیب عالمگیر کو متعصب قرار دیا جاتا ہے مگر اس کے دربار میں ہندو امراء کی فہرست اکبر کے دربار سے (جس کی بے تعصبی مسلمہ ہے) زیادہ لمبی ہے۔ ہندوؤں کے رسم و رواج میں کہیں مداخلت نہیں کی اور ہندوؤں کے امراء کو عزت سے نوازا یورپین اقوام نے ہندوستان کی طرف قدم بڑھایا تو ان کا خیر مقدم کیا۔ ان کا مال کسٹم ڈیوٹی سے آزاد کرایا۔ سیاست حالیہ کے ماہر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی بے تعصبی اور رواداری ہی ان کے زوال کا باعث بنی۔ ایک سیر چشم مسلمان اس اعتراض کو اپنے اوپر چسپاں کر لینے پر رضامند ہو سکتا ہے۔ لیکن کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ اسلام میں تعصب ہے۔

(رحمتہ اللعالمین 375-374)

ہندو معاشرہ کو ہی دیکھ لیا جائے ہندو اپنی ہی ذات کے ہندوؤں کو اچھوت قرار دے کر ان سے نفرت کرتا ہے لیکن مسلمانوں کے اپنے دورِ اقتدار میں بھی ان سے نفرت کا سلوک نہیں کیا گیا۔

''سلطان صلاح الدین ایوبی جس کا دور نفاذ شریعت کا سنہری دور ہے کے متعلق یورپ کے ایک معروف مورخ پروفیسر UDUVITCH نے اپنی کتاب ''پارٹنر شپ اینڈ پرافٹ ان میڈول اسلام'' میں لکھا ہے کہ ایوبی سلطنت کے غیر مسلم باشندے خصوصًا یہودی بہت خوش حال تھے انہوں نے اس دور میں غیر معمولی تجارتی ترقی کی سلطان کے انشورنس اور

کارپوریٹ لا کے بنیادی اسلامی تصورات سے یورپ کو متعارف کرایا یہودیوں کی گنزا دستاویزات Ginza Documents اس دور کی یادگار ہیں"۔۔۔(غیر مسلموں کے لئے جنت۔ ھفت روزہ ھلال 12/98)

(د) اسلام اعلیٰ ترین مدنیت کا حامل معاشرہ فراہم کرتا ہے

اسلام روحانیت کے ساتھ انسان کی مدنیات پر بھی زور دیتا ہے۔ وہ انسان کو اس ارضی دنیا کی جملہ نعمتوں سے اپنے حق کے مطابق کلی طور پر فیضیاب ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ وہ کہیں بھی انسان کو رہبانیت کا درس نہیں دیتا۔

وَرَهْبَانِيَّةَنِ ابْتَدَعُوهَا "ترک تمدن محض بدعت ہے" (الحدید۔۲۷)

وہ انسان کی خودی کی تعمیر کر کے اسے ایسا روشن خیال بنا دیتا ہے جس کی دنیا اور اس کے دین کے درمیان فاصلے ختم ہو کر رہ جائیں۔ وہ اسے ایسا کامل انسان بنا دینا چاہتا ہے جس کے سامنے یہ عالم آب و خاک مسخر نظر آئے۔ وہ اسے دعوت دیتا ہے۔

کھول آنکھ زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ — مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوہ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ — ایام جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ

بے تاب نہ ہو معرکہ ء بیم ورجا دیکھ

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل، یہ گھٹائیں — یہ گنبد افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں — تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

سمجھے گا زمانہ تیری آنکھوں کے اشارے — دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے
نا پید تیرے بحر تخیل کے کنارے — پہنچیں گے فلک تک تیری آہوں کے شرارے

تعمیر خودی کر اثر آہِ سا دیکھ

(بال جبریل۔ اقبال)

اسلام انسان کو معاشرے کا ایسا فرد بنا دینا چاہتا ہے جس کی زندگی کا کوئی پہلو کمزور نظر نہ آئے۔ وہ اسے اپنے خالق اور مالک کا سچا بندہ ہونے کے ساتھ ساتھ والدین کا ایک سعادت مند بیٹا، رشتہ داروں اور قربت کے حقوق ادا کرنے والا، تمدن کا پورا محافظ، فرماں بردار، راست گو، امانت دار، صلح پسند، فساد کا دشمن اور نسل انسانی کا دوست دار بنا دینا چاہتا ہے۔ وہ

اسے اپنے اللہ کی چلتی پھرتی کتاب اور اس کے ہر فرمان کی زندہ تصویر کر دینا چاہتا ہے۔ اور اس آئینے میں صاف نظر آتا ہے کہ

اَطِيْعُو اللهَ وَاَطِيْعُو الرَّسُولَ وَاُولِي الْاَمْرِمِنْكُمْ تَعَاوَنُو عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

(النساء 59)

''اللہ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اطاعت اور اپنے امیروں کی فرمابرداری کرو۔ نیکی اور خدا ترسی میں ایک دوسرے کی مدد کرو''۔

اَوْفُو بِالْعُقُودِ (المائدہ۔ ۱) ''سب قراردادوں کو پورا کرو''۔

وَلا تَعَاوَنُو عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائداہ۔ ۲) ''گناہ اور سرکشی میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کرو''

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (البقرہ۔ ۸۳) ''ماں اور باپ کے ساتھ عمدہ ترین برتاؤ کرو''۔

وَلَا تَكْتُمُو الشَّهَادَةَ (المائدہ۔ ٦۔۱) ''شہادت کو مت چھپاؤ''۔

اور یہ سب اس لیے کہ وہ جانتا ہے۔

اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (المائدہ ۔ ۱۳) ''اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''

(----------------)

اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (توبہ) ''اللہ تقویٰ والوں سے محبت کرتا ہے'

يُحِبُّهُمْ و يُحِبُّوْنَهٗ (المائدہ ۔۵۵) وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔''

وَاللهُ يُحِبُّ الصَّابِرِيْنَ (آل عمران) ''اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

اِنَّ اللهَ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (البقرہ) ''اللہ حدود توڑنے والوں کو ناپسند کرتا ہے''۔

اِنَّ اللهَ لَايُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ (انفال) ''اللہ خیانت کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے''۔

اِنَّ اللهَ لَايُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (قصص) ''اللہ فساد اٹھانے والوں کو ناپسند کرتا ہے''۔

اِنَّ اللهَ لَايُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ (شوری) ''اللہ ظلم کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے''۔

وَعِبَادُالرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَاِذَاخَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُو سَلَامًا

(الفرقان ۔ 63)

''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو دنیا میں فروتنی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو یہ ان کو سلامتی کی دعا دیتے ہیں''۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات ۔ 13) ''اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو تقویٰ میں زیادہ بڑھا ہوا ہے''۔ اعلیٰ ترین مدنیت سے اعلیٰ ترین روشن خیالی اور اعتدال پسندی ہر طرف سے جھلکتی نظر آتی ہے۔

(ی) اسلام مساوات کا علمبردار معاشرہ تشکیل دیتا ہے

معاشرتی مساوات سے مراد یہ ہے کہ ہر شہری کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں جو اس ملک یا دین کے اندر رہ کر کسی دوسرے شخص کو حاصل ہوتے ہیں۔ اسلام اس اصول کی پوری پاسداری کرتا ہے۔ لیکن یورپ اپنے تمام دعوؤں کے برعکس عملاً ایسا نہیں کرتا۔ برطانیہ کی سلطنت میں سکاوٹ لینڈ، آئرلینڈ اور ویلز سب شامل ہیں لیکن ان کا کوئی باشندہ آج تک برطانیہ کا وزیر اعظم نہیں بن سکا کوئی کیتھولک انگریز اس عہدے تک نہیں پہنچ سکا۔ (رحمتہ العالمین ۔ 386)

دوسری طرف تاریخ اسلام شہادت دیتی ہے کہ یہاں ایک غلام کا بیٹا (حضرت اسامہ بن زیدؓ) بھی دربارِ رسالت سے فوجوں کی سپہ سالاری کا عہدہ حاصل کر سکتا ہے۔ جنگ بدر میں سواریاں کم ہیں۔ ایک اونٹ تین تین کے لیے مقرر ہوتا ہے۔ دو سوار ہو جاتے ہیں۔ تیسرا پیدل چلتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سواری میں حضرت علیؓ اور حضرت ابودرداؓ برابر کے حصہ دار ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی پھوپھی کا نکاح ایک زرخرید غلام حضرت زیدؓ سے ہوتا ہے۔ حضرت بلالؓ نے ایک روز مسجد میں ظاہر کیا کہ لوگو! میں غلام بھی ہوں۔ حبشی بھی ہوں۔ بے مال ہوں اور بایں ہمہ نکاح کا خواستگار بھی ہوں۔ کیا کوئی شخص مجھے بیٹی دے سکتا ہے۔ ان کے اس قدر کہنے پر بیس لوگوں کی درخواستیں تھیں کہ بلالؓ ان کے ہاں پیوند منظور کر لیں۔

امیر المومنین حضرت علیؓ اور ان کا غلام دونوں اکٹھے بازار جاتے ہیں۔ ایک قیمتی اور ایک سستا جوڑا خریدا جاتا ہے۔ درزی کے پاس جا کر حضرت علیؓ سستا کپڑا خود اپنے لیے اور قیمتی غلام کے لیے بنواتے ہیں۔ غلام کہتا ہے کہ آپ آقا ہیں اور میں غلام ہوں۔ آپ کو اچھا لباس چاہیے۔ فرماتے ہیں۔ میں بوڑھا ہوں تم جوان ہو۔ تم کو اچھے لباس کی ضرورت ہے۔

حضرت ابوذرؓ اپنے غلام کو مارتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ موقع پر پہنچ کر فرماتے ہیں۔ ''جو قدرت اس غلام پر تجھے حاصل ہے اس سے زیادہ اللہ کو تجھ پر حاصل ہے۔ ابوذرؓ زمین پر گر پڑتے ہیں۔ اور غلام سے کہتے ہیں۔ اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھ دے کہ میری نخوت نکل جائے۔

حضرت عمرؓ کی عدالت میں ایک یہودی اور حضرت علیؓ برابر کھڑے کر دیئے جاتے ہیں۔ سفر شام میں حضرت عمرؓ اور ان کا غلام باری باری سواری کرتے ہیں۔ خیر مقدمی مقام پر پہنچ کر لوگ پوچھتے ہیں کہ خلیفہ یہی ہیں جو اونٹ پر سوار ہیں؟ جواب ملتا ہے نہیں۔ ہمارا خلیفہ امیر المومنین تو وہ ہے جو اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے ہے سوار تو ان کا غلام ہے۔

(رحمته اللعالمین، 89-387)

یہ تھا صحابہ کرامؓ کا کردار' مساوات کا عملی اور سچا نمونہ، اور کیوں نہ ہوتا کہ لوگ اس ہستی کے تربیت یافتہ تھے جس نے حجتہ الوداع پر فرمایا۔

یاایھا الناس الا ان ربکم واحد لا فضل لعربی علی لعجمی ولا تعجره علی عربی وہ لااسوده علی الحمر ولا لا حمر علی حمر علی لاسود الا بالتقوی۔ اِنَ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللہِ اِتْقکُمْ ۔ الا ھل بلغت قابو بلی یارسول اللہ قال فلیبلغ الشھاد الغائب

''لوگو خبردار رہو۔ تم سب کا خدا ایک ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بتاؤ میں نے تمہیں بات پہنچادی؟ لوگوں (۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔) کہ اسلام ہی وہ دین ہے جو روئے زمین کے تمام گوشوں سے بے شمار نسلوں کے لوگ ملا کر محض ایک عقیدے کی بنا پر ایک امت بنا دیتا ہے۔

بندۂ صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے   تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

(بانگ درا۔ اقبال)

(ہ)۔ اسلام قرآن کا تشکیل کردہ معاشرہ پیش کرتا ہے۔

قرآن ایک عظیم کتاب ہے یہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بھرپور رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ جہاں یہ **یآاَیُھَا الَّذِیْنَ آمَنُو** کہہ کر اہل ایمان سے مخاطب ہوتا ہے وہاں یہ **یآاَیُھَا النَّاسُ** کہہ کر پوری نوع انسانی کو بھی اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہ انسان کو اس کی تخلیق کے مقصد سے آگاہ کرتے ہوئے اس کے انجام سے باخبر بھی کرتا ہے یہ انسان کو **اِتَّقُو اللہ** کا راستہ دکھا کر انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی کہیں بھی اسے اس راستے سے ہٹنے کی اجازت نہیں دیتا۔ آخرت اور جزاوسزا کا خوف دلا کر زندگی میں امن، سکون، رواداری نیز اپنے اور دوسروں کے حق کی پاسداری کی طرف مائل کرتا رہتا ہے وہ انسان کو زمین پر اس خطرے سے آگاہ کرتا رہتا ہے۔ جس کا روز اول فرشتوں نے اظہار کیا تھا وہ اس حزب اللہ سے نکل کر ابلیس کے گروہ میں جانے سے ہمیشہ روکتا رہتا ہے اس کی حد درجہ کوشش رہتی ہے کہ انسان اپنے خالق سے جُڑا رہے اور ہر پل اس کی رضا کے سامان کرتا رہے اور فرشتے اس جنتِ ارضی کی زندگی کو سدا رشک کی نظروں سے دیکھتے رہیں۔

صرف آغاز ہی ملاحظہ کیجئے اپنے سچا ہونے کا یقین دلاتے ہوئے ہر دور کے انسان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تم

مجھے اللہ سے ڈرتے رہنے کی ضمانت دو میں تمہیں سیدھا راستہ دکھانے کی ضمانت دیتا ہوں۔ میں تمہیں ہر کامیابی کا یقین دلا سکتا ہوں بشرطیکہ تم اپنے اللہ کے غائب میں رہ کر اس کے اپنی شہ رگ سے بھی قریب ہونے کا یقین کرلو۔ اس کی بڑائی کا ذکر کرتے رہو اس کی رضا کے آگے پل پل سر تسلیم خم کرتے رہو، اس کے دیئے ہوئے رزق میں سے اس کی خوشی کی خاطر اپنے بھائی بندوں پر خرچ کرنے میں کبھی بھی بخل سے کام نہ لو یعنی اس کی دی ہوئی دولت پر سانپ بن کر بیٹھے نہ رہو۔ پھر کہتا ہے کہ میرے اور مجھ سے پہلے آنے والے ہدایت کے تمام آسمانی سلسلوں کے سچا ہونے کا بھی تمہیں یقین کرنا ہوگا اور یہ بھی یقین کرنا ہوگا کہ قیامت یقیناً آئے گی اور تمہیں اس زندگی کے پل پل کا حساب دینا ہوگا۔ اور پھر آخر میں نوید سناتا ہے کہ یہ تمام یقین دل میں اچھی طرح جاگزیں کر کے میرے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق اس چندروزہ زندگی کو خوشگوار بنانے میں آپس میں تعاون کرو گے تو اللہ کی سب سے بڑی نعمت یعنی ہدایت اور اس کی رضا کی میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں۔

آلٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔

(البقرہ، ۱۔۶)

اب خود ہی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ ایسی سچی تعلیمات کی حامل کتاب زمین پر کتنی پرامن زندگی کی متمنی رہتی ہے اور اس کے ماننے والے کیسے کھلے دل والے اور کتنی عالمگیر محبتوں کے حامل لوگ ہوا کرتے ہیں کیا دنیا کی کوئی اور کتاب انسانی زندگی کو سنوارنے میں اور انسان کی تخلیق کی غرض وغائت کو پورا کرنے میں مدد کرتی ہے؟

قارئین کرام! عصر حاضر کے مختلف تقاضوں کے بیان اور اسلامی معاشرہ کے چند ایک نمایاں خدوخال دکھانے کے بعد ضرورت اس امر کی باقی رہ جاتی ہے کہ یہ جائزہ لیا جائے کہ یہ اسلامی معاشرہ موجودہ زمانے کے حالات سنوارنے اور اس کے تقاضوں سے نمٹنے کی کہاں تک صلاحیت رکھتا ہے۔ نیز اس کی مشکلات کو حل کرنے میں کہاں تک اس کی مدد کرسکتا ہے۔

اس ضمن میں زمانہ خود گواہی دے رہا ہے کہ دنیا نے گزشتہ چند صدیوں کے دوران میں مختلف ازم اور نظریات اپنا کر اور انسانوں کے بنائے ہوئے نظام ہائے زندگی کے تجربات کر کے اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ انسان کے مسائل اور اس کی پریشانیاں کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہی جارہی ہیں۔ آج دنیا دیکھ رہی ہے کہ محض عقل کے پیدا کردہ نظریات یا تو اپنی موت آپ مرچکے ہیں یا دنیا کو فساد در فساد کا تختہ دے کر مرتے جارہے ہیں۔ ان حالات میں ایک انصاف پسند دماغ ہر طرف نظر دوڑا کر انسانیت کو حالات کے ہاتھوں میں بالکل بے دست و پا دیکھتا ہے تو ایک بار پھر قرآن کے الفاظ میں پکار اٹھتا ہے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَاوَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَاوَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف ۔ ۲۳)

اور مجبوراً اسے اسلام کی صورت میں ہی واحد سہارا نظر آتا ہے جو اسے ہر پریشانی سے نجات دلاسکتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ صرف اسلام ہی اسے ایسا نظام زندگی دے سکتا ہے۔ جو اس کی مادی اور روحانی دونوں دنیاؤں کے ساتھ پورا انصاف کر سکتا ہے اور اسے مشکلات سے نکال کر سکھ اور چین کی دولت عطا کرسکتا ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر اسلام ہی وہ واحد چراغ ہے جو آج بھی انسان کو مشکلات کے اندھیروں سے نکال کر روشنیوں کی دنیا میں لاسکتا ہے۔ تو پھر اب اس چراغ کے جلائے رکھنے کا کام کون انجام دے؟ جو آپ کو انبیا کا وارث کہلواتے ہیں۔ جو یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ ان کا دین ساری دنیا کو سلامتی دینے والا دین ہے۔ یہ کام وہی لوگ انجام دیں جن سے ان کے نبی برحق ﷺ نے اپنے مشن کی تکمیل کے موقع پر پوچھا تھا۔

الا هل بلغت ؟ ''کیا میں نے بات پہنچادی۔ ان لوگوں نے کہا۔ بلی یا رسول اللہ ﷺ ہاں یا رسول اللہ'' تو پھر ان کے ہادی ﷺ نے انہیں حکم دیا۔ **فليبلغ الشاهد الغائب** ۔''تو جو موجود ہے وہ ان لوگوں تک (میری) یہ بات پہنچادے جو یہاں موجود نہیں''۔

اب امت مسلمہ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھے تو عصر حاضر کا سب سے بڑا چیلنج صرف اور صرف اسے درپیش ہے اسے ایک بار پھر اپنے رب اور اپنے رسول ﷺ سے کیے گئے وعدوں پر پورا اترنے کا عظیم اور سنہری موقع نصیب ہو رہا ہے۔ اپنے فرض کی تکمیل اور دشمنان دین کے الزامات کے غلط ثابت کرنے کیلئے زمانہ اسے میدان عمل میں آنے کو مسلسل آوازیں دے رہا ہے۔

اب اس کے پاس تساہل سے کام لینے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے اب اس اُمت خیر پر لازم آتا ہے کہ سب سے پہلے وہ:۔

(1) اپنی صفیں درست کرے

کیونکہ امت مسلمہ جس دین کی دعویدار ہے وہ ہر میدان میں کامیابی کیلئے باہمی اتحاد اور اتفاق کو بنیادی کڑی قرار دیتا ہے۔ امت مسلمہ نے اپنے انتشار کے نتیجے میں آج تک بڑے نقصان اٹھائے ہیں۔ آج دنیا میں پچاس سے زیادہ اسلامی مملکتیں موجود ہیں۔ یہ تمام مملکتیں عظیم خزانوں اور بے پناہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں۔ لیکن کتنے دکھ کی بات ہے کہ ان میں سے کوئی ایک مملکت بھی صحیح معنوں میں آزاد مملکت ہونے کا دعوٰی نہیں کرسکتی۔ کوئی ان میں سے مجبور ہے تو کوئی معذور۔ کسی میں اپنے فیصلے آپ کرنے کا حوصلہ نہیں۔ وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے درمیان اتحاد و اتفاق نام کی کوئی چیز نہیں۔ کوئی کسی بڑی

طاقت کاسہ لیس ہے تو کوئی کسی کا۔

اپنے غیر مسلم آقاؤں کی خوشنودی میں ایک کی سلامتی سے کھیلنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا قوتِ ایمانی کمزور تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ کوئی نہیں سوچتا کہ رب کائنات نے تو کہا ہے۔

وَاعْتَصِمُو بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران۔ ۱۰۳)

''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو۔''

اور فَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُم (الا نفال۔ ٤٦)

''پس اختلاف میں نہ پڑو۔ اس طرح تم بزدل ہو جاؤ گے۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُو دِيْنَهُم وَكَانُوا شِيَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْئِي (الا نعام ۱۵۹)

''جن لوگوں نے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور گروہ بن گئے یقیناً اس سے آپ کا کوئی واسطہ نہیں''

ہر ملک کے اندر بھی آج مسلمان سیکڑوں فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو چکے ہیں کسی کو مشترکہ دشمن کا احسان نہیں۔ حُبِّ رسول ﷺ کا دعویٰ تو بہت سنائی دیتا ہے لیکن اپنی انا کی قربانی دینے کو کوئی تیار نہیں۔ کسی کو یاد نہیں کہ ہادی برحق ﷺ نے تو یہاں تک کہا تھا۔

من اراد ان يفرق جما عتكم فاقتلوه (صحيح مسلم/ اسلامی رياست)

''جو شخص تمہاری جماعت کی وحدت کو اور شیرازہ بندی کو توڑے۔ اس کا سر قلم کر دو''

اور فرمایا:۔ يدا لله على الجماعته ومن شذ شذ في النار (ترمذی ۔ باب الفتن / اسلامی ریاست) ''جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے جو اس سے بچھڑا وہ آگ میں گیا''۔

اور فرمایا:۔ من فارق الجماعته شيرا خلع ريفيه الاسلام من عنقه (مشکوٰۃ ۔ کتاب الا ایمان / اسلامی ریاست)

''جو شخص ایک بالشت بھر بھی جماعت سے جدا ہوا۔ اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکا''۔

اب ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر خود اپنا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ہم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو اپنی زندگی میں کس قدر مشعل راہ بنا رکھا ہے اور اپنی اغراض کے واسطے کتنا انہیں پس پشت ڈال رکھا ہے۔ سچی بات ہے کہ ہمیں اسلام کی ان سنہری تعلیمات کی ذرہ برابر پرواہ نہیں۔ کیا وجہ ہے کہ آج پورا یورپ اپنے تمام اختلافات بھلا کر ایک ہو چکا ہے۔ سب کی کرنسی ایک ہو چکی ہے۔ ان کے تمام سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور حربی فیصلے ایک ہوتے ہیں۔ ہر

ملک نہ چاہتے ہوئے بھی مشترکہ فیصلوں اور منصوبوں کی پاسداری کرتا ہے۔لیکن ملت اسلامیہ کے اندر کہیں اتحاد اور اتفاق اور اس قسم کے اشتراک کا پتہ نہیں چلتا۔کسی ایک مسئلے پر انہیں ایک ہوتے نہیں دیکھا گیا۔کسی مشکل لمحے انہیں سر جوڑ کر بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔

بہر حال اب بھی وقت ہے۔مزید رسوائیوں سے اب بھی بچا جا سکتا ہے۔اب بھی دین مصطفیٰ ﷺ کا پرچم سر بلند کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے لیے وہی نسخہ اکسیر استعمال کرنا ہوگا جو اس کے لیے اللہ اور رسول ﷺ نے تجویز کیا ہے اور اقبالؒ نے جس کو یوں بیان کیا ہے۔

جدید تقاضوں کے پیش نظر اب عالم اسلام کے لئے لازم ہو گیا ہے کہ مزید ایک لمحہ ضائع کئے بغیر:۔

(1) اسلامی ممالک کی تنظیم (O.I.C) کو ایک مضبوط اور فعال ادارہ بنایا جائے اور تمام اسلامی ممالک کو اس تنظیم کے توسط سے ہی آپس کے تمام جھگڑوں کو طے کرانے کا پابند کیا جائے۔

(۲) اسلامی ملک کے کسی غیر مسلم طاقت کے ساتھ تنازعہ کی صورت میں ہر ممکنہ حد تک عالمی امن کی خاطر ان کے درمیان تصادم کو روکتے اور اسلامی غیرت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے مل کر اس کی ہر اخلاقی، سیاسی اور مالی امداد کی جائے۔

(۳) اسلامی ممالک کا ایک مشترکہ فنڈ بنایا جائے اور اس فنڈ سے تمام مسلمان ممالک اور بالخصوص غریب اسلامی ممالک کی جدید دور کے تقاضوں کے مطابق، صنعت، زراعت، تعلیم، اور دوسرے شعبوں کی ترقی میں امداد کی جائے۔

(۴) اسلامی ممالک کی تنظیم کی سربراہی میں ہر اسلامی ملک دنیا کے دیگر ممالک کے ساتھ اپنے تجارتی روابط بڑھاتے ہوئے اپنے برادر اسلامی ممالک کے ساتھ تجارت کو ترجیحی بنیادوں پر فروغ دینے کی کوشش کرے۔

(۵) اسلام جارحیت کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا لیکن اپنے دفاع سے اغماض برتنے کو بھی جرم قرار دیتا ہے۔

وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔ (الا نفال ـ 60)

''اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چل سکے۔زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے تیار رکھو تا کہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور دوسرے اعدا کو خوفزدہ کرو''۔اس خاطر اسلامی

ممالک کی تنظیم کے تحت ایک مشترکہ اسلامی فوج کھڑی کی جائے تاکہ کسی اسلامی ملک کے خلاف ہر جارحیت کو متحد ہو کر روکنے کا بروقت انتظام کیا جا سکے۔

(۶) تمام اسلامی ممالک متحد ہو کر جدید دور کی سائنسی تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کریں۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ہر اسلامی ملک دنیا کے تمام دیگر ممالک کے ہمراہ برادر اسلامی ممالک کے ساتھ ترجیح بنیادوں پر طلبہ، اساتذہ، نیز سائنسی علوم کے باہمی تبادلے کے ذریعے اس میدان میں آگے بڑھنے کا انتظام کرے۔

(۷) جدید سائنسی علوم کے حصول کے ساتھ ساتھ دینی اور شرعی علوم کو عام کرنے کا حکومتی اور اسلامی ممالک کی تنظیم کی سطح تک متحدہ اور مشترکہ انتظام کیا جائے۔ گزشتہ دو تین صدیوں میں ملکی تسلط نے بڑے منظم طریقے سے مسلمانوں کو ان کے مذہبی علوم سے دور رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور مسلمانوں نے مجرمانہ حد تک ان کے ساتھ تعاون کیا ہے۔

آج مسلمان دینی علوم حاصل کرتے ہوئے کیوں شرماتا ہے۔؟

اب وقت کا تقاضا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے چھوڑے ہوئے ورثہ کو اون (Own) کرے اور اس کی حفاظت اور اس کے فروغ کو اپنے لئے اعزاز سمجھے۔

(۹) آج وقت کا تقاضا ہے کہ دنیا کا ہر مسلمان خواہ وہ اپنے ملک کے اندر رہتا ہے یا کسی غرض سے کسی دوسرے غیر مسلم ملک میں قیام پذیر ہے۔ ایک اللہ ایک رسول ﷺ ایک کتاب اور ایک اصول

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات ۔ 10)

کی بنیاد پر اپنے سارے ذاتی اختلافات بھلا کر امن، محبت اور اخوت کے علمبردار، اپنے دین کا داعی بن جائے۔

اپنے سلامتی والے دین کا عملی نمونہ بن جائے۔ اس سلسلے میں ہر اسلامی حکومت سرکاری سطح پر اپنا پورا کردار ادا کرتے ہوئے

(۱) مناظر بازی کے رواج کو سختی سے روکے کیونکہ مختلف عقائد کے پیروکاروں کے درمیان فقہی اختلافات کے طے کرنے کے لیے مناظر بازی نے ہمیں کہیں کا نہیں رہنے دیا اور ہمیں سوائے نفرتوں کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔

(۲) لاؤڈ سپیکر کے غلط استعمال کو سختی سے روکے اور سوائے اذان اور جمعہ کے خطبے کے اس کا استعمال ممنوع قرار دے۔

(۳) منافرت اور انتشار پھیلانے والے لٹریچر کی اشاعت اور تقسیم کو سختی سے روکے۔

(۴) مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام کے اندر (Civic Sense) بیدار کرنے کا خصوصی اہتمام کرے اور گھروں کے اندر اور باہر کے ماحول کو ستھرا اور پاکیزہ رکھنے کی خصوصی تعلیم کا اہتمام کرے کیونکہ اس سلسلے میں ہماری آج تک کوئی تربیت نہیں ہوئی۔

(۵) بنیادی اخلاقی اقدار مثلاً صداقت، امانت، دیانت، فرض شناسی اور محنت کی اہمیت ریڈیو ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے اعلیٰ ترین سطح سے دلوں میں اتارنے کا اہتمام کرے۔ قیام پاکستان کے بعد آج تک کسی سربراہ نے سوائے سیاست بازی کے اپنے کسی خطاب میں قوم سے اس موضوع پر کچھ نہیں کہا۔ قوم کی کردار سازی میں سربراہ مملکت کا رول کلیدی ہوا کرتا ہے۔

الناس علی دین ملوکھم

''لوگوں کا دین وہی ہوتا ہے جو ان کے بادشاہوں کا ہوتا ہے''۔ (مشکوٰۃ/ اسلامی ریاست)

ہمارے خیال میں اگر اسلامی حکومتیں مختلف جماعتیں، اور ہر مسلمان انفرادی سطح پر اپنی انا کی قربانی دے کر بھائی چارے کو عام کرنے کا تہیہ کر لے تو اتحاد و اتفاق سے آج بھی امت مسلمہ دنیا کے سامنے ایک مثالی معاشرہ پیش کر سکتی ہے۔

(2) حقوق انسانی کا اسلامی تصور اجاگر کیا جائے۔

مغرب مسلم ممالک پر تنقید کرتے تھکتا نہیں اور اپنے ہاں انسانی مظالم دیکھ کر اسکی زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ آج حقوق انسانی جس طرح اس کے پامال ہو رہے ہیں اس کی مثال نہیں ملتی۔ گوانتاناموبے اور ابو غریب جیل کے قیدیوں کے ساتھ ان کا سلوک اور برطانیہ امریکہ وغیرہ میں ہر کہیں ہر داڑھی والے مسلمان کے ساتھ ان کی نفرت اور تعصب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں عراقی قیدیوں پر کتے چھوڑنے کی خود صدر بش نے اجازت دی تھی''

نیویارک کی عدالت میں ایک ملزم کا بیان۔ روزنامہ جنگ۔ (24-11-2004)

اس لیے مسلمانوں پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ اسلامی معاشرتی اور انسانی صفات کا عملی اظہار کر کے حقوق انسانی کے تحفظ کا وہ نمونہ پیش کریں جو ان کے اسلاف نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ عفو درگزر، صبر و استقلال اور عدل و انصاف کے ذریعے وہ معاشرہ تشکیل دیں جس کی مثال حضرت محمد ﷺ نے اور آپ کے صحابہ نے پیش کی تھی۔ آج مسلمان عملاً ثابت کریں کہ وہ اس کتاب کے ماننے والے ہیں جو کہتی ہے

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا۔

''یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنی بڑائی پر فخر کرے'' **(النساء۔ ۳۵)**

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ

(المائدہ۔8)

"کسی قوم سے نفرت کا ہونا تم کو اس خیال پر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم ان سے عدل نہ کرو۔ ہاں ان سے عدل ہی کرو ایسا کرنا ہی خدا ترسی کے نزدیک تر ہے اور تم کو حکم ہے کہ خدا ترسی پر قائم رہو"۔

آج مسلمان دنیا کو بتائیں کہ وہ اس رسول ﷺ کے پیروکار ہیں جو مکہ میں فاتح بن کر داخل ہوا تو اعلان کرا دیا۔

لا تجهزن على جريح ولا يتبعن مدبر ولا يقتلن اسير ومن اغلق باالله فهو امن۔

(فتوح البلدان ص ٤٨)

"کسی مجروح پر حملہ نہ کیا جائے کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ امان میں ہے"۔ حجاج بن یوسف نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ ایک اسیر کو قتل کر دیں اس پر انہوں نے فرمایا

وما امرنا بهذا يقول الله حتى اذا اثختموهم فشد الوثاق فاما منا بعد واما فداء

(بخاری۔ کتاب الخراج ص ۔ ١٢١)

"اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کی اجازت نہیں دی البتہ یہ حکم دیا ہے کہ جو قیدی گرفتار ہو کر آئیں تو اُن سے یا تو احسان کا برتاؤ کرو یا فدیہ لے کر رہا کر دو" ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا "اے محمد ﷺ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو میرے کیا حقوق ہوں گے" آپ ﷺ نے فرمایا "تمہارے بھی وہی حقوق ہوں گے جو میرے ہیں" (بخاری۔ تفہیم الاحادیث)

اسلام ہر انسان کے ساتھ احسان کے برتاؤ کا حکم دیتا ہے۔ کسی گورے کو کسی کالے کے اور کسی عجمی کو کسی عربی کے حقوق چھیننے کی کوئی اجازت نہیں "اسلامی شریعت کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ جو غیر مسلم اسلامی ریاست کی حفاظت میں رہنا قبول کر لیں اُن کو دیوانی اور فوجداری قانون کی نگاہ میں ایسے حقوق حاصل ہوں گے جو عام مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ اسلام میں صدر ریاست اور گورنروں اور اعلیٰ حکام اور عامہ الناس سب کے لیے ایک ہی قانون اور ایک ہی نظام عدالت قائم ہے۔ آپ ﷺ نے آخری وقت میں آپ کو پیش کیا کہ جس کو میرے خلاف کوئی دعویٰ ہو وہ لائے اور اپنا حق وصول کرے۔ حضرت عمر نے ایک ریاست میں ایک والی ریاست جبلہ بن الایہم سے ایک بدوی کو قصاص دلوایا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے گورنروں کے لیے قانونی تحفظ کا مطالبہ کیا تو حضرت عمر نے اسے ماننے سے انکار کر دیا اور عام لوگوں کو یہ حق دیا کہ جس حاکم کے خلاف انہیں شکایت ہو اسے کھلی عدالت میں لائے۔ (اسلامی ریاست ۳۸۷۔۳۹۱) یہ ہے انسانی حقوق کا اسلامی تصور اور اب بھی نچلی سطح سے لے کر اعلیٰ ترین سطح تک انسانی حقوق کے اسی اسلامی تصور کے عملی نفاذ کی ضرورت ہے۔

(3) اسلام کی روحانی اقدار کو اجاگر کیا جائے

انسان جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے جس حصے کو خوراک نہ ملے وہ کمزور ہو جاتا ہے " جس مذہب میں روحانیت نہیں وہ مذہب نہیں" (رحمت العالمین) دنیا کا ہر مذہب روحانیت اور اخلاقیت کو برابر اہمیت دیتا ہے اسلام بھی انسان کی اخلاقی اور روحانی دونوں قسم کی تربیت پر زور دیتا ہے اسلام نے تو روحانیت کی تعلیم کو "الاحسان" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ عبادات کا مقصد ہی انسان کو روحانی تسکین دینا ہے۔ نماز روزہ اور حج ذکر صدقات کا مقصد ہی اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے فرائض کی بجا آوری اپنی جگہ لازمی لیکن صرف مشق کر دینے سے وہ اعلیٰ تر مقصد حاصل نہیں ہوتا جو حقیقت میں ہونا چاہیے اس سلسلے میں آپ ﷺ کا فرمان پیش رکھنا ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا

احسان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے رسول کی پیروی اس طرح کرے کہ تو گویا اسے دیکھ رہا ہے یا پھر اس طرح کہ اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے" (صحیح مسلم / رحمتہ اللعالمین 374)

توحید اور شرک جس پر اسلام کی ساری عمارت کھڑی ہوتی ہے اس کا مقصد بھی اللہ کی ذات میں اپنے آپ کو فنا کر دینا ہے اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک قلب کی مکمل تطہیر نہ ہو اور روحانیت کا حصول بھی ناممکن ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت کے متعلق جہاں قرآن کہتا ہے کہ **وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ** ۔ "ہم نے آپ کو بہترین اخلاق کے ساتھ بھیجا" وہاں یہ بھی کہا کہ۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ (الجمعه ۔2)

"وہی ہے جس نے امیوں کے اندر خود انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے ان کے قلوب کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے" حضور اقدس ﷺ نے فرمایا

الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسدت الجسد كله الا وهی القلب

" آگاہ رہو کہ بدن میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے جب وہ سنور جاتا ہے تو تمام بدن سنور جاتا ہے جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے سنو وہ ٹکڑا دل ہے"۔ (بخاری ۔ کتاب الایمان، ج ا۔ ص 107)

یعنی قلب کی اصلاح اور پاکیزگی سے ہی بدن کی اصلاح اور پاکیزگی کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ اور قلب کی

پاکیزگی اس کے اطمینان سے اور اس کا اطمینان اللہ کے ذکر سے ممکن ہے۔ فرمایا:۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ''سن لو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ملتا ہے''۔(الرعد۔28)

اور جب قلب کو طمانیت نصیب ہوتی ہے تو اصلاح اور فلاح کی منازل ازخود طے ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے فرمایا

وَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (الجمعه۔ 10)

''اور اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو تا کہ تم فلاح کو پہنچو'' آپ ﷺ کا ارشاد ہے

ینادی منادیوم القیمة این اولو الالباب قالوا فی ای اولی الالباب ترید قال الذین یزکرو اللّٰه قیاما و قعودا وعلٰی جنوبهم ویتفکرون فی خلق اسمٰوٰت والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا سبحنك فقنا عذاب النار عقدلهم لواء فاتبع القوم لوائهم وقال لهم ادخلوها خلدین۔

''قیامت کے دن ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ عقلمند لوگ کہاں ہیں لوگ پوچھیں گے کہ عقلمندوں سے کیا مراد ہے تو جواب ملے گا وہ لوگ اللہ کا ذکر کرتے تھے کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے تھے اور کہتے تھے یا رب یہ سب کچھ تو آپ نے بے فائدہ پیدا نہیں کیا ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں۔ آپ ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجیے اس کے بعد ان لوگوں کے لیے ایک جھنڈا بنایا جائے گا جس کے پیچھے یہ سب جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کیلئے جنت میں داخل ہو جاؤ'' (الاصبہانی۔ترغیب)

آج روحانیت اور عقلیت کے درمیان تصادم کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے اور انسان کی ان دونوں قوتوں کے درمیان توازن حد درجہ بگڑ چکا ہے۔ اسلام اس بگاڑ کو ٹھیک کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ اس مقصد کے لیے قرآنی تعلیمات اور مطالعہ سیرت ہماری پوری راہنمائی کرتے ہیں۔ اقبال نے بھی کہا تھا

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل — لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

(بانگ درا۔ اقبال)

(4) تمام مذاہب کے درمیان مشترکہ اخلاقی اقدار کو اجاگر کرے

دنیا کے ہر مذہب کے بنیادی مقاصد میں انسان کی اخلاقی تربیت ایک اعلیٰ مقصد رہا ہے کوئی مذہب دوسروں پر محض تنقید کی اجازت نہیں دیتا آج عصر حاضر کا تقاضا ہے کہ مختلف مذاہب کے درمیان جو بعد پیدا ہو گیا ہے اسے دور کیا جائے اور

ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کی جائے جس سے ایک عالمی بھائی چارے کی فضا پیدا ہو سکے۔اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مختلف مذاہب کے درمیان جو اخلاقی اقدار مشترکہ طور پر موجود ہیں انہیں مل کر فروغ دیا جائے۔صداقت، امانت، دیانت، ایفائے عہد، انصاف، باہمی محبت، شفقت، اور تعظیم وغیرہ وہ بنیادی اقدار ہیں جن کی ہر مذہب تلقین کرتا ہے اور انہیں ایک خوبصورت معاشرے کے لئے لازمی خوبیاں قرار دیتا ہے۔اس سلسلے میں بھی قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیم ہماری بہترین رہنمائی کرتے ہیں۔قرآن حضور ﷺ کو مخاطب کر کے کہتا ہے

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

''اے رسول ﷺ کہہ دیجیے کہ اے یہودیو اور اے عیسائیو، اے کتاب والو آؤ ایک ایسی بات پر سمجھوتہ کر لیں جو ہمارے درمیان مساوی ہے۔اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔اللہ کا شریک کسی کو نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنا لے۔اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم ہیں۔ (صرف خدا کی بندگی کرتے ہیں'' (آل عمران ۶۴)

ان آیات میں بظاہر اللہ کی توحید کا ذکر ہے لیکن توحید وہ عقیدہ ہے جو انسان کے اندر ہر برائی کی جڑ کاٹ کر اس کی بجائے اخلاق حسنہ کا باغ کھلا دیتا ہے۔اور خاتم النبین نے بھی اسی توحید کی روشنی سے ظلمتوں کے ہر اندھیرے کو مٹا کر چہار دانگِ عالم میں اعلیٰ اخلاقیات کا نور پھیلا دیا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا

بعث لا تمم مکارم الاخلاق ومحاسن الاعمال (بخاری۔ رحمته اللعالمین۔ص ۳۷۱)

اسلام چونکہ خدا کا پسندیدہ ترین دین ہے۔اس لئے اب مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ بہترین امت ہونے کے ناتے اور اغیار کے تعصب کے جواب میں ایسے اوصاف حمیدہ کا مظاہرہ کریں جن سے کسی کو بھی انکار نہیں اور جو ہر عہد میں مخلوق خدا کی بنیادی ضرورت رہے ہیں تاکہ اسلام کے خلاف جو دوسروں کے دلوں میں کدورت بھری ہے وہ بھی نکل جائے اور خود اسلام کے اندر وہ چمک پیدا ہو جائے جو اسلاف کے زمانے میں موجود تھی اور دنیا خود اس کی طرف کھنچی چلی آئے۔

(5) ہر مسلمان دین کا داعی اور اس کی تعلیمات کا عملی نمونہ بن جائے۔

رسول خدا ﷺ نے اپنے قول و افعال اور معاملات و معمولات سے جس کامل معاشرتی انسان کا نمونہ پیش کیا، آج

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مومن اپنی زندگی کو اسی نمونے کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے۔

ایک سچے مومن کی طرح اس کا جسم اور روح دونوں سیرت مصطفٰی کی پیروی میں لگ جائیں۔ وہ ایسا چراغ بن جائے جس سے اس کے گرد کا سارا ماحول روشن ہو جائے وہ سراپا خدا کی رحمت بن جائے۔ اپنی فلاح کے ساتھ ساتھ پوری انسانیت کی فلاح اس کی زندگی کا مقصد بن جائے اور:۔ **اُدْخُلُوافِی السِّلْمِ کَآفَّا** ''اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ'' کامل نمونہ بن جائے۔ اس کے لباس، خوراک، رہن سہن، بود و باش، بول چال، اور معاملات و معلومات میں وہی سادگی، پاکیزگی اور وقار نظر آئے جس کا نمونہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے دیا تھا۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کی صداقت اور وفا، حضرت عمرؓ کے عدل و انصاف، حضرت عثمانؓ کے حیاء اور ایثار اور حضرت علیؓ کی مردانگی، شجاعت اور سادگی کا مکمل پیروکار بن جائے۔

مزید برآں ہر مومن اپنی ذاتی فلاح کا ذمہ دار اور متمنی ہی نہیں ہوتا وہ سراپا ایک مشن بھی ہوتا ہے وہی مشن جو کلمہ حق کی سربلندی کا دوسرا نام ہوا کرتا ہے وہ مشن جس کا راستہ پہاڑوں کی رکاوٹیں بھی نہیں روک سکتیں۔ عصر حاضر آج کے مومن سے پھر وہی مشن بن جانے کا تقاضا کر رہا ہے۔ آج وقت پھر مطالبہ کرتا ہے کہ مومن حق کا مکمل داعی بن جائے۔ وہ اللہ کا فرمان اور پیغمبر کی آواز بن جائے اور انشاء اللہ جب یہ مشن ایک کارواں کی صورت میں اپنی منزل کی طرف گامزن ہو جائے گا تو عصر حاضر کا ہر تقاضا از خود پورا ہونا شروع ہو جائے گا اور انشا اللہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل پانے لگے گا جس کے حسن و جمال پر ایک بار پھر زمانہ فخر کرنے لگے گا اور جس کے اندر روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے چراغ ہر طرف جگمگاتے نظر آنے لگیں گے۔

ہر دور میں امت مسلمہ کو یہ بات ہر حال اپنے ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ رب کائنات نے اسے وانتم الاعلون کا سرٹیفکیٹ دیا ہے لیکن اس کے ساتھ **ان کنتم مومنین** کی شرط بھی لگائی ہے اور عصر حاضر کا بھی اس سے سب سے بڑا تقاضا یہی ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تم ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(اقبال)

فہرست کتب

(اس مقالے کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا)

1۔ القرآن

2 - ابن کثیر۔ تفسیر ابن کثیر (اردو ترجمہ) مکتبہ تعمیر انسانیت کراچی 1983ء

3 - مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن۔ ادارہ ترجمان القرآن۔ لاہور

4 - بخاری۔ محمد بن اسمٰعیل۔ صحیح بخاری شریف۔ مصطفیٰ البابی الحلبی۔ مصر

5 - سلمان بن اشعث۔ ابوداؤد۔ امام سنین ابوداؤد۔ احسان پبلشرز لاہور

6 - محمد بن عبداللہ، ولی الدین۔ مشکوۃ المصابیح مکتبہ رحمانیہ لاہور

7 - احمد بن حنبل، امام، مسند احمد، دارالمعارف مصر

8 - محمد بن یزید، ابن ماجہ سنن ابی ماجہ، عیسی البابی الحلبی قاہرہ

9 - الترمذی، محمد بن عیسی۔ الجامع الصحیح۔ (اردو حامد الرحمٰن) قرآن محل کراچی

10- القشیری، مسلم بن الحجاج۔ مسلم صحیح احیاء التراث العربی بیروت

11- محمد بن جدید۔ ابوجعفر، الطبری۔ دارالفکر

12- مودودی، ابوالاعلیٰ۔ اسلامی ریاست۔ اسلامی پبلی کیشنز لاہور

13- ہیکل، محمد حسنین۔ حیات محمد ﷺ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

14- محمد سلیمان سلمان، قاضی منصور پوری۔ رحمت اللعالمین ﷺ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

15- شبلی نعمانی، مولانا۔ سیرت النبی ﷺ دارالاشاعت کراچی

16- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی۔ دارالاشاعت۔ کراچی

17- مودودی۔ ابوالاعلیٰ۔ سیرت سرور عالم۔ ترجمان القرآن۔ لاہور

18- صفی الرحمٰن، مولانا۔ مبارکپوری۔ الرحیق المختوم۔ المکتبہ السّلفیہ۔ لاہور

19- نعیم صدیقی۔ مولانا۔ محسن انسانیت۔ اسلامی پبلیکیشنز لاہور ۸۲

20- خالد علوی، پروفیسر، ڈاکٹر۔ انسان کامل۔ یونیورسٹی بک ایجنسی۔ لاہور

21- وحیدالدین، مولانا، پیغمبرانقلاب۔ فضلی سنٹر۔ کراچی

22- مودودی۔ ابوالاعلی۔ تفہیم الاحادیث۔ معارف اسلامی۔ لاہور

23- محمد منظور نعمانی، مولانا۔ معارف الحدیث۔ مکتبہ رشیدہ۔ لاہور

24- شبلی نعمانی، مولانا۔ الفاروق۔ دارالاشاعت۔ کراچی

25- مودودی، ابوالاعلی۔ الجہاد فی الاسلام۔ ترجمان القرآن۔ لاہور

26- نقوش۔ جلد سوم۔ رسول نمبر۔ ادارہ فروغ اردو لاہور

27- ہفتہ روزہ ھلال دسمبر 98ء I.S,P.R دائریکٹوریٹ۔ جی۔ ایچ۔ کیو۔ راولپنڈی۔ Dr. Michael

28- H. Hart " The 100" New Yark- 78

29- Prof. Uduwic- Partnership and Prophet (P.B.U.H) in Mudule Islam- London

30- علامہ اقبال۔ بانگ درا۔ قومی کتب خانہ۔ لاہور

31- علامہ اقبال۔ بال جبریل۔ قومی کتب خانہ۔ لاہور

32- ابن عساکر۔ تاریخ دمشق۔ دارالفکر

33- آزاد، ابوالکلام۔ ترجمان القرآن۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور



عصرحاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل وضرورت سیرت طیبہ کی روشنی میں

(محمد عامر طاسین (کراچی))

☆عصری تبدیلیاں اوران کے تقاضے

آج کا دورسائنس اورٹیکنالوجی کا دور ہے۔آج ہرطرف عقلی اورسائنسی علوم کی گرم بازاری ہے۔ٹیکنالوجی کے ارتقا نے سماجی زندگی کے تصورات میں ایسے تغیرات پیدا کردیے ہیں کہ زندگی کے فلسفے نت نئی تبدیلیوں سے دوچار ہورہے ہیں، معاشرتی رویے تبدیل ہورہے ہیں، انفرادی اوراجتماعی اخلاقیات کا فلسفہ تغیر پذیر ہے،نیکی اور بدی کے تصورات نئی جہتوں سے آشنا ہورہے ہیں۔انسانی حقوق کی آگہی میں ماضی کی نسبت زیادہ تنوع نظرآتا ہے۔دنیائے انسانیت فکری،تمدنی وتہذیبی اعتبار سے قربتوں سے آشنا ہوکرایک عالمی گاؤں میں تبدیل ہوکررہ گئی ہے۔اب مذاہب وافکار میں ایک زبردست مسابقت کی کیفیت نظرآتی ہے اب وہی فلسفہ اورفکر معاشرے کی رگ وجان بن سکتا ہے جوعصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہوکرفی زمانہ دنیائے انسانیت کے مسائل حل کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

عصرحاضر میں سماجی زندگی کے ارتقامیں جمہوری روّیوں، امن وآتشی کے نظریات وافکار،اور انسانی حقوق کی پاسداری کی سوچ کا کلیدی کردار ہے۔اس صورت میں مذہب کے نظریات وافکارایک سوالیہ نشان کی طرح ہیں کہ وہ سماجی زندگی کے اس ارتقامیں کیا کردارادا کرسکتے ہیں؟اور مذہب آج کے دور میں عالمی امن وسلامتی اورانسانوں کے انفرادی اور اجتماعی حقوق کا کتنا ضامن ہوسکتا ہے؟۔ ’’صنعتی انقلاب نے آلات پیداواراور ذرائع پیداوارکوتبدیل کردیا،نئی نئی ایجادات ہوئیں،جن کے انسانی زندگی پرعجیب وغریب اثرات ہوئے آمدورفت اوررسل ورسائل کے نئے نئے ذریعے وجود میں آئے۔ نئے نئے آلات حرب وجود میں آئے،سرمائے کی گردش،پھیلاؤاوراستعمال کا پورانظام ہی بدل گیا۔اس انقلاب نے انسان کی انفرادی اورخاندانی زندگی پربہت بنیادی اثرات مرتب کئے حکومتوں کا نظام بدل گیافوج بالکل نئے طریقے سے استوار ہوئی،بینکنگ اورانشورنس سسٹم وجود میں آیا،نئے بین الاقوامی تعلقات وجود میں آئے‘‘ (۱) انسانی ترقیات اور سائنس

ٹیکنالوجی کے ارتقا نے سماجی زندگی پر ہمہ گیر اثرات مرتب کیے۔ نت نئے مسائل کے نتیجے میں نئے نئے حقوق کا تصور پیدا ہوا، یہی وجہ ہے کہ فی زمانہ حقوق کا تصور متحرک رہتا ہے۔

اس مقالے میں اس امر کا جائزہ لیا گیا ہے کہ ایک اعتدال پسند اور روشن خیال اسلامی معاشرے کی تشکیل کے حوالے سے سیرت طیبہ ﷺ سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟ اور قرآن وسنت کی روشنی میں اس کے کیا احکامات سامنے آتے ہیں۔

☆ سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں روشن خیال معاشرے کی بنیادیں

''اسلام کی خوبی یہ کہ اس نے روحانی اور مادی زندگی کے دونوں پہلوؤں کے مابین بہترین توازن برقرار رکھا ہے اور ان کے تقاضوں کو نبھانے کے لئے ایسے تمدنی اصول متعارف کرائیں جن سے ایک بہترین آزاد اور روشن خیال تہذیب وجود پر ہو سکے'' (۲)

اس معاشرے کا آغاز نبی اکرم ﷺ نے مدینہ میں کر کے دکھایا جہاں ''مختلف الخیال عناصر پر مشتمل ایسا معاشرہ وجود میں آیا، جس میں میثاق مدینہ کی وجہ سے یہود، انصار، مہاجرین اور دوسرے قبائل ایک تنظیمی اتحاد میں شامل ہو گئے اور سب ایک دوسرے کے وجود کا اعتراف کرنے لگے'' (۳) نبی آخر الزماں ﷺ نے ایک ترقی پسند اور روشن خیال معاشرے کے لئے جو بنیادیں فراہم کی ہیں انہیں متعدد عنوانات کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ وحدت انسانیت اور انسان دوستی:

قرآن حکیم چونکہ انسانیت اور اقوام عالم کا صحیفہ ہے لہٰذا وہ انسانی معاشرے کے اندر کل انسانیت کو اجتماعیت میں پرونا چاہتا ہے اور اس تناظر میں اجتماعی عدل اور وحدت کو اسلام کی روح قرار دیتا ہے۔ وہ اپنے پیروکاروں کو اس امر کا سختی سے پابند کرتا ہے کہ جب تم کسی معاشرے میں غالب آؤ تو وہاں عدل اجتماعی کے قیام میں ذرا بھر بھی غفلت کا مظاہرہ نہ کرنا اور بلا مذہبی تعصب، انتہا اور شدت پسندی اور عداوت کے ہر قوم اور مذہب کے ساتھ عدل وانصاف، صبر اور برداشت اور معاملات میں مساوات اور وحدت کا مظاہرہ کرنا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ۔ (٤)

''اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتدا) ایک جان سے کی''

"وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا، اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ"۔ (٥)

''اور کسی قوم کی سخت دشمنی بھی تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے اور اللہ سے ڈرا کرو''

قرآن کریم انسانوں میں عملی مساوات اور وحدت قائم کرنا چاہتا ہے تاکہ سماجی زندگی میں کسی طرح کے طبقات اور امتیازات کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکے۔ قرآن حکیم اس تصور کی اساس کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ (٦) ''تم (سب) ایک دوسرے کی جنس میں سے ہو''

انسانی معاشرے کے اجتماعی اور وحدانی پہلوؤں پر نظر ڈالنے کے بعد ہمیں سب سے اولین شعبہ معاشیات نظر آتا ہے جس کی بنیاد پر انسانوں کی ترقی کا دارومدار ہے۔ قرآن حکیم اجتماعی عدل کی صورت کو مدنظر رکھتے ہوئے انسانی معاشرے میں معاشی طبقات کو ختم کر کے معاشی عدل و انصاف کو ضروری قرار دیتا ہے اور سرمایہ پرستی، سرمایہ دار بت کی نفی اور اس کی پر زور مذمت کرتا ہے۔ قرآن اپنے معاشرے کے غیر مسلموں اور مسلمانوں دونوں کو معاشی کفالت میں برابر کا درجہ دیتا ہے۔ تمام انسانوں کا معاشیات اور وسائل پر یکساں حق قرار دے کر یہ اعلان کرتا ہے کہ مال و دولت کی گردش چند ہاتھوں میں نہ ہو جس کی وجہ سے معاشرہ معاشی طبقات میں تقسیم ہو کر معاشی انتہا پسندی کا شکار ہو کر غریب، غریب سے غریب تر اور امیر، امیر سے امیر تر، کی صورت میں زوال کی طرف گامزن ہو جائے گا۔

''كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ'' (٧)

''دولت کی گردش چند اغنیا (ہاتھوں) میں نہیں ہونی چاہیئے''۔

قرآن حکیم سماجی زندگی میں انسانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ صبر و برداشت سے رہنے کی بھی تلقین کرتا ہے۔ باہمی لین دین اور تعلقات میں اگر کسی فرد سے زیادتی ہو جاتی ہے تو اس پر صبر کرنے کی تلقین ہے اور اگر بدلہ لینا ہے تو اس حد تک ہو جتنا کہ آپ پر زیادتی ہوئی ہو کیونکہ کہ انصاف کا تقاضا یہی ہے لیکن اگر معاف کر دیا جائے تو یہ افضل قرار دیا گیا، انسانی معاشرے میں جہاں مختلف مذاہب، رنگ و نسل کے افراد رہتے ہیں۔ قرآن کریم سب کے ساتھ رواداری پر مبنی رویے کو استحکام دیتا ہے، اور انصاف کے اصولوں سے ہٹ کر کوئی بھی قدم اٹھانے کی ممانعت کرتا ہے۔ **وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ** (٨) ''اگر بدلہ لو تو بدلہ اسی قدر جس قدر کے تم کو تکلیف پہنچائی جائے، اور اگر صبر کر لو تو یہ بہتر ہے، صبر کرنے والوں کے لئے''

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے اسی قرآنی فکر کو اپنایا اور کل انسانیت کی وحدت اور اجتماعیت کے لئے شب و روز جدو جہد فرمائی۔ انہی خصوصیات کی وجہ سے خالق کائنات نے آپ ﷺ کو رحمت اللعالمین کے خطاب سے نوازا۔ آپ ﷺ جہاں

اعلیٰ درجہ کے خدا پرست تھے وہاں اعلیٰ درجہ کے انسان دوست تھے۔ مخلوق سے محبت، ان پر رحم و کرم آپ ﷺ کی اعلیٰ درجہ کی صفات میں شامل تھیں۔ آپ ﷺ کی جدوجہد اور فکر کسی خاص گروہ، فرقہ، نسل تک محدود نہ تھی۔ بلکہ آپ ﷺ پورے عالم انسانیت کی بھلائی و بہبود کے لئے کوشاں رہے۔ انسانیت کی مفلوک الحالی، فکری پسماندگی اور ان پر ہونے والے ظلم و جبر اور استبداد پر ہمیشہ آپ ﷺ کڑھتے اور اس کے سدباب کے لئے ہمہ وقت مصروف العمل رہتے۔ آپ ﷺ کی عملی زندگی رواداری، وسیع المشربی، برداشت، تحمل اور عفوو درگزر کا بے مثال نمونہ ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ **وَكَانَ النَّبِيُّ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ اَلَى النَّاسِ عَامَّةً** (۹) ''مجھ سے پہلے ہر نبی ایک مخصوص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا۔ میں تمام عالم انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں'' آپ ﷺ تمام انسانیت کی وحدت اور اجتماعیت کے قائل تھے۔ اور انسانی معاشرے میں ہر طرح کی تمیز، فرقہ واریت، گروہیت، کو انسانی وحدت کے لئے مضر قرار دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے انسانی معاشرہ کو ہر طرح کی عصبیت، اور عداوتوں سے پاک کر کے اسے وحدت کی لڑی میں پرونے کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر اپنے عظیم الشان تاریخی خطبہ میں ارشاد فرمایا: **لافضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علیٰ عربی ولا لا بیض علی اسود ولا اسود علی ابیض الا بالتقوٰی، الناس من آدم و آدم من تراب۔** (۱۰) ''کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کسی سفید کو سیاہ پر اور نہ سیاہ کو سفید پر کوئی فضیلت نہیں۔ سوائے تقوی اور پرہیز گاری کے سب آدم کی اولاد ہیں اور سب کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی''۔

نبی کریم محمد رسول ﷺ کی اس حدیث مبارکہ سے بات قوی ہوگئی کہ سب انسان ایک آدم کی اولاد ہے اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے، جب آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی تو یہ لازمی ہے کہ اس کی تمام اولادوں کی بھی اسی مٹی سے تخلیق ہوا اور تمام انسانوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ معیار رکھ دیا ہے کہ اللہ کے نزدیک وہی قابل قبول ہوگا، جو نیکی اور بدی میں فرق اور امتیاز رکھ کر انسانیت کی بھلائی کی فکر رکھے گا، جو پرہیز گار ہوگا، جو اس کے مبعوث کردہ انبیا کے حکم کی اطاعت اور فرماں برداری کرے گا، وہی اللہ کا دوست ہوگا اور وہی قبولیت درجہ پر فائز ہوگا۔ گویا انسانوں کی وحدت کا عالمی اعلان تھا، تمام لسانیت، گروہیت، نسلیت اور عاقائیت کے تعصب کو تہ تیغ کر ڈالا اور انسان کو اس اشرف المخلوقات کے درجات پر فائز کر دیا کہ اسے خود ہی اپنے لیے انسانی شرف کا احساس پیدا ہو جائے۔ ''انسانی کاوشیں اس سے آگے نہیں سوچ سکتی ہیں بلکہ کوئی دوسرا نظام تمدن وہ معیار انسانیت عملاً پیدا نہیں کر سکتا جو اس منشور میں دیا گیا ہے''۔(۱۱)

سرکار دو عالم ﷺ وحدت نسل انسانی کے ذریعے سے معاشرے کے فکری اور طبعی ارتقا کو جاری رکھنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ نے نسل انسانی کی وحدت کے قرآنی نظریئے کو عمل میں لا کر دنیا کو ایک امن پسند اور فلاحی معاشرے کی تشکیل کی

ایک مضبوط بنیاد فراہم کی جو معاشرتی زندگی کی افراتفری، تعصب اور گروہیت کے تدارک کے لئے نسخہ کیمیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ وحدت نسل انسانی کے اس ہمہ گیر تصور کو اگر دنیا سمجھ لے تو مذہب کی بنیاد پر جو تعصبات آج معاشروں کو نگل رہے ہیں اور افکار و نظر کو متاثر کر رہے ہیں، ان سے معاشرے کو چھٹکارا مل سکتا ہے۔

۲۔ انسانی حقوق کی پاسداری و تحفظ:

اسلام کی نظر میں تو پوری انسانیت خدا کا کنبہ ہے اور اس انسانوں کے کنبہ کے حقوق کی پاسداری کا سب سے بڑا علم بردار وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جس پر عرب کے مشرکین اور کفار کا بھی اعتماد تھا، وہ اپنی امانتیں جس طرح رکھوایا کرتے تھے اس طرح آپ ﷺ واپس کر دیا کرتے تھے جو بات کرتے سچی کرتے۔ یہی وجہ ان کے اُسی معاشرے میں صادق اور امین کے خطاب سے منسوب ہوئی۔ ''وہ کسی سے بد معاملگی نہیں کرتا، کسی کی حق تلفی نہیں کرتا، برسوں سوداگری کا پیشہ کرنے کے باوجود کسی ایک کا پیسہ بھی ناجائز طریقہ سے نہیں لیتا، جن لوگوں سے اس کے معاملات پیش آئے وہ سب اس کی ایمانداری پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں، ساری قوم اس کو امین کہتی ہے۔ دشمن تک اپنے قیمتی مال کو اس کے پاس رکھواتے ہیں اور وہ ان کی بھی حفاظت کرتا ہے۔'' (۱۲)

''خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام خلافت میں غیر مسلموں کے لیے ایک امان نامہ جاری کیا۔ یہ وہ امن ہے جو اللہ کے بندے امیر المومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی یہ امان ان کی جان، مال گرجے، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہل مذاہب کے لیے ہے ان کے گرجوں میں سکونت نہ اختیار کی جائے نہ وہ گرائے جائیں اور نہ ان کو اور ان کے احاطوں نقصان پہنچایا جائیگا۔ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی نہ کی جائے گی۔ نہ مذہب کے معاملے میں ان پر جبر کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا'' (۱۳)

رسول رحمت ﷺ کو ابتدائی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ معاشرے میں بلا امتیاز انسانوں کی خدمت میں مصروف عمل نظر آتے ہیں۔ معاہدہ حلف الفضول کے نام سے امن کمیٹی بنا کر مظلوموں اور مقہوروں کو حوصلہ دیتے ہیں۔ ہر مشکل کام میں ظالم کے خلاف ان کی مدد کرتے ہیں۔ آپ ﷺ ایک سماجی کارکن کے طور پر معاشرے کی خدمت کرتے ہیں۔ دوسروں کا بوجھ اٹھانا، بیماروں کی عیادت کرنا، بازار سے سودا سلف لا کر دینا۔ یہ آپ کے معمولات میں شامل تھا۔ معاشرے کی یکجہتی اور حجر اسود کو نصب کرنے کے حوالے سے مختلف قبائل میں جنگ کے خطرات پیدا ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ دور اندیشی اور معاملہ فہمی اور انسان دوستی کی فکر اور تدبیر نے معاشرے کو ایک بڑی جنگ سے محفوظ کر دیا۔

نبوت سے پہلے آپ ﷺ کی زندگی، سماجی خدمت میں گزری یہی وجہ تھی کہ جب آپ ﷺ پر غار حرا میں وحی نازل ہوئی اور آپ ﷺ گھبرائے ہوئے گھر پہنچے تو حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے کہا ''خدا شاہد ہے ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ناکام کردے۔ آپ کی مدد نہ کرے آپ رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں ان کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ ہارے، تھکے، درماندہ مسافروں کے لئے سواری کا انتظام کرتے ہیں ان کو منزل تک پہنچاتے ہیں۔ آپ ایسے احسانات کرتے ہیں اور ایسی خدمات انجام دیتے ہیں جنکی نظیر ہیں ملتی، جو دوسری جگہ قطعاً نایاب ہیں۔ برپا ہونیوالے ہنگاموں اور ناگہانی حوادث میں آپ حق کی حمایت کرتے ہیں''۔ (۱۴)

گویا رسول رحمت ﷺ کی انسان دوستی، خدمت خلق اور مخلوق خدا، احسانات ہی کا نتیجہ تھا کہ جس نے معاشرے میں آپ ﷺ کو صادق اور امین مشہور کردیا۔ آپ ﷺ کا کردار محسن انسانیت اور محبت انسانیت کا تھا۔ آپ ﷺ انسانی زندگی میں امتیازات کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ آپ ﷺ اسلامی معاشرے میں رہنے والے ہر فرد کے بنیادی حقوق کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ خاص طور پر غیر مسلموں کے حقوق ان کے جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کو ضروری قرار دیتے ہیں آپ ﷺ کے نزدیک ہر شخص معاشرہ کی بلا رنگ و نسل و مذہب، عزت و آبرو اور جان کی تکریم مساوی تھی۔ آپ ﷺ دوسرے کی جان اور عزت کو اتنا ہی عزیز رکھتے تھے جتنا کہ اپنی جان کو، لہٰذا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ **فَاِنَّ دِمَآءَ کُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذا (۱۵)** بے شک تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں اسی طرح حرمت والی ہیں جیسے تمہارے لئے آج کے دن (یعنی حجۃ الوداع) کی حرمت ہے۔

معاشرے میں جان کی حفاظت کے حق کی تاکید کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ایک دوسرے کی جان و حرمت کا ہر فرد معاشرہ کو پابند کیا آپ ﷺ نے کعبۃ اللہ کی حرمت سے بھی بڑھ کر ایک انسان کی حرمت کو قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سے مروی ہے۔ **قال رایت رسول یطوف بالکعبۃ ویقول ما اطیبك واطیب ریحك مااعظمكِ واعظم حرمتك والذی نفس محمد بیداہ لحرمۃ المومنین اعظم عنداللہ حرمۃ منك ما لہ ودمہ وان نظن بہ الاخیرا۔ (۱۶)**

''وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا اور آپ ﷺ یہ فرمارہے رہے تھے۔ اے کعبہ تو کتنا عظیم ہے اور تیری حرمت و عزت بھی عظیم ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے۔ بے شک ایک مومن کی عزت و حرمت اللہ کے نزدیک تیری عزت و حرمت سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اس کا مال، اس کا خون اور اس کی آبرو (یعنی) اس کے بارے میں سوائے بھلائی کے اور کوئی گمان نہ کرنا اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ برگزیدہ ہے''۔

آپ ﷺ نے حرمت جاں کو ضروری قرار دیتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا۔ **کل المسلم علیٰ المسلم حرام دمه وماله وعرضه۔** (۱۷) ''ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت و آبرو حرام ہے'' ایک اور مقام پر رحمتہ اللعالمین فرماتے ہیں **المُئومن مَن اَمِنَهُ الناس علیٰ اموالهم وانفسهم۔** (۱۸) مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال کے لحاظ سے امن پائیں۔

سرکار دو عالم نے ایک اسلامی معاشرہ کو ساری انسانیت کے لئے آئیڈیل بنایا اور ایک مسلمان کا یہ معیار مقرر کیا کہ وہ معاشرے کا ایک امن پسند شہری بن کر دوسروں کے ساتھ شیر و شکر ہو کر زندگی بسر کرے۔ دوسروں کے لئے باعث آزار نہ ہو اور دوسروں کے جان، مال عزت و آبرو کا محافظ بنے۔ اسلام کی قبولیت کے بعد وہ اس بات کا پابند بنے کہ وہ معاشرے کے لئے نفع بخش ہو اور فیض رسانی کا باعث ہو ارشاد نبوی ہے **اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔** (۱۹) مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ آپ ﷺ نے انسانوں کی بھلائی اور خیر خواہی کی تلقین کرتے ہوئے اسے دین قرار دیا اور فرمایا۔ **اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ** (۲۰) دین تو خیر خواہی کا نام ہے۔ حدیث کے یہ الفاظ اسلام کے جامع اور وسیع تر تصور کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ دین کی اصل حقیقت انسانیت کی بھلائی روح عدل و انصاف کی کارفرمائی اور معاشرتی خیر و فلاح کا نام ہے قرآن حکیم نے یہ بات اس طرح بیان کی۔ **اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ** (۲۱) ''بے شک اللہ کے نزدیک تو اصل دین اسلام ہے''

- لفظ دین ان مفاہیم کا احاطہ کرتا ہے'' (ا) غلبہ و تسلط، کسی ذی اقتدار کی طرف سے، (ب) اطاعت اور بندگی، صاحب اقتدار کے آگے جھک جانے والی طرف سے، (ج) قاعدہ و ضابطہ اور طریقہ جس کی پابندگی کی جائے، اور (د) محاسبہ اور فیصلہ اور جزا اور سزا قرآن میں لفظ دین ایک پورے نظام زندگی کی نمائندگی کرتا ہے جس کے اجزائے ترکیبی یہ چار ہیں۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اس کا اقتدار اعلیٰ، ۲۔ اس حاکمیت کے مقابلہ میں سر تسلیم و اطاعت، ۳۔ وہ مکمل نظام فکر و عمل جو اس حاکمیت کے زیر اثر بنے، ۴۔ جزا و سزا جو اقتدار اعلیٰ کی طرف سے اس نظام کی وفاداری و اطاعت یا سرکشی و بغاوت کے صلہ میں دی جائے'' (۲۲)

آپ ﷺ کے نزدیک انسان تمام مخلوقات سے اشرف ہے۔ اسی بناء پر آپ ﷺ انسانیت کی تذلیل بالکل برداشت نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے انسان کو عظمت دی، وقار دیا اور عزت و تکریم اس کا حق قرار دیا۔ آپ ﷺ نے حاکم اور محکوم کے تصور کو ختم کر کے مساوات اور برابری کا درس دیا۔ عرب میں غلاموں کے ساتھ انتہائی برا سلوک کیا جاتا تھا۔ ان کے بنیادی حقوق معطل کر دیئے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے غلام اور لونڈی کو اس معاشرے میں عزت اور تکریم سے نوازا۔ آپ ﷺ

نے اس بات کی تخصیص نہیں کی کہ وہ لونڈی مسلمان ہے یا غیر مسلم۔ بلکہ بحیثیت انسان آپ ﷺ نے اسے ذلت اور جبر کی زندگی سے نجات دلائی۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ **اخوانکم جعلهم الله فتیة تحت ایدیکم۔** (۱۸) ''تمہارے غلام، تمہارے بھائی ہیں جس پر اللہ نے تمہیں اختیار دیا ہے''

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک شخص کو سواری پر اور اس کے غلام کو پیدل چلتے دیکھا تو فرمایا غلام کو بھی اپنے ساتھ سواری پر بٹھا کیونکہ جیسی روح تمہارے اندر ہے ویسی ہی تمہارے غلام کی بھی ہے۔ آپ ﷺ نے غلاموں کے ساتھ سختی کرنے والوں کو سخت تنبیہ کی اور انہیں اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین کی۔ رحمت عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ **من قتل عبده قتلنا ومن جدع عبده جد عناه۔** (۱۹) ''جس نے اپنے غلام کو قتل کیا ہو، اسے قتل کریں گے اور جس نے غلام کے اعضاء کاٹے، ہم اس کے اعضاء کاٹیں گے''۔

آنحضرت ﷺ نے آقا اور غلام میں محبت اور احترام کا رشتہ استوار کیا اور غلاموں پر وحشیانہ مظالم کے تمام راستے اور اسباب کو ختم کر دیا۔ اور انسانی عظمت اور وقار کی پاسداری کی۔ جہاں زندگی کے دیگر معاملات میں آپ ﷺ نے کوئی امتیاز نہیں برتا۔ بلا مذہبی اور اعتقادی تعصب کے آپ ﷺ نے ہر لمحے انسانی حقوق اور آزادی کا خیال رکھا اور ان کے ساتھ وسیع المشربی کے رویے اور فکر کو نہ صرف اپنائے رکھا بلکہ اس کی تلقین و ترغیب بھی دی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے والے غیر مسلموں کے بارے میں بھی بطور خاص رواداری، وسعت نظری کی تلقین کی۔

قرآن حکیم نے بھی آپ ﷺ کے اس عالمگیر کردار پر مہر تصدیق ثبت کی، آپ کی خیر خواہی اور ہمدردی کو اپنے صفحات میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانوں کے لئے رحیم و کریم ہونے کے وصف سے متصف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔** (۲۳) ''لوگو تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں تمہاری تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے اور ان کو تمہاری بہبود کی حرص ہے''۔

درج بالا آیت کریمہ میں خالق کائنات نے آپ ﷺ کے اس وصف کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا تعلق آپ ﷺ کی انسان دوستی اور مخلوق پروری سے ہے۔ رحمت اللعالمین معاشرے کے تمام انسانوں کی فلاح اور خدمت کرنے والے تھے آپ مفلوک الحال افراد کی ہمیشہ مدد کرتے اور ان کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ آپ ﷺ کے نزدیک مسلم اور غیر مسلم برابر تھے۔ عرب کے معاشرے کے کفار و مشرکین بھی مفلوک الحالی میں ہوتے تو آپ بلا جھجک ان کی مدد اور کفالت کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے۔ آپ نے یتیموں، غریبوں کی کفالت اور خدمت کے کام کو عبادت کا درجہ دیا آپ کا ارشاد گرامی ہے

"اَلسَّاعِیْ عَلٰی الْاَرْمِلَةِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالْمُجَاھِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَالْقَآئِمِ لَا یَفْتُرُ کَالصَّآئِمِ لَا یُفْطِرُ۔ (٢٤) "غریبوں اور بیواؤں کی خدمت کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا رات بھر نماز پڑھنے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کی طرح ہے" آپ ﷺ نے بھوکے کو کھانا کھلانا اور لوگوں کی بیمار پرسی کرنا اور قیدیوں (غلاموں) کو آزاد کرانے کی بھی تلقین کی، لوگوں سے اچھے حسن اخلاق سے بات کرنا، چاہے ان کا تعلق کسی بھی گروہ مذہب اور قوم سے ہو۔ اَطِیْعُوا الْجَآئِعَ وَعُوْدُوْ الْمَرِیْضَ وَفُکُّوْا العَالِیَ (٢٥) "بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی عیادت کرو، قیدیوں/غلاموں کو آزاد کرو"

سرکار دو عالم ﷺ انسانی ہمدردی کا ایسا سبق دیتے ہیں جہاں مزہب قوم اور نسل کی کوئی قید نہیں رہتی۔ آپ کی محبت وشفقت رحم وکرم ہر غمزدہ اور پریشان حال کے لئے عام تھی۔ آپ ہر اس شخص کی مدد کے لئے لپکتے جو پریشانیوں میں گھرا ہوا ہوتا ہے آپ ذاتی ضروریات کو قربان کر کے اس کی مدد کے لئے تیار ہو جاتے آپ نے غمزدہ اور پریشان حال افراد معاشرہ کی خدمت کرنے ان کی حاجت روائی کرنے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

من اغاث ملهو فاكتب الله له ثلاثا وسبعين مغفرة واحده فيها صلاح امره كله واثنتان وسبعون له درجات يوم القيٰمة ۔ "جس نے کسی غم زدہ شخص کی فریادرسی کی اللہ اس کے لیے تہتر بخششیں لکھ دے گا ایک تو ان میں سے دنیا ہی میں ملے گی یعنی اس کے سارے کام سنور جائیں گے اور باقی بہتر اس کے لیے قیامت کے دن درجے بڑھنے کے ذریعے ہوں گے" (٢٦) رسول کریم ﷺ ہمہ وقت انسانوں کی بھلائی کی تلقین فرماتے۔ آپ نے معاشرے میں انسانوں کے ساتھ ہر طرح کی بھلائی کو صدقہ قرار دیا۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ (٢٧) "ہر بھلائی صدقہ ہے"

رسول خدا ﷺ نے جہاں عملی طور پر بلا رنگ ونسل ومذہب انسانوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی عملی طور پر تلقین فرمائی وہاں اس کی قدر اہمیت کو واضح کیا کہ اگر کوئی فرد عملی طور پر اس کی استطاعت نہیں رکھتا کہ وہ دوسرے مفلوک الحال اور پریشان افراد کی مدد نہ کر سکے تو پھر بھی اس کو کم از کم دوسروں کو اس کی ترغیب دینی چاہیئے۔ اس سے آپ کی انسانوں سے محبت اور ان کی بھلائی کے لئے فکرمندی کی دلیل ملتی ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوا فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ قَالَ فَیَفْعَلُ بِیَدِهٖ فَیَنْفَعُ نَفْسَهٗ وَیَتَصَدَّقُ قَالُوْ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ اَوْلَمْ یَفْعَلُ قَالَ فَیُعِیْنُ ذَاالْحَاجَةِ الْمَلْهُوْف قَالُوا فَاِنْ لَّم یَفْعَلُ قَالَ فَیَاْمُرُ بِالْخَیْرِ اَوْ قَالَ بِالْمَعْرُوْفِ، قَالَ فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلُ قَالَ فَیُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهٗ لَهٗ صَدَقَةٌ ۔ (٢٨) "ابو موسیٰؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے

فرمایا ہر مسلمان پر صدقہ کرنا ضروری ہے صحابہؓ نے عرض کی اگر کوئی چیز کسی کو (صدقہ کے لئے جو میسر نہ ہو؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر اپنے ہاتھ سے کام کرے اور اس سے خود کو بھی فائدہ پہنچائے اور صدقہ کرے صحابہؓ نے عرض کی اگر اس میں اس کی استطاعت نہ ہو؟ یا کہا کہ نہ کر سکے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر کسی حاجت مند پریشان حال کی مدد کرے صحابہؓ نے عرض کی اگر وہ بھی نہ کر سکے فرمایا کہ پھر بھلائی کی طرف لوگوں کو رغبت دلائے یا بالمعروف آپ ﷺ نے فرمایا، پھر برائی سے رکا رہے کہ یہ بھی اس کے لئے صدقہ ہے"۔

آپ نے کسی کے احسان کے بدلے کو صلہ رحمی نہیں کہا یعنی اگر کسی فرد معاشرہ نے آپ کے ساتھ نیکی کی اور آپ نے اس کا بدلہ دیا تو یہ صلہ رحمی نہیں کہلائے گی۔ صلہ رحمی تو یہ ہے کہ آپ بلا مذہبی یا کسی اور فرق و امتیاز کے بغیر کسی بدلے کے آپ رحم و کرم اور بھلائی کا برتاؤ کرتے ہیں تو یہ صلہ رحمی ہے۔ **لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمَكَافِي**۔ (۲۹) "بدلہ دینا صلہ رحمی نہیں ہے" آپ ﷺ صلہ رحمی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں **مَنْ وَصَلَ وَصَلَّه الله**۔ (۳۰) "جس نے صلہ رحمی کی اس پر اللہ کے افضال ہوں گے" آپ ﷺ نے جہاں صلہ رحمی کی تلقین فرمائی وہاں قطع رحمی کرنے والے کو سخت تنبیہ بھی فرمائی آپ کا ارشاد گرامی ہے۔ **لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ**۔ (۳۱) "قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا"۔

رسول اکرم ﷺ نے انسانی معاشرے میں رحم کا برتاؤ کرنے کی ہمہ وقت تلقین کی ہے۔ تمام مخلوقات کے ساتھ رحم و کرم اخلاقیات کو اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت والا کام قرار دیا۔ آپ کی عملی زندگی رحم و کرم کے حسن سلوک سے بھری ہوئی ہے آپ ﷺ نے دوسروں پر رحم کرنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ **مَنْ لَا يَرْحَم لَا يُرْحَمُ** (۳۲) "جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا"

درج بالا حدیث مبارکہ میں آنحضرت ﷺ پورے کرہ ارض پر پھیلی ہوئی تمام مخلوق کے لئے رحم کرنے کا درس دیتے ہیں یہ رحم انسانی معاشرے کے ہر فرد کے لئے بھی ہے چاہے وہ مسلمان ہے یا کسی اور مذہب سے اس کا تعلق ہے آپ ﷺ نے جہاں رحم کرنے کی فضیلت بیان فرمائی وہاں آپ نے ایک ترقی یافتہ معاشرے کی تشکیل کے لئے صلہ رحمی کو بھی ضروری قرار دیا آپ نے معاشرے کے ہر فرد چاہے اس کا تعلق کسی بھی مذہب یا نسل یا قوم سے ہو کے ساتھ بلا تخصیص صلہ رحمی کو ضروری قرار دیا۔ **يَبُلُّ الرَّحِمِ بِبَلَالِهَا** (۳۳) "صلہ رحمی سے رحم کی سیرابی ہوتی ہے"

رسول رحمت نے جہاں صلہ رحمی کو اللہ تعالیٰ کے فضل کا ذریعہ بتایا وہاں آپ نے رزق کی کشادگی اور عمر کی درازی اور خوشحالی کی نوید اس شخص کو سنائی جو معاشرے میں تمام انسانوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: **مَنْ سَرَّهُ أَنْ**

يُبْسَطُ لَهُ فِيْ رِزْقِهِ وَأَنْ يُنْسَأَلَهُ فِيْ أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ۔ (۳٤) ''جسے پسند ہے کہ اس کی روزی میں کشادگی پیدا کی جائے اور اس کی عمر دراز کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے''۔

''صلہ رحمی کے بیان میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ان کے ساتھ مہربانی کرو جو تمہارے ساتھ مہربانی کرتے ہیں بلکہ دراصل یہ مطلب ہے کہ تم ان کے ساتھ نیکی کرو جو تم سے ظلم کریں دشمن سے محبت تو نہیں کی جا سکتی لیکن اس کو معاف کرو اور اس کے حق میں دعا میں دعا کرو کہ وہ بدی چھوڑ کر نیکی کی طرف مائل ہو اور اس کے ساتھ نیک سلوک کرو''۔(۳۵)

یقیناً انسانوں کے حقوق کے تحفظ اور ان کی پاسداری کا یہ فکر اور عمل ایک انسان دوست معاشرے کی تشکیل کے لئے رہنما ہے اور خصوصاً عصر حاضر میں جب کہ فکر انسانی کے ارتقاء کے سبب حقوق انسانی کا تصور پختہ تر ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات ان حقوق کی تکمیل و تحفظ میں مانع ہونے کی بجائے اتنی وسعت اور گہرائی رکھتی ہیں کہ انسانوں کے ان تمام حقوق کا تحفظ یقینی بنائیں جو ان کے معاشرتی اور تمدنی ارتقاء کے لئے ضروری ہیں۔

۳۔ جمہوری روّیے:

اسلام ہمیشہ انفرادی اور اجتماعی کے درمیان اعتدال کا ایک خوبصورت نظام پیش کرتا ہے اس کے مزاج میں جمہوریت نظر آتی ہے، اور وہ اپنے اس جمہوری مزاج میں عدل اور مساوات کو بنیاد بناتا ہے، اور عدل و مساوات کو معاشرتی قوانین میں رائج کرنے کے لیے قرآن حکیم کو اصل اساس بناتا ہے۔

''اسلامی جمہوریت اور دولت اسلامیہ میں بین فرق ہے اسلامی جمہوریت کسی ملک کا ایسا جمہوری نظام ہے، جو اسلامی اصولوں پر قائم کیا گیا ہو۔ اور دولت اسلامیہ تمام مسلمانان عالم کا ایسا مرکزی ادارہ ہے جو اسلامی اصولوں پر مسلمانان دنیا کی بہبود اور نوع انسانی کی فلاح کے لیے قائم کیا جائے جہاں اسلامی جمہوری کوئی بھی اسلامی ملک قائم کر سکتا ہے، ہاں دولت اسلامیہ خدا کا قائم کردہ نظام ہے، جس کا مرکز حرمین شریفین ہیں''(۳۶)

لہٰذا اسلام کی اسی روح کو اساس بناتے ہوئے آپ ﷺ نے ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جس میں آزادی اظہار رائے پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔ حقوق کے حوالے سے ہر فرد معاشرہ بلا کسی تفریق کے انصاف کے لئے آواز بلند کرنے میں آزاد تھا۔ آپ ﷺ نے جمہوری رویوں کو معاشرے میں فروغ دیا۔ حضور ﷺ کا معمول تھا کہ مختلف معاملات میں صحابہ کرام سے رائے لیتے اور اظہار رائے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ جائز تنقید کی مکمل اجازت

دے رکھی تھی پیغمبر ہونے کے باوجود کبھی اپنی ذاتی رائے زبردستی مسلط نہیں کی۔ ''رسول خدا نے میدان جنگ میں مقابلہ کرنے والوں کی اکثریت دیکھ کر اپنی اسی رائے کو پھر دہرایا کہ مجھے تمہاری شکست کا خطرہ ہے، لیکن اس پر بھی لوگوں کا اصرار کم نہ ہو سکا، جس کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے اکثریت کی رائے پر عمل ضروری سمجھا'' (۳۷)

اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی ذات کو کبھی بھی تنقید سے ماورا نہیں سمجھا ''ایک بار آپ ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کسی نے کہا تقسیم غنیمت مرضی الٰہی کے خلاف ہوئی ہے۔ بات بہت سخت تھی مگر آپ ﷺ نے معاف کر دیا۔ کسی اور کی آواز آئی آپ نے عدل سے کام نہیں لیا فرمایا اگر میں عدل نہ کروں گا تو اور کون کرے گا پھر کہنے والے سے کوئی باز پرس نہ کی'' (۳۸) ''حضرت زبیر اور ایک انصاری کا کوئی معاملہ آپکی خدمت میں پیش ہوا آپ ﷺ نے حضرت زبیر کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ انصاری نے غصہ میں آ کر کہا آپؐ نے پھوپھی زاد بھائی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس گستاخی سے درگزر کیا اور کچھ نہ فرمایا'' (۳۹)

اسلام میں آزادی اظہار رائے کی حدود کا تعین کرتے ہوئے علامہ شوکانی لکھتے ہیں ''شریعت ان لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتی جو امام کے خلاف بغاوت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ جب تک وہ اپنے اس عقیدے کو عملی شکل دینے کیلئے کوئی جنگ نہ برپا کریں یا اس کیلئے کوئی تیاری نہ شروع کر دیں کیونکہ رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب وہ بغاوت کریں تب ان کو قتل کرو'' (۴۰) ''آپ ﷺ نے اسلامی جمہوریت کے انقلابی تصور کو مدینہ کی شہری ریاست میں باقاعدہ طور پر نافذ کیا اسی طرح ہمارے سامنے ایک مثالی جمہوریت کی عملی صورت پیش کی''۔ (۴۱)

لب لباب یہ ہے کہ سیرت اقدس ﷺ کی روشنی میں جمہوری اور شورائی روایات پر مبنی معاشرہ قائم کر کے ہی ہم فی زمانہ عصری تقاضوں سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔

۴۔ عصری علوم کی تحصیل:

آج کا دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے سائنسی اور عقلی علوم کا دور دورا ہے اسلام اس ترقی کی قدرت اور شان قرار دیتا ہے اور کائنات کے ان سربستہ رازوں پر ہر طرح تحقیق کی بھرپور دعوت دیتا ہے تاکہ اپنی عقل و جستجو کے ذریعے نت نئی ایجادات کر کے معاشرے کو خوشحالی اور امن کا گہوارہ بنایا جائے۔ آپ ﷺ نے اسلام کی اسی علم دوستی کی تبلیغ کی اور عملی زندگی میں اس کو اختیار کیا کیونکہ ''ایک اچھا معاشرہ اسی وقت تشکیل پذیر ہو سکتا ہے جب وہ علم کی اہمیت سے آشنا ہو اور جہالت سے نفور اور بیزار ہو اگر علم نہیں ہے تو نہ معاشرے کی بنیاد مستحکم ہو سکتی ہے نہ اچھی حکومت کا قیام عمل میں آ سکتا ہے'' (۴۲) علم کی

اسی افادیت کو بیان کرتے ہوئے خالق کائنات نے پیغمبر ﷺ کی زبان سے یہ کلمات کہلوائے۔ **رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا** ''اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما'' (۴۳)

آپ ﷺ نے علم و شعور کے ذریعے زندگی کی تمدنی ترقی کو جاری رکھنے کی ہمہ وقت تلقین کی اور بے شعوری کے اقدامات کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی۔ آپ ﷺ نے اندھی تقلید کی جس کا تعلق عقل و شعور سے نہ ہو مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ** ''جس بات کا علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ چلو''۔ (۴۴)

آپ ﷺ نے ہر مسلمان پر یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ علم کے زیور سے اپنے آپ کو آراستہ کرے، تا کہ وہ معاشرے کا ایک باشعور فرد بن سکے۔ اور بحیثیت مجموعی معاشرے کی تمدنی ترقی میں ایک فعال کردار ادا کر سکے۔ **طلب العلم فریضہ علیٰ کل مسلم۔** ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے'' (۴۵)

آپ ﷺ نے حصول علم کے لئے سفر کرنا اور جستجو کے لئے جدوجہد کرنے کو عبادت قرار دے کر اسے جنت کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ **من سللك طریقاً یلتمس فیه علما سهل الله به طریقاً الیٰ الجنه** ''جس نے علم کے لیے راستہ طے کیا، اللہ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دے گا''۔ (٤٦)

آپ ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی میں آج کی ترقیات میں ایک مسلمان معاشرے کو صف اول پر ہونا چاہیئے اور علم و ہنر کے میدانوں میں دنیا کی رہنمائی کرنی چاہیئے مگر افسوس آج دنیا میں اس علم دوستی کی بجائے امت مسلمہ عقل و دشمنی اور علم بیزاری کی کیفیت سے دوچار ہو کر پسماندگی میں مبتلا ہو چکی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں ایک ایسا اسلامی معاشرہ تشکیل دیا جائے جو علم و تحقیق کا گہوارہ ہو، سائنس اور ٹیکنالوجی سمیت ہر طرح کے علوم وفنون کی ترقی کے لئے سرگرم ہو اور انسانی معاشرے کو ترقیات سے مستفید کر کے خدمت انسانی کا عظیم فریضہ ادا کرے۔

اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل، تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

اسلام ایک ایسا دین فطرت ہے جو انسانی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے ہر اعتبار سے متوازن حل پیش کرتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے کہیں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلامی فکر کا یہ امتیاز ہر معاملے میں نمایاں نظر آتا ہے، چند پہلو ملاحظہ کیجئے۔

ا۔ معاملات میں عدل و اعتدال:

قرآن مجید مثالی معاشرے کے لیے عدل اجتماعی کو بے حد اہمیت دیتا ہے اور وہ سب کچھ بتلاتا ہے جس سے عدل

اجتماعی قائم ہوسکتا ہے۔گویا عدل اجتماعی قرآنی معاشرے کا وہ امتیازی وصف ہے جو قرآنی معاشرے کو دوسرے معاشروں سے ممتاز کرتا ہے اور جس کے بغیر کوئی معاشرہ ہرگز معاشرہ نہیں کہلاسکتا۔قرآن مجید کے نزدیک ایک انسان کو ہر وہ فعل اور طرز عمل حرام و ناجائز قرار پاتا ہے جس سے کسی بھی انسان کا کوئی حق مجروح ہوتا ہوا اگرچہ اس میں اسکی ذات، یا خاندان، قوم اور ملک کا کتنا ہی زیادہ فائدہ کیوں نہ ہو۔

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (٤٧) ''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو'' ارشاد الٰہی ہے۔ **يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ** (٤٨) ''اے ایمان والو تم اللہ کے واسطے قائم رہنے والے اور سچی گواہی دینے والے بن جاؤ''

آپ ﷺ نے عدل و احسان کے اسی فلسفہ کو انسانی معاشرے میں غالب کرنے کی تلقین اور جدوجہد کی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ ''ہر معاملے میں اعتدال اور اقتصاد کو ترجیح دیتے تھے کہ یہی چیز انجام کار اور نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے آپ ﷺ خود بھی ہمیشہ اسی پر عامل رہے اور اپنے اصحاب کو بھی اسی کی تاکید کرتے رہے'' (٤٩)

قرآن حکیم نے آپ ﷺ کو میانہ روی کی تلقین اس انداز میں کی۔ارشاد ہوتا ہے۔ **وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ** ''اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز نیچی رکھو''۔(٥٠)

اعتدال کی اس روش کو آپ ﷺ نے زندگی کے ہر پہلو میں اختیار کرکے دکھایا، چاہے انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی کے معاملات آپ ﷺ نے ہر حال میں میانہ روی کی تلقین فرمائی ۔ابو مسعود انصاری سے روایت ہے کہ۔

قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ لَا تَاَخَّرُ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي الْفَجْرِ مِمَّا يَطِيْلُ بِنَا فُلَانٌ فِيْهَا فَغَضِبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَارَاَيْتُهُ غَضِبَ فِيْ مَوْعِظَةٍ كَانَ اَشَدُّ غَضِبًا مِنْه (٥١) ''ایک شخص نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ میں نماز نہ پڑھ سکوں گا کیونکہ فلاں شخص ہمیں طویل نماز پڑھایا کرتا ہے ابو مسعود کہتے ہیں کہ میں نے نصیحت کرنے میں اس دن سے زیادہ کبھی نبی ﷺ کو غصے میں نہیں دیکھا' فرمایا اے لوگو تم لوگوں کو دین سے نفرت دلاتے ہو (دیکھو) جو کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے اسے چاہیئے کہ ہر رکن کے ادا کرنے میں تخفیف کرے کیونکہ مقتدیوں میں مریض بھی ہیں اور کمزور بھی اور ضرورت مند بھی ہیں''۔آپ ﷺ اسلام کی تعلیم سے ہمہ وقت معاشرے کو مستفیض فرماتے تھے لیکن اس تمام عمل میں سامعین کی تکلیف ہمیشہ مدنظر رکھی اور اعتدال کے پہلو کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ **يَتَخَوَّلُنَا بَالْمُوْعِظَةِ فِي الْاَيَّامِ كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَآ** (٥٢) ''آنحضرت ﷺ وعظ و نصیحت روزانہ نہیں فرماتے تھے کہ ہمیں گراں نہ گزرے''۔

آپ ﷺ نے عرب کے اس معاشرے میں اجتماعی عدل کا نظام قائم کر کے ایک ایسے اسلامی معاشرے کی داغ بیل ڈال دی جو اعتدال پسندی کا نمونہ تھا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عصر حاضر میں افراط وتفریط کے اس ماحول کے سد باب کے لیے سیرت کے ان پہلوؤں کو نمایاں کیا جائے اور زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال کی روش کو اختیار کیا جائے۔ اگر دیکھا جائے تو بے اعتدالی کی ایک کیفیت نے ہمارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے، اور آئے دن طرح طرح کے اختلافات اور انتشار نے زندگی کو اجیرن بنا کر رکھ دیا ہے۔

۲۔ انتہا پسندی وتعصب کی مذمت:

اسلام کی اصل خوبی یہ ہے کہ اس کی تعلیمات میں کسی حوالے سے بھی انتہا پسندی نظر نہیں آتی بلکہ اس کے ہاں تمام انسانی مسائل کا معتدل، بامعنی اور نہایت مفید حل ملتا ہے۔ قرآن حکیم بھی ایک صلح جو اور امن پسند معاشرہ کا تصور دیتا ہے۔ جہاں صبر وتحمل برداشت اور باہم میل جول اور الفت محبت ہو۔ قرآن حکیم صلح وامن کی اہمیت بیان کرتا ہے اور انتہا پسندی اور تعصب کی ممانعت کرتا ہے جسکا لازمی نتیجہ فتنہ وفساد ہے قرآن کا ارشاد ہے۔

وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا (۵۳)

''اور دنیا میں صلح وامن چھا جانے کے بعد فساد نہ پھیلاؤ''۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ۔ (۵۴) ''اور دنیا میں فساد نہ مچاتے پھرا کرو''۔

قرآن حکیم صلح کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ **وَالصُّلۡحُ خَیۡر** (۵۵) ''اور صلح بہر حال بہتر ہے''۔

قرآن حکیم معاشرے میں ایسے افراد جو مذہبی اور گروہی تعصب کی بنیاد پر تفریق وامتیاز پیدا کرتے ہیں۔ ان کے لیے قرآن اس انداز سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ **وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الۡمُفۡسِدِیۡنَ۔** (۵٦) ''اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

آپ ﷺ نے قرآن حکیم کی اسی صلح پسند فکر کی روشنی میں افراد معاشرہ کی تربیت فرمائی اور تعصب کی سخت مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ''لیس منا من دعا الی عصبیۃ'' ''نہیں ہے وہ ہم میں سے جس نے لوگوں کو عصبیت کی طرف بلایا'' (۵۷) آپ ﷺ نے نہ صرف ایسے قائدین کی مذمت کی جو عصبیت کی برف بلاتے ہیں بلکہ ایسے پیروکاروں کی بھی سخت مذمت کی جو تعصب کی بنیاد پہ جنگ وجدل میں حصہ لیتے ہیں اور خود بھی قتل ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ **ولیس منّا**

من عصبيّة وليس منّا من مات علىٰ عصبيّة۔ (٥٨) ''اورنہیں ہے وہ ہم میں سے جس نے کسی مصیبت کے تحت جنگ کی اور نہیں ہے وہ ہم میں سے جس نے کسی مصیبت کی خاطر جان دی''۔

انسانی معاشرے میں افراد معاشرہ کے باہمی تعلقات، لین دین میں الفت محبت اور اعتدال اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔آپ ﷺ معاشرے میں بغض وعداوت کو بالائے طاق رکھ کر ایک دوسرے سے تعلق جوڑنے کی بار بار تلقین وترغیب دیتے ہیں اور معاشرے میں ایسے عناصر جو انسانوں کے درمیان نفرت کے ذریعے علیحدگی کی سوچ پیدا کرتے ہیں ان سے ہوشیار رہنے کی تعلیم دی ہے۔آپ ﷺ نے معاشرتی زندگی میں ایک دوسرے سے مضبوط تعلق کی استواری کو ہمیشہ بنیاد بنایا اور اسی بات کی تعلیم دی انفرادیت کے مقابلے میں آپ ﷺ نے انسانی معاشرے میں تنظیم، اجتماعیت پر زور دیا ہے اور اتحاد اور یگانگت کو باعث سعادت قرار دیا ہے اجتماعیت کی فضیلت کے بیان میں انتشار سے کنارہ کشی کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا **علیکم بالجماعة وایاکم والفرعة (٥٩)** ''جماعت کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہو اور انتشار سے پوری طرح الگ رہو'' اور پھر اجتماعیت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ **یدالله علی الجماعة (٦٠)** ''اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے''۔

لب لباب یہ ہے کہ سیرت مبارکہ ہمیں معاشرتی زندگی میں ہر طرح کے تعصب اور انتشار سے پاک ماحول بنانے کی تعلیم دیتی ہے اور ہر ایسے عمل سے اجتناب کرنے کی ترغیب دیتی ہے جس سے معاشرے میں انتہا پسندی اور تعصب کی وبا پیدا ہو۔

۳۔ صبر و برداشت اور رواداری کی تعلیم:

اسلام چونکہ انسانیت کا دین ہے لہٰذا وہ انسانی معاشرے کے اندر تمام انسانوں کو اجتماعیت میں پرونا چاہتا ہے اور اس تناظر میں اجتماعی عدل کو اسلام کی روح قرار دیتا ہے۔ وہ اپنے پیروکاروں کے اندر صبر و برداشت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ بلا مذہبی تعصب اور عداوت کے ہر قوم کے ساتھ عدل وانصاف کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔قرآن حکیم اپنے پیروکاروں کی سب سے پہلے صبر و برداشت، رواداری اور بلند حوصلہ کے حوالے سے تربیت کرتا ہے تاکہ وہ آپس میں متحد اور بھائی چارے کی فضا میں رہ کر اس خلق کو اپنے اندر اتنی وسعت دیں تاکہ آگے چل کر پورے معاشرے کے اندر اخوت کی فضا قائم کر سکیں۔ یہ فطری پہلو ہے کہ اگر کسی جماعت کے اپنے اندر رواداری، ہمدردی، برداشت اور بھائی چارے کا ماحول قائم نہیں وہ دیگر افراد کیساتھ معاشرہ میں کس طرح غیر انتہا پسندی سے رواداری برت سکتے ہیں لہٰذا اسلام بھی یہی چاہتا ہے کہ ایک ایسی

امت تیار ہو جو اعتدال پر مبنی ہو۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطاً (٦١) ''اور اسی طرح ہم نے تمہیں معتدل امت بنایا''

اسلام نے دین اور مذہب کی وحدت قائم کرنے کے لئے یہ اصول پیش کیا کہ تمام انسان ایک رسول کی پیروی کریں جس کے دینی اصول قانون فطرت کے مطابق ہوں اور جس کی شریعت اصولی طور پر تمام نبیوں کی شریعتوں کی جامع ہو چنانچہ قرآن حکیم نے یہ اعلان فرمایا قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (٦٢) ''اے پیغمبر کہہ دیجئے اے لوگو میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں''۔ اور ساتھ ہی تکمیل شریعت اور رسالت عامہ کے اعلان کے باوجود بھی کسی کو مجبور نہیں کیا گیا بلکہ یہ منادی کرائی کہ کسی کے ضمیر وعقیدہ کے بارے میں کوئی جبر واکراہ نہیں ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (٦٣) ''دین میں زبردستی نہیں ہے میں نے ہدایت اور گمراہی کی راہوں کو الگ الگ کر کے تم پر واضح کر دیا ہے'' یہ اعلان اس لیے تھا کہ انسان اپنی آزاد مرضی سے ایک ایسے دین پر متحد ہو جائیں جو خود ان کے اپنے اندر کی آواز ہے اور فطری تقاضوں کے عین مطابق ہے یعنی دین اسلام۔

قرآن حکیم کی تعلیمات پر مستشرقین کی جانب سے یہ اعتراض بڑی شد و مد سے کیا گیا کہ اس نے جہاد وقتال کو جائز قرار دے کر اسلام کو غالب کرنے کا نظریہ دیا ہے جو حریت، امن، اور سالمیت کے منافی ہے، اور اس حوالے سے تاریخ کے بارے میں یہ رائے دی جاتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا اور خصوصا عصر حاضر میں جہاد کا مطلب فقط قتل وغارت گری ہی سمجھا جاتا ہے یا اس کا یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ غیر مسلموں کے خلاف جدوجہد کو جہاد کہا جاتا ہے۔ اس حوالے بطور خاص موجودہ عالمی حالات گواہ ہیں۔ حالانکہ اگر تاریخ اسلام کا شعوری نظر سے جائزہ لیا جائے اور قرآنی علوم اور سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے اسلام نہ صرف ظالم اور مظلوم کی جنگ کو جائز قرار دیتا ہے بلکہ عقیدے کی بنیاد پر ہر طرح کے جبر کو ظلم سے تعبیر کرتا ہے۔ اسلام کسی کے عقیدے کو زبردستی تبدیل کرنے کا نظریہ نہیں دیتا بلکہ وہ دلائل وبراہین کے ذریعے عقل وشعور سے کسی نتیجے پر پہنچنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن حکیم دنیائے انسانیت کے تمام مظلوموں کی حمایت میں آزادی کا نقیب ہے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ مظلوم یہودی ہے، عیسائی ہے یا ہندو۔ قرآن کا مزاج یہ ہے کہ وہ اقوام کی حریت اور آزادی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۔ (٦٤) ''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان بے بس (مظلوم ومقہور) مردوں، عورتوں، اور بچوں (کی آزادی) کے لئے جنگ نہیں

کرتے جو (ظلم وستم سے تنگ ہو کر) پکارتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں ایسی بستی سے نکال لے جہاں کے لوگ ظالم ہیں اور کسی کو اپنی بارگاہ سے ہمارا کارساز مقرر فرمادے اور کسی کو اپنی بارگاہ سے ہمارا مددگار بنادے''

قرآن کی ان ہی تعلیمات کی روشنی میں آپ ﷺ نے جہاد وقتال کیا۔ ''عہد نبوی میں دس سال میں دس لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح ہوا جس میں یقیناً کئی ملین آبادی تھی اس طرح روزانہ تقریباً ۲۷۴ مربع میل کے اوسط سے دس سال تک فتوحات کا سلسلہ ہجرت سے وفات تک جاری رہا ان فتوحات میں دشمن کا ماہانہ ایک آدمی قتل ہوا۔ اسلامی فوج کا نقصان اس سے بھی کم ہے ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے **(انا نبی الرحمة انا نبی الملحمه)** میں رحمت کا پیغمبر ہوں' میں جنگ کا پیغمبر ہوں' اس کا اس سے بہتر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے دشمن کے ۷۰ آدمیوں کا مارا جانا (جنگ بدر میں) سب سے بڑی تعداد ہے یاد رہے کہ یہ عہد نبوی کی سب سے پہلی جنگ تھی''۔ (۶۵) آپ ﷺ کی اعلیٰ تعلیمات کے حوالے سے ڈاکٹر عارف عبدالحیٔ لکھتے ہیں۔

''حضور ﷺ لوگوں کے ایذا دینے پر سب سے زیادہ صابر تھے اور سب سے بڑھ کر حلیم تھے۔ برائی کرنے والے سے درگزر فرماتے تھے اور جو شخص آپ سے بدسلوکی کرتا تھا آپ اس سے نیک سلوک کرتے تھے، اور جو شخص آپ ﷺ کو نہ دیتا آپ اس کو دیتے، اور جو شخص آپ پر ظلم کرتا، آپ اس سے درگزر فرماتے اور کوئی کام دو پہلوؤں میں جو آسان ہوتا آپ اس کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوتا''۔ (۶۶)

آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے والے غیر مسلموں کے بارے میں بھی بطور خاص رواداری، وسعت نظری اور انصاف پسندی کی تلقین کی اور اس پر عمل پیرا رہے۔ آپ ﷺ نے مسلم معاشرے میں غیر مسلموں کے حقوق کو محفوظ بنا دیا۔ ان کی جان مال عزت وآبرو کو مسلمانوں کے برابر قرار دیا۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ ''خبردار! جس نے کسی معاہدہ (ذمی) پر ظلم کیا۔ یا اس کے حق میں کمی کی یا اسے کسی ایسے کام کی تکلیف دی جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ یا اس کی دلی رضامندی کے بغیر کوئی چیز اس سے لے لی تو قیامت کے روز میں اس کی طرف سے جھگڑوں گا''۔ (۶۷)

''اسلام نے جہاں مسلمانوں کی اقامت شعائر کی حفاظت وخیانت کے سلسلہ میں پابندیاں عائد کی ہیں۔ وہاں اس نے یہ بھی کیا ہے کہ غیر مسلموں کے لئے اس امر کی پوری آزادی تسلیم کر لی ہے کہ وہ اپنے شعائر دینی قائم کریں۔ اپنے نقائص اور معابد میں اپنی مذہبی ریت رسم پورے اطمینان اور بے فکری کے ساتھ انجام دیں۔ غیر مسلموں کو اسلام نے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ وہ اپنے معاملات اور احوال شخصی پرسنل لا میں اپنے احکام کی پوری آزادی کے ساتھ پیروی کریں۔ اس رواداری اور اسلامی طرز عمل اور حریت اعتقاد کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد گرامی ہے جو آپ ﷺ نے ذمیوں کے

بارے میں فرمایا تھا۔یعنی ہم اگر راحت میں ہیں تو وہ بھی آرام اٹھائیں گے۔ہم اگر دکھ میں ہیں تو وہ بھی مصیبت برداشت کریں گے۔جتنے عہدنامے غیر مسلموں سے کئے گئے ان میں جہاں ان کی حرمت، ذات و مال تسلیم کی گئی وہاں ان کی عقائد اور اقامت شعائر کی آزادی بھی مانی گئی"۔(٦٨) آپ ﷺ ذاتی زندگی میں کسی بھی غیر مسلم کی طرف سے ایذا اور تحقیر کے باوجود نرمی کا برتاؤ کرنے کا درس دیتے ہیں۔ **دَخَلَ رَهطٌ مِنَ الْيَهُودُ عَلىٰ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالُو السَّامُ عَلَيْكُمْ ، قَالَتْ عَائِشَةُ فَفَهِمَتُهَا فَقُلْتُ عَلَيْكُمْ وَاسَّامُ وَالْعُنَةُ قَالَتْ فَقَالَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَهلاً يَا عَائِشَةُ اَنَّ اللهُ يُحِبُّ الرَّفِيْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِهِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَلَمْ تَسْمَعُ مَا قَالُو ؟ قَالَ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ۔** (٦٩) "نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہؓ نے بیان کیا کہ کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا "السام علیکم" (تمہیں موت آئے) عائشہ نے بیان کیا کہ میں اس کا مفہوم سمجھ گئی اور میں نے ان کا جواب دیا کہ "وعلیکم السام والعنۃ " (تمھیں موت آئے اور لعنت ہو) بیان کیا کہ اس پر رسول نے فرمایا ٹھہرو عائشہ اللہ تعالیٰ تمام معاملات نرمی اور ملاطفت کو پسند کرتا ہے۔میں نے عرض کی یارسول اللہ کیا آپ نے نہیں سنا۔انہوں نے کیا کہا تھا۔حضور اکرم نے فرمایا کہ میں نے اس کا جواب دے دیا تھا کہ وعلیکم (اور تمھیں بھی)"۔

آپ ﷺ کے صبر و برداشت کا یہ عالم ہے کہ **اَنَّ اَعْرَا بِيّاً بَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَامُوا اِلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا تَزْرِمُوهُ ثُمَّ دَعَابِدَيْوِ مِنْ مَّاءٍ نُصَبَ عَلَيْهِ۔** (٧٠) "انس بن مالکؓ نے کہا کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا۔صحابہ ان کی طرف دوڑے لیکن رسول ﷺ نے فرمایا اس کے پیشاب کو مت روکو۔ پھر آپ نے ڈول منگایا اور وہ پیشاب کی جگہ پر بہایا گیا" آپ ﷺ نے افراد معاشرہ کے ساتھ بلا تعصب اچھا رویہ رکھنے کی ہمہ وقت تلقین فرمائی ہے۔آپ ﷺ فرماتے ہیں وسلم **اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ** (٧١)" ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ بنی کریم نے فرمایا "اچھی بات بھی صدقہ ہے"۔

رحمت عالم ﷺ دعوت و تبلیغ کے لیے ہمہ وقت مصروف عمل رہتے تھے آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت کو تمام انسانوں تک پہنچانا اپنا عظیم مقصد بنایا ہوا تھا۔آپ ﷺ نہایت شائستہ، حکمت اور محبت سے اسلام کی حقانیت کو بیان کرتے اور کبھی بھی کفار و مشرکین کے ساتھ جذباتی یا غیر اخلاقی رویہ یا زبردستی جابرانہ طرز عمل اختیار نہیں کیا۔آپ ﷺ ایک عظیم داعی کی حیثیت سے محبت و رحم کے پیکر تھے۔آپ ﷺ دعوت و تبلیغ کے لئے عرب کے مختلف اجتماعات میں جاتے اور امن و سلامتی کے اس پروگرام کی دعوت دیتے۔حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ بنی عامر صعصعہ کے افراد کے پاس عکاظ کے بازار میں تشریف لے گئے۔ **فقال انی رسول اللہ الیکم واتیتکم لتمعونی حتی ابلغ رسالہ ربی ولا**

اکرہ احدا منکم علی شئی۔ (۷۲) ''آپ نے فرمایا میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور تمہارے پاس آیا ہوں کہ تم میری حمایت کرو تا کہ میں اپنے رب کا پیغام (لوگوں تک) پہنچاؤں اور میں تم میں سے کسی ایک کو بھی کسی بات پر مجبور نہیں کروں گا''۔

درج بالا حدیث مبارکہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی اسلام کی دعوت جبر وزبردستی کی بجائے امن، محبت اور شائستگی پر مبنی تھی۔ گویا آپ ﷺ نے عقائد کے ماننے یا نہ ماننے کے حوالے سے جبر اور زبردستی کو غلط قرار دیا۔

رحمت عالم ﷺ نے اسلام کی دعوت میں طرح طرح کی مشقتیں اور مصیبتیں اٹھائیں مگر اف تک نہ کیا نہ کسی سے بدلہ لیا نہ کسی کے خلاف غصہ ہوئے اور نہ ان کو برا بھلا کہا۔ حضور ﷺ کو جسمانی اذیتوں سے دوچار کیا گیا مگر آپ ﷺ نے صبر و تحمل و بردباری و استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا آپ ﷺ نے ہر لحہ انسان دوستی، رواداری کو مدنظر رکھا۔ سفر طائف جو کہ دعوت وتبلیغ کا سفر تھا جب آپ کو اسلام کی دعوت دینے کی وجہ سے طائف کے اوباشوں نے پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا آپ ﷺ زخموں سے چور ایک باغ میں پناہ لیتے ہیں مگر آپ کی زبان مبارک پر ان اوباشوں کے خلاف ایک لفظ تک نہیں آتا بلکہ آپ ﷺ بارگاہ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ **الھم الیك اشکو ضعف قوتی وھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین انت رب المستضعفین وانت ربی الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی اوالی عدو ملکته امری ان لم یکن بك غضب علی فلا ابالی ولکن عافیتك ھی اوسع لی اعوذ بنور وجھك الذی اشرقت له الظلمات وصلح علیه امر الدنیا والاخرۃ من ان تنزل بی غضبك او تحل علی سختطك لك العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوۃ الا بك۔ (۷۳)** ''یا اللہ میں تیری بارگاہ میں اپنی ناتوانی اور بے بضاعتی لوگوں کے ہاں بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں' اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے تو کمزوروں کا رب ہے اور میرا بھی رب ہے تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے تو مجھے کسی اجنبی غیر آشنا کے جو مجھ سے ترش روئی کرتا ہے یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملہ کا مالک بنا دیا ہے اگر یہ مجھ پر ناراضی کی وجہ سے نہیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں مگر تیری عافیت اور مہربانی میرے لئے زیادہ وسیع ہے میں تیرے چہرے کے نور کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جس سے تمام اندھیرے دور ہو گئے اور دنیا اور آخرت کے سارے معاملے درست ہو گئے۔ اس بات سے کہ تو مجھ پر غضب نازل کرتا ہے یا اپنا غصہ اتارے اور تجھے مجھ سے مواخذہ کرنے کا حق ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔ گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت صرف تیری رضا سے ہے''۔

جب سرکار دو عالم ﷺ پر پتھروں کی بارش ہوئی آپ لہولہان ہو گئے تو رحمت وغیرت خداوندی جوش میں آئی اور اللہ

تعالیٰ نے جبرائیل امین کو بھیجا کہ اپنے محبوب کی دل جوئی کرے جبرائیل امین نے کہا یا رسول اللہ آپ کے رب نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے جو آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرے گا اس طرح پہاڑوں کے فرشتے نے آپ سے عرض کر کے پوچھا کہ اگر آپ حکم دیں تو طائف کے دونوں پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں اور اس بستی کو ہلاک کر دوں۔ مگر آپ ﷺ کی انسان دوستی محبت اور رحم کی حد دیکھئے۔ **بل ارجو ان یخرج اللہ عزوجل من اصلابھم من یعبداللہ عزوجل ولا یشرک (۷۴)** ''مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گی اور شرک نہیں کرے گی''

رحمت اللعالمین نے اتنی اذیتیں، مشقتیں، مظالم، بے عزتی کو بڑے صبر و استقلال سے برداشت کیا۔ کسی سے انتقام لینے کا سوچا تک نہیں بلکہ ان تکلیفوں اور اذیتوں کے جواب میں ان کے لئے ہدایت کی دعا کرتے رہتے تھے اور ہمہ وقت ان کی اصلاح کے لئے سرگرم عمل رہتے تھے۔ آپ ﷺ کے پایہ استقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ ﷺ کی معاشرے سے محبت اور مخلوق کی خدمت کے جذبے میں اضافہ تو ہوا لیکن کہیں بھی اس میں کمی کا شائبہ تک نہ ہوا۔

آپ ﷺ کی سیرت گواہ ہے آپ نے معاشرے کو علم و ہنر کا گہوارہ بنا کر پر امن ماحول کو تشکیل دینے کی جدوجہد اپنا مقصود قرار دیا۔ امن و امان و سلامتی معاشرے کی تمدنی و تہذیبی ترقی کے لیے سب سے اہم اور قیمتی سرمایہ ہے۔ آپ کی زندگی کی جدوجہد برائے امن و سلامتی تھی آپ نے امن کے تحفظ کے لیے طاقت و قوت بھی تیار رکھی تھی، تاکہ مفسدین معاشرہ کو امن و اماں میں خلل اندازی سے روکا جائے۔ آپ کی صلح جوئی اور امن پسندی کی سیرت میں کئی مثالیں موجود ہیں، جب آپ نے اجتماعی مفادات کی خاطر اپنے ذاتی و انفرادی اور وقتی نقصانات کو برداشت کرتے ہوئے جنگ کی بجائے صلح کو ترجیح دی۔ ایک پائیدار اور دائمی امن کے لیے معاشرے میں ایک جامع انسان دوست فکر کی ضرورت ناگزیر ہوتی ہے تاکہ معاشرہ انسانی میں تمام نسلیں اقوام و مذاہب باہم شیر و شکر ہو کر معاشرے کے اجتماعی ارتقاء میں اپنا حصہ ڈالتی رہیں۔ آپ کی انسانی مساوات رنگ و نسل و مذہب کی تفریق کا خاتمہ اور اقوام کی حریت اور اخوت پر مبنی فکر کو ڈاکٹر اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

حریت زاد از ضمیر پاک او   ای مے نوشیں چکید از تاکہ او
کل مومن اخوہ اندر دلش   حریت سرمایہ آب و گلش
ناشکیب امتیازات آمدہ   در نہاد او مساوات آمدہ (۷۵)

انسانی تاریخ میں فتح مکہ رواداری، وسعت نظری، انسان دوستی کا وہ عظیم واقعہ ہے جس کی انسانیت کوئی اور مثال

نہیں دی جا سکتی۔ اسے روشن خیال اور انصاف پسند غیر مسلم مفکرین نے بھی تسلیم کیا اور آپ ﷺ کی رواداری اور صلح جوئی کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ ایک ہندو ادیب و دانشور رانا بھگوان داس اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''سرزمین مکہ دارالامن اور دارالاسلام قرار پائی۔ بلاشک اگر دنیا کے حکمران فاتح مکہ کے مقدس درس عالی پر عمل پیرا ہوتے تو اولاد آدم کے لئے یہ دنیائے ارضی بہشت بریں ہو جاتی۔ حضور سید المرسلین ﷺ نے فتح مکہ میں فاتحین عالم کو فقید المثال درس دے کر نوع انسان پر احسان عظیم فرمایا اور آج بھی صرف یہی طریق محمد ﷺ امن عالم کا ضامن ہے۔'' (۷۶) ایک مشہور سکھ دانشور اپنے جذبات کا اظہار یوں کرتے ہیں ''سبحان اللہ کیا ٹھکانہ دریائے رحمت کی اس طغیانی کا، یہ دریا اُمڈ آیا اور ہر غلاظت و عفونت گناہ کو بہا لے گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قتل کے قصد کرنے والوں کو، اپنے نور چشم کے قاتلوں کو، اپنے چچا کا کلیجہ کھانے والوں سب ہی کو معافی دے دی اور قطع معافی، قتل عام دنیا کی تاریخوں میں اکثر سنتے تھے مگر قاتلوں کی معافی نہ سنی تھی'' (۷۷)

ہجرت مدینہ کے بعد آپ ﷺ نے ریاست کی تشکیل کا کام شروع کیا اور دنیا کی پہلی روادار ریاست کی بنیاد رکھی۔ آپ ﷺ نے اس عادلانہ ریاست کا آئین تشکیل دیا جو میثاق مدینہ کے نام سے تاریخ میں مشہور ہوا۔ یہ معاہدہ مذہبی رواداری، فراخ دلی وسعت نظری کی عمدہ مثال ہے۔ اس معاہدے کے ذریعے آنحضرت ﷺ نے انسانی معاشرے میں پر امن بقائے باہمی، قیام امن اور انسانی اقدار کے تحفظ کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔

ابن ہشام نے اس معاہدے کا پورا متن نقل کیا ہے۔ اس میں اور باتوں کے علاوہ یہ دفعات بھی تھیں۔ (۱) **وان بینھم النصر علیٰ من حارب اھل ھذہ الصحیفة**۔ یہود و مسلمان آپس میں ان لوگوں کے مقابلہ میں جو اس دستاویز کرنے والوں سے جنگ کریں گے مددگار رہوں گے۔ (۲) **ان بینھم النصح والنصیحة والبر دون الاثم**۔ یہود اور مسلمان کے درمیان دوستی اور خیر خواہی رہے گی برائی نہیں رہے گی۔ (۳) **وان یثرب حرام جوفھا لاھل ھذہ الصحیفة وان الجار کالنفس غیر مضارٍ ولا آثم**۔ اس دستاویز کے شرکاء کے لیے مدینہ کی داخلی زندگی میں بگاڑ حرام ہوگا۔ پڑوسی کی حفاظت اپنی ذات کی طرح ہوگی۔ نہ تو کوئی کسی کو نقصان پہنچائے گا نہ کوئی جرم کرے گا۔ (٤) **وان لا تجار قریش ولا من نصرھا وان بینھم النصر علیٰ من دھم یثرب**۔ قریش کو اور قریش کے معاونوں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔ مدینہ پر کوئی شخص حملہ کرے گا تو دونوں فریق باہم ایک دوسرے کے مددگار رہوں گے''۔ (۷۸)

''مدینہ منورہ میں قیام کے بعد حضور ﷺ نے مہاجرین وانصار کی جانب سے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا اور نسل و مذہب کے اختلاف کے باوجود سب کو تمدن اور تہذیب کی بنیاد پر ایک جماعت قرار دیا'' (۷۹)

آپ ﷺ کی امن پسندی اور صلح جوئی کا اندازہ صلح حدیبیہ کے اس تاریخی واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جب انہوں نے عام معاشرتی امن اور استحکام کی خاطر غیر مسلموں کے ساتھ دب کر صلح گوارہ کی لیکن معاشرتی امن وسکون کو برباد ہونے سے محفوظ کرلیا۔ ''علماء سیرت لکھتے ہیں کہ صلح کا نتیجہ یہ نکلا کہ کفار اور مسلمانوں کے درمیان سلسلۂ آمدورفت قائم ہوجانے سے اس قدر اسلام کی اشاعت ہوئی کہ تھوڑی ہی مدت میں کفار کی اکثر جماعتیں مشرف باسلام ہوگئیں اور اسلامی اخلاق اور حسن سلوک نے ان کو بہت مسخر کرلیا''۔(۸۰)

غیر مسلموں کے ساتھ آپ ﷺ کی رواداری، وسعت نظری کا اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مذہبی بعض وعناد اور کراہیت کے باوجود عیسائیوں کے وفد کو مسجد نبوی میں اپنی عبادات اور قیام کی اجازت دیتے ہیں۔ چنانچہ ''ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب نصاریٰ کا گروہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ لوگ بہت عمدہ لباس سے آراستہ تھے۔ بعض صحابہ جنہوں نے ان کو دیکھا تھا فرماتے ہیں۔ ہم نے ان کے بعد کوئی ایسا گروہ نہیں دیکھا جس طرح یہ لوگ آئے ہیں آپ ﷺ عصر کی نماز پڑھ کر بیٹھتے تھے ان کی نماز کا بھی وقت آیا یہ مسجد ہی میں بیٹھنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کو نماز پڑھنے دو کچھ نہ کہو۔ ان لوگوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی''۔(۸۱)

آپ ﷺ کی رواداری اور وسعت نظری پر مبنی یہ تعلیمات عصر حاضر میں ایک اعتدال پسند اور روشن خیال معاشرے کی تشکیل میں روشن مینار کی حیثیت رکھتی ہیں اور مذہب کے نام پر انتہا پسندی اور تشدد پسندانہ رویوں کا سد باب کر کے ایک روشن خیال معتدل اور ہر انصاف پسند کے لئے قابل قبول معاشرے کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ اب ہم دوسری جانب انتہا پسندی اور بنیاد پرستی کے ان تصورات کا جائزہ لیتے ہیں۔

☆ انتہا پسندی، بنیاد پرستی اور عصر حاضر

انتہا پسندی چونکہ ایک رویے کا نام ہے جو کہ کسی بھی معاملہ میں ہوسکتا ہے اور معاشرے میں اس انتہا پسند رویہ کی وجہ سے انتشار وافتراق کی صورت پیدا ہوتی ہے اور اپنی متشددانہ فکر کے باعث ارتقاء کا عمل بھی رک جاتا ہے، اس طرز عمل سے اپنے مقاصد کو باہم تکمیل تک پہنچانے میں درست اقدامات کو بھی غلط اور جبراً انداز سے پیش کر کے معاشرہ میں نفرت اور عداوت پیدا ہوتی ہے۔ کون آج اس پر عمل پیرا ہے اور کون نہیں؟ یہ بیان کرنے میں بہت وقت درکار ہے۔ جبکہ بنیاد پرستی ان عقائد اور نظریات کا نام ہے جن کی اساس کے بغیر کسی بھی مذہب کی بنیاد ادھوری ہوتی ہے۔ بنیاد پرستی وہ بنیادی اور اہم عقائد ہیں جن سے مذاہب کی پہچان ہوتی ہے۔ عجب بات یہ کہ لفظ بنیاد پرستی کا پرچار مغرب میں سب سے پہلے عیسائیوں نے

شروع کیا۔اس حوالے سے کیرن آرم اسٹرانگ کہتی ہیں کہ اس اصطلاح ""بنیاد پرستی" پرمختصر نگاہ ضرور ڈالنی چاہیئے،جس پر بہت زیادہ تنقید کی جاچکی ہے۔اس حوالے سے سب سے پہلے امریکی پروٹسٹنٹوں نے استعمال کرنا شروع کیا تھا بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں ان میں سے بعضوں نے زیادہ "لبرل" پروٹسٹنٹوں سے ممتاز کرنے کے لیے اپنے آپ کو بنیاد پرست کہنا شروع کردیا۔ان کی رائے میں "لبرل" پروٹسٹنٹ عیسائی عقیدے کو مکمل طور پر مسخ کررہے تھے"(۸۲)

اب ایک عجیب اور حیران کن بات یہ بھی نظر آتی ہے آج جتنی کثرت کے ساتھ مغرب اپنے وسائل کے ساتھ اس بات کا پرچار کرتا نظر آرہا ہے کہ اسلام ایک انتہا پسند دین ہے مگر اس پروپیگنڈا کی انتہا یہ ہے کہ خود اس کے اس رویہ میں کوئی لچک نہیں ہے۔اور اس کے پرچار میں انتہا پسندانہ رویہ کی واضح جھلک موجود ہے۔انتہا پسندی کے اس رجحان نے نہ صرف مغرب میں خود کئی مذاہب کو تقسیم کے عمل سے دوچار کیا بلکہ یہودیت میں بھی در پردہ عروج پر ہے۔"ان رجحانات نے یہودیوں میں کئی فرقے پیدا کیے۔ان میں دو فرقے کہ جو قدامت پرستی پر زور دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ جدید نظریات و خیالات ادواروں کا مقابلہ قدیم روایات سے کرنا چاہیے،کیونکہ اگر قدامت پرستی کمزور ہوئی تو اسے جدیدیت ختم کردے گی۔ اس لیے قدامت پرستی کی جڑوں کو اور زیادہ گہرا کیا جائے تاکہ وہ بدلتے حالات کا مقابلہ کرسکیں۔یہ اس لیے ضروری ہے کیونکہ ان پر یہودی وجود کا دارومدار ہے۔اس کے مقابلہ میں جو تحریکیں جدیدیت کے نظریات کا پرچار کرتی نظر آتی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ اگر قدامت پرستی سے چپٹے رہے تو دنیا بہت آگے نکل جائے گی اور ہم اس کے مقابلہ میں پس ماندہ ہوکر رہ جائیں گے۔ اس لیے وقت کا ساتھ دینا چاہیے"۔(۸۳)

انتہا پسندی اور عصبیت

یہ کائنات عروج وزوال کا مرکب ہے،اور یہاں پر بسنے والے انسانوں کے ساتھ وقت، حالات، زمان ومکان، سلطنتوں واقتدار کی خاطر بیش بہا تبدیلیوں سے یہ انسان روشناس ہوتا رہا،مشاہدات اور تجربات نے بہت کچھ تاریخ میں رقم کیا۔بڑی طاقتوں کو اپنا غلام بنانے کی کوششیں کیں۔ظالم مظلوم پر حکمرانی کرتے رہے،حق وباطل کی جنگیں،معرکے،غزوات شروع ہوگئے،حکومتیں،سلطنتیں اور اقتدار کا دوردورہ پھیلتا چلا گیا۔جب ظلمتوں کے اندھیرے بڑھنے لگتے ہیں،تب تقدیر اپنی کرشمہ سازی دکھاتی ہے،نور آجاتا ہے،معاشرہ میں امن واستحکام،عدل وانصاف، پھیلنے لگ جاتا ہے۔لیکن پھر چند ایسے لوگ آجاتے ہیں جو اپنے ذاتی مفاد،حرص وہوس،شدت جذبات،غیر روادارانہ طرز عمل اور قومی،لسانی اور خاندانی انتہا پسندی سے اپنے رویہ کو سخت بنا کر معاشرے کے لیے نقصان دہ بن جاتے ہیں۔تاریخ اسلام کے صفحات اس بات کے غماز ہیں کہ ہر دور

میں سیاسی اور معاشی منفعت کی خاطر ہر دور حکومت میں انتہا پسندی کا یہ رویہ عروج پر رہا۔ اسلام سے قبل عربوں میں بھی کچھ اسی طرح کا دستور عام تھا کئی قبائل محض اپنی ضد اور انتہا پسندی کی وجہ سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ ''بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی، باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی، حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ شادی جائز تھی، ازدواج کوئی حد نہ تھی، قمار بازی، شراب خوری، زنا کاری کا رواج عام تھا'' (۸۴)

''عرب میں جب قوم عاد کی سلطنت نے دم توڑا تو ان کے بھائی ثمود نے زمام حکومت سنبھال لی، ان سے ان کے بھائی تبابعہ کا دور دورہ ہوا، پھر اذواء اقتدار کے مالک بنے اور ان کے بھی بعد مضر کی حکومت کا آغاز ہوا، بعینہ یہی حال ایرانی سلطنت کا ہوا کہ جب کیانی سلطنت فنا کی نذر ہوئی تو ساسانی برسر اقتدار آئے، پھر مسلمانوں کے ہاتھوں ان کا وجود مٹا، اسی طرح یونانیوں کی سلطنت ان کے ہاتھوں سے نکل کر رومیوں کے ہاتھ میں پہنچی، اسی طرح عرب میں قبائل بربر میں سے کتامہ دمغراوہ کا جب دور دورہ ختم ہوا تو صنہاجہ اور ملثمین نے زور پکڑا، پھر بعض زناتہ کی شاخوں نے اپنے ملک کی داغ بیل ڈالی اقتدار کے اس سارے ملکی رد و بدل وانقلاب میں عصبیت وحمیت خاندانی کی کارفرمائی ہے'' (۸۵)

آج عصر حاضر میں بھی یہی کچھ کیفیات مختلف ممالک میں بکثرت نظر آتی ہے۔ کہیں حقوق کے نام سے فساد برپا ہے، تو کہیں امن وسلامتی کے نام سے جنگیں لڑی جارہی ہیں۔ ہر جگہ سیاسی اور معاشی مفاد پرستی نے جکڑ رکھا ہے۔ انتہا پسندی کی وجہ سے حق کو باطل میں تلاش کیا جارہا ہے اور کہیں باطل کو حق کے نام سے فتح کیا جارہا ہے۔ **وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ** (۸۶) ''اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور یہ کہ چھپاؤ سچ کو جان کر''

شدت جذبات اور انتہا پسندی سے عادی مذاہب کی تعلیمات کو ایک جانب رکھ کر مذہب کی تعلیمات کو بدنام کیا جارہا ہے، اور جس طرح آج دنیا میں دین اسلام کا مذاق اڑایا جاتا ہے اسے دہشت گرد اور انتہا پسند مذہب کہ کر میڈیا کے ذریعہ بھرپور اپنا کردار ادا کیا جارہا ہے وہ بھی اپنے رویہ میں انتہا پسندی کو سند دیتے ہیں۔ یقیناً اہل دانش کو نور کی کرنیں تلاش کرنی چاہیئں تاکہ صحیح میں حق اور باطل کی پہچان حاصل ہو کر ضد، انا، شدت جذبات اور انتہا پسندی کے رویے کو ختم کیا جاسکے۔

انتہا پسندی اور آزادی رائے

اسلام نے جس طرح اور جس قدر آزادی رائے کے اظہار کی اجازت دی ہے اس کا عشر عشیر بھی ہمارے کسی مسلم معاشرے میں نظر نہیں آتا۔ اسلام جہاں کسی بھی معاملے میں انتہا پسندی کو پسند نہیں کرتا وہاں دوسری طرف آزادی رائے کے

بارے میں بھی اپنا خاص نقطہ نظر رکھتا ہے اس حوالے سے ڈاکٹر اکبر محمود شلتوت بیان کرتے ہیں کہ **واذا کان اسلام یقرر الحریات العامہ کافۃ، حریۃ العقیدہ، حریۃ الاستیطان، حریۃ اتملك، حریۃ التمکن وکل ما یشتمل کامۃ حریات، ویری أن اطلاق الحریات فی مصلحۃ الدولۃ نفسھا بقدر ماھو فی مصلحۃ الافراد، فانه یشترط کل فرد بحریاته (۸۷)**

جبکہ ڈاکٹر ابوزہرہ اس حوالے سے مزید تفصیل بیان کرتے ہیں، اور شخصی آزادی کے پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''اسلام ہر فرد کے لیے عام آزادیاں فراہم کرتا ہے، آزادی ضمیر وعقیدہ، آزادی رائے، آزادی توطن، آزادی ملکیت، آزادی آزادانہ نقل وحرکت۔ اور جس پر آزادی کا اطلاق ہوتا ہے اسلام انسان کے حق میں اسے تسلیم کرتا ہے، اور اسلام یہ سمجھتا ہے کہ کہاں آزادیوں اور حریتوں کو جتنا فائدہ عوام کے لیے ہے اس سے بڑھ کر فائدہ ریاست اور مملکت کے حق میں ہے''۔

ان اول مظھر من مظاھر الحریۃ ھو الحریۃ الشخصیۃ وھی تضمن حریۃ شخص فی ان یعتقد ما یراہ حقا وان یقول مایراہ حقا وان یتصرف فی دائرہ شخصیۃ بما یعودعلیه بالخیر فی نظرہ من غیر تدخل من احد ولا تحکم ذی سلطان فی ارادته وان یکون له الحق فی ابداء رایه فی کل ما یتصل بالمجتمع الذی یعیش فیھا۔ (۸۸) آزادی کے اول ترین مظاہر میں شخصی آزادی ہے، اس کے ضمن میں آزادی اعتقاد، آزادی اظہار رائے اور بلا مداخلت غیر اپنی زندگی میں خیر وشر کا آزادانہ اختیار اور اجتماعی معاملات کے متعلق آزادانہ اظہار رائے خود بخود آجاتے ہیں اور اسی طرح شخصی آزادی مختلف شعبوں میں تقسیم ہے'' **دعا الا اسلام الی الحریۃ السیاسیۃ للاحاد وللجماعات فقد اباح للناس ان یبدوا آرائھم فی الحلم ماداموا لا یخرجون عن طاعۃ ولا یسعون فی الارض بالفساد۔ (۸۹)** ''اسلام نے بیک وقت افراد اور اقوام کے لیے سیاسی آزادی کی دعوت دی ہے اور انسانوں کے لیے یہ روا رکھا ہے کہ وہ اپنی آراء کو اجتماعی معاملات میں ظاہر کریں جب تک اصول پرستی کے قائل ہیں اور فساد اور تخریب کے متلاشی نہیں''

آزادی اظہار کا مطلب یہ نہیں کہ کسی کے مذہبی عقائد اور خیالات کو زبردستی تبدیل کر دیا جائے۔ بلکہ ان مسلمہ اصولوں کے مطابق ایک ایسے معیار زندگی کا انتخاب ہونا چاہیے کہ جس میں اعتدال کے ساتھ اپنے تمام معاملات اور امور طے کیے جا سکیں۔ نہ کہ یہ اجتماعی معاملات میں اور کسی کے انفرادی عقائد میں دخل اندازی کر کے اسے ختم کرنے کی کوشش کی

جائے۔ جب ایک نظام اور قانون موجود ہوگا جس کی اسلام تعلیم دیتا ہے، اور پھر اس نظام کے اجتماعی معاملات میں کوئی زبردستی اپنے رویہ انتہا پسند ہوگا تو قانون کے مطابق وہ سزا کا مستحق اور سزاوار ہوگا۔

☆عصر حاضر میں اسلامی معاشرے کی تشکیل نو

حاصل کلام یہ ہے کہ جن لوگوں نے قرآن حکیم کی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے انہیں اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ جدید سائنسی دور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزول قرآن کی تاریخ (چھٹی صدی عیسوی) سے ہوا ہے جس نے ترقی کی موجودہ حقیقت کو جنم دیا اور اسلام ہی نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ کائنات کی ساری چیزیں (آفتاب و ماہتاب سے لے کر ذرہ تک) اپنی اصلی ساخت اور مقصد کے لحاظ سے انسان کی خدمت گزاری لیے پیدا ہوئی ہیں اور انسان کو یہ اہلیت دی گئی ہے کہ وہ عقل و تجربہ کی رہنمائی سے ان پر قابو حاصل کر کے اپنے استعمال میں لا سکتا ہے۔ نیز اسلام اپنے اندر ترقی پسندی اور ارتقا کی ایسی سپرٹ رکھتا ہے جس کو اختیار کر کے دور جدید کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے۔ ''تہذیبی تحریک کے اعتبار سے اسلام کائنات کے پرانے جامد تصور کو رد کرتا ہے اسلام کا تصور کائنات حرکی dynamic ہے''۔(۹۰) اور اسی ڈائنا مک تصور کائنات پر موجودہ عصری مادی ترقی کا مدار ہے۔

کیونکہ اسلام کی اسی ترقی پسند فکر کی روشنی میں آپ ﷺ نے دور اول میں ایک روشن خیال پسند اسلامی معاشرے کی ابتدا کی جہاں اجتماعی عدل، انسانی حقوق کی پاسداری، جمہوری اقدار، اور علم و حکمت سے رغبت جیسی روایات کو پروان چڑھا کر آنے والے ادوار کے لیے ایک ایسا نمونہ پیش کیا جس کو اختیار کر کے انسانی معاشرے عدل و احسان، امن و آشتی کی فضا میں اپنا تمدنی سفر جاری و ساری رکھ سکتے ہیں۔ آج کے دور میں بالخصوص پاکستان اور بالعموم پوری دنیا کے معاشرے حقیقی عدل پسندی اعتدال اور روشن خیالی کے محتاج نظر آتے ہیں۔ لسانی، گروہی، علاقائی، اور مذہبی تعصبات نے پوری معاشرتی فضا کو انتہا پسندی کا گڑھ بنا دیا ہے جس کے نتیجے میں پرامن جدوجہد کی بجائے تشدد اور دہشت گردی اور جنگوں نے ایک عفریت کی طرح معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ خصوصاً اسلام کے بارے میں یہ تاثر پیدا کر دیا گیا ہے کہ یہ متشدد اور انتہا پسند رویے پیدا کرتا ہے۔ ایسے عالم میں وقت کا تقاضہ ہے کہ سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں ایک اعتدال پسند اور روشن خیال اسلامی معاشرے کی تشکیل جدوجہد کی جائے، اپنی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی میں پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات کو مشعل راہ بنایا جائے تاکہ امت مسلمہ اور پوری انسانیت اس بحران سے نکل سکے اور اسلام کے بارے میں اس غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے۔

عقائد کی مطابقت، سماجی، اخلاقی تعلیمات کی گہری مطابقت جو انسانیت کے لیے احترام ہمدردی، شفقت پیدا

کرتی ہے اس کا اظہار مذہبی مقدس کتب اور بانیان کی تعلیمات میں موجود ہے اب ان تعلیمات وافکار اور اعمال صالحہ کو عصر حاضر کے مفکرین ادیان جو کہ واقعی معاشرتی ارتقا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مذہب کے نام پر تشدد، انتہا پسندی، گروہیت، تعصب اور بنیاد پرستی کے پروپیگنڈے کا خاتمہ ہونے میں گراں قدر علمی خدمات انجام دیں۔تمام ادیان میں انسانیت کے نقصان، انتشار اور تباہی اور انتہا پسندی کی بجائے محبت، امن، آشتی کا سارا سامان موجود ہے۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک بہتر اور خوبصورت اسلامی معاشرے کی تشکیل نو میں عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں اس کی ضرورت کو محسوس کیا جائے، سمجھا جائے اور پھر اس پر عمل پیرا ہوا جائے۔ یہ اہل علم اور دانشور مفکرین جو کہ واقعی حقیقی مذہبی ہیں، جو واقعی سیاسی، معاشی مفادات کے آلہ کار نہیں ہیں، جو مذہب کو آلہ کار کے طور پر بالا دست مفاد پرست طبقات کی خوشہ چینی اور حمایت کے لئے استعمال نہیں کرتے ان کی تعلیمات سے استفادہ علمی اور فکری رہنمائی کے لئے اور صحت مند معاشرتی اور سماجی نظام کے تشکیل دینے کے لئے انتہائی ضروری ہے، جن سے معاشرے کے اندر اعتدال پسندی پروان چڑھ سکے اور روشن خیال معاشرے کے قیام کی راہ ہموار ہو سکے اور رواداری انہ قیام کے لئے رہنمائی مل سکے۔

(الف)

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

۱۔ ڈاکٹر محمد فاروق خان، اکیسویں صدی اور پاکستان، المورد، لاہور، ادارہ علم و تحقیق، ۱۹۹۶ء، ص ۲۵۷

۲۔ ڈاکٹر محمد سرور، اسلام اور جدید ریاستی نظام، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۳، ۱۳۴

۳۔ عون الشریف قاسم، نشاۃ الدولۃ الا لسامیه فی عهد الرسول، القاهره، ۱۹۸۱ء، ص ٤١

٤۔ القرآن، ۴:۱۴

۵۔ القرآن، ۵:۸

۶۔ القرآن، ۲۵:۴

۷۔ القرآن، ۷:۵۹

۸۔ القرآن، ۱۲۶:۱۶

۹۔ ابو عبدالله محمد بن اسماعیل البخاری، البخاری، کتاب التمیم، باب تیمم، میرٹھ، مطبع القدیمی، رقم الحدیث ۳۲۵

۱۰۔ محمد احمد بن حنبل، الامام، مسند احمد، بیروت، داراحیاء التراث العربی، باب ۵، ۱۹۹۳ء، رقم الحدیث، ٤١١

۱۱۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت ﷺ، لاہور، اسلامک پبلشر لمیٹڈ ۱۹۶۰ء، ص ۶۸۳

۱۲۔ ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم ﷺ، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ج ا، ص ۱۱۱ ۹۷ ۱۹ء

۱۳۔ امام ابی جعفر بن جریر الطبری، تاریخ الامم و الملوك، بالقاهره، مطبعة الاستقامة ۱۳۵۷/۱۹۳۹ء، ج ۵، ص ۲٤۰۵

١٤۔ سید محمد میاں، مولانا، سیرت مبارکہ محمد رسول ﷺ، لاہور، مکتبہ محمودیہ ۱۹۸۲ء، ص ۲۲۵ تا ۲۲۶

١٥۔ البخاری، کتاب المغازی، باب حجة الودع، ۱۵۳۰

١٦۔ سنن ابن ماجه، باب حرمة دم المؤمن وماله، لکھنوء، مطبع اصح المطابع، ١٣١٥ھ، ص ٢٩٠

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ البخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلمه، رقم الحدیث ٩

۲۰۔ ایضاً، باب المسلم من سلمه، رقم الحدیث ٥٤

۲۱۔ قرآن ۳:۹۹

۲۲۔ خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، کراچی، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، ۱۳۸۲ھ، ص (ع)

۲۳۔ القرآن، ۹:۱۲۸

۲٤۔ البخاری، کتاب الادب، باب الساعی علی المسکین، رقم الحدیث، ٩٤٦

۲٥۔ البخاری، کتاب الاطعمه، باب کلو من طیبات، ٣٣٩

۲٦۔ مشکواة، کتاب الاداب، باب الشفقت علی الخلق، الفصل

(ب)

۲۷۔ البخاری، باب کل معروف صدقة، رقم الحدیث (٩٦٠)

۲۸۔ ایضاً، باب کل معروف صدقة، رقم الحدیث ٩٦١

۲۹۔ ایضاً، باب یبل الرحیم ببلالها، رقم الحدیث ٩٢٩

۳۰۔ ایضاً، باب یبل الرحیم ببلالها، رقم الحدیث ٩٢٥

۳۱۔ ایضاً، باب یبل الرحیم ببلالها، رقم الحدیث ٩٢٢

۳۲۔ ایضاً، باب یبل الرحیم ببلالها، رقم الحدیث ٩٢٢

۳۳۔ ایضاً، باب یبل الرحیم ببلالها، رقم الحدیث ٩٢٨

۳٤۔ ایضاً، باب یبل الرحیم ببلالها، رقم الحدیث ٩٢٣

۳٥۔ عبدالمجید، آخری نبی اور ان کی تعلیمات، کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۸ء، ص ۶۱۹

۳۶۔ ڈاکٹر سید علی اسلم، اسلام کا جمہوری نظام، لاہور، احسن برادرز، ۱۹۵۲، ص ۷۰

۳۷۔ محمد حسین ھیکل / مترجم ابو یحییٰ امام خان نوشہروی، حیاۃ محمد، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۵۵ء، ص ۶۲۳

۳۸۔ شبلی نعمانی / سلیمان ندوی، سیرت النبی ﷺ، مطبوعہ اعظم گڑھ، جلد ا، ص ۶۹۵، طبع سوم

۳۹۔ **محمد بن علی بن محمد الشوکانی، نیل الاوطار، مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۴۷، جلد۷، ص ۱٤۰**

٤۰۔ ڈاکٹر محمد سرور، اسلام اور جدید ریاستی نظام محولہ بالا ص ۱۲۵

۴۱۔ مولانا، رئیس احمد جعفری، اسلامی جمہوریت، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۲۸ء، ص ۹

۴۲۔ القران، ۲۰:۱۱۹

۴۳۔ القران، ۱۷:۳۶

٤٤۔ **ابن ماجه، سنن ابن ماجه، باب الفضل العلماء، لکهنئو، مطبع اصبع المطابع، ١٣١٥ه، ص ٢٠**

٤٥۔ ایضاً

۴۶۔ القرآن، ۴:۵۸

۴۷۔ القرآن، ۵:۸

۴۸۔ مولانا رئیس احمد جعفری، اسلام اور عدل واحسان، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۷، ص ۵۵

۴۹۔ القران، ۳۱:۱۹

۵۰۔ **البخاری، کتاب الاذن، باب من شکیٰ امامه اذا طول، رقم الحدیث ٦٦٦**

۵۱۔ **ایضاً، کتاب العلم، باب ما کان النبی ﷺ بتخولهم بالموعظه، رقم الحدیث ٢٨**

۵۲۔ القرآن، ۷:۵۶

۵۳۔ القرآن، ۲:۶۰

۵۴۔ القرآن، ۴:۱۲۸

۵۵۔ القرآن، ۵:۶۴

٥٦۔ سلیمان بن اشعت ابو دائود بن جارود، ابو دائود الطیالسی، حافظ، سنن ابو دائود، حیدر آباد، مطبعه دائره المعارف، ١٣٦٢ھ، ص ٣٤٢
٥٧۔ ایضاً
٥٨۔ عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورة بن موسیٰ الترمذی، جامع الترمذی، کتاب الفتن، باب لزوم الجماعة، دهلی، مطبع احمدی، ١٢٦٦، ج ٢، ص ٣٦٠

(ج)

٥٩۔ عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورة بن موسیٰ الترمذی، جامع الترمذی، کتاب لفتن، باب لزوم الجماعة، دهلی، مطبع احمدی، ١٢٦٦ ج ٢ص ٣٦٠
٦٠۔ القرآن،۲:۱۴۳
٦١۔ القرآن،۷:۱۵۸
٦٢۔ القرآن،۲:۲۵۶
٦٣۔ القرآن،۴:۷۵
٦٤۔ حمید اللہ،عہد نبوی میں نظام حکمرانی،حیدرآباد دکن،مکتبہ ابراہیمیہ،۱۹۴۹ء،ج ا،ص ۲۶۵
٦٥۔ ڈاکٹر محمد عبدالحئی،اُسوہ رسول اکرم ﷺ،ادارہ،کراچی،اشاعت اسلام،۱۳۹۶ھ،ص ۸۵
٦٦۔ سلیمان بن اشعت ابو دائودبن جارود، ابو دائودالطیالسی، حافظ، سنن ابو دائود، باب ٢، حیدر آباد، مطبعه دائره المعارف، ١٣٦٢ھ، رقم الحدیث ٧٧
٦٧۔ رئیس احمد جعفری ندوی،مولانا،اسلام اوررواداری،لاہور،ادارہ ثقافت اسلامیہ،۱۹۵۵ء،ص ۹۴ تا ۹۵
٦٨۔ البخاری کتاب الادب، باب، الرفق فی الامر کُلِّهِ، رقم الحدیث ٩٦٣
٦٩۔ البخاری، باب تعاون المومنین، رقم الحدیث ٩٦٥

٧٠۔ ایضاً ،باب طیب الکلام، رقم الحدیث ٩٦٢

٧١۔ الشامی، محمدبن یوسف الصالحی، سبیل الهدی والرشاد، (سیرت شامی)، بیروت، دارالکتب العلمیه، ١٩٩٣ء، باب ٢، رقم الحدیث ٥٩٨

٧٢۔ امام ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم و الملوك، بالقاهره، مطبعه الستقامه،١٩٣٩، جزثانی، ص ٨١

٧٣۔ محمد احمد بن حنبل، الامام، مسند احمد، باب٤، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ١٩٩٣ء، رقم الحدیث ٣٣٥

٧٤۔ ڈاکٹر اقبال، ارمغان حجاز کلیات فارسی، کراچی، غلام علی اینڈ سنز، س ن، ص ١٠٤

٧٥۔ حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر، رسول اکرم اور رواداری، کراچی، فضلی سنز، ١٩٩٨ء، ص، ١٦٧

٧٦۔ دارا جی، سنگھ، رسول عربی، لاہور، سیرت اکیڈمی، ١٩٨٩ء، ص ١١٨

٧٧۔ لا بن هشام، السیرة النبویة، مطبع مصطفی البابی الحلبی، مصر، ١٩٣٦ء، جزثانی، ص ١٤٩، ١٥٠

٧٨۔ ملا واحدی، دہلوی، حیات سرور کائنات ﷺ، کراچی، دفتر رسالہ نظام المشائخ، ١٩٥٣ء، ص ٢٠٢، ج ١

٧٩۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا، **نور البصر فی سیرت خیر البشر**، لاہور، سنی پبلیکیشنز، ١٩٨٠ء، ص ١٢٢

٨٠۔ رئیس احمد جعفری ندوی، مولانا، اسلام اور رواداری، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ١٩٥٤ء، ص ٣٧١ تا ٣٧٤

٨١۔ کیرن آرم اسٹرانگ Karen armstrng / خدا کے لیے جنگ / اردو The Battle for God/ لاہور، نگارشات، ٢٠٠٣، ص ١٦

٨٢۔ ڈاکٹر مبارک علی، تاریخ اور مذہبی تحریکیں، لاہور، فکشن ہاؤس، ١٩٩٨ء، ص ٩٠، ٩١

٨٣۔ شبلی نعمانی / سلیمان ندوی، سیرت النبی، کراچی، محمد سعید اینڈ سنز، ١٣٣٩ھ، ج ١، ص ١٢٧

٨٤۔ عبد الرحمٰن ابن خلدون المغربی، مقدمه ابن خلدون، مترجم سعد حسن خان، کراچی، نور محمد تجارت کتب، ص ١٧٣

٨٥۔ القرآن ٢:٤٢

٨٦۔ اکبر محمود شالتوت، من توجیهات السلام، امام، تقاهره، ناشر دارالقلم، ص ١٦٦٥

٨٧۔ ابوزهر، تنظیم اسلام مجتمع، ناشر دار المفکر العربی، ص ١١٥٩

٨٨۔ ایضاً ص ۱۹۷

٨٩۔ Reconstruction Of Relijions Thought in Islam Dr, Iqbal, Lahore, 1962, p.55



عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت سیرت طیبہ کی روشنی میں۔

(محمد مشتاق کلوٹا (کراچی)

اسلام کسی ایسے مذہب کا نام نہیں ہے جو صرف انسان کی نجی اور انفرادی زندگی کی اصلاح کا خواہاں ہو اور جو چند محدود اعمال اور رسوم پر مشتمل ہو بلکہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو تمام شعبہ ہائے زندگی پر مشتمل ہے اور اس میں ہر شعبہ زندگی کے متعلق رہنمائی کے اصول متعین کیے گئے ہیں جن پر چل کر انسان دونوں جہانوں میں کامیابی اور کامرانی حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام تمام شعبہ ہائے زندگی کی اصلاح کرتا ہے۔ خواہ یہ شعبہ زندگی انفرادی، روحانی ہو یا مادی، معاشی ہو یا معاشرتی۔ غرض یہ کہ اسلام زندگی کے ہر شعبے سے متعلق اپنے مخصوص احکامات کے ذریعہ حیات انسانی کو امن کا گہوارہ بنا دیتا ہے۔ اسلامی نظام زندگی کی بنیاد اسی بات پر ہے اور اسلام کی اصل دعوت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کا قانون جاری و نافذ ہو۔ تمام انسان اس دین کو اپنا کر دنیا میں امن و سلامتی سے زندگی بسر کریں اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہوں۔

یہ ایک قابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام امن کا داعی، صداقت کا علمبردار اور انسانیت کا پیغام بر ہے۔ اس کی نگاہ میں بنی نوع انسانی کا ہر فرد مساوات و مرتبہ کا مستحق ہے۔ وہ رنگ و نسل کے عیوب سے پاک ہے۔ اسلام سارے طبقات انسانی کے لیے رحمت بن کر آیا اس نے غیر مسلم رعایا کو بھی اس سے محروم نہیں رکھا اور ان کو اتنے حقوق دیئے جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی۔

سید العرب والعجم، پیغمبر آخر الزماں، ہادی عالم، سرور کائنات، شفیع المذنبین، دعائے خلیل، نوید مسیحا، محسن انسانیت، فقید المثال مبلغ، مایہ ناز منتظم، سراج السالکین، صادق و امین تاجر، مدینۃ العلم، بے مثال مربی، سپہ سالار اعظم، رسول رحمت، لاثانی مقنن، انسانیت کے تاجدار، مذہبی رواداری کے علمبردار، اور اعلیٰ ترین معلم انسانیت کی سیرت ایک مکمل سیرت ہے۔

شاہ امم، شہنشاہ کونین، فخر رسل، خیر الوریٰ، معمار اقدار بشر، شہ لولاک، معلم کامل، معلم آخر زماں، حضرت محمد ﷺ کا رویہ، آپ کا کردار اور طرز عمل ایک بہترین نمونہ ہے اور ایک عمدہ مثال ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کا طرز عمل

پوری دنیا کے انسانوں کے لیے باعث تقلید اور بہترین ماڈل ہے۔ اللہ رب العزت قرآن عظیم میں فرماتا ہے کہ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ

ترجمہ: تمہارے لیے رسول ﷺ کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے۔(۱)

اسلام تہذیبی اور جغرافیائی اعتبار سے دنیا کے ایک پسماندہ ترین خطے میں آیا۔ حضرت محمد ﷺ نے جاہل عربوں کو دنیا کی اعلیٰ ترین قوم بنا دیا اور انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک ایسا جامع نظام پیش کیا جو روحانی اور مادی ہر دو اعتبار سے انسانی مسائل کے حل اور اس کے ارتقا وارتقاع کا ضامن ہے۔(۲)

اسلام دنیا کا ایک عظیم مذہب ہے۔ اس نے بے کیف اور افلاس زدہ زندگیوں کو وقار اور معنویت دی ہے۔ اس نے مختلف نسلوں کے لوگوں کو بھائیوں کی طرح جینا اور مختلف عقائد کے لوگوں کو باہمی رواداری کے ساتھ پہلو بہ پہلو رہنا سکھایا۔ اس نے ایک عظیم تہذیب عطا کی جس سے اسلامی معاشرہ کی تشکیل ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی تخلیقی اور سود مند زندگی بسر کی اور جس نے اپنے حالات (Achievements) کے ذریعے پوری دنیا کو ثروت مند بنایا۔(۳)

اسلام کی تعلیمات اپنے حقوق کے حصول کے لیے استحصالی قوتوں سے نبرد آزما مسلمانوں کو اپنی جدوجہد انسانیت کی حدود کے اندر رکھنے کا پابند بناتی ہے اور انہیں یہ اجازت ہرگز نہیں دیتی کہ وہ اس شرعی جدوجہد میں معصوم اور نہتے لوگوں کی جانیں لیں انہیں دہشت زدہ کریں ان کی املاک کو نقصان پہنچائیں اور ان میں خوف و ہراس پھیلا کر اس کائنات میں فتنہ فساد اور تباہی و بربادی کا موجب بنیں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اور زمین پر فساد مت پھیلاؤ بے شک اللہ فساد کا موجب بننے والوں کو پسند نہیں کرتا"(۴) اس لیے فساد امن کا دشمن ہے اور اسلام امن عالم کا داعی ہے۔

عصر حاضر کا تقاضا ہے کہ پوری دنیا میں امن وسکون قائم ہو اور امن وسکون اسی وقت قائم ہوگا جب فساد ختم ہو دہشت گردی کا خاتمہ ہو اور فساد و دہشت گردی اسی وقت ختم ہوگی جب اس کے اسباب ختم ہوں گے۔ اسباب کیا ہیں؟ بے انصافی، معاشی استحصال، مذہبی استحصال، لاقانونیت، ظلم، سیاسی استحصال، سازش، طاقت کی یلغار، تہذیب کی یلغار، من پسند خیالات وافکار کا تسلط وغیرہ۔

انسان کیا جانور کی بھی فطرت ہے کہ جب کوئی اس کے گھر پر قبضہ کرتا ہے اس کی بل میں گھستا ہے تو جواب دیتا ہے مقابلہ کرتا ہے دشمن سے اپنے گھر کو محفوظ رکھنے کے لیے ہر ممکن کارروائی کرتا ہے کیا ظلم ہے کہ اس فطری مزاحمت کرنے والے کو دہشت گرد کہا جاتا ہے اور کئی سو میل سے آکر گھر پر قبضہ کرنے والے کو امن کا پیامبر قرار دیا جاتا ہے اور جب تک یہ الٹی تعریف

کی جاتی رہے گی یاد رکھیئے ،الٹی گنتی بھی گنی جاتی رہے گی لہٰذا ضرورت ہے کہ عصر حاضر کے تقاضے کو سمجھا جائے اور حکمت کے ساتھ اونٹ کے نتھنے میں نکیل ڈالی جائے نکیل ڈالنے کی ذمہ داری صرف یورپ کی نہیں ایشیا اور چین کی بھی ہے بلکہ ساری دنیا کی ہے۔

عصر حاضر میں بین الاقوامی ذمہ داری کے ساتھ مذہبی وملی ذمہ داری بھی ہم پر عائد ہوتی ہے کہ ردعمل کا شکار ہو کر اسلامی تعلیمات کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اگر دشمن ہمارے خلاف غیر اخلاقی انداز میں طاقت، قانون، اسلحہ میڈیا کا استعمال کر رہا ہے تو پھر بھی ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم ملک رہنے والی اقلیت اور ان کی عبادت گاہوں کو نشانہ بنائیں یا سویلین کا قتل کریں۔ ہمارے سامنے سیرت طیبہ میں روشن خیالی کی دو بہترین نمونے ہیں ۔ا۔ میثاق مدینہ ۲۔صلح حدیبیہ ہمیں انہیں آئیڈیل بنا کر حالات کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

مذاہب اور اقوام عالم میں مذہبی انتہا پسندی اور فکری جمود

ہندو تعلیمات ہندومت تعلیمات کا خلاصہ ''دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو، دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ دو، گائے، بیل اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کر دو، جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے اس طرح دشمنوں کو تڑپا تڑپا کر ہلاک کر دو۔(۵) لیکن جب انگریز کی پشت پناہی میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف منظم کارروائیاں شروع کیں تو مسلمانوں کے بارے میں ان کے خیالات کیا تھے اور ہندوؤں کے رہنماؤں کی کیا ہدایات تھیں اس کا اندازہ ڈاکٹر کشیوراوبلی رام کی اس رائے سے کیا جا سکتا ہے کہ ''ہندوستان کا پورا کو چک ہندوؤں کا ہے جو اس میں ہزار ہا سال سے رہتے سہتے چلے آئے ہیں اور مسلمان دنیا کے اس حصے میں اجنبی اور غیر ملکی ہیں۔(۶)

قیام پاکستان سے قریباً ۳۰ سال قبل ہی ہندوؤں کی جانب سے مسلم کش فسادات شروع ہو گئے تھے (۷) ۱۹۲۷ء میں سکھر میں ایک جلسہ عام سے خطاب کے دوران مہاشہ پرتاب سنگھ نے علی الاعلان ہندوؤں کو کہا تھا ''اگر تم ایک گائے کی خاطر کراچی سے لے کر مکہ تک تمام مسلمانوں کو ختم کر دو تو بھی تھوڑا ہے، ہندو دھرم میں جانوروں کا گوشت کھانا منع ہے لیکن مسلمانوں کا خون پینا جائز ہے کسی ہندو کو اس کے پینے میں پس و پیش نہیں کرنا چاہیے'' (۸)

ہندوؤں کی مذہبی کتب مقدسہ فکری جمود اور قتل و غارت گری سے بھری ہوئی ہیں۔ یجر وید میں لکھا ہے۔ یہہ اگنی۔ غارت گری کی جنگ میں مال غنیمت لائے۔(۹) رگ وید میں لکھا ہے کہ ہر بدگو کو قتل کر دے اور جو کوئی ہم کو خفیہ طریقوں سے تکلیف پہنچائے اسے برباد کر۔(۱۰) اے مینو (غضب کا دیوتا) ہم سے لڑنے والوں پر غالب آ، توڑے جا، قتل کیے جا، دشمنوں کو

کچلے جا۔(۱۱)

آج بھی ہندوستان میں نچلی ذات کے ہندوؤں کا وقفہ وقفہ سے قتل عام ہو رہا ہے۔ بابری مسجد تک شہید کر دی گئی۔ ہزاروں مسجدیں سیل پڑی ہیں۔ گولڈن ٹیمپل پر حملہ کر کے اس کو تباہ کیا گیا اور ملک بھر میں سکھوں کا قتل عام کیا۔(۱۲)

یہودیت یہودیوں کے تشدد، فکری جمود اور انتہا پسندی کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن نے جہاں یہ بتایا کہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں (۱۳) نقض عہد کرتے ہیں (۱۴) وہیں ان کا سب سے بڑا جرم یہ بیان کیا ہے کہ یقتلون الانبیاء بغیر حق (۱۵) ناحق انبیاء کا قتل کرتے ہیں، ہمارے سامنے یہودیوں کی کوئی مسلم کتاب نہیں بلکہ بقول ڈاکٹر حمید اللہ کچھ زمانہ کے حملہ آوروں، کچھ احبار کی تصحیف کچھ امتداد زمانہ کے سبب اصل کتاب ناپید ہو چکی ہے۔(۱۶) یہود نے اپنے معاصر اہل مذہب پر زیادتیاں کیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بقول متی انجیل کے صلیب پر چڑھا دیا گیا، پیٹ بھاڑ کر انتڑیاں نکال دی گئیں۔(۱۷) جبکہ قرآن کہتا ہے کہ نہ سولی دی گئی نہ قتل کیا گیا (۱۸) خود یہود کے ساتھ عیسائیوں نے انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا بخت نصر نے ان کا قتل عام کیا، بیت المقدس کو آگ لگا دی، ان کی مذہبی کتب جلا دی، بحران میں اتفاقاً یہودی قتل ہو گئے تو حمیری یہودی حکمران ذونواس نے عیسائیوں کا قتل عام کیا (۱۹) یشوع کے متعلق آتا ہے ”انہوں نے ان سب (مفتوحین) کو جو اس شہر میں تھے کیا مرد، کیا عورت، کیا جوان، کیا بوڑھا، کیا بھیڑ اور کیا گدھا سب کو تہہ تیغ کیا“ (۲۰) ۱۰۹۹ء میں فتح یروشلم کے موقع پر یہودیوں نے ستر ہزار مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔(۲۱)

عیسائیت اور مجوسیت

عیسائیت اپنے دور ابتلا میں صلح و آشتی، عفو و درگزر کی تبلیغ کرتا رہا لیکن اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں نے بجائے عفو و درگزر سے کام لینے کے اپنے مخالفین سے عبرتناک انتقام لیا، کلیسا کا دستور تھا کہ ہر مخالفت کو بزور شمشیر کچلا جائے گا۔ غیر مذہب کے لوگوں کے لیے عیسائی بننے یا موت کے سوا کوئی راستہ نہ تھا، ایک راستہ تھا، ایک شدید ایذا کا اور دوسرا ناقابل برداشت جسمانی اذیت کا۔(۲۲)

معروف مسلم اسکالر محمد مار ماڈیوک پکتھال کہتے ہیں کہ ”کیا یہ سچ نہیں کہ ہسپانیہ اور اپالیہ میں مسلمانوں کا ایسا قتل عام ہوا کہ ان ممالک میں مسلمانوں کا نام لیوا بھی باقی نہیں رہا کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یونان کی ۱۸۲۱ء کی بغاوت میں مسلمانوں کو چن چن کر یوں قتل کیا گیا کہ ان کا نام و نشان مٹ گیا اور ان کی مسجدوں کی لفظاً و معناً اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔(۲۳) ایران کے نزدیک ہر غیر ایرانی وحشی اور باغی تھا اور یہی سبب تھا کہ یہ سلطنتیں جنگ میں ہر اخلاقی اقدار کو پامال کرتیں اور ایک دوسرے

کے خلاف انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ (۲۴) ۵۷۰ء میں حبشہ کے عیسائی حکمران ابرہہ نے کعبہ پر حملہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ابابیل کے ذریعہ پورا لشکر نیست و نابود کر دیا۔ اس حملے کا بنیادی سبب کلیسا صنعاء کی اہانت کا بدلہ لینا تھا۔ (۲۵)

عربوں میں فکری جمود اور انتہا پسندی

عرب کسی اخلاقی ضابطہ کے پابند نہیں تھے، غارت گری پسندیدہ مشاغل میں تھا اس لیے جنگ کو حرب (غصہ) نار (آگ) روع (خوف) یوم کریہہ (مصیبت کا دن) وغیرہ سے تعبیر کرتے تھے۔ (۲۶) جنگ کے مقاصد مال غنیمت حاصل کرنا، جذبہ تفاخر ہوتا تھا۔ دشمن کا مصلہ کرنا، اعضاء کاٹنا، زندہ جلا دینا معمولی درجہ کی باتیں تھیں۔ (۲۷)

سبعہ معلقات جو ادب جاہلیہ کا منتخب کلام ہے اس سے عرب تہذیب کی خونخواری فکری جمود اور انتہا پسندیا ور پُر تشدد پہلو بخوبی نمایاں ہوتے ہیں عمر بن کلثوم کہتا ہے" بے شک ہم جھنڈوں کو جنگ کے گھاٹ سفید لے کر جاتے ہیں اور جب وہ خون سے سیراب ہو کر سرخ ہو جاتے ہیں تو انہیں واپس لاتے ہیں جب ہم کسی قوم کی طرف اپنی چکی لے جاتے ہیں تو وہ لڑائی میں اس کا آثار بن جاتی ہے۔ ہمارے نوجوان ایسے ہیں جو قتل ہو جانے کو باعث شرف سمجھتے ہیں۔ (۲۸)

اسلامی معاشرہ کا ارتقاء

اسلام تاریخ کا ایک حیرت انگیز اور اہم ترین باب ہے۔ اسلام نے نہ صرف عربوں کی کایا پلٹ دی بلکہ اس نے نوع انسانی پر بہت بڑا احسان کیا۔ اسلام نے علم کو عوام کی ملکیت بنا دیا۔ اس نے انسان اور اللہ میں براہ راست رشتہ قائم کیا۔ گبن کے الفاظ" اسلام ایک ایسا انقلاب تھا جس نے اقوام عالم کی سیرت پر ایک نئی پائیدار مہر ثبت کی دی" اسلام نے عوام کو اس فرسودہ تہذیب سے باہر نکالا جس نے صدیوں سے ان کے حقوق غصب کر رکھے تھے۔ اسلام نے عوام کو ذہنی اور اخلاقی پستیوں سے نکال کر انہیں تہذیب و تمدن کی رفعتوں تک پہنچا دیا۔ (۲۹)

اسلام کا مادہ اشتقاق "سلم" ہے۔ جس کے معنی سلامتی پانے اور محفوظ رہنے کے ہیں۔ اس مفہوم میں یہ لفظ حدیث میں استعمال ہوا ہے

" **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویدیه**" (۳۰) ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا" کہ دشمن سے جنگ کی تمنا کرو اور اللہ سے عافیت کی دعا کرو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ جنگ کی صورت میں تمہیں کیا حالات پیش آئیں گے" (۳۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ"

اسلم''یعنی فرماں بردار بن جاؤ تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا'' **اسلمت لرب العالمین** ''یعنی میں نے تمام جہانوں کے رب کی فرماں برداری اختیار کی۔(۳۲)

معروف برٹش مستشرقہ کرین آرم اسٹرانگ نے لکھا ہے کہ'' محمد ﷺ ایک ایسے مذہب وروایت کے بانی تھے جس کی بنیاد تلوار اور جبر پر نہیں تھی۔مغربی پروپیگنڈے اور فسانے کے باوجود اسلام کا نام امن اور صلح کا مفہوم رکھنے والا ہے''(۳۳) حقیقت یہ کہ اسلام کے سوا دوسرے تمام مذاہب کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ نام نہاد امن کے دعویداروں نے خود انسانیت کے خون سے کرہ ارضی کو سرخ بنا کر رکھ دیا ہے۔ (۳۴)

''ان تمام غزوات وسرایا میں جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں پیش آئے مسلمانوں کے مجموعی طور پر ۲۵۹ افراد شہید اور ۱۲۷ افراد زخمی ہوئے جبکہ مخالفین کے مقتولین کی تعداد ۷۵۹ اور اسیروں کی تعداد ۶۵۶۴ ہے۔اس طرح ان جنگوں میں کل ۱۰۱۸ افراد قتل، ۱۲۷ زخمی اور ۶۵۶۵ قید ہوئے۔(مسلمانوں کا ایک اسیر بھی شامل ہے)''(۳۵)''دشمن کے جتنے لوگ مدنی زندگی کے دس سالوں میں مرے ان کی تعداد اوسطاً مہینہ دو بھی نہیں اور کل دو سو چالیس افراد بھی مخالفین کے نہیں مرے جبکہ مسلم مقتولوں کی تعداد اس سے بھی کم ہے''(۳۶) اسلام نے روز اول ہی سے جب معاشرے کی بنیاد پڑی تو معاشرے میں امن وسلامتی اور نیکی و بھلائی کا خیال رکھا۔(۳۷) اسلامی معاشرہ ایک ایسا معاشرہ کہلاتا ہے جہاں پر صرف قانون الٰہی کی اطاعت ہوتی ہو اور اللہ کے آخری رسول ﷺ کے بتائے ہوئے اصولوں کو مشتعل ہدایت سمجھا جاتا ہو اور ان پر عمل کرنا باعث سعادت اور ذریعہ نجات تصور کیا جاتا ہو۔(۳۸) اسلامی معاشرہ کا ارتقاء اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کو اس دنیا میں بھیجا اور چونکہ یہ دو افراد تھے اور ایک دوسرے سے تعلق رکھتے تھے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کا آغاز بھی اسی وقت سے ہوا(۳۹)

اسلامی معاشرے کی خصوصیات

اسلامی معاشرے کی حسب ذیل خصوصیات ہیں۔

۱۔وحدت نسل انسانی ۲۔عملی اتحاد کی بنیاد ۳۔وحدت فکر انسانی ۴۔احترام انسانیت ۵۔نیکی کا فروغ اور برائی کا انسداد ۶۔مساوات ۷۔آزادی ۸۔اطاعت رسول ۹۔شرف انسانیت(۴۰)

اسلامی معاشرے کی وسعت لامحدود ہے۔ہر وہ معاشرہ جہاں اسلامی نظام تمدن اور شریعت کا نفاذ ہو اور قرآن و سنت کی پیروی کی جاتی ہو وہ اسلامی معاشرے میں شامل ہے۔اسلامی معاشرے کی بنیاد مغربی معاشرے کی طرح زبان و

ثقافت پر نہیں ہے بلکہ مذہب اسلام کی بنیاد پر معاشرے کی تعمیر ہوتی ہے۔(۴۱)

اعتدال پسندی کی ضد انتہا پسندی کا جائزہ

درمیان سے دور ہٹ کر، کنارے کھڑے ہونے کو ''ظرف'' کہتے ہیں اصلاً اس لفظ کا استعمال شروع شروع میں محسوس اور مرئی چیزوں کے لیے ہوتا تھا۔ مثلاً کنارے بیٹھنا، کنارے چلنا، لیکن پھر بعد میں اس کا استعمال معنوی چیزوں کے لیے ہونے لگا مثلاً دینی انتہا پسندی، فکری اور نظریاتی انتہا پسندی اور رویہ میں انتہا پسندی و جمود۔(۴۲)

حقیقت یہ ہے کہ آج کل لوگوں کی زبان پر رجعت پسندی، انتہا پسندی، جمود اور تعصب کے جو الفاظ چڑھے ہوئے ہیں ان کے مفہوم کی وضاحت اور تجدید نہایت ضروری ہے۔ انہیں یوں ہی نہیں چھوڑ دینا چاہیے کہ ہر گروہ اپنی پسند کے مطابق انہیں استعمال کرے اگر ایسا ہوا تو دائیں بائیں بازو والے تمام فکری گروہ اور اجتماعی حلقے اپنی اپنی پسند کے مطابق جیسے اور جو چاہیں گے ان کی شرح کریں گے۔(۴۳)

دنیا کا کوئی بھی مذہب ایسا نہیں جو کہ فتنہ فساد اور انتہا پسندی کی اجازت دیتا ہو۔ بوسنیا اور سرب، کوسووو اور سرب کی لڑائیاں مذہبی نوعیت کی لڑائیاں بن چکی ہیں۔ سوڈان میں مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے کے ساتھ رہنا برداشت نہیں کر رہے ہیں۔ فلپائن کے مذہبی عیسائی، مسلمانوں کو برداشت کرنا ناممکن خیال کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا مورو نیشنل فرنٹ اور فلپائن حکومت کے درمیان چھاپہ مار لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہے۔(۴۴)۔ اسی طرح ایتھوپیا اور اریٹیریا میں مسلم اور عیسائی باہمی جنگ میں مبتلا ہیں۔ سری لنکا میں بدھ اور ہندوؤں کی باہم لڑائیوں میں بھی مذہب کو بنیاد بنا دیا گیا ہے۔(۴۵)

قرآن وحدیث میں انتہا پسندی کی تعبیر لفظ ''غلو'' سے کی گئی ہے

اسلام کی راہ اعتدال پسندی کی راہ ہے۔ ہر چیز میں اعتدال، تصور اور عقائد میں، عبادات اور زہد میں، اخلاق اور رویہ میں، معاملات اور قانون سازی میں۔ اسی راہ کا نام اللہ نے ''صراط مستقیم'' (۴۶) رکھا۔ یہ راہ ان دینی اور فکری گروہوں کی راہ سے الگ ہے جن پر اللہ کا غضب ہو (۴۷) یا جو راہ پانے کے بعد کھو بیٹھنے اور جن کی راہوں پر غلو اور افراط و تفریط کی چھاپ پڑی ہوئی ہے۔ اسلام اعتدال پسندی کی تعلیم دیتا ہے، انتہا پسندی سے خبردار کرتا ہے۔ نیز اس کے لیے قرآن وحدیث میں جو الفاظ استعمال کے گئے ہیں ان میں غلو، تنطع اور تشدید کے الفاظ بھی ہیں۔ اسلام غلو اور فکری جمود کو انتہائی ناپسند کرتا ہے نیز لوگوں کو اس سے شدت کے ساتھ خبردار کرتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ایاکم والغلو فی الدین فانما ھلک من قبلکم بالغلو فی الدین۔(۴۸) ترجمہ ''تم دین میں غلو کرنے سے بچو، تم سے پہلے لوگ دین میں غلو ہی کے باعث ہلاک ہوئے۔

حجتہ الوداع کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ مزدلفہ پہنچے تو آپ ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا ''منیٰ میں رمی جمار کے لیے کنکریاں لاؤ'' حضرت ابن عباسؓ نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں چُن کر آپ ﷺ کو دیں، آپ ﷺ نے ان کنکریوں کو ہاتھ میں لے کر فرمایا ''ہاں ایسی ہی کنکریاں اور تم دین میں غلو سے بچو، تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو ہی کے باعث ہلاک ہوئے، یعنی لوگوں کو شدت اور انتہا پسندی کا رویہ نہیں اپنانا چاہیے۔(۴۹) روشن خیالی اور اعتدال پسندی کو اختیار کرنا چاہیے۔

جب آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کو یمن روانہ فرمایا تو یہ نصیحت کی ''نرمی کرنا سختی نہیں، خوشخبری سنانا، متنفر نہ کرنا، مل جل کر رہنا، باہمی اختلاف سے بچانا۔(۵۰) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''دین آسان ہے اور جو انتہا پسندی کا رویہ اپنائے گا تو وہ مغلوب ہو جائے گا، پس سیدھی اور میانہ روی کی راہ اپناؤ اور بشارت حاصل کرو'' (۵۱)

قرآن مجید میں ۹۰ سے زیادہ بار صبر کا ذکر ہے اور ۱۶ مقامات پر صبر و برداشت کا حکم ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں نصف ایمان صبر ہے اور نصف ایمان شکر ہے (۵۲) گویا اعتدال پسندی کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے۔

روشن خیالی اور اعتدال پسندی سے انتہا پسندی کا سفر

☆ انتہا پسندی کیا ہے؟

انتہا پسندی کی اولین علامت یہ ہے کہ کسی رائے کے تئیں ایسی طرفداری کی جائے اور ایسی عصبیت برتی جائے کہ دوسروں کی رایوں کو تسلیم کرنے کے لیے کوئی گنجائش نہ رہ جائے۔

☆ غیر ضروری پابندیاں

آسانی کی گنجائش ہوتے ہوئے شدت پسندی کا رویہ اپنانا اور دوسروں کے لیے اسے لازم قرار دینا جبکہ اللہ نے اسے لازم نہ قرار دیا ہو دینی انتہا پسندی کا دوسرا مظہر ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ **یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر**۔(۵۳)

ترجمہ۔ اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔ لہٰذا روشن خیالی اور اعتدال پسندی اختیار کی جائے۔

☆ موقع و محل سے اعراض

شدت پسندی اور سخت گیری کے سلسلے میں میں موقع و محل کو نظر انداز کر دینا بھی ناپسندیدہ ہے۔

☆ سختی اور خشونت

ہدایت ربانی اور طریق نبویﷺ کے برخلاف، معاملات میں سختی، رویہ میں خشونت اور دعوت وتبلیغ کے باب میں ترش کلامی سے کام لینا انتہا پسندی کی علامت ہے۔ شدت اور سختی کا جتنا خراب اثر دعوت وتبلیغ پر پڑتا ہے اتنا اور کسی چیز پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ " ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة والوعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن.

ترجمہ ''لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مباحثہ کرو (۵۴)

☆ بدگمانی

بدگمانی بھی انتہا پسندی کی علامت ہے۔ دوسروں کی تیئں بدگمانی کا رویہ اپنانا، انہیں ایسے سیاہ عینک سے دیکھنا جوان کی اچھائیوں کو چھپادے اوران کی برائیوں کو بڑھا چڑھا کر دکھائے، انتہا پسندی کے لوازمات میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس سلسلے میں ارشاد ہے کہ'' یا ایها الذین امنو اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم.

ترجمہ'' اے لوگو! جوایمان لائے ہو بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں (۵۵) ارشاد رسول اللہﷺ ہے کہ'' ایاکم والظن، فان الظن اکذ الحدیث ترجمہ۔ اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ، بے شک بدگمانی بڑی جھوٹی بات ہے۔ (۵۶)

☆ تکفیر کی کھائی

یہ انتہا پسندی اس وقت اپنی آخری حد پر پہنچ جاتی ہے جب یہ دوسروں کو خطا کار مان کر ان کی جان ودل کو مباح قرار دے دیتی ہے۔ اسی انتہا پسندی کے روگ میں پہلے خوارج مبتلا ہو گئے تھے۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی کتاب جواہر الفقہ میں ضابطہ کفر کے ذیل میں لکھا ہے کہ'' اگر کسی شخص یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب میں علماء کا اختلاف، خواہ قرآن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم لگایا جائے نہ اسلام کا حکم اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات سے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ لا تصدقو اهل الکتاب ولا تکذبوهم وقولو امنا بالله وما انزل الینا ''یعنی اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب اور کہو ہم اللہ پر اور جو اس نے اتارا ہم پر (۵۷)

☆ مغربی میڈیا

مغربی میڈیا اور اس کے دانشوروں نے مسلمانوں کو اشتعال انگیز ناموں بنیاد پرست (Fundamentalist) دہشت گرد (Terrorist) جنونی (Fanatics) انتہا پسند (Extremist) سے یاد کر کے اپنے خلاف مسلمانوں کے غصے کی لہر میں اضافہ کیا۔(۵۸)

انتہا پسندی کے اسباب

☆ خلاف فطرت وخلاف طبیعت امور ☆ عزت نفس کی مجروحی ☆ غصب حقوق

☆ خیانت اور بدیانت ☆ دور خاپن ☆ غداری اور دغا بازی

☆ ظلم و بربریت ☆ بغض و عداوت ☆ بہتان طرازی

☆ وعدہ خلافی

دہشت گردی

The word terrorism was first used in France to describe a new system of goverment adopted during the French revolution (1789-1799). The regime de la terreur (Reign of Terror) was intended to promote democracy and popular rule by ridding the revolution of its enemies and thereby purifying it. However, the oppression and violent excesses of the terror transformed it into a feared instrument of the state. From that time on, terrorism has had a decidedly negative connotation. The word, however, did not gain wider popularity until the late 19th century when it was adopted by a group of Russian revolutionaries to describe their violent struggle against terrorist rule. Terrorism then assumed the more famillier antigoverment associations it has today. (59)

انگریزی زبان میں دہشت کے لیے لفظ Terror استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں حد درجہ خوف، کسی شخص یا چیز کو

خوفزدہ کرنا اسی طرح دہشت گردی کے لیے استعمال ہونے والا لفظ Terrorism ہے جس کے معنی ہیں تشدد اور دھمکی کا استعمال۔

What is Terrorism?

The systematic use of terror (such as bombing,killing and kidnappings) as a means of forcing some political objective when used by a govt, it may signal efforts to stifle dissat; used by insurrectionists or guerrillas, it may be part of an overal effort to effect desire political change. (60)

More than 2,000 years ago the first know acts of what we now call terrorism were perpetrated by a radical offshoot of the **Zealots, a Jewish** sect active in judea during the 1st century AD. The Zealots resisted the Roman Empire's rule of what is today Israel through a determined campaign primarly involving assassination. Zealot fighters used the sica, a primitive dagger, to attack their enemies in broad daylight, often in crowded market places or on feast days-essentially wherever there were people to witness the violence. Thus, llike modern terrorists, the Zealots intended their actions to communicate a message to a wider target audience: in this instance, the Roman accupation forces and any Jews who sympathized or collaborated with the invaders. (16)

مغربی لٹریچر اور اسلامی لٹریچر میں بنیاد پرستی کی اصطلاحات مختلف معانی میں استعمال ہوئی ہیں۔اس لیے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اسلام میں بنیاد پرستی کیا ہے اور اس کے کیا معنی ہیں؟ اسلام میں بنیاد پرستی یہ ہے کہ اسلام کی پانچ بنیادوں پر اپنی فکر ونظر اور کردار وعمل کو استوار کیا جائے۔ان بنیادوں میں ایک عقیدہ توحید ہے اور چار دوسرے اعمال ہیں۔اعمال میں سے زکوٰۃ تو صرف صاحب نصاب پر فرض ہے، حج صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے اور روزہ کھانے پینے سے

رکنے کا نام ہے جو کفار بھی کرتے ہیں۔لہٰذا اسلامی بنیاد پرستی کا عملی مظہر صرف نماز ہے اسی لیے اسے دین کا ستون اور مسلم و کافر میں فرق بتایا گیا ہے۔پس یہ ہے ایک مسلمان کی بنیاد پرستی کہ اس کا عقیدہ درست ہو اور وہ نمازی ہو۔یعنی وہ خدا کو وحدہ الا مانتا ہو اور نماز کا پابند ہو۔

It has ony been years, but with the power of the world media, the Zionist leadership now feels free to do whatever it wants to destroy the Palestinian people. Millions of People,Women and children, are in poverty it refugee camps. The blood of innocent people is being shed, because the cause of this violence continues to exist, namely Zionism. Just lately, on the 3rd of October 2001, one of the greatest Zionist leaders has boasted that he controls America, even though we are forbidden to interfere in politics. (62)

لیکن یورپ میں جس چیز کا نام بنیاد پرستی ہے اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔اس لیے ان دونوں اصلاحات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔یورپ میں بنیاد پرستی جن معنوں میں مستعمل ہے ان میں سے بعض معنوں کے اعتبار سے ایک مسلمان بنیاد پرست ہوتا ہے مثلاً یورپی بنیاد پرستوں کا یہ دعویٰ تھا کہ بائبل حرف بحرف کلام الٰہی ہے یہی دعویٰ قرآن قرآن کے بارے میں مسلمان کا ہے۔قرآن کریم حرف بحرف کلام الٰہی ہے اور درست ہے یہ اور بات ہے کہ اہل یورپ کا دعویٰ سو کے قریب مختلف الالفاظ انجیلوں کی موجودگی میں ثابت ہے یا نہیں،جبکہ قرآن کریم کی روایت میں ایک لفظ کا اختلاف بھی آج تک ثابت نہیں کیا جا سکا اور الفاظ قرآن کے بارے میں ایک ''اختلاف بہر حال ہوا کہ قرآن کے الفاظ مخلوق ہیں یا نہیں'' یہ اختلاف اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان ہوا اس میں اہل سنت کا مسلک یہی ہے کہ یہ الفاظ کلام الٰہی ہیں۔(٦٣)

مغربی میڈیا اکثر و بیشتر یہ تاثر دیتا ہے کہ ''بنیاد پرستی'' کے نام سے مشہور مذہبی جدو جہد جو بعض اوقات متشددانہ بھی ہو جاتی ہے ایک خالصتاً اسلامی مظہر ہے کہ جبکہ معاملہ یہ نہیں ہے۔بنیاد پرستی ایک عالمی (گلوبل) حقیقت ہے اور ہماری جدیدیت کے جواب میں ہر بڑے عقیدہ میں رونما ہو چکی ہے۔بنیاد پرستانہ یہودیت ہے،بنیاد پرستانہ عیسائیت ہے،بنیاد پرستانہ ہندومت ہے،بنیاد پرستانہ بدھ مت ہے،بنیاد پرستانہ سکھ مت ہے اور یہاں تک کہ بنیاد پرستانہ کنفیوشس مت بھی موجود ہیں۔(٦٤)

بنیاد پرستی کا مفہوم جو بھی ہو، اس کا تشدد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے دنیا میں اس وقت مسلمانوں کے جو گروہ جہاد و مزاحمت کرتے ہیں ان کا بنیاد پرستی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کے خلاف ظلم ہو رہا ہے ان کے حقوق غصب کیے جا رہے ہیں اور وہ ظلم کے خلاف جہاد اور اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں ان کے لیے اہل مغرب کی جانب سے بنیاد پرستی کی پھبتی کسنا ایک کھلا نفاق ہے۔ نیز جو لوگ دنیا کے مختلف مقامات پر تشدد کرتے ہیں چاہے ان کے اسباب مذہبی ہوں یا سیاسی ہوں یا معاشی ہوں دنیا کو چاہیے کہ وہ ان کے حقیقی اسباب معلوم کرے۔ آئرلینڈ کے لوگ جو تشدد کرتے ہیں وہ عیسائیت کی تعلیم نہیں ہے یا جنوبی افریقہ میں سفید فاموں نے جو کچھ کیا اگرچہ وہ عیسائی تھے مگر عیسائیت کی یہ تعلیم نہیں ہے اسی طرح اگر کسی جگہ بعض مسلمان اپنے معاشی، سیاسی اور مذہبی حقوق کے لیے جدوجہد کرتے ہیں تو ان کو صرف بنیاد پرستی کہہ کر رد کر دینا کوئی معقول رویہ نہیں ہے۔(۶۵)

I do not differenciate between war and terrorism. Terrorism is war and war is terrorism. If you look at the historical role of violence in the world, we see that violence has had a profound effect on the history of the world . Regardless of one's thoughts on violence, it is impossible to understand the world in which we live, without examining which acts of violence have helped to create the world in which we now live. All the empires, of which the british empire was the most recent, now replaced by the American empire, we see that it too was built on violence and world conquest. When I was born in 1925,20% of the world's population was goverment by London. All of this was built on violence. If you look at all empires, Greek, Roman and so forth, all were built on violence, and could not exist had it not been for acts of violence (66)

اہل مغرب کی استحصال پسندی اور فکری جمود

اہل مغرب نے عالم اسلام کی تمام آبی گزرگاہوں پر یا تو قبضہ کر لیا ہے یا ان پر اپنی بالادستی قائم کر رکھی ہے۔ مغرب

نے اپنی خانہ زاد ایجنسیوں مثلاً یواین او اور عمودی تفوق اور جبری اجارہ داری کا سہارا لے کر تمام گزرگاہوں پر قبضہ کرلیا ہے۔

مغرب نے عمودی تفوق اور جبری اجارہ داری کا سہارا لے کر اس بات کی بھرپور کوشش کررہا ہے کہ عالم اسلام کی تمام معدنیات پر اپنی اجارہ داری قائم کرلے۔ مذکورہ قوتوں کا سہارا لے کر نئے حربوں سے سارے عالم کی زراعت پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ انہیں حربوں کا استعمال کرکے عالم اسلام کے تمام انسانی وسائل کو اپنا غلام اور اپنا ملک بنانے کی تدبیر ہورہی ہے۔ بعض مخصوص تدابیر عالم اسلام میں پائے جانے والے تمام عقلی، ذہنی اور فنی صلاحیتوں اور قوتوں پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے مغرب اسلام کا گلا گھوٹنا شروع کرچکا ہے ۱۹۱۶ء، ۱۹۳۳ء، ۱۹۴۸ء، ۱۹۵۱ء، ۱۹۶۷ء، اور ۱۹۶۹ء کی کاروائیوں ۱۹۷۸ء کے کیمپ ڈیوڈ معاہدہ ۱۹۹۱ء کے جنگ خلیج اور اسرائیل معاہدہ کی سازشوں سے یہودیوں نے دارالاسلام کے قلب یعنی دارالامن اور جزیرہ العرب کی کلی حصار میں لے لیا ہے۔

دنیا کی عسکری قوت ہو یا سیاسی قوت یہ سب یہودی مالی قوت کے زیرنگین ہوچکے ہیں۔ چنانچہ دنیا کی ساری دولت سارے وسائل و ذرائع دراصل ان کے مالی نظام کا حصہ بن چکے ہیں۔ اس وقت اگرچہ اس کلی اجارہ داری کو بعض مصلحتوں کے تحت تین ادارے چلارہے ہیں جو سراسر یہودی ہیں یعنی واحد قطب امریکہ، ماقبل کی تیسری قوت کا دوسرا شعبہ یعنی آئی ایم ایف اور عالمی بینک، اور تیسری قوت کا پہلا شعبہ براہ راست یہودی عالمی مالی نظام۔ (۶۷)

مضبوط معاشی ممالک کو یہ گوارا نہیں کہ دوسرے ممالک بھی اپنی معیشت مستحکم کریں چنانچہ اس مقصد کے لیے دنیا میں باقاعدہ جنگوں کے سلسلے شروع ہیں۔ عراق امریکہ جنگ کا ایک اہم پہلو بھی معاشی اجارہ داری کا قیام ہے۔

عربوں کا روایتی عدم اتحاد جسے مغربی طاقتیں جو عربوں کے تیل کی فراہمی پر اپنا کنٹرول رکھنے میں دلچسپی رکھتی ہیں جان بوجھ کر بڑھاتی ہیں۔ (۶۸)

مالیاتی کنٹرول کا حصول بھی اقتصادی دہشت گردی کا ایک حصہ ہے پوری دنیا کو مالی شکنجے میں کس کر اپنا غلام بنانا ہے تاکہ پھر ان سے مرضی کے کام لیے جاسکیں کریڈٹ کارڈ کا اجراء، ناپسندیدہ افراد اور ادارے چاہے وہ دینی ہو یا دنیوی کے اکاؤنٹ منجمد کرکے اور دوسری حکومتوں پر دباؤ ڈال کر اس طرح کے کام کروانا دراصل امریکہ اقتصادی دہشت گردی کو فروغ دے رہا ہے۔ اس کا اصل مقصد اپنی بالادستی ہے اور ایسی بالادستی جس کے آگے کسی کو بھی آواز اٹھانے کی طاقت نہ ہو۔

آئی ایم ایف بھی اس مالیاتی دہشت گردی کا ایک مہرہ ہے۔ آئی ایم ایف دنیا کے ۷۵ ممالک کے معاشی اور اقتصادی فیصلے کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان ممالک میں مغربی دنیا کے خلاف شدید نفرت پیدا ہورہی ہے۔ پاکستان ۸۸ تک آئی ایم ایف کے دامن کا اسیر نہ تھا۔ اس وقت صورتحال یہ تھی کہ ہماری مجموعی پیداوار کی شرح ترقی ۶٫۳ فیصد سالانہ تھی۔

غربت کی شرح ۱۷ فیصد، سرمایہ کاری کی شرح تقریباً ۱۸ فیصد اور صنعتی شرح نمو تقریباً ۱۱ فیصد تھی۔ مگر جب معیشت کو آئی ایم ایف نے ''سہارا'' دیا تو یہ صورتحال ہوگئی کہ سالانہ شرح ترقی ۴ فیصد، غربت کی شرح ۳۴ فیصد، سرمایہ کاری کی شرح ۱۵ فیصد اور صنعتی شرح نمو ۲ فیصد پر آ گئی (۶۹)

معاشی بالا دستی قائم کرنے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ چنانچہ کسی بھی ملک کو برداشت نہیں کہ دوسرے ملک کی معیشت سنبھل جائے۔

آج مغرب کی انسانی حقوق، تہذیب وتمدن، برداشت اور رواداری کی علمبردار دنیا فکری جمود وانتہا پسندی عدم برداشت اور اسلام دشمنی کے موروثی نظریات کے تحت دوہرا معیار قائم کیے ہوئے ہیں۔ جب ایک قوم ساری دنیا کے نظام کو یکساں شکل دینے کی ذمہ داری سنبھال لے تو یہ دوسروں کو اپنے خلاف متحد ہونے کی دعوت ہے۔ ایک ایسی دنیا میں جہاں اس کا امکان ہے کہ جوہری اسلحہ صدی کے اختتام سے پہلے وسیع پیمانے پر تقسیم ہو، یہ امریکی عوام کی قومی سلامتی کے لیے کوئی خوش کن راستہ نہیں ہے۔

امریکی یونیورسٹی میں سیاسیات کے پروفیسر ٹونی اسمتھ کہتے ہیں ''امریکی طرز حیات، اقدار اور اداروں کو روبہ عمل لانے کی کوشش ناکامی کا اندیشہ ہے۔ اس لیے نہیں کہ امریکی طاقت محدود ہے بلکہ اس لیے بڑے پیمانے پر اس کا استعمال بھی ان عقائد اور طریقوں میں اصلاح نہ کر سکے گا جو بنیادی طور پر امریکی طریقہ کے خلاف ہے۔ چین، مسلم دنیا یا روس کا امریکی مطالبوں کے آگے سپر ڈالنے کے لیے آمادہ ہونے کا آخر کیا امکان ہے؟ (۷۰)

کالیمر جانسن کہتا ہے کہ ''امریکی افسران اور میڈیا عراق اور شمالی کوریا جیسی سرکش ریاستوں کے بارے میں بہت کچھ کہتے ہیں لیکن ہمیں خود اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے کہ کہیں امریکہ خود تو ایک سرکش سپر پاور نہیں بن گئی۔ (۷۱)

سترہویں اور اٹھارہویں صدی تک یورپ میں بادشاہوں کے خلاف بغاوت کرنے والوں نے بھی چھوٹی موٹی دہشت گردی کی کارروائیاں کیں جن میں مسلمان کہیں ملوث نہیں تھے۔ امریکہ میں ابھرنے والی مزدوروں کی تحریک ملی گرے نے ۱۸۷۰ء سے ۱۹۱۰ء تک دہشت گردی کی بڑی کارروائیاں کیں۔

۱۸۸۶ء میں تاریخ کا پہلا بم دھماکہ ۱۹۰۵ء میں گورنراستان برگ کا قتل ۱۹۱۰ء میں لاس اینجلس ٹائمز بلڈنگ میں بم دھماکہ اس کی مثالیں ہیں۔ اس عرصے میں زار روس کے خلاف مارزوف کی سربراہی میں بننے والی تنظیم Noro da Naya Volv نے دہشت گردی کی بڑی کارروائیاں کیں۔ ۱۹۰۱ء میں بننے والی ایک اور روسی تنظیم Boevaya نے سرکاری وزرا کے قتل سمیت متعدد کارروائیاں کیں۔ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۱ء تک اس تنظیم نے ۲۰۰ سے زیادہ بڑی کارروائیاں کیں۔

جن میں روسی گورنروں اور بوننگی، بگڑ والوچ، وزیر داخلہ بلیف کے قتل سمیت اوپرا ہاؤس پر حملہ بھی شامل ہے۔ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۴ء تک یورپ میں بھی دہشت گردی عروج پر رہی۔ ۱۸۸۱ء میں بننے والی انارکسٹ انٹرنیشنل نے ۱۸۹۳ء میں فرانس کے رہائشی گھروں کو بم سے اڑا دیا۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہوگا کہ فدائی حملوں کی بنیاد بھی ۱۸۹۴ء میں اسی تنظیم نے چیمبر آف ڈیپٹیز میں خودکش بم دھماکے سے ڈالی۔ فرانسیسی صدر رکارنٹ اور اسپین کے وزیر اعظم انتونیو نواس، آسٹریلیا کی فرمانروا ملکہ الزبتھ، اٹلی کے بادشاہ امرتو دہشت گردی کی کارروائیوں کی بھینٹ چڑھے۔ چین میں جوئے بازوؤں اور اسمگلروں کی سرپرستی میں بننے والی Boxer Relelliorm نامی تنظیم دہشت گردی کی کارروائیاں کیں۔ (۷۲)

امریکہ نے خود ۱۳۰ ممالک میں مختلف اوقات میں مداخلت کی۔ (۷۳) عبدالمجید ساجد نے (۷۴)، ماہنامہ ساحل نے (۷۵) ولیم بیلم نے اپنی کتاب روگ سٹیٹ (۷۶) اور نوم چومسکی نے (۷۸) اپنی کتاب میں امریکی دہشت گردی اور مختلف ممالک میں مداخلت کی ۱۸۸۹ء تا ۲۰۰۳ء تک مکمل فہرست پیش کی ہے جسے پڑھنے کے بعد نوم چومسکی کے الفاظ بالکل صحیح معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ امریکہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ملک ہے۔ (۷۹)۔ امریکہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا واحد رکن ہے جس نے تنہا دو تہائی قرار دیں ویٹو کیں۔ باقی کا پچاس فیصد برطانیہ نے استعمال کیا (دونوں ممالک نے ۸۰ فیصد ویٹوز استعمال کیے۔ (۸۰) گویا انہوں نے ہمیشہ دیگر اقوام سے طاقت کی زبان میں بات کی ہے، مساوات کی بنیاد پر نہیں یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی دہشت گردی کے جواب میں دنیا بھر میں دہشت گردی کی لہر چل پڑی ہے۔ اس نظام کی ناکامی کا اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا ثبوت چاہیے لیکن امریکہ صدر وا اسٹیبلشمنٹ آج بھی اپنی عوام کو غلط رہنمائی کر رہے ہیں جس کا ثبوت جارج بش کا یہ بیان ہے کہ

Americams are asking why do they (terrorists) hat us they hate what we see right here in the chamber, a democratically elected government. Their leaders are self-appointed. they hate freedom, our freedom of religion, our freedom of speech, our freedom to vote and assemble and disagree with each other. (81).

ولیم بیلم کے بقول خود امریکہ دہشت گردوں کی جنت کہلاتا ہے۔ امریکہ جو دہشت گرد تنظیمیں موجود ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں (۱) آرین نیشنز Aryan Nations (۲) بلیک لبریشن Black Liberation Army (۳) کرسچن پیٹریوٹس ڈیفنس لیگ Christian Patriots League (۴) کووینٹ دی سورڈ اور آرم آف

لارڈ C.S.A(۵) جیوش ڈیفنس لیگ Jwesh Defence League(۶) کوکلس کلان Kukluxklan(۷) میچیٹروس Macheteros(۸) مووو Move(۹) نیونازی Noe Nazi(۱۰) نیوورلڈ لبریشن فرنٹ New World Liberation Front(۱۱) اومیگا Omega(۱۲) دی آرڈر The Order(۱۳) پوسے کومیٹیٹس Poss Comititus(۱۴) پورٹوریکن آرمڈ فورسز دی ریوولوشن Puerto Riccan Armed Forcess the Revolution(۱۵) اسکن ہیڈز Skin Heads(۱۶) سیمبونیز لبریشن Sembionese Liberation Army(۱۷) یونائیٹڈ فریڈم فرنٹ United Freedom(۱۸) ویدرانڈر گراؤنڈ Weather Under ground(۸۲)

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ سے دنیا کی تاریخ تبدیل ہوگئی ہے امریکہ کے خلاف پہلی بار اسلحہ اٹھایا گیا۔ یقیناً گیارہ ستمبر کا حملہ ایک ظالمانہ اقدام تھا لیکن غیر معمولی ہرگز نہیں تھا۔ برسوں سے دنیا اس سے کہیں زیادہ مظالم کا سامنا کر رہی ہے۔ امریکہ اور یورپ جسے چاہیں حملوں کا نشانہ بنائیں مگر وہ چاہتے تھے کوئی ان پر حملہ نہ کرے یہ امریکی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے کہ بندوقیں ان کی سمت سیدھی کی گئی ہیں۔ یقیناً یہ تاریخ کا ایک ڈرامائی موڑ ہے۔(۸۳)

بوسنیا، لبنان، افغانستان، کشمیر، فلسطین، عراق چیچنیا، اور دنیا کے دیگر خطوں میں مسلمانوں کا لہو کتنا ارزاں ہے۔ بین الاقوامی دہشت گردی، فرقہ واریت اور اسلحہ کی دوڑ انتہا پسندی کی ہی قبیح ترین شکلیں ہیں۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر انتہا پسندی کا رجحان لاقانونیت اور انارکی کا سبب بنتا ہے۔

مغربی دنیا نے ۱۴ اگست ۱۹۱۴ء کو جنگ عظیم اول کا میدان گرم کیا۔ جو بعد ازاں ۱۵۵۶ دنوں تک جاری رہی جس میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد تقریباً ۹ ملین، شدید زخمی ہونے والوں کی تعداد ۲۲ ملین، اپاہج اور معذور ہو جانے والوں کی تعداد ۶۵ ملین بتائی جاتی ہیں۔ اس جنگ پر ہونے والے اخراجات سے بیلجیم، روس، امریکہ، جرمنی، کینیڈا اور آسٹریلیا کے مکینوں کے لیے تمام آسائشوں اور لوازمات کے ساتھ ایک مکان بنایا جا سکتا ہے۔(۸۴)

جبکہ دوسری عالمی جنگ میں ۳۵ ملین انسان ہلاک ہوئے، ۲۰ ملین ہاتھ پاؤں سے معذور ہوئے، ۱۷ ملین لیٹر خون زمین پر بہایا گیا۔ ۱۲ ملین حمل ساقط ہوئے، ۱۳ ہزار پرائمری، سیکنڈری اسکول، ۶ ہزار یونیورسٹیاں، ۸ ہزار لیبارٹریاں ویران و برباد ہوگئیں۔(۸۵) امریکہ اور جاپان کی جنگ ۱۹۴۵ء میں امریکہ کی طرف سے جاپان پر دو چھوٹے بم گرائے گئے جس سے ہیروشیما میں ۷۰ ہزار افراد ناگاسا میں ۴۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔(۸۶)

امریکن نیشنل سیکورٹی کونسل کی رپورٹ میں اسلام کے تیزی سے مقبول ہوتے ہوئے رجحانات اور اسلام پسند

تحریکوں کے بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ پر بھی خصوصیات کے ساتھ گہری تشویش کا اظہار کیا گیا ہے اور ان کی موثر روک تھام کے لئے درج ذیل اقدامات تجویز کئے گئے ہیں۔

ا۔ مسلمانوں کو آپس کے جھگڑوں اور اختلافات میں مصروف رکھا جائے گا تا کہ وہ کوئی بڑی قوت نہ بن سکیں اور امریکی مفادات کے خلاف ان کی مزاحمت تقویت نہ پکڑ سکے۔

۲۔ ان ریاستوں کی حکومتیں تبدیل کروا دی جائیں گی جو نفاذ اسلام کے لئے سنجیدگی سے کوشش کر رہی ہیں۔ جن حکومتوں نے اسلام نافذ کرنے کی ابتدا کر دی ہے انہیں شرعی قوانین کے نفاذ سے روک دیا جائے گا اور شرعی قوانین کو بھی تبدیل کر دیا جائے گا۔

۳۔ مؤثر مشائخ اور علماء کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے رائے عامہ کو متاثر کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ اسلام پسند عناصر (بنیاد پرستوں) کو کسی ملک میں بھی تعلیمی اداروں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام تک رسائی حاصل کرنے اور رائے عامہ ہموار کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا

۵۔ خلیجی ریاستوں میں مسلمانوں کو روزگار کے مواقع فراہم نہیں کیے جائیں گے بلکہ

۶۔ تمام ممالک کے تعلیمی اور ثقافتی اداروں میں اصلاحات لائی جائیں گی۔ ذرائع ابلاغ کے پروگراموں کو وسعت دی جائے گی۔

۷۔ اسلام پسند عناصر اور اسلامی قیادت پر سختی سے نظر رکھی جائے گی۔

۸۔ وہ ممالک جو سوڈان اور پاکستان کی طرح اسلامی نظریات اور سوچ کے حامل ہوں گے انہیں اختلافات اور مسائل میں مبتلا کر دیا جائے گا۔(۸۷)

مسائل کا حل اور آپ ﷺ کی تعلیمات

آپ ﷺ محبت و رحمت کا عظیم پیکر تھے آپ ﷺ کی رحمت و شفقت سب کے لیے یکساں تھی۔ آپ ﷺ کی رحمت صرف آپ ﷺ کی امت کے لیے نہ تھی بلکہ آپ ﷺ کافروں کے لیے بھی رحمت اللعالمین تھے۔ سابقہ امتوں میں جو نبی مبعوث ہوئے وہ صرف ایک خاص قوم اور خاص مدت کے لیے تھے۔ ان کی تعلیمات کا تعلق اسی قوم اور اسی دور سے ہوتا تھا۔ مگر رسول اکرم ﷺ چونکہ تمام انسانیت اور تمام زمانوں کے لیے رسول بن کر آئے اس لیے آپ ﷺ کی تعلیمات میں اس قدر جامعیت ہے کہ قیامت تک کے انسان خواہ وہ کسی بھی قوم یا دور سے تعلق رکھتے ہوں ان تعلیمات سے رہبری حاصل کر سکتے ہیں۔

طلوع اسلام سے قبل جنگ و جدل، قتل خون، انتہا پسندی اور جمود کی کئی مثالیں ہمیں نظر آتی ہیں۔ بقول ''ایام العرب کا ایک سلسلہ ہے جو خون کی موجوں کی طرح سارے جزیرہ میں پھیلا ہوا تھا۔(۸۸) عربوں کے دور جاہلیت میں جذبۂ انتقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ عرب جو شراب پہ جان دیتے تھے انتقام لینے سے قبل اپنے لیے شراب پینا حرام سمجھتے تھے(۸۹) اسلام نے عرب کے چرواہوں کو جو ظلم و ستم کے عادی تھے انسان بنا دیا اور ان کے اندر رحم و کرم، حلم و تواضع پیدا کر دی۔ ان میں پریم کے جذبات پیدا کر دیئے یہ لوگ جاہل اور وحشی تھے مگر چند ہی روز میں ان حکمرانوں کو اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا۔ ہر مذہب یہ چاہتا ہے کہ دوسرے مذاہب ختم ہو جائیں اور ان سب کی جگہ ان کے مذاہب لے لیں اور ہر مذہب میں جبر و زبردستی داخل کرنا جائز ہے لیکن اسلام اور داعیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن ان دونوں چیزوں سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **لا اکراہ فی الدین ۔ قد تبین الرشد من الغی (۹۱)**

ترجمہ دین اسلام میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔

ا آپ ﷺ نے تمام عمر سنیاس (رہبانیت) اختیار کرنے کا اپدیش (تلقین) بھی نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ اس دنیا میں رہو اسے برتو اور یہ بھی بتایا کہ دنیا میں رہنے کے زرّیں اصول کیا ہیں اور یہاں رہ کر بھی ہمیں عزت اور شانتی کس طرح مل سکتی ہے۔(۹۲)

شریعت اسلامی دوسروں کے عقائد کا احترام کرتی ہے اور جبر و زبردستی سے عقائد کو دوسروں پر ٹھونسنے سے انکاری ہے جیسا کہ قرآن پاک میں رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا گیا ہے " **افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مئومنین (۹۳)** ترجمہ ''اب کیا تم زبردستی کرو گے لوگوں پر کہ با ایمان ہو جائیں''۔

یہی وجہ ہے کہ مورخین پورے یقین کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کسی قوم یا گروہ کو اسلام میں لانے کے لیے زبردستی نہیں کی۔ حالانکہ کئی صدیوں تک وہ دنیا کی سب سے طاقتور قوم تھے۔ زدبدتسوان اپنی کتاب ''تاریخ شارلکن'' اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

''مسلمان وہ واحد قوم ہیں جنہوں نے دینی غیرت اور رواداری کی روح کو دوسرے مذاہب سے تعامل کے دوران پیش نظر رکھا، انہوں نے اپنے دین کی اشاعت کی شدید خواہش کے باوجود ان لوگوں کو آزاد چھوڑا جو اپنے دین کو چھوڑ کر اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے تھے''۔(۹۴)

دور جدید میں عدل و انصاف کا فقدان، منشیات کا استعمال، گداگری، سفارش، قحبہ گری، جرائم، قتل، اغواء برائے تاوان، رشوت کی لعنت، دولت کی نمائش، کلاشنکوف، دہشت گردی، جوا و شراب نوشی، اسراف و تبذیر، سودی کاروبار، نوجوان طبقے میں

عریانی اور فحاشی کا فروغ، تشہیر ماڈرن خواتین کے نت نئے بدلتے فیشن اور جسموں کی نمائش، ویڈیو، سی ڈی پلیئر اور انٹرنیٹ کا ناجائز استعمال، طبقاتی کشمکش، معاشرتی اونچ نیچ، بے روزگاری، منافقت، جھوٹ، ذخیرہ اندوزی، پتنگ بازی، آتش بازی بالخصوص شادیوں اور شب برات کے موقعوں پر، تعلیم برائے فیشن، مہنگے اسکولوں میں بچوں کو داخل کرانا، موت کی فضول رسمیں، اتحاد کا فقدان، معاشرے میں غیبت کی کثرت اور فرقہ واریت یہ وہ معاشرتی اور سماجی برائیاں و مسائل ہیں جن سے آج پورا عالم اسلام دوچار ہے۔

حضرت محمد ﷺ کا پیغام عالمگیر اور آفاقی ہے۔ تعلیمات نبوی ﷺ میں ہمیں تمام انسانیت کے مسائل کا حل ملتا ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات آفاقی تعلیمات ہیں جو پورے عالم کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر فوقیت کی نفی کرتا ہے۔ یہ ایک ایسے معاشرہ اور ایسے نظام حکمران کو تشکیل دیتا ہے جس میں امیر غریب، کالا گورا سب کے سب آپس میں بھائی ہیں اور اور مساوی حقوق کے حامل ہیں اگر ان میں کوئی برتری رکھتا ہے تو صرف اور صرف تقویٰ کی بنیاد پر چاہے وہ امتیاز کسی کالے کو ہی کو کیوں نہ حاصل ہو۔

تہذیب مغربی آج اس واسطے دم توڑ رہی ہے کہ اس کے علمبرداروں نے قدرت کے خلاف بغاوت کی اس کی چمن بندی میں خلل ڈالا اس تہذیب کا سب سے زیادہ تباہ کن پہلو یہ ہے کہ اس نے روح و بدن میں افتراق پیدا کر دیا۔ حالانکہ انسان کی کامل شخصیت روح و بدن کی تالیف و امتزاج سے عبارت ہے ان کے متوازی ہونے سے نشو و نما بڑھتی ہے اور ثمرور ہوتی ہے۔ عیسائیت نے بھی یہی غلطی کی اس نے رہبانیت کے تیشے سے جسم کو گھائل کیا تاکہ روح پیدا ہو مگر اس غیر طبعی تعلیم کا وہی نتیجہ ہوا جو ہونا چاہیے یعنی روح کی شمع بھی افسردہ ہو کر رہ گئی اور اہل کلیسا میں مزاج خانقاہی پیدا ہو گیا جس سے خود حاسہ مذہب مجروح ہو گیا۔

اسلامی معاشرہ باہمی خیر و فلاح کا نظام دیتا ہے۔ اسلامی ہمدردی اور ایثار کا حکم دیتا ہے۔ مغربی دنیا جو حقوق انسانی کی نقیب بننے کی کوشش کر رہی ہے بوسنیا، روانڈا، افغانستان اور کشمیر میں انسانی خون کی ہولی کھیلتی ہوئی دیکھ رہی ہے اور خاموش ہے۔ مغربی دنیا جانوروں سے بے حد محبت کرتی ہے اور جانوروں کے آرام کے لیے کئی کلب کھول رکھے ہیں مگر بوسنیا میں مسلمانوں کی تذلیل اور قتل عام کا ان پر اثر تک نہیں ہوتا۔ مغربی تہذیب غالب تہذیب ہے اس لیے مسلم امہ اس تہذیب کی بھونڈی تقلید کرتی ہوئی نظر آ رہی ہے اور اس عمل میں اپنی کردار کشی کر رہی ہے۔ مغربی دنیا میں خاندان کا ادارہ تباہی کے کنارے پر پہنچ چکا ہے، ہم نے ان کی تقلید کر کے بھلا کیا سیکھا ہے؟

ان حالات میں اتباع رسول ﷺ میں ہی ہماری نجات ہے۔ نیک اور صالح مائیں ان سماجی اور معاشرتی برائیوں

کے خلاف اولاد میں نفرت پیدا کر سکتی ہیں۔اسلام نظام کا نفاذ ہی ہماری کامیابی کا راز ہے۔اسلامی معاشرہ بڑی تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو رہا ہے۔آپ ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا

یا ایھا لناس ! انی قد ترکت فیکم ماان اعتصمتم فلن تضلوا ابداً کتاب الله ' وسنة نبیه ﷺ (۹۵)

ترجمہ "اے لوگو! میں تمہارے پاس ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت"

"رہنمائے کارواں انسانیت ﷺ کی سیرت ضیاء میں انسانیت کے اضمحلال اور تھکان کا مداوا تلاش کریں"(۹۶)

آپ ﷺ کی تربیت کا یہ اثر تھا کہ حضرت زینبؓ ام المسلمین کہلائیں ،حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی گود میں حضرت فاطمہ جیسی ہستیاں پرورش پا سکتی ہیں ایلزبتھ ٹیلر کی گود میں محمد بن قاسم اور ٹیپو سلطان نہیں پل سکتے۔معلم اعظم ﷺ ہی اخلاق اور حکمت کا سرچشمہ ہیں انہی کی اتباع میں ہماری نجات ہے جن کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ **ویعلمکم الکتب والحکمة ویعلمکم مالم تکونو تعلمون۔ (۹۷)** ترجمہ "تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔"

مذہبی انتہا پسندی وفکری جمود کے رجحانات کا خاتمہ اور اعتدال پسندی اور روشن خیالی کا فروغ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

خاتم النبین ،سید المرسلین ،رحمت للعالمین ﷺ نبی رحمت ہیں۔آپ ﷺ کی پوری حیات مقدسہ اور سیرت طیبہ عفوو درگزر ،رحمت رافت اور مثالی مذہبی رواداری سے عبارت ہے۔انسانیت کے محسن اعظم ،ہادی عالم ،رحمت مجسم ،حضرت محمد ﷺ نے غیر مسلم اقوام اور اقلیتوں کے لیے مراعات ،آزادی اور مذہبی رواداری پر مبنی ہدایات اور عملی اقدامات تاریخ انسانی کے اس تاریک دور میں روا فرمائے کہ جب لوگ مذہبی آزادی ورواداری سے نا آشنا تھے اور مذہبی آزادی ورواداری کے مفہوم وتصور سے انسانی ذہن خالی تھا۔(۹۸) بحثیت مسلمان ہمارا عقیدہ کہ کرہ ارض پر ہماری کامیابی کا راز تعلیمات نبوی ﷺ میں مضمر ہے۔جب تک ہم اپنے سفر کا آغاز "منھاج النبوۃ" کی روشنی میں نہ کریں تو ہماری کامیابی ممکن نہیں بلکہ ناکامی قطعی اور یقینی ہے۔ہمیں بغیر لیت ولعل کے یہ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ تعلیمات نبوی ﷺ کے سوا ہمارا اور کوئی چارہ نہیں۔(۹۹)

ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں مذہب کے دو عالمی مراکز اور سپر پاور ساسانی اور بازنطینی حکومتوں کا مذہبی عدم رواداری کے حوالہ سے کردار مشہور یورپین مصنف ایچ جی ویلس (H.G.Wells) کے مطابق

"اب دنیا میں انسانوں کا کوئی ایسا طبقہ باقی نہیں رہا تھا جو زمانہ قدیم کے شرفاء کی طرح جرات اور آزاد خیالی کا حامی

ہوتا اور قدماء کی تحریروں کی طرح تلاش وتحقیق یا جرأت مندانہ اظہار خیال کا حامل ہوتا، اس طبقہ کے ختم ہونے کی خاص وجہ سیاسی اور سماجی افراتفری تھی۔ساتھ ہی ایک وجہ اور بھی تھی جس کے باعث اس عہد میں انسانی ذہن کند اور بنجر ہو چکا تھا۔ایران اور بازنطینہ دونوں مملکتیں ایک نئے انداز کی مذہبی حکومتیں تھیں جس میں آزادانہ اظہار خیال پر بھی کڑے پہرے بٹھا دیئے گئے تھے۔(۱۰۰)

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں

''آغاز اسلام کے وقت مذہبی تعصب وجمود اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ہر مذہب اپنے سوا باقی تمام مذاہب کو جھوٹے اور نجات کے لیے قطعی ناموافق سمجھتا تھا۔یہی نہیں بلکہ ستم ظریفی یہ تھی کہ اپنے مذہب کے اندر کسی کو آنے کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔مذہب کو نسل اور پیدائش سے محدود کر دینے کی خود غرضی ہٹ دھرمی یہودیوں میں بھی تھی اور ہندوستان میں بھی۔بلکہ انجیل متی کی روایت پر اعتماد کیا جائے تو خود عیسیٰ علیہ السلام فرما چکے تھے کہ میں صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لیے آیا ہوں۔مجھے باقی دنیا سے تعلق نہیں، اور اپنے حواریوں یعنی فرستادوں اور مذہبی مبلغوں کو بھی حکم دیا تھا کہ وہ چار دانگ عالم میں تو جائیں لیکن وہ تبلیغ عیسائیت صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں میں کریں۔(۱۰۱) اس پر مستزاد تصور یہ تھا کہ عمل کو کوئی اہمیت نہیں۔ہمارے ہم مذہبوں میں داخل رہنا ہی اتنا بڑا عمل ہے کہ وہ نجات ابدی کے لیے کافی ہے۔(۱۰۲)

انسانی جان کے احترام کے بارے میں روشن خیالی اور اعتدال پسندی

آج دنیا میں تحمل اور بردباری سے محرومی یعنی عدم برداشت انسانی معاشرے میں ایک خطرناک رخ اختیار کرتی چلی جارہی ہے۔اس کی وجہ سے وحشت اور دہشت کے سائے سنگین ہوتے جارہے ہیں۔ہیجان خیزی اور شورش پسندی کے باعث کہیں مذہب کو بنیاد بنا کر اور کہیں سیاسی گروہ بندی کے حوالے سے تشدد کا رجحان فروغ پا رہا ہے۔معمولی معمولی باتوں پر عزتیں لٹ جاتی ہیں اور انسانی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔مذہب سے بیگانگی اور دین سے دوری کے سبب لوگ راہ عمل کے بجائے راہ فرار اختیار کررہے ہیں۔عدم برداشت اور تشدد پسندی کے حوالے سے مذہبی حلقے آج سب سے زیادہ عدم توازن کا شکار ہیں۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

لا یومن احدکم حتی یحب لا خیه ما یحب لنفسه (۱۰۳)

ترجمہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ

کرے جو وہ اپنے لیے کرتا ہے'' کوئی بھی معاشرہ حرزِ جان بنالے تو وہ امن کا گہوارہ اور محبت کا گلستان بن جائے۔ ہر شخص اپنے لیے خوب صُورت، اعلیٰ اور بہتر بات کو پسند کرتا ہے۔

رسول اکرم نے برداشت وتحمل، حلم وبرداری اور حوصلہ وصبر اختیار کرنے کی نہ صرف تعلیم دی ہے بلکہ اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعے اس کی لازوال مثالیں قائم کی ہیں۔ لوگوں کی سخت کلامی، ان کا ناروا سلوک اور سخت ترین اذیت رسانی کے باوجود آپ ﷺ پر ایمان لایا اور اپنا آدھا مال صدقہ کر دیا اور غزوہ تبوک میں شہید ہو گیا۔ (۱۰۴)

قرآن مجید اسی طرف اشارہ کر رہا ہے'' **فبما رحمة من الله لنت لهم، ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك، فاعف عنهم واستغفرلهم (۱۰۵)**

ترجمہ (اے پیغمبر ﷺ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے۔ ورنہ اگر کہیں تم تندخو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب سے تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے'' اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے کمال برداشت، کمال حلم اور کمال عفو و درگزر کی تعریف فرمائی۔

عن ابی هریره قال، قال رسول الله ﷺ قال موسی ابن عمران علیه السلام یا رب من اعز عبادك قال، قال من اذا قدر غفرَ (۱۰٦)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جنابؑ میں عرض کیا پروردگار! آپ کے بندوں میں کون آپ کی بارگاہ میں زیادہ باعزت ہے؟ ارشاد فرمایا'' وہ بندے جو (قصوروار) پر قابو پانے کے بعد (اور سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود) اس کو معاف کر دیں''

عن عبدالله بن عمرؓ قال جآء رجل الی الی النبی ﷺ فقال رسول الله ﷺ کم اغفر عن الخادم ؟ فصمت عنه النبی ﷺ ثم قال یا رسول الله ﷺ کم اغفر عن الخادم؟ قال "قل یوم سبعین مرة" (۱۰۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے خادم (غلام یا نوکر) کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ ﷺ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے اس نے وہی عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے خادم (غلام یا نوکر) کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' ہر روز ستر دفعہ''

رحم دلی ایک اعلیٰ اخلاقی صفت ہے۔ اسی رحم دلی کی ایک شاخ مجرم اور قصوروار کو معاف کر دینا اور قدرت رکھنے کے

باوجود انتقام نہ لینا ہے۔عفو ودرگزر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی صفت ہے اللہ تعالیٰ کے خاص خاص ناموں میں سے عفو ودرگزر کرنے والا، غافر اور غفار (معاف کرنے والا) ہیں۔

وهو الذی يقبل التوبة عن عباده ويعفوا عن السيات (۱۰۸)

ترجمہ اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور برائیوں کو معاف کرتا ہے

آپ ﷺ نے اپنی امت کو عفو ودرگزر کی تعلیم دی ہے۔ مذکورہ بالا احادیث میں بھی آپ کی یہی تعلیم واضح ہو رہی ہے۔ایک اور حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ "مجھے میرے رب نے نو باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے اور ان میں سے ایک بات آپ نے یہ ذکر فرمائی کہ " **والعدل فی الرضا والغضب (۱۰۹)** ترجمہ "اور غضب اور رضا دونوں حالتوں میں انصاف کروں"۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے بیان کیا کہ " **یامحمد ان الله یا مرك ان تصل من قطعك وتعطی من حرمك وتعفو عمن ظلمك (۱۱۰)**

ترجمہ ! اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ جو آپ ﷺ سے قطع رحمی کرے اس سے آپ ﷺ صلہ رحمی کریں جو آپ ﷺ کو محروم رکھے اس کو آپ ﷺ عطا کریں اور جو آپ ﷺ پر ظلم کرے اس سے آپ ﷺ عفو ودرگزر کریں۔ صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

آپ کی سیرت کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنے معاملات میں اسی ارشاد پر عمل فرمایا اور اپنے بڑے بڑے دشمنوں کی خطائیں بھی معاف فرمادیں۔لیکن یہ بات واضح رہے کہ آپ کا یہ طرزِ عمل ذاتی اور نجی حقوق و معاملات کے معاملہ میں تھا لیکن وہ جرائم جن کا تعلق حدود اللہ سے تھا اور جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سزا مقرر کی گئی تھی اگر کوئی شخص اس حد کو توڑتا تھا تو آپ ﷺ اس کو ضرور سزا دیتے تھے کیونکہ اس کی سزا معاف کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے معاملے میں جو طرزِ عمل اختیار فرمایا وہ بھی عفو ودرگزر کی اعلیٰ مثال ہے۔اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے طرز عمل سے عفو ودرگزر کی ایک اعلیٰ مثال قائم فرمائی اور اسی مثال کا اعادہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن قریش کے ان سرغنوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا جو برابر آپ ﷺ کی دشمنی میں سرگرم رہے تھے۔(۱۱۱)

جب آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا تو آپ ﷺ ظالموں سے ایک ایک ظلم کا بدلہ لے سکتے تھے۔اس کے باوجود رحمت عالم ﷺ نے عفو ودرگزر کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ جب یہ لوگ آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے سوال کیا تم جانتے ہوئے کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ وہ بولے آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔آپ ﷺ نے پیغمبرانہ جلال کے ساتھ سب کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ

میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ **لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الرحمین اذھبوا فانتم الطلقآء (۱۱۲)**

ترجمہ! آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تعالیٰ تمھارے سارے گناہوں کو معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے جاؤ چلے جاؤ میری طرف سے تم آزاد ہو۔

دشمنوں سے انتقام لینا انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور بالخصوص ان لوگوں سے جنہوں نے گھر چھین لیا ہو زمین تنگ کر دی ہو، وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہو، پیاروں کا خون کیا ہو، لیکن فتح یاب ہو کر برداشت، تحمل اور عفو و درگزر سے کام لے کر خون کے پیاسوں کو معافی نامہ دے کر تاریخ عالم پر ''رحمت عالم'' کا نقش دوام ثبت فرما دیا۔ سعد بن عبادہ کی طرف سے جب یہ آواز آئی ''**الیوم یوم الملحمة**'' یعنی آج کا دن قتل و غارت کا دن ہے، تو نبی مکرم ﷺ نے فرمایا سعد نے غلط کہا'' **الیوم یوم المرحمة** ''یعنی آج کا دن رحمت کا دن ہے'' (۱۱۳)

عرب اپنے بھائیوں کا خون بہانا ایک معمولی بات سمجھتے تھے، مگر حضرت محمد ﷺ کی تعلیم سے ایسے دیالو (رحمدل) ہو گئے کہ دنیا کی کھوئی ہوئی سلامتی اور اس کا امن دوبارہ قائم ہو گیا اور خود بھی شانتی (امن) کے محافظ بن گئے۔ (۱۱۴)

حضرت محمد ﷺ رحمدل بھی تھے اور سخت بھی۔ اگر ایک غریب پریشان حال یتیم کو دیکھتے تو آپ ﷺ کو رحم آ جاتا مگر ظالم اور امن کے دشمن کے مقابلہ پر وہ سختی سے کام لیتے۔ اس وقت آپ ﷺ کے پاس ظالم کے لیے رحم نہ ہوتا۔ ایشور نے ہر دے (قلب) کو پوتر (پاکیزہ) بنایا تھا۔ وہ بہت دیالو (رحمدل) تھے۔ پرنتو (مگر) انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ وہ عرب کے فاتح اعظم تھے مگر مفتوح اقوام کے لیے پیغام رحم و کرم تھے۔ جن لوگوں نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں پر ظلم کیا تھا، اگر آپ ﷺ چاہتے تو ان کو سولی پر چڑھوا دیتے لیکن آپ ﷺ نے ان کی ساری برائیاں معاف کر دیں اور ان سے انتقام نہیں لیا۔ یہ ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے جس کی مجھے نظیر نہیں ملتی۔ (۱۱۵) اسلامی تعلیمات مخلوق خدا پر رحم کی ترغیب دیتی ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ ''رحم کرنے والوں پر رحم کیا جاتا ہے تم زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا (۱۱۶) اور ایسا نہ کرنے والوں کو خدا کی رحمت سے محروم قرار دیتی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا'' (۱۱۷)

یہ تعلیمات صرف انسانوں کی ہی نہیں بلکہ ہر ذی روح کی ناحق کو ایذا رسانی سے منع کرتی ہیں اور انسانوں کو اس کے لیے اللہ کے پاس جواب دہ ٹھہراتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جو شخص چڑیا یا کسی جانور کا ناحق قتل کرے تو وہ اس سے متعلق اللہ کے پاس جواب دہ ہوگا عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ اس کا کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا حق یہ ہے کہ

سے کھانے کے لیے ذبح کرے اس کا سر جدا کر کے اسے پھینک نہ دے" (۱۱۸) اسلام کی تعلیمات پوری بنی نوع انسان کو اللہ کا کنبہ قرار دیتے ہوئے مخلوق خدا کے ساتھ احسان وشفقت کو لازم ٹھہراتی ہے۔ (۱۱۹) آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ "پوری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین شخص وہ ہے جو اس کے اس کنبے کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے۔ (۱۲۰)

انسانی تمدن کی بنیاد جس قانون پر قائم ہے اس کی سب سے پہلی دفعہ یہ کہ انسان کی جان اور اس کا خون محترم ہے۔ انسان کے تمدنی حقوق میں اولین حق زندہ رہنے کا حق۔ اور اس کے تمدنی فرائض میں اولین فرض زندہ رہنے کا فرض ہے۔ دنیا کی جتنی بھی شریعتیں اور مہذب قوانین ہیں ان سب میں احترام نفس کا یہ اخلاقی اصول ضرور موجود ہے۔ جس قانون اور مذہب میں اسے تسلیم نہ کیا گیا ہو وہ نہ تو مہذب انسانوں کا مذہب و قانون بن سکتا ہے نہ اس کے ماتحت رہ کر کوئی انسانی جماعت پُر امن زندگی بسر کر سکتی ہے نہ اسے کوئی فروغ حاصل ہو سکتا ہے۔ ہر شخص کی عقل خود سمجھ سکتی ہے کہ اگر انسان کی جان کی کوئی قیمت نہ ہو تو اس کا کوئی احترام نہ ہو، اس کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ ہو، تو چار آدمی کیسے مل کر رہ سکتے ہیں ان میں کس طرح باہم کاروبار ہو سکتا ہے۔ (۱۲۱)

احترام نفس کی جیسی صحیح اور موثر تعلیم اسلام میں دی گئی ہے وہ کسی دوسرے مذہب میں ملنی مشکل ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ مختلف پیرایوں سے اس تعلیم کو دل نشین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے "**لا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذلک یلق اثاماً (۱۲۲)**

ترجمہ وہ اس جان کو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے بغیر حق کے ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ کیے کی سزا پائے گا"

آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ **کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ و عرضہ (۱۲۳)**

ترجمہ ہر مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت۔

اسلام کسی ایک شخص کی جان بچانے کو پوری انسانیت کی جان بچانے اور کسی ایک شخص کی ہلاکت کو پوری انسانیت کی ہلاکت سے تشبیہ دے کر ایک طرف احترام انسانیت، تحفظ انسانیت اور بقائے انسان کی ضمن میں اپنی تعلیمات کا خلاصہ پیش کر رہا ہے اور دوسری طرف انسانوں کو باہمی تعامل میں کسی بھی طرح انسانیت کش سوچ اور سفاکانہ رویے کو انتہائی واضح اور غیر مبہم الفاظ میں مسترد کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "جس انسان نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین پر فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ

سے قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی زندگی بچالی تو اس نے تمام انسانوں کو بچالیا (۱۲۴)

علامہ فخر الدین زرزری اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی ایک انسانی جان کے اتلاف کو پوری انسانیت کے قتل سے تشبیہ دے دینا اس بھیانک جرم کی سنگینی اور شدت کو بہ ایں طور پر واضح کرنا ہے کہ جس طرح پوری انسانیت کا قتل ہر کسی کے نزدیک ہولناک سنگین جرم ہے اسی طرح کسی ایک انسانی جان کا اتلاف بھی اس قدر سنگین اور ہولناک جرم سمجھنا چاہیے"۔(۱۲۵)

آج دنیا کے مہذب قوانین میں حرمت نفس کو جو درجہ حاصل ہوا ہے وہ اس انقلاب کے نتائج میں سے ایک شاندار نتیجہ ہے جو اسلامی تعلیم نے دنیا کے اخلاقی ماحول میں برپا کیا تھا۔ ورنہ جس دور تاریک میں یہ تعلیم اتری تھی اس میں انسانی جان کی فی الحقیقت کوئی قیمت نہ تھی۔ عرب کی خونخواریوں کا نام تو اس سلسلہ میں دنیا نے بہت سنا ہے، مگر ان ممالک کی حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی جو اس زمانہ میں دنیا کی تہذیب و شائستگی اور علم و حکمت کے مرکز بنے ہوئے تھے روم کے کولوسیم (Collosseum) کے فسانے اب تک تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں جس میں ہزاروں انسان شمشیر زنی (Gladiatory) کے کمالات اور رومی امراء کے شوق تماشا کی نذر ہو گئے۔

مہمانوں کی تفریح کے لیے یا دوستوں کی تواضع کے لیے غلاموں کو درندوں سے پھڑوا دینا یا جانوروں کی طرح ذبح کرا دینا، یا ان کے جلنے کا تماشا دیکھنا، یورپ اور ایشیا کے اکثر ممالک میں کوئی معیوب کام نہ تھا۔ قیدیوں اور غلاموں کو مختلف طریقوں سے عذاب دے دے کر مار ڈالنا اس عہد کا عام دستور تھا۔ باپ کو اپنی اولاد کے قتل کا پورا حق تھا اور رومی قوموں کو اپنے قانون کی اس اس خصوصیت پر فخر تھا کہ اس میں اولاد پر باپ کے اختیارات اس قدر غیر محدود ہیں۔ حکماء رواقیین (Stoics) کے نزدیک انسان کو خود اپنے آپ کو قتل کرنا کوئی برا کام نہ تھا۔ بلکہ ایسا باعزت فعل تھا کہ لوگ جلسے کر کے ان میں خودکشیاں کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ افلاطون جیسا حکیم بھی اسے کوئی بڑی معصیت نہ سمجھتا تھا۔ شوہر کے لیے اپنی بیوی کا قتل بالکل ایسا تھا جیسے وہ اپنے کسی پالتو جانور کو ذبح کر دے۔ اس لیے قانونی یونان میں اس کی کوئی سزا نہ تھی۔ جیون دکھشنا کا گہوارہ ہندوستان ان سب سے بڑھا ہوا تھا۔ یہاں مرد کی لاش پر زندہ عورت کو جلا دینا ایک جائز فعل تھا اور مذہباً اس کی تاکید تھی۔ شودر کی جان کوئی قیمت نہ رکھتی تھی اور صرف اس بنا پر کہ وہ غریب برہما کے پاؤں سے پیدا ہوا ہے اس کا خون برہمن کے لیے حلال تھا۔ وید کی آواز سن لینا شودر کے لیے اتنا بڑا گناہ تھا کہ اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسا ڈال کر اسے مار ڈالنا نہ صرف جائز تھا بلکہ ضروری تھا۔ "جل پردا" کی رسم عام تھی جس کے مطابق ماں باپ اپنے پہلے بچہ کو دریائے گنگا کی نذر کر دیتے تھے اور اس فساد کو اپنے لیے موجب سعادت سمجھتے تھے۔ ایسے تاریک دور میں اسلام نے آواز بلند کی کی لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا

بالحق۔انسانی جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل نہ کرو مگر اس وقت جب کہ حق اس کے قتل کا مطالبہ کرے(۱۲۶)
انسائیکلو پیڈیا بری ٹانکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ" آپ ﷺ کی سیرت کا سب سے نمایاں پہلو جو ایک حیران کن متاثر کرنے والا تضاد یہ ہے کہ عظیم فتوحات کے باوجود محمد (ﷺ) کی انسانیت اور انسانیت نوازی میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہوتا چلا گیا"۔(۱۲۷)

عہد نبوی ﷺ کے آغاز پر عرب قبائل میں انتقام در انتقام کا سلسلہ تھا۔ایران و یونان کی ہزار سالہ کشمکش بھی یہی بتاتی ہے۔ہندوستان میں برہمنی اور بدھ مت کی کشاکش بھی ایسی ہی چیز تھی۔اہل مکہ نے رسول ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر ہر قسم کا ظلم وستم روا رکھا۔آپ ﷺ نے جب اصلاح کی بہی خوانہ دعوت دی تو اس کا جواب عربوں جسمانی اور روحانی تکالیف دے کر کر دیا۔آپ ﷺ کو ملک ملک بدر ہونے پر مجبور کیا گیا اور آپ ﷺ کے صحابہ کی جائیدادیں زبردستی چھین لی گئیں۔ مسلمانوں کو جلاوطن ہونے پر بھی چین نہ لینے دیا۔بدر،احد،خندق اور روز افزوں شدت سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو فنا کرنے کے لیے دوڑے۔جب برسوں کی غیر منقطع کشمکش کے بعد مسلمانوں نے مکہ پر قبضہ کر لیا تو کیا اس دور کے رواج کے مطابق مکہ میں قتل عام نا مناسب تھا۔کیا مکہ والوں کو پوری جائیداد کی ضبطی نا جائز ہوتی؟ مکہ والوں کو قیامت تک کے لیے غلام اور اچھوت دینے میں کیا زیادتی سمجھی جاتی؟ لیکن یہ سب کچھ کرنے کی بجائے آپ ﷺ نے انتقام در انتقام کے سلسلہ کو اس اعلان کے ساتھ بند کر دیا

الا کل شی من امر الجاھلیہ تحت قدمی موضوع وان کل دم فی الجاھلیہ موضوع (۱۲۸)

ترجمہ! "خبردار! دور جاہلیت کا سارا (ظالمانہ اور استحصالی) نظام میں نے اپنے پاؤں سے روند ڈالا۔نظام جاہلیت کے سارے خون (قصاص، دیت اور انتقام) کالعدم قرار دیئے جاتے ہیں اسی موقع پر آپ ﷺ اپنے خاندان میں ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل بھی کیا۔
حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ" آپ ﷺ نے تمام زندگی اپنے اوپر کی گئی زیادتی کا بدلہ نہیں لیا بجز اس کے خدائی حرمت کو پامال کیا گیا ہو پس اس صورت میں آپ ﷺ سختی سے مواخذہ فرماتے تھے"۔(۱۲۹)

عربوں میں بدلے کا دستور عام تھا،ایک خون ہو جاتا تو انتقام کا لامتناہی سلسلہ چھڑ جاتا۔صرف عرب ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں خادموں اور غلاموں کے ساتھ حد درجہ برا سلوک کیا جاتا۔(۱۳۰) آپ ﷺ نے تمام زندگی اپنے اوپر کی گئی زیادتی کا بدلہ نہیں لیا، بجز اس کے کہ خدائی حرمت کو پامال کیا گیا ہو۔ پس اس صورت میں آپ ﷺ سختی سے مواخذہ

فرماتے تھے۔(۱۳۱)

کہاں تک ہم سے لو گے فتح ایوبی دکھاؤ گے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کب تک

(علامہ شبلی نعمانی)

مذہبی وقومی روشن خیالی واعتدال پسندی کا اصول

فرقہ بندی کے خلاف قرآن کا اعلان ہے کہ **واعتصمو بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا**۔ (۱۳۲)

ترجمہ۔''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ کرو''

مسلمانوں میں تفرقہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑ دیں پھر عداوت، خود غرضی، حسد کینہ اور بغض جیسی برائیاں جنم لے کر مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف کر دیتی ہے۔(۱۳۳)

بین الاقوامی عصبتوں کو تو چھوڑیئے اگر طلوع اسلام کے وقت کی عربی عصبیتوں کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ کس طرح عدنانی اور قحطانی قبائل کا باہمی تعصب شدید تھا۔ پھر عدنانیوں میں مضر اور ربیعہ کی کشمکش تھی۔ پھر قریش اور غیر قریش کا فرق تھا۔ پھر قریش کے اندر بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابتیں تھیں۔ اس کے علاوہ شہری اور بدوی کا جھگڑا الگ تھا۔ آج جو نفرت فلسطینیوں اور یہودیوں کے درمیان ہے یا ہندوؤں اور کشمیریوں کے درمیان ہے وہ اس نفرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں جو قبل از اسلام عرب قبائل کے مابین تھی۔ ان حالات میں اسلام کا آغاز ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات تنگ نظریوں اور عصبیتوں کے خلاف ایک دوسری بلندی پر تھی۔ ان کے مطابق عرب وعجم، عدنان وقحطان وغیرہ سب کا ایک ہی خدا ہے۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور گورے کالے ہونے یا زبانوں اور وطنوں کا فرق رکھنے سے فطری مساوات میں کوئی فرق نہیں۔ اگر کوئی برتری ہے تو صرف ہر ایک کے ذاتی اعمال واخلاق کے باعث ہے۔(۱۳۴) آپ ﷺ نے فرمایا طاقتور وہ نہیں جو کسی دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ اصل طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت خود پر قابو رکھے۔(۱۳۵) ''رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تین باتوں سے خدا خوش ہوتا ہے ایک تو یہ کہ اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کی رسی کو اتفاق سے پکڑو اور فرقوں میں نہ بٹو''(۱۳۶)

رسول اللہ ﷺ نے عصبیتوں کے خاتمہ کے لیے عربوں کے تقریباً تمام اہم قبائل میں شادیاں کیں۔ اسوۂ رسول ﷺ کا اثر یہ ہوا کہ آقا وغلام، قریشی وغیر قریشی، عربی وعجمی، حبشی ورومی وایرانی ایک ہی صف میں شانہ بشانہ رہتے تھے اور قدیم جاہلی اختلافات کا ذرا سا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ دنیا میں ایک طرف انسان نے بھائی چارے کو اتنا بھلا دیا تھا کہ دوسرے

بھائی کو چھونا تو درکنار اس کا سایہ بھی اپنے سائے پر پڑنے دینا گوارا نہ کر سکتا تھا۔علم وعرفان کے متعلق اتنی خودغرضی تھی کہ کوئی جنبی چھونا تو درکنار محض سن بھی لیتا تو سزا میں پگھلتا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں ڈال کر اسے ہلاک کر دیا جاتا تھا۔انسان کے اصولی وفطری مساوات پر پرہیز گاری کے اکتسابی فضیلت و برتری کے نئے نظریے نے وہ تمام مصنوعی اور انسان ساز بت ملیا میٹ کر دیئے جواب بھی غیر اسلامی سماجوں میں موجود اور انسانوں میں نہ ختم ہونے والی تلخی اور فساد وانگیزی پیدا کر رہے ہیں۔ (۱۳۷)

آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ جس اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔اللہ تعالیٰنے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمۃ اللعالمین (۱۳۸) بنا کر بھیجا ہے۔اسلام نے مکمل آزادی دی ہے جو چاہے اسلام قبول کرے جو چاہے کفر اختیار کرے (۱۳۹) آپ ﷺ نے امت مسلمہ کو بھی رواداری اختیار کرنے کا حکم دیا ہے

شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اس کا   یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

(۱۴۰)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وعن عبداللہ بن مسعود قال، قال رسول اللہ ﷺ شباب المسلم فسوق وقتالہ کفر (۱۴۱) پس رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں مختلف گروہوں کا ایک دوسرے کو گالی دینا اور پھر مسلمانوں کا آپس میں قتل کفر قرار دیا گیا۔آپ ﷺ کا فرمان ہے ہر مسلمان کا دوسرا مسلمان پر حرام ہے اس کا مال اس کا خون اور اس کی عزت۔(۱۴۲)

روشن خیال واعتدال پسند اسلامی معاشرہ

فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ نرم ومہربان ہے اور نرمی اور مہربانی کو پسند کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نرمی پر وہ چیز دیتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا اور کسی اور چیز پر دیتا ہے۔نرمی جس چیز میں ہو تو اس کو زینت دے گی جس چیز سے بھی اٹھ جائے گی اس کو بدنما اور عیب دار بنا دے گی۔من یحرم الرفق یحرم الخیر کلہ۔ترجمہ ''جو شخص نرمی سے خالی ہو گیا وہ ہر بھلائی سے خالی ہو گیا'' (۱۴۳) اسی طرح آپ ﷺ نے اس شخص پر آگ کو حرام قرار دیا جو لوگوں کے قریب ہو اور نرم اور آسان ہو۔(۱۴۴)

مطلب یہ ہے کہ اسلام بات چیت اور معاملات میں سختی اور درشتی سے منع کرتا ہے بلکہ نرمی اور سہولت کا حکم دیتا ہے۔ آپ ﷺ کی نرم دلی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت قرار دیا ہے اور فرمایا کہ ''اگر آپ ﷺ سخت دل اور مزاج کے سخت ہوتے تو لوگ آپ ﷺ سے تتر بتر ہو جاتے۔(۱۴۵) دور نبوی ﷺ میں جب مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت آپ ﷺ کی رہنمائی میں مکے سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچی تو آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کی مدد سے ایک اسلامی فلاحی ریاست اور معاشرہ

قائم فرمایا۔(۱۴۶)

یہ وہ فلاحی معاشرہ تھا جس کی نظیر آج تک ہمیں نہیں ملتی۔ اس معاشرہ میں ہمیں عدل وانصاف کا دور دورہ ملتا ہے۔ یہاں پر عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ محسن انسانیت نے فلاح انسانیت کے لیے بے بہا موتی نچھاور فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں خیر و فلاح کا مظاہرہ فرمایا۔

اگر ہم ناروے' سویڈن' ہالینڈ' جرمنی' سوئٹزرلینڈ اور برطانیہ جیسے ممالک کا مطالعہ کریں تو ہمیں اس بات کا کھوج ملتا ہے کہ ان ممالک نے فلاحی ریاستیں تو قائم کر دیں مگر وہ معاشرے میں پاکیزگی اور عفت کا نظام قائم کرنے میں ناکام رہے۔ جبکہ یہ کام رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور مبارک میں مکمل ہو گیا۔ آج کل کی جدید فلاحی ریاستوں میں جو نمایاں خدوخال ملتے ہیں وہ تصورات آج سے ۱۴۰۰ سال سے زیادہ عرصہ قبل ہمیں حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین نے دیئے۔ ایسا معاشرہ قائم ہوا جس کی بنیاد خیر سگالی' اخوت' موانست' مودت' خیر خواہی اور فلاح انسانیت پر رکھی گئی۔ حضرت عمرؓ نے تو دیوان عمر میں پیدا ہونے والے بچوں کا ان کی پیدائش سے قبل وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ایسا تصور اب بھی یورپ کی کسی فلاحی ریاست میں نظر آتا۔

During his life as both religious leader and statesman, the prophet Muhammad (Peace be upon him) showed great sensitivity and respect in dealing with the people of the book, the Jews and the Christians. In the true spirit of divine revelation, the Holy Quran, with which he had been entrusted, Prophet Muhammad forbade harming non-Muslims and asked Muslims to treat them well. He once said, He who harms a Jew or a Christian will find me his opponent on the Day of Judgment. (147)

ایک دفعہ قبیلہ قریش کی ایک با اثر عورت سے چوری سرزد ہو گئی۔ نبی پاک ﷺ نے اس عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ ایک صحابی نے اس عورت کی سفارش کرنا چاہی تو حضور ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے عدل و انصاف کا وہ فلسفہ پیش کیا جس کی تاریخ میں ہمیں نظیر نہیں ملتی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم سے پہلی قومیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ جب ان میں سے کوئی با اثر آدمی جرم کرتا تو وہ اثر و رسوخ کی وجہ سے سزا سے بچ جاتا تھا اللہ کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ یہ جرم کرتی تو وہ بھی اس سزا سے نہ بچ سکتی" (۱۴۸)

روشن خیال واعتدال پسند اسلامی وفلاحی معاشرے کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ تمام عالم انسانیت تک اسلام کی دعوت پہنچے۔اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بہترین امت قرار دیا ہے۔کیونکہ یہ امت لوگوں کی نفع رسانی کا فریضہ انجام دیتی ہے آج یہ عالم ہے کہ ہم نے اپنی قسمت کے فیصلے امریکہ اور یورپ کے سپرد کر رکھے ہیں اور خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے اپنے مسلم بھائیوں کے کشت وخون کے مناظر دیکھ دیکھ کر نجانے کیا سوچ رہے ہیں۔فلاحی انسانی معاشرے میں علم وحکمت کی ترویج نہایت ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو تمام علوم کا سرچشمہ قرار دے کر آپ ﷺ کو معلم انسانیت کے منصب پر سرفراز کیا۔یہی وہ چیز تھی جس نے کم وبیش سات صدیوں تک مسلمانوں کو دنیا علمی امام بنائے رکھا۔یہ وہ دور تھا جب یورپ کی دنیا تاریکیوں کے عہد سے گزر رہی تھی اور مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ایجادات پر ایجادات کیے چلے جارہے تھے۔امن وامان کا قیام بھی فلاحی معاشرے کے لیے اہم اقدام ہے۔سیرت طیبہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم انسانیت کے لیے امن واخوت کے پیامبر بن کر آئے تھے۔

اسلامی معاشرہ میں معاشی روشن خیالی و رواداری

سودی نظام معیشت میں محنت کے مقابلے میں سرمایے کی افادیت کہیں زیادہ ہے اس لیے محنت کش اور کارکن طبقہ مسلسل غریب سے غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے اور سرمایہ دار مختلف طریقوں سے اس کی دولت ہتھیاتا چلا جاتا ہے۔اس طرح معاشی نظام مفلوج ہوکر رہ جاتا ہے۔معاشرہ میں دولت کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو انسانی جسم میں خون کی اگر سارا خون دل میں جمع ہو جائے تو پورے اعضائے جسم مفلوج ہو جاتا ہے۔بھاری ٹیکسوں کی ادائیگی کے خوف سے سرمایہ چھپانے کا رجحان بڑھتا ہے جس سے ملکی معیشت کمزور ہو جاتی ہے۔(۱۴۹)

حضور نبی اکرم ﷺ نے سود کو استحصالی نظام قرار دے کر اسے کلیۃً مسترد بلکہ ختم کرنے کا اعلان فرمایا۔حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

ان کل ربا موضوع ولکن کلم روس اموالکم لا تضلمون ولا تظلمون قضی اللہ انہ لا ربا (۱۵۰)

ترجمہ ''بے شک آج سے ہر قسم کا سود (اور سارا سودی نظام) منسوخ کیا جاتا ہے تم راس المال کے سوا نہ کچھ لے سکتے ہو اور نہ کچھ دے سکتے ہو۔نہ تم سودی لین دین کی شکل میں ایک دوسرے پر ظلم کرو اور نہ قیامت کے دن تم پر ظلم کیا جائے گا۔یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ سود (اور اس پر مبنی ہر قسم کا اقتصادی استحصال) ممنوع ہے''۔

سود معاشی ظلم کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے سود کی ہر شکل چاہے وہ مفرد ہو یا مرکب، ذاتی طور پر لیا جائے یا تجارتی و پیداواری قرضوں پر حرام قرار دیا اور اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اعلان جنگ قرار دیا۔ اسلام نے ارتکاز دولت کو ممنوع کیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے کہ **کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم (۱۵۱)** ترجمہ ''ایسا نہ ہو کہ یہ (مال و دولت) تمہارے دولت مندوں میں ہی گردش کرتی رہے''۔

اسلام نے ارتکاز دولت کو روکنے کے لیے نظام زکوٰۃ وعشر اور وراثت کا قانون دیا۔ جس میں مرنے کے بعد مورث کی جائیداد حقداروں کی ملکیت میں منقسم ہو جاتی ہے۔ حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ نے بیوی کے مہر کو جبراً معاف کرانا بھی صریحاً ظلم قرار دیا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں سود کے خاتمہ اور زکوٰۃ کے نفاذ، تجارت کی آزادی، معاشی اجارہ داریوں کا خاتمہ اور اقتصادی محکموں کی نفی کی گئی ہے تاکہ ہر آدمی آزادی سے اپنا رزق تلاش کر سکے اور دوسرا اس کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ اسلام نے عالمگیر سطح پر ہر انسان کے معاشی حقوق بلا تفریق تسلیم کیے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کا پیغام عالمگیر اور آفاقی ہے، جس سے نسل انسانیت کی روحانی تربیت ہو سکتی ہے۔ محسن انسانیت نے غلامی کو بتدریج ختم کیا تھا۔ مگر مغربی دنیا نے ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف جیسے اقتصادی اداروں سے مسلم ممالک کو نئی قسم کی معاشی اور اقتصادی غلامی میں جکڑ لیا اور معاشی ناہمواریاں پیدا کر کے انسانیت کی فلاح کے بجائے ان کی معاشی بربادی کا سامان پیدا کر دیا۔ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ مسلم امہ انسانیت کی فلاح کے لیے اپنی اقتصادی مشترکہ منڈی تشکیل دے اور اسلامی اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے مسلمانوں کی صحیح کردار سازی کی مشترکہ پالیسی وضع کرے۔

اسلامی معاشرہ میں انصاف پسندی وروشن خیالی

عدل کے معنی انصاف کرنا، کسی چیز کو دو برابر حصوں میں بانٹ دینا، ہر ایک کو اس کا پورا پورا حق دینا ہے۔ عدل انصاف رسول کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ کا ایک روشن مینار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **ان اللہ یامر بالعدل والاحسان (۱۵۲)** ترجمہ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے''

عدل انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا جائز حق آسانی کے ساتھ مل جائے نظام عدل کی موجودگی میں معاشرے کے امور بخیر وخوبی انجام پاتے ہیں۔ جب کہ بے انصافی کی وجہ سے معاشرے کا ہر شعبہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔

بعثت نبوی ﷺ کے قبل دنیا عدل وانصاف کے مفہوم سے نا آشنا تھی۔ طاقتور ظلم وستم کو اپنا حق سمجھتے تھے اور کمزور اپنی مظلومیت کو مقدر سمجھ کر برداشت کرنے پر مجبور تھے۔

دین اسلام کے طفیل ظلم وستم کا یہ گھناؤنا کاروبار بند ہوا اور دنیا عدل وانصاف کے اس اعلیٰ معیار سے آشنا ہوئی جس نے رنگ ونسل اور قوم ووطن کے امتیازات کو مٹا کر رکھ دیا۔ ناانصافی کی بناء پر انسانوں کے مختلف طبقات اور گروہوں کے درمیان نفرت کی جو دیوار کھڑی ہوگئی تھی اسلام نے اسے گرا کر انسان کو انسان کے شانہ بشانہ لا کھڑا کیا اس طرح لوگوں کے درمیان انس ومحبت کا وہ رشتہ استوار ہوا جو انسانیت کے لیے سرمایہ افتخار ہیں۔ اسلام وہ دین ہے جس نے عدل وانصاف کے معاملے میں بلا امتیاز تمام نسل انسانی کے درمیان مساوات قائم کرنے کا حکم دیا۔(۱۵۳)

ایک بار آپ ﷺ مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے لوگوں کا بہت ہجوم تھا۔ ایک شخص آکر آپ ﷺ پر منہ کے بل گر گیا۔ دست مبارک میں پتلی سی لکڑی تھی آپ ﷺ نے اس سے ٹھوکا دیا۔ اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے منہ پر لگ گیا اور خراش آگئی۔ فرمایا مجھ سے اپنا بدلہ لے لو۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میں نے معاف کر دیا۔(۱۵۴) ایک اور مقام پر اللہ تعالی قرآن مجید میں عدل وانصاف کے مفہوم کو اس طرح اجاگر کرتا ہے **واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (۱۵۵)**

ترجمہ "اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو"

اسلامی حکومت کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے اپنے باشندوں کو ہمیشہ بے لوث انصاف فراہم کیا اور حقیقت میں اسلامی حکومت کا اصل مقصد بھی عادلانہ نظام کا قیام ہے اور یہ نظام ہم تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ہی حاصل کر سکتے ہیں۔(۱۵۶)

اسلامی معاشرہ میں باہمی اخوت وروشن خیالی

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا **المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً ثم شبك بین اصابعہ (۱۵۷)**

مسلمان مسلمان کے لیے مکان کی مانند ہے (یعنی سارے مسلمان ایک مکان کی مانند ہیں کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط رکھتا ہے) پھر آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک کی انگلیاں دوسرے دست مبارک کی انگلیوں میں داخل کیں مسلمانوں کے مابین اتحاد واتفاق کی ضرورت کو ہادی برحق ﷺ نے اس طرح سے واضح فرمایا **ید اللہ علی**

الجماعه ومن شذ شذفی النار (۱۵۸) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ کی تائید وحمایت جماعت کے ساتھ ہے اور جو جماعت سے جدا ہوا وہ آگ میں گرا''

آپ ﷺ نے مسلمانوں کے مابین تعلقات کو استوار کرانے اور ان میں صلح کرانے کی اہمیت اور اس کے اجر کے متعلق ارشاد فرمایا

الا اخبر کم یا فضل من درجه الصیام والصلوة الصدقته قالو بلیٰ یا رسول الله قال اصلاح ذات البین وفساد ذات البین حالقه

ترجمہ ''کیا میں تم کو وہ بات بتاؤں جو درجے میں روزہ نماز اور صدقہ سے افضل ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ (ﷺ) آپ ﷺ نے فرمایا؛ آپس میں میل جول کرا دینا اور آپس کی پھوٹ مونڈنے والی ہے (یعنی دین کو سخت نقصان پہنچانے والی ہے)

قرآن پاک میں اہل ایمان کو امت واحدہ قرار دیا گیا ہے۔ نسلی اور دیگر امتیازات کو ختم کر دیا گیا ہے۔ خاندانی عصبیت اور مفاخرت کی مذمت نبی اکرم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی **من نصره قومه علیٰ غیر الحق فهو کالبعیر الذی هوی فهو ینزغ بذنبه (۱٦۰)**

ترجمہ ''جو شخص ناحق اپنی قوم کی حمایت کرے وہ اس اونٹ کی مانند ہے جو کنوئیں میں گر پڑے پھر اس کو اس کی دم پکڑ کر کھینچا جائے'' (تو وہ کسی بھی طرح نہ نکل سکے)۔

اسلامی معاشرہ میں سیاسی اعتدال پسندی

ملوکیت و پاپائیت یا اشراکیت و جمہوریت یا قبائلی نظام حکومت بھی اگر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے سائے سے باہر رہ کر چلایا جائے گا تو تباہی و بربادی کے سوا انسانیت کو کچھ نہیں ملے گا۔ لادین سیاست کے پیروکار بھی کبھی بھی دوسرے کا عزت سے رہنا برداشت نہیں کر سکتے۔ اکثر مغربی و مشرقی مفکرین کے نزدیک گزشتہ دونوں عالمگیر جنگوں کی بنیاد یہی لادین سیاست تھی جس کی وجہ سے سات کروڑ افراد موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ (۱٦۱) اسلامی تعلیمات یہ ہے کہ اگر کسی کو زمین میں اقتدار مل جائے تو وہ زمین میں اپنی بالادستی کی بجائے اللہ کے حکم کی بالادستی قائم کرے لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور منکرات اور برائیوں کی جہنم میں گرنے سے بچانے کی کوشش کرے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ **لا تسبوا الا ولاده فانهم ان احسنو کان لهم لا جرد علیکن الشکروان اسائوا فصلبهم الوزره علیکم الصبر۔**

ترجمہ ''حاکموں کو نہ کوسو، کیوں کہ اگر وہ نیکی کرتے ہیں تو ان کے لیے اجر ہے اور تمہارے لیے موقع شکر اور اگر وہ برائی کریں تو ان

کی گردن پر بوجھ اور تمہارے لیے موقع صبر"۔ آپ ﷺ نے امیر کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور انتہا پسندی سے منع فرمایا ہے۔ (۱۶۲) یہاں یہ بات یاد رہے کہ اسلام حکمرانوں پر مثبت اور تعمیری تنقید سے نہیں روکتا۔ (۱۶۳) اسی طرح ظالم و جابر حکمران کے خلاف کلمہ حق کو جہاد کہا گیا ہے بلکہ ایسے حالات میں مستقل مزاجی، صبر و برداشت سے ظلم کے خلاف ڈٹے رہنا اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے۔ (۱۶۴)

اسلامی معاشرہ کی خصوصیت معاھدات کی پابندی ہے

آپ ﷺ کا جو معیار اخلاق شخصی حالتوں میں تھا وہی میدان جنگ میں بھی قائم رہا۔ معاہدات نبوی ﷺ کا اطلاق ان معاہدات پر ہوتا ہے جو آپ ﷺ کی ہجرت کے بعد اور بالخصوص مدینہ کے قیام کے بعد مختلف اقوام وملل سے کیے گئے۔ (۱۶۵) قرآن کریم میں ۲۵ سے زائد مقامات پر پوری شدت کے ساتھ معاہدات کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس پر بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔ (۱۶۶) آپ ﷺ کے معاہدایت میں دو باتیں خاص نظر آتی ہیں پہلی یہ کہ معاہدات میں رواداری اور برداشت دوسری یہ کہ معاہدہ برابری کی بنیاد پر یا جھک کر قبول کر لیتے۔ آپ ﷺ کے معاہدات سے فاتح کی حیثیت نمایاں نہیں ہوتی بلکہ مصلح کی حیثیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ آپ ﷺ نے میثاق مدینہ کے نام سے جو معاہدہ کیا وہ یہودیوں کے ساتھ رواداری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

جہاد اور جنگ میں مسلمانوں کی اعتدال پسندی اور انسانی حقوق کی پاسداری

اسلام **امر بالمعروف ونھی عن المنکر** کے توازن وآہنگ کا نام ہے۔ (۱۶۶) جب ظلم ہو تو مظلوم کی حمایت کے لیے جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔ (۱۶۸) لیکن اس میں حد سے تجاوز کرنے سے منع کیا گیا (۱۶۹) اگر دشمن صلح کرنا چاہے تو صلح کا حکم دیا گیا ہے (۱۷۰) پروفیسر ٹی ڈبلیو آرلنڈ لکھتے ہیں کہ قرآن میں کہیں ایسی آیت نہیں جس میں کسی طرح جبری تبدیلی مذہب کا حکم پایا جائے۔ (۱۷۱) جارج سیل لکھتا ہے کہ اسلام تلوار کے ذریعہ نہیں پھیلا اسے تو انہوں نے بھی قبول کیا جن کا محمد ﷺ کی قوت سے کبھی واسطہ نہیں پڑا اور وہ بھی اس میں داخل ہوئے جنہوں نے عربوں کو ان کی فتوحات سے محروم کیا۔ (۱۷۲) یہی بات ای گبن، ایچ جی ویلز، جان بیکٹ اور بے شمار مستشرق مورخین نے لکھی (۱۷۳) سیرت الرسول ﷺ لا اکراہ کا بہترین نمونہ ہے۔ قرآن پاک اور سنت رسول ﷺ کی تعلیمات کی وجہ سے ہی مسلمانوں نے ہمیشہ مخالفین کے ساتھ اعتدال پسندی کا رویہ اختیار کیا اپنے سخت ترین دشمن کے خلاف بھی جنگوں میں جن میں عام طور پر ظلم اور غضب جیسے رویے حکمت پر غالب آجاتے مسلمانوں نے اعتدال پسندی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ جیسا کہ فرانسیسی فلسفی غوستان لو بون

(۱۷۴) اسلامی فتوحات کے بارے میں کہتا ہے کہ" حقیقت یہ ہے کہ قومیں عربوں کی طرح کے روادار فاتحین اوران کے برداشت والے دین کے علاوہ کسی اور سے غیر واقف ہیں" (۱۷۵) مورخین مسلم اور غیر مسلم اس بات کوتسلیم کرتے ہیں کہ قرآن پاک نے دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری اور برداشت کے رویے کی تلقین کی، جنگ اور جہاد میں ان کے راہبوں اور مذہبی رہنماؤں کوخصوصی امتیازات سے نوازاان سے ٹیکس نہیں لیا جاتا۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کوقتل کرنے کی ممانعت کی امیرالمومنین عمر بن خطابؓ نے جب بیت المقدس کو فتح کیا توان کی عزت کو آنچ تک نہ آنے دی۔ حالانکہ عیسائی بیت المقدس میں داخل ہوئے تو انہوں نے بے رحمی کے ساتھ مسلمانوں کوقتل کیا اور یہودیوں کو جلا دیا تھا۔ (۱۷۶) اسلام نے محاربین (Belligerents) کو دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے ایک اہل قتال (Combatants) جنگ میں حصہ لینے والے دوسرے غیر اہل قتال (Non Combatants) جنگ میں حصہ نہ لینے والے راہب، مجاور، بچے، خواتین، معذور وغیرہ پہلے طبقہ کو قتل کی اجازت ہے دوسرے سے منع کیا گیا ہے۔ (۱۷۷) لیکن اگر پہلے طبقہ کا بھی کوئی شخص میدان جنگ میں اسلام قبول کر لے چاہے موت کے خوف سے ہو اس کے قتل پر بھی آپ ﷺ نے شدید ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ (۱۷۸) آپ ﷺ قیدیوں سے حد درجہ بہتر سلوک کرتے، صحابہ بھوکے رہتے لیکن قیدیوں کو کھانا کھلاتے اور کپڑے پہناتے۔ (۱۷۹)

Human rights in Islam are firmly rooted in the belief that God, and God alone, is the law Giver and the Source of all human rights. Due to their Divine origin, no I goverment, assembly or authority can curtail or violate in any way the human rights conferred by God, nor can they be surrendered.

حاصل کلام

عہد حاضر کا تقاضا ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کے تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر قومی وملی تحفظ کے لیے کوشاں ہوں اور ایمان کا سب سے آخر درجہ یہ ہے کہ ظلم کو ظلم سمجھیں اور حکمت کے ساتھ اپنی نفرت کا اظہار کریں تا کہ دشمن کی توپوں کے دھانے سے بچتے ہوئے اپنے موقف کو اقوام عالم سے منوائیں اور یہ اسی وقت ہوگا جب ہم خود فساد کا ایندھن بننے کے بجائے فساد کے اسباب کوختم کرنے کے لیے اقوام عالم کو متوجہ کریں۔ اسلام کے حوالے سے اس کی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کیا جارہا ہے۔ اس کا علمی جواب دیں اور ثابت کریں جنگ اور جہاد الگ الگ ہیں۔ جہاد اور دہشت گردی الگ الگ ہیں اسلامی رواداری کی

تعلیم کو اجاگر کریں بعض افراد کے انفرادی عمل کا دفاع کرنے کے بجائے اسلام کا دفاع کریں۔ ناموس رسالت کے قانون کے حوالہ سے اپنا موقف عالمی زبانوں میں پیش کریں اور ان سے مطالبہ کیا جائے کہ جس طرح ہمارا مذہب حکم دیتا ہے ولا تسبو الذین یدعون من دون اللہ فیسبو اللہ عدواً بغیر علم کہ کسی کے معبود کو کسی کی مقدس ہستی کو برا نہ کہو۔

جب ہم کسی کو برا نہیں کہتے تو کسی کو یہ حق بھی نہیں دیا جا سکتا ہے کہ وہ ہماری مقدس ہستی کو برا کہے گالی دے اور عیسائیوں کے اس تخریبی ذہن کو جو صلیبی جنگ کے اثرات کا ثمر ہے ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے حوالے سے باقاعدہ سیمینار و کانفرس منعقد کر کے دنیائے عیسائیت پر واضح کرنا چاہیے کہ ہم خود عیسائیوں سے بھی زیادہ ان سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والے کی بھی وہی سزا تجویز کرتے ہیں جو اپنے ہمارے پیارے نبی ﷺ کے گستاخ کے لیے تجویز کرتے ہیں۔ ہمیں احساس کمتری سے نکلنا ہوگا ہمیں اپنی بنیادیں مغربی تہذیب وثقافت اور ان کی خوشنودی میں تلاش کرنے کے بجائے قرآن اور اسوہ حسنہ میں تلاش کرنا ہوگا۔ اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی میں تلاش کرنا ہوگا کم از کم زبان سے حق کو حق سچ کو سچ کہنا ہوگا ہمیں اپنی قوم وملت کا ترجمان بننا ہوگا اگر بنیاد صحیح ہو تو عمارت صحیح کھڑی ہوتی ہے اگر بنیاد غلط ہو تو عمارت بھی غلط تعمیر ہوگی اور معمولی سے صدمہ سے منہدم ہو جاتی ہے۔

ان کو تہذیب نے ہر بند سے آزاد کیا　　　لا کے کعبے سے صنم خانے کو آباد کیا

(علامہ اقبال)

آج ہم ہر وقت مغرب کی طرف دیکھنے کے قائل ہیں جبکہ مغرب تو ڈوبنے کی جگہ ہے۔ مغرب میں تو سورج ڈوبتا ہے۔ جبکہ مشرق وہ جگہ ہے جہاں سے سورج ابھرتا ہے مشرق روشن ہے اس کا افق روشن ہے یہ ابھرنے کی جگہ ہے۔ مغرب کی نہ صرف تہذیب اندھی بلکہ یہاں کی انسانیت بھی اندھی ہے۔ آپ ﷺ مشرق وسطیٰ میں پیدا ہوئے اگر مغرب اللہ کو اتنا ہی پیارا ہوتا ہے تو یقیناً وہاں پر کچھ نہ کچھ کرشمے ضروری ہوتے۔ آج ہمارے نوجوان نسل مغرب کی اندھی تقلید کر رہی ہے جبکہ دم توڑتی ہوئی تہذیب کے پیچھے چلنے والوں کو منزل نہیں ملا کرتی۔ آج وہاں پر کونسی روشنی تلاش کی جائے؟ جس طرح سابقہ تو میں بے حیائی اور غرور و تکبر میں ہلاک ہوئیں ان کا بھی انجام ایسا ہی ہوگا یہ تہذیب کب ٹوٹے گی یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کفر کو تو برداشت کرتا ہے مگر بے حیائی اور ظلم کو برداشت نہیں کرتا۔

حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا　　　رقابت ، خود فروشی، ناشکیبائی، ہوسناکی

(علامہ اقبال)

یہ ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات کو نہ صرف مقامی بلکہ غیر ملکی زبانوں میں عام کیا جائے۔ وہ تمام اقدامات جو غلط ہوں اور امہ کی بھلائی اور نفع رسانی کے لیے نہ ہوان کو ختم کر دیا جائے۔ قانون کی حکمرانی حتیٰ کہ ہر فرد کو انصاف بر وقت مہیا ہو۔ اسلام کسی بھی طور سے تعلیم کے حصول کے لیے منع نہیں فرماتا بلکہ جتنی اہمیت تعلیم کی اسلام میں موجود ہے شاید ہی کسی اور مذہب میں موجود ہو۔ اس بات کی طرف توجہ دی جائے کہ تمام اداروں سے فرقہ وارانہ اور لسانی نمائندگی کا خاتمہ ہو۔ حکومت، علماء اور صحافیوں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے فرائض بخوبی انجام دیں۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے — دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کردے

(علامہ اقبال)

حواشی وحوالہ جات

(۱) (سورہ الاحزاب، آیت نمبر۲۱)

(۲) (اسلام کا بحران۔ جہاد اور دہشت گردی / برنارڈ لیوس مترجم محمد احسن بٹ / لاہور / نگارشات / صفحہ ۷)

(۳) (ایضاً / صفحہ ۳۵)

(۴) (سورہ القصص)

(۵) (چوہدری غلام رسول / مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ / لاہور / علمی کتاب خانہ / ۱۹۸۰ء / ص ۱۰۱۔۱۰۳)

(۶) (منشی عبدالرحمان خان / تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی / لاہور / ادارہ اسلامیات / اشاعت دوم ۱۹۹۲ء / ص ۲۴)

(۷) (ڈاکٹر اشیاق حسن قریشی / برِاعظم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ / ترجمہ ہلال احمد زبیری / کراچی / شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی / اشاعت چہارم ۱۹۸۹ء / ص ۳۶۳)

(۸) (منشی عبدالرحمان خان / تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی / لاہور / ادارہ اسلامیات / اشاعت دوم ۱۹۹۲ء / ص ۲۷۔۲۸)

(۹) (یجروید۔۶/۳۷)

(۱۰) (رگ وید۔۱، ۲۹، ۷)

(۱۱) (رگ وید، ۱۰، ۳۴، ۳)

(۱۲) (ساگر طارق اسماعیل / آپریشن بلیو اسٹار / لاہور / مقبول اکیڈمی / ۱۹۹۳ء / ص ۲۰۵)

(۱۳) (آل عمران، ۱۱۲)

(۱۴) (سورۃ النساء۔۱۵۵)

(۱۵) (آل عمران ۱۱۲، مزید دیکھیں البقرہ ۹۱۔ آل عمران ۱۸ اور ۲۱)

(۱۶) (حمیداللہ، ڈاکٹر / محمد رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی / لاہور / ادارہ اسلامیات انارکلی / ص ۳۱۹)

(۱۷) (بورڈ لے، آر۔ وی۔ سی۔ محمد رسول اللہ ﷺ (مترجم محمد علی چراغ نذیر سنز لاہور ۱۹۹۶ء) ص ۱۶۴، بحوالہ کتاب استثناء باب ۲۰ آیات ۱۰۔۱۴، سعد بن معاذ نے بنی قریضہ یہود کے بالغوں کو قتل کا فیصلہ کیا تھا وہ انہی کے مذکورہ مذہبی حکم کے تھا)

(۱۸) (نیازی ڈاکٹر لیاقت علی خان / مطالعہ سیرت / میانوالی / پروگریسو پبلیشرز / ۱۹۹۳ / ص ۱۱۶)
(۱۹) (ندوی، مجیب اللہ، اہل کتاب صحابہ وتابعین / اعظم گڑھ / معارف پریس انڈیا / ۱۹۵۱ء / ص ۹۱_۹۲)
(۲۰) چوہدری غلام رسول / مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ / ص ۱۰۳)
(۲۱) (Arnold toyn bee J / A study of history / Vol.12)
(۲۲) (Atur Gilman / The Saracens/ London / 1887/ P.184)
(۲۳) (محمد مارماڈیوک پکتھال / اسلام کلچر مترجم پروفیسر محمد ایوب / لاہور / مکتبہ تعمیر انسانیت / ص ۸۲)
(۲۴) (رضوی، سید واجب علی / رسول میدان جنگ میں / ۲۷۲)
(۲۵) (حمید اللہ، ڈاکٹر / محمد رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی / لاہور / ادارہ اسلامیات انارکلی / ص ۴۶، مزید دیکھیں اہل کتاب صحابہ وتابعین / مجیب اللہ ندوی / ص ۹۳)
(۲۶) (جارج کونستان ورژیل / پیغمبر اسلام ﷺ مترجم پروفیسر محمد ایوب / لاہور / مولانا وارث علی / کراچی / شمع بک ایجنسی / ص ۱۰)
(۲۷) (رضی سید واجد علی / رسول میدان جنگ میں / ص ۴۰)
(۲۸) (ایضا / ص ۴۱_۴۲)
(۲۹) (معلقات۔کلام عمر بن کلثوم)
(۳۰) (باری علیگ / اسلامی تاریخ وتہذیب / لاہور / تخلیقات / ۱۹۹۲ء / ص ۲۳)
(۳۱) (صحیح بخاری)
(۳۲) (قاضی ثناءاللہ عثمانی پانی پتی / تفسیر مظہر / حیدرآباد دکن / مجلس اشاعت العلوم / ج ۹ / ص ۲۵)
(۳۳) (ڈاکٹر مولانا محسن عثمانی ندوی / مطالعہ مذاہب / کراچی / مجلس نشریات اسلام ناظم آباد / ۱۹۹۹ء / ص ۹)
(۳۴) (Arm storng Karan/ Muhammad a western attempt to understanding Islam/ London/ 1992/p 266)
(۳۵) (سیرۃ مقالہ / سید عطاءاللہ / پشاور / ۲۰۰۳ / ص ۳۸۵)
(۳۶) (قاضی محمد سلیمان سلمان منصوری پوری / رحمتہ للعالمین / لاہور / مکتبہ اسلامیہ / ج ۲ / ص ۲۱۳)
(۳۷) (سید ساجد حسین / عمرانیات / کراچی / رہبر پبلیشرز / ۱۹۹۴ء / ص ۲۲۳)

(۳۸) (ایضاً/ص ۲۲۵)

(۳۹) (مقالہ از محمد مشتاق/اردو کے چار منتخب اخبارات کا جائزہ/ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن / کراچی/۱۹۹۶ء/ص ۱)

(۴۰) (غلام سرور چیمہ /اسلام کا عمرانی نظام/لاہور/علم و عرفان پبلیشرز / ۲۰۰۴ء/ص ۳۴)

(۴۱) (ایضاً حوالہ نمبر ۳۷/ص ۲۲۶)

(۴۲) (پنڈت گوپال کرشن (ایڈیٹر بھارت سماچار، بمبئی)/مقالہ مہاپُرش محمد ﷺ/۱۹۶۶ء/ص ۱۶۴)

(۴۳) (اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں/ڈاکٹر یوسف القرضاوی مترجم سلمان ندوی/لاہور/ مکتبہ تعمیر انسانیت/ص ۹)

(۴۴) (ایضاً/ص ۲۷)

(۴۵) (Bhatti, Current Affairs. 2000

(۴۶) Bhatti, Current Affairs. 2000)

(۴۷) (سورہ فاتحہ)

(۴۸) (ایضاً)

(۴۹) (مسند امام احمد/ سنن نسائی/ سنن ابن ماجہ)

(۵۰) (اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں/ڈاکٹر یوسف القرضاوی مترجم سلمان ندوی/لاہور/ مکتبہ تعمیر انسانیت/ص ۱۳)

(۵۱) (اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں/ڈاکٹر یوسف القرضاوی مترجم سلمان ندوی/لاہور/ مکتبہ تعمیر انسانیت/ص ۲۰)

(۵۲) (بخاری و مسلم)(ایضاً/ص ۲۳)

(۵۳) (قاضی محمد سلیمان سلمان پوری/رحمتہ اللعالمین/لاہور/پروگریسو بک سینٹر/ج ۳/ص ۳۴۱)

(۵۴) (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۸۵)

(۵۵) (سورہ النحل، آیت نمبر ۱۲۵)

(۵۶) (سورہ الحجرات، آیت نمبر ۱۲)

(۵۷) (متفق علیہ)

(۵۸) (جواہر الفقہ / مفتی محمد شفیع / کراچی / ادارہ معارف کراچی / ج ۱۴ / ص ۳۰)

(59) (Esposito : The IslamicThreat, Myth or Reality. P 196)

(60) (http:// encarta.msn.com/encyclopedia-761564344-1/Terrorism.html)

(61) (The new encyclopaedia Britannica/Scurlock Tirah IX/ Chicago/ Wiliam Benton, Publisher/ 1972/P-904)

(62) (http:// encarta.msn.com/encyclopedia-761564344-1/Terrorism.html)

(63) (Rabbi A Grohman, Neturei Karta, UK/) Middle east and Terrorism) http://www.islamic-studies.org/terrorconfer.pro.htm)

(۶۴) (سید معروف شاہ شیرازی / اسلام اور دہشت گردی / لاہور / ادارہ منشورات اسلامی / ۲۰۰۲ / ص ۱۷۵)

(۶۵) (کیرم آرم اسٹرانگ / مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال / لاہور / نگارشات / ۲۰۰۳ / ص ۱۸۰)

(۶۶) (ایضاً حوالہ نمبر ۶۴ / ص ۱۷۵، ۱۷۹)

(67) (International One-day Conference/ Jewish, Christian, Muslim religious leaders And Politicians Discuss: Terrorism Tuesday 13th November 2001 - London) (Rt. Hon. Tony Benn, Member of British Parliament, Uk/ Peace and Justice)

(۶۸) (اسرار عالم / عالم اسلام کی صورتحال / کراچی / ادارہ معارف اسلامی / ۲۰۰۰ء / ص ۶۷)

(69) (Zbigniew Brezenski/ Out of Control Global Turmoil on the eve of the twenty first century/ New York/1995/p 214)

(۷۰) (ساحل / مدیر منتظم ڈاکٹر خالد علی انصاری / کراچی / اکتوبر ۲۰۰۰ء / ص ۵۰)

(۷۱) (آتھکس اینڈ انٹرنیشنل افیئرز / مئی ۲۰۰۰)

(72) (Low back the costs and Consequences of American Empire P216)

(۷۳) (ماہنامہ ساحل / کراچی / ج ۱۳ / ش ۱۱ / نومبر۔ دسمبر ۲۰۰۲ء / ص ۴۱۔۴۲)

(۷۴) (احمد سلیم نیا عالمی نظام اور پاکستان (مقالات) مقالہ جوہر میر / لاہور / فنکشن ہاؤس مزنگ روڈ / ۱۹۹۱ء / ص ۱۶)

(۷۵) (جنگ سنڈے میگزین / ۲۲ دسمبر ۲۰۰۲ / ص ۶۔۷)

(۷۶) (ماہنامہ ساحل / کراچی / ج ۱۳ / ش ۱۰ / اکتوبر دسمبر ۲۰۰۱ / ص ۴۳ تا ۴۶)

(۷۷) (ولیم بیلم / روگ اسٹیٹ ترجمہ بدمعاش امریکہ / مترجم سید ناصر علی / ص ۱۷۱)

(78) Chomsky Noam / World Order old and New / London pluto press 1994-96)

(۷۹) (ماہنامہ ساحل کراچی، ج ۱۳ / ص ۱۰)

(۸۰) (احمد سلیم / نیا عالمی نظام اور پاکستان / ص ۶۵)

(۸۱) (ماہنامہ ساحل کراچی، ج ۱۳۔ ش ۱۱ / نومبر دسمبر ۲۰۰۱)(۷۹)

(۸۲) ایضاً / ص ۸۹۔۹۶)

(۸۳) (ماہنامہ ساحل کراچی، ج ۱۳ / ش ۱۰ / اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۱ / ص ۸۹۔۹۶)

(۸۴) (مجتبیٰ موسوی / مغربی تمدن کی ایک جھلک / دہلی / ترقی اردو بورڈ / ص ۷۶)

(۸۵) (ایضاً / ص ۷۶)

(۸۶) (ایضاً / ص ۷۷)

(۸۷) (ڈاکٹر طاہر القادری / نیو ورلڈ آرڈر اور عالم اسلام / لاہور / منہاج القرآن / ص ۱۰

(۸۸) (زین العابدین میرٹھی / پیغمبر اسلام کا پیغام امن و سلام / نقوش رسول ﷺ / ج سوم / ص ۴۶۰)

(۸۹) (محمود شکری آلوسی / بلاغ الارب فی احوال العرب، مترجم ڈاکٹر م حسن / لاہور / مرکزی اردو بورڈ / ج ۳ / ۱۹۶۷ / ص ۴۹۰)

(۹۰) (پنڈت گوپال کرشن / مہاپرش محمد ﷺ)

(۹۱) (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۹۰)

(۹۲) (پنڈت گوپال کرشن (ایڈیٹر بھارت سماچار، بمبئی) / مقالہ مہاپرش محمد ﷺ / ۱۹۶۶ / ص ۱۶۵)

(۹۳) (سورۃ یونس آیت نمبر ۹۹)

(۹۴) (یوسف القرضاوی / شریعۃ الاسلام (خلودھا ولا حھا للتطبیق فی کل زمان ومکان) بیروت / المکتب الاسلامی / ۱۹۸۹ء / ص ۵۲)

(۹۵) (محمد یوسف کاندھلوی / حیاۃ الصحابہ / لاہور / کتب خانہ فیضی / ج ۳ / صفحہ ۵۸۵

(۹۶) (محمد حسین ہیکل (اردو ترجمہ ابو یحییٰ امام خان) / حیاۃ محمد ﷺ / لاہور / ادارہ ثقافت اسلامیہ / ۱۹۹۳ / صفحہ ۶۸)

(۹۷) (سورہ البقرہ / آیت نمبر ۱۵۱

(۹۸) (ڈاکٹر حافظ محمد ثانی / رسول اکرم ﷺ اور رواداری / فضلی سنز / کراچی / مارچ ۱۹۸۸)

(۹۹) (مقالات سیرت ۲۰۰۳، تقاریر / مفتی غلام الرحمان / پشاور / صفحہ ۲۱)

(100) (H.G. Wells / Short History of the world / London / 1924/ Page No. 140)

(۱۰۱) (انجیل متی ۱۰/۶، ۱۵/۲۴)

(۱۰۲) (ڈاکٹر حمید اللہ / رسول کریم ﷺ کی سیاسی زندگی / کراچی / دار الاشاعت / ۱۹۸۸ء / صفحہ ۲۲۸)

(۱۰۳) (الامام البخاری / الجامع الصحیح کتاب الایمان، لیجنۃ احیاء کتب السنۃ / مصر / ج ا / ص ۲۸)

(۱۰۴) (محمد یوسف الصالحی الشامی / سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد / لجنۃ احیاء التراث الاسلامی / قاہرہ / ۱۹۸۳ء / ج ۷، ص ۳۶)

(۱۰۵) (سورہ آل عمران، ۳:۱۵۹)

(۱۰۶) (رواہ البیہقی)

(۱۰۷) (رواہ الترمذی)

(۱۰۸) (سورہ الشوریٰ ۴۲:۲۵)

(۱۰۹) (محمد کرم شاہ الازہری / ضیاء النبی ﷺ / لاہور / ضیاء القرآن پبلیکیشنز / ۵ / ص ۳۰۱) اور غضب اور رضا دونوں حالتوں میں انصاف کروں۔

(۱۱۰) (الصالحی محمد یوسف / سبل الھدیٰ والرشاد / قاہرہ / ۱۹۷۲ء / ج ۷ / ص ۳۲)

(۱۱۱) (مطالعہ قرآن مجید مر اسلاتی کورس / دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی / اسلام آباد / کورس نمبر ۱۹ یونٹ ۴، ج / ۲۹ / ۱ گست ۲۰۰۳ / ص ۵۷۸۴)

(۱۱۲) (ابن قیم الجوزیہ/زاد المعاد فی ھدی خیر العباد/بیروت/موسستہ الرسالہ/۱۹۸۵ء/ج ۳،ص۴۴۲)

(۱۱۳) (سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد/قاہرہ/۱۹۷۲ء/ج ۵/ص ۳۳۸)۔

(۱۱۴) (پنڈت گوپال کرشن (ایڈیٹر بھارت سماچار، بمبئی) /مقالہ مہاپُرش محمد ﷺ/۱۹۶۶/۱۶۴)

(۱۱۵) (پنڈت گوپال کرشن (ایڈیٹر بھارت سماچار، بمبئی) /مقالہ مہاپُرش محمد ﷺ/۱۹۶۶/۱۶۴)

(۱۱۶) (ترمذی)

(۱۱۷) (بخاری)

(۱۱۸) (مشکوٰۃ۔کتاب الصید والذبائح)

(۱۱۹) (سید نظر الحسن گیلانی/آرٹیکل دہشت گردی شکوک وشبہات کا ازالہ/روزنامہ انقلاب بمبئی/جمعہ ۱۹دسمبر۲۰۰۳)

(۱۲۰) (البیہقی شعب الایمان)

(۱۲۱) (سید نظر الحسن گیلانی/آرٹیکل دہشت گردی شکوک وشبہات کا ازالہ/روزنامہ انقلاب بمبئی/جمعہ ۱۹دسمبر۲۰۰۳)

(۱۲۲) (سورہ الفرقان، آیت نمبر ۶۸)

(۱۲۳) (ابن ماجہ، مسند احمد بن حنبل)

(۱۲۴) (سورہ المائدہ)

(۱۲۵) (تفسیر الکبیر/ج ۱۱/ص ۳۱۳)

(۱۲۶) (سید ابوالاعلیٰ مودودی/الجہاد فی الاسلام/مرکزی مکتبہ اسلامی/دہلی نومبر ۱۹۷۹/ص ۲۷۔۲۸)

(۱۲۷) (ستارہ طاہر/ایک عالم ہے ثناخواں آپ کا (دوست پبلیکیشنز اسلام آباد، ۱۹۹۵) بحوالہ انسائیکلوپیڈیا بری ٹانیکا)

(۱۲۸) (حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی/حیاۃ الصحابہ/لاہور/کتب خانہ فیضی/ج ۳/صفحہ نمبر ۵۸۸)

(۱۲۹) (البخاری/جلد نمبر ۳/ص ۳۹۵)

(۱۳۰) (غلام رسول مہر/آرٹیکل حجۃ الوداع/ماہ نو/کراچی/ادارہ مطبوعات پاکستان/۱۹۶۶/ص ۱۷۱)

(۱۳۱) (صحیح البخاری/ج ۳/ص ۳۹۵)

(۱۳۲) (سورہ آل عمران ۱۰۳)

(۱۳۳) (پروفیسر حسن الدین ہاشمی/اسلامیات/لاہور/انڈس پبلیشنگ ہاؤس/جولائی ۱۹۹۳/ص ۱۵۴)

(۱۳۴) (ڈاکٹر حمید اللہ/رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی/ص ۳۱۳)

(۱۳۵)　(صحیح المسلم حدیث نمبر۲۰۱۴)
(۱۳۶)　(بحوالہ تفسیر ابن کثیر، اردو ترجمہ/ج ۱/ ص ۳۶۲)
(۱۳۷)　(ڈاکٹر حمید اللہ/رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی/ص ۳۴۲_۳۲۵)
(۱۳۸)　(سورہ الانبیاء آیت نمبر ۱۰۷)
(۱۳۹)　(سورہ الکہف/۲۹ اور سورہ الکافرون)
(۱۴۰)　(اقبال/کلیات اقبال/لاہور/شیخ غلام علی اینڈ سنز/۱۹۹۸ء/ص ۴۷)
(۱۴۱)　(متفق علیہ)
(۱۴۲)　(ایضاً/ص ۴۷)
(۱۴۳)　(مشکوٰۃ المصابیح/الجزء الثالث بحوالہ کاروان ملت/ص ۱۵۹)
(۱۴۴)　(ترمذی/بحوالہ سیرت النبی ﷺ/ج ۶/ص ۲۳۷)
(۱۴۵)　(سورہ آل عمران ۱۵۹)
(۱۴۶)　(پروفیسر حسن الدین ہاشمی/اسلامیات لازمی/رائے انٹرمیڈیٹ کلاسز/پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور/۱۹۹۳/ صفحہ نمبر ۱۳۱
(147 (www. Islam & Religious Tolerance-Sheikh Ahmad Kuftaro's Official website, Islamic sites .html)
(۱۴۸)　(الامام ابوعبداللہ/صحیح بخاری/کتاب الحدود/ج ۲/ص ۶۱۶)
(۱۴۹)　(پروفیسر حسن الدین ہاشمی/اسلامیات برائے انٹرمیڈیٹ/لاہور/انڈس پبلیشنگ ہاؤس/۱۹۹۳/ص ۶۰)
(۱۵۰)　(حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی/حیاۃ الصحابہ/لاہور/کتب خانہ فیضی/ج ۳/صفحہ نمبر ۵۸۸)
(۱۵۱)　(سورہ الحشر/آیت نمبر ۷)
(۱۵۲)　(سورہ النحل ۹۰)
(۱۵۳)　(پروفیسر حسن الدین ہاشمی/اسلامیات/پنجاب ٹیکسٹ بک/صفحہ نمبر ۹۶)
(۱۵۴)　(الامام ابوداؤد/سنن ابی داؤد/ملتان/ج ۲/صفحہ ۲۷۶)
(۱۵۵)　(سورۃ النساء/آیت نمبر ۵۸)
(۱۵۶)　(پروفیسر حسن الدین ہاشمی/اسلامیات برائے انٹرمیڈیٹ/لاہور/انڈس پبلیشنگ ہاؤس/۱۹۹۳/صفحہ نمبر ۹۶)
(۱۵۷)　(متفق علیہ)

(۱۵۸) (سنن ترمذی/باب فی لزوم الجماعتہ)

(۱۵۹) (سنن ابی داؤد۔ باب فی اصلاح ذات البین)

(۱۶۰) (سنن ابی داؤد۔ باب فی العصبیہ)

(۱۶۱) (ملاحظہ ہو جنگ عظیم از لوئیس سنائیڈز/ترجمہ از غلام رسول مہر/لاہور/ص ۲۶ تا ۲۸)

(۱۶۲) (بخاری/کتاب الاحکام باب السمع والطاعتہ لاامام)

(۱۶۳) (علامہ سیوطی/تاریخ الخلفاء/کراچی/نور محمد کتب خانہ/ص ۶۹)

(۱۶۴) (سورہ الانفال ۶۵_۶۶)

(۱۶۵) (اردو دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اول ۱۹۸۶ء) ج ۱۹، ص ۱۶۶)

(۱۶۶) (الفتح ۱۰، الانفال ۵۶، النحل ۹۱، البقرہ ۷۷، تفصیل کے لیے دیکھئے المعجم المفہرس لالفاظ القرآن محمد فواد عبدالباقی)

(۱۶۷) (سورہ آل عمران، ۱۱۱)

(۱۶۸) (سورہ الحج ۶ اور سورہ البقرہ ۱۹۴)

(۱۶۹) (سورہ البقرہ ۱۸۱)

(۱۷۰) سورہ الانفال، ۶۱)

(171) (Arnola T.W / The preaching of Islam / P 426)

(۱۷۲) (ڈاکٹر حافظ محمد ثانی/تجلیات سیرت/کراچی/فضلی سنز/ص ۱۲۶)

(۱۷۳) (ایضاً/ص ۱۲۸)

(۱۷۴) (غوستان لوبون فرانسیسی فلسفی ہے جسے علم شرقیہ کا ماہر تسلیم کیا جاتا ہے اگرچہ اس کے بعض نظریات متعصبانہ ہیں لیکن مجموعی طور پر وہ ایک بڑا کاتب شمار ہوتا ہے۔)

(۱۷۵) (ایضاً/ص ۲۰۵)

(۱۷۶) (ایضاً/ص ۱۲۸)

(۱۷۷) (ڈاکٹر خالد علوی/انسان کامل/لاہور/الفیصل پبلیشرز/ص ۲۶۴)

(۱۷۸) (ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی/سنن ابی داؤد کتاب الجہاد) (۱۷۹) (ایضاً/ص ۲۶۴)

(۱۸۰) http:// www.ispi-usa.org/archives/humanrights.html

عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت سیرت طیبہ کی روشنی میں

محمد نسیم خان (مانسہرہ)

ابتدائیہ

سیرت طیبہ کی روشنی میں اعتدال پسند اور روشن خیال معاشرہ کی تشکیل و ضرورت پر بات کرنے سے پہلے ہم چند بنیادی تصورات کی وضاحت کر دیتے ہیں تا کہ بحث کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

انگریزی زبان میں روشن خیالی کیلئے Enlightenment کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

فعل Enlightenment کا مفہوم ہے:

(۱) کسی کو علم سے بہرہ ور کرنا (۲) کسی کو جہالت، تعصب اور توہمات سے نجات دینا (۳) کسی کو مذہبی عقائد کی تعلیم دینا۔

روشن خیال شخص وہ ہوتا ہے جو معقول (rational) ہو، تعصبات، جہالت اور توہمات سے پاک ہو۔ جو حقائق کا گہرا اور تعصبات سے پاک (Open minded) ادراک رکھتا ہو۔ ایک اور ڈکشنری میں روشن خیال شخص کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ ایسا شخص معقول، برداشت والا (Tolerant)، انصاف پسند (Fair mindede)، تعصبات سے پاک، لوگوں کی فلاح کیلئے کام کرنے والا (Philon thropic) انسانیت دوست اور لبرل ہوگا

اعتدال پسندی (moderation) تشدد، سختی اور شدت پسندی کا متضاد ہے۔ "افکار ورلڈ ڈکشنری" میں اعتدال پسندی کی تعریف یوں کی گئی ہے:

(۱) معقولیت (Responsibility) (۲) جو رویہ Extreme یا ریڈیکل نہ ہو۔ (۳) تشدد یا سختی سے پاک ہو

(۱) اعتدال پسند شخص وہ ہے جو تشدد، انتہا پسندی اور شدت پسندی سے اجتناب کرتا ہو۔ جدید دور میں دہشت گردی، جنگجویانہ کاروائیوں اور مسلح جدوجہد پر یقین رکھنے والوں کو غیر معتدل اور انتہا پسند (Extermist) کہا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا وضاحت کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک اعتدال پسند اور روشن خیال معاشرہ وہ ہوگا جو جہالت، توہمات،

شدت پسندی اور انتہا پسندی سے پاک ہو۔ ایسے معاشرہ میں معقولیت، دلیل، عقل وخرد کی حکمرانی ہوگی! اور جذباتیت، تعصبات اور توہمات کو ترک کر دیا ہوگا۔

عصر حاضر کے تقاضے

آج دنیا ایک گلوبل ویلج (Global village) بن گئی ہے۔ سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد بین الاقوامی حالات و واقعات میں بھی تیزی سے تبدیلی آئی ہے۔ مغربی تہذیب اپنے آپ کو ایک فاتح تہذیب سمجھتی ہے اور اسلامی تہذیب وتمدن کو مغربی نظام کے لیے ایک خطرہ کے طور پر پیش کیا جارہا ہے اور مسلمانوں اور اسلام کو دھشت گردی اور انتہا پسندی کی علامت کے طور پر پیش کیا جارہا ہے اور ایک کے بعد دوسری اسلامی ریاست مغربی یلغار کا نشانہ بن رہی ہے اسلامی دنیا میں مغربی یلغار کے جواب میں ایک ردعمل پیدا ہو رہا ہے۔ یہ ردعمل بعض اعتبارات سے غلط شکل میں ظاہر ہو رہا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے Image کو خراب کرنے کا باعث بن رہا ہے۔

اسلامی دنیا کے اندرونی حالات بھی صحیح رخ پر نہیں جارہے۔ مسلم امہ کے اندر اتفاق واتحاد اور ہم آہنگی کا فقدان ہے۔ وہ معاشی اعتبار سے بحثیت مجموعی پسماندگی کی علامت بنی ہوئی ہے۔ دفائی لحاظ سے اتنی کمزور ہے کہ وہ ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات کی علامت بنی ہوئی ہے۔ خود مسلمانوں کے اندر افتراق وتشتت اور فرقہ واریت کی وجہ سے مسلمان خود مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو رہا ہے۔

سیاسی نظام میں عوام کی شرکت نہ ہونے کے برابر ہے۔ معاشی بدحالی اور بے روزگاری کی وجہ سے مایوسی کا رجحان پروان چڑھ رہا ہے جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہو رہا ہے۔ ایک شکل انتہا پسندی اور شدت ہے۔

اسلامی دنیا میں وسائل کی کوئی کمی نہیں لیکن سائنس وٹیکنالوجی اور دوسرے علوم میں خاطر خواہ ترقی نہ ہونے کی وجہ سے ان وسائل کو عوامی فلاح و بہبود کیلئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

اسلامی معاشرے اسلام کے نظام اخلاق سے عاری ہیں جس کی وجہ سے صالح رویوں کی آبیاری ممکن نہیں ہے۔

ان حالات میں داخلی اور بیرونی محاذوں پر تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں مسلسل کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اندرونی اور بیرونی چیلنجوں کا جرأت کے ساتھ سامنا کیا جاسکے۔

قرآن نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ اللہ کسی قوم کے حالات میں اس وقت تک تبدیلی نہیں لاتا جب تک کہ وہ خود اس سلسلہ میں کوشاں نہ ہو۔ ہمیں اپنے معاشروں میں تبدیلی کیلئے مختلف سطحوں پر کام کرنا پڑے گا۔

اعتدال پسندی اور میانہ روی اور سیرت طیبہ ؐ

اسلام انسانوں کو صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتا ہے۔ صراط مستقیم افراط وتفریط سے پاک ایک معتدل راستہ ہے۔ یہ غلو اور شدّت پسندی سے پاک شاہراہ ہے۔ صراط مستقیم پر چلنے والے لوگ عقائد، عبادات، معاملات، جنگ، صلح، دشمنی، نفرت، محبت غرضیکہ ہر معاملہ میں میانہ روی اور اعتدال کے رویہ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں امت مسلمہ کو امتِ وسط کہا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: ''اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ معتدل بنایا ہے، تا کہ لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر تم پر گواہ بنیں''۔

علامہ یوسف القرضاوی مذکورہ آیت کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

The Muslim Ummah is a nation of justice and moderation; it witnesses every deviation from the straight forword path in this life and in the here after. Islamic texts call upon Muslims to exercise moderation and to reject all kinds of extremism:ghuluw (غلو), tanattu (تنطع) and tashdid (تشدید)۔(۲)

نبی اکرمؐ نے فرمایا خیر الامور اوسطھا (بہترین کام میانہ روی کے ہیں)۔(۳) آپؐ نے فرمایا ''بے شک نیک سیرت، نیک طریقہ اور میانہ روی نبوت کے اجزاء کا پچیسواں حصہ ہیں''(۴) مذہبی انتہاپسندی 'غلو فی الدین' کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ سابقہ امتیں جب غلو فی الدین میں پڑگئیں تو ان پر بربادی آگئی۔ امت مسلمہ کو ہدایت کی گئی ہے کہ غلو سے بچو ورنہ ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔

مولانا امین احسن اصلاحی قرآنی آیت یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق، کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں:

''غلا یغلو کے معنی بڑھنے، زیادہ ہونے، متجاوز ہونے کے ہیں۔ جس طرح مذہب کے معاملہ میں تفریط بہت بڑا جرم ہے، اسی طرح یہ افراط بھی بہت بڑا فتنہ ہے۔ اس سے مذہب کا وہ مزاج جو سراسر اعتدال ہے بالکل درہم برہم ہو جاتا ہے۔ یوں تو اس غلو میں تمام اہل مذاہب مبتلا ہوئے یہاں تک کہ ہم مسلمان بھی جن کو عدل و قسط پر قائم رہنے کی سب سے زیادہ تاکید ہوئی ہے اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔(۵)

حجتہ الوداع کے موقع پر حضورؐ نے مزدلفہ میں حضرت ابن عباسؓ کو شیطان کو کنکریاں مارنے کیلئے چند پتھر اکٹھے کرنے کو کہا۔ ابن عباسؓ نے چند چھوٹے چھوٹے کنکر اکٹھے کیے تو آپؐ نے فرمایا یہ مناسب ہیں اور اسی طرح کے چھوٹے کنکروں سے شیطان کو مارو۔ پھر فرمایا دین میں غلو سے بچو''۔ امام ابن تیمیہؒ کا کہنا ہے کو''غلو'' سے اجتناب کا حکم عقائد،

عبادات، لین دین سب پر لاگو ہوتا ہے اور چونکہ عیسائی عقائد و عمل میں غلو کا مظاہرہ کرتے تھے اس لیے قرآن میں انہیں نصیحت کی گئی ہے کہ اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو۔(۶)

آپ کا ایک ارشاد گرامی ہے ''اسلام کا دین آسان ہے اور دین میں جو کوئی سختی کرے گا تو دین اس پر غالب آ جائے گا اس لیے بیچ بیچ کی چال چلو۔(۷)

ایک حدیث میں فرمایا ''ہلاک ہو گئے وہ لوگ جو تنطع میں پڑ گئے۔امام نوویؒ تنطع میں پڑنے والے لوگوں سے وہ لوگ مراد لیتے ہیں جو اپنے قول و عمل میں حد سے بڑھ جاتے ہیں''۔(۸)

نبی کریمؐ کی نماز اور خطبہ کے متعلق جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ وہ معتدل دورانیہ کی ہوا کرتی تھی(۹)۔آپؐ عبادت و ریاضت کے ضمن میں بھی اپنے صحابہ کرامؓ کو معتدل روش اپنانے کی تلقین کیا کرتے تھے۔جب کچھ صحابہ کرامؓ نے ساری رات عبادت کرنے، سارا سال روزے رکھنے کا عندیہ ظاہر کیا تو آپؐ نے کہا ''خدا کی قسم میں آپ لوگوں سے زیادہ اللہ کا مطیع ہوں اور اس کا خوف رکھتا ہوں پھر بھی میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں میں سوتا بھی ہوں اور قیام لیل بھی کرتا ہوں اور میں نے عورتوں سے شادی بھی کی ہے۔پس وہ ہم میں سے نہیں جو میری سنت کی پیروی نہ کرے۔(۱۰)

حضورؐ نے دینی معاملات میں شدّت پسندی سے سختی سے منع کیا ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ لوگوں کیلئے معاملات میں آسانی پیدا کرو اور مشکل نہ بناؤ۔آپؐ نے ارشاد فرمایا اللہ چاہتا ہے کہ اس کی آسانیوں کو قبول کیا جائے اور وہ اپنی نافرمانی کو نا پسند کرتا ہے''(۱۱) جب کبھی نبی اکرمؐ کو دو چیزوں میں سے انتخاب کرنا ہوتا تو وہ ہمیشہ آسان چیز کا انتخاب کرتے اگر وہ چیز گناہ چیز نہ ہوتی۔(۱۲) ابو مسعود انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور کہا کہ میں فجر کی نماز سے رہ جاتا ہوں کیونکہ فلاں شخص اس کو لمبی کر دیتا ہے۔نبی کریمؐ یہ سن کر بہت ناراض ہوئے اور کہا آپ میں سے کچھ لوگ اچھے کاموں کیلئے بھی ناپسندیدگی پیدا کر دیتے ہیں۔(۱۳) جب حضورؐ نے معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کیا تو انہیں نصیحت کی کہ آسانی پیدا کرنا، دشواری نہ پیدا کرنا، خوش رکھنے والی باتیں کرنا نفرت دلانے والی باتیں نہ کرنا۔(۱۴)

موجودہ عالمی تناظر میں انتہا پسندی اور غیر معتدل روش کی ایک شکل دہشت گردی ہے۔اسکی زد میں نہ صرف غیر مسلم آ رہے ہیں بلکہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان خون آلود ہو رہا ہے۔اس روش کے سلسلہ میں بھی قرآن و حدیث میں واضح تعلیمات دی گئی ہیں۔فساد فی الارض کی مختلف اقسام میں سے سب سے گھناونی شکل دہشت گردی ہے جس میں انسان کے ہاتھوں انسان قتل ہوتا ہے۔انسان کا ناحق قتل اللہ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے۔ایک انسان کے قتل کو قرآن میں پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا گیا۔

ارشادِ خداوندی ہے: اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا یعنی بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں فساد کرنے کی سزا دی جائے اُس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا اُن لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لا چکے ہیں پر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ ملک میں حدِ اعتدال سے نکل جاتے ہیں (۳۲:۵)

اس آیت کریمہ میں نہ صرف مسلمانوں کیلئے غور و فکر کا سامان ہے بلکہ تمام اہل کتاب کیلئے درس نصیحت موجود ہے اور ان کے لئے اپنا احتساب کرنے کا بھی موقع ہے کہ کیا وہ رسولوں کے احکامات سے روگردانی کر کے اپنے مقاصد کے حصول کیلئے صحیح راستے کا انتخاب کیے ہوئے ہیں۔

ایک اور جگہ قرآن حکیم میں اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ (۲:۱۱)۔ ایک اور مقام پر فرمایا" اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد خرابی پیدا نہ کرو۔۔ بے شک اللہ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے قریب ہے" (۷:۵۶)۔

جن لوگوں کے دل میں خدا خوفی اور اخروی محاسبہ کا ڈر موجود ہو وہ قطعاً فساد فی الارض کے کاموں میں مبتلا نہیں ہوں گے کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ایسے کاموں سے بار بار اپنے کلام پاک میں منع کر رہے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنی نیک نیتی پر بار بار اللہ کو گواہ بناتا ہے مگر حقیقت میں وہ بدترین دشمن حق ہوتا ہے۔ جب وُہ پلٹتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے، حلانکہ اللہ (جس کو وہ گواہ بناتا ہے) فساد کو ہر گز پسند نہیں کرتا اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو اپنے وقار کا خیال اسے گناہ پر جما دیتا ہے۔ ایسے شخص کیلئے تو بس جہنم کافی ہے اور بہت برا ٹھکانا ہے (۲:۲۰۵-۲۰۶)۔

کفار نے جب مسلمانوں کو کعبہ کی زیارت سے روک دیا تو مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جن کافر قبیلوں کے راستے اسلامی مقبوضات کے قریب سے گزرتے ہیں اُن کو ہم بھی حج سے روک دیں گے اور حج کے زمانہ میں اُن قافلوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس ارادہ سے باز رکھا۔ فرمایا" اور دیکھو ایک گروہ نے جو تمھارے لیے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا ہے تو اس پر تمھارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم بھی اُن کے مقابلہ میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو۔ نہیں جو کام نیک ہیں اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو کام گناہ اور زیادتی کے ہیں اُن میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے (۵:۲)۔

قرآن حکیم ہمیں حکم دیتا ہے کہ اگر آپ سے کوئی زیادتی کرے تو اس کا بدلہ لینے کا آپ کو حق ہے لیکن اگر معاف کر دو اور تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ پھر جو کوئی معاف کرے اور صلح کرے سو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ بیشک اللہ کو ظلم کرنے والے پسند نہیں ہیں اور جو کوئی بدلہ لے اپنے مظلوم ہونے کے بعد سو اُن پر کچھ الزام نہیں۔ الزام تو اُن پر ہے جو ظلم کرتے ہیں لوگوں پر اور زمین میں ناحق فساد برپا کرتے ہیں، ان لوگوں کیلئے دردناک عذاب ہے اور البتہ جس نے تحمل کیا اور معاف کیا بے شک یہ کام ہمت کے ہیں (۴۲:۴۰_۴۳)۔

قرآن حکیم کے مطابق اگر برائی کے مقابلہ میں بھلائی کی جائے تو وہ بڑے دوررس نتائج کی حامل ہوتی ہے۔ فرمایا'' نیکی اور بدی برابر نہیں۔ جواب میں وہ کہہ جو اس سے بہتر ہے پھر تو دیکھ لے کہ تجھ میں اور جس میں دشمنی تھی گویا دوست دار ہے قرابت والا (۴۱:۳۴)۔

حضرت حذیفہ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا'' تم ہر ایک کے پیچھے نہ چلو۔ تم کہتے ہو کہ اگر لوگ تمھارے ساتھ بھلائی کریں گے تو ہم بھی کریں گے۔ اور اگر ظلم کریں گے تو ہم بھی کریں گے۔ یہ نہیں بلکہ اپنے آپ کو پر سکون رکھو۔ لوگ تمھارے ساتھ بھلائی کریں تو بھلائی کرو اور برائی کریں تو بھی ظلم نہ کرو''۔ (۱۵)

حضورؐ نے ہمیں جو جنگی ضوابط عطا کیے ہیں اُن میں بھی بے گناہ اور جنگ سے لاتعلق لوگوں پر ظلم کرنے سے منع کیا ہے۔ ایک معرکہ میں حضورؐ نے کسی عورت کو مقتول پایا۔ آپؐ سخت ناراض ہوئے اور مجاہدین کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا میں نے تم لوگوں کو عورتوں کو قتل کرنے سے نہیں روکا؟ یہ تو تم سے لڑ نہیں رہی تھی۔ (۱۶)۔

لبنان کے بعض شر پسندوں نے وہاں کے عامل عبداللہ بن عباس کے خلاف بغاوت کر دی۔ وہ ان سے لڑے اور انہیں شکست دی۔ اس بغاوت میں کچھ ذمی بھی شریک تھے۔ عبداللہ نے باغیوں کو جلاوطنی کی سزا دینے کے ساتھ ساتھ ان اہل ذمہ کو بھی جلاوطن کر دیا جو اس بغاوت میں شریک نہ تھے۔ اس پر امام اوزاعی نے عبداللہ کو ایک خط لکھا۔ آپ نے لکھا؛ ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے جبل لبنان کے اہل ذمہ میں سے بعض لوگوں کو قتل کیا اور بعض کو اپنے وطن سے نکال دیا اور ان جلاوطن لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو باغیوں کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہیں کر رہے تھے۔ آپ بتائیں کہ ایک خاص آدمی یا گروہ کے گناہ کے عوض آپ عوام الناس کو کس اصول کے تحت سزا دے رہے ہیں؟ آپ اُن لوگوں کو اُن کے ملک اور جائدادوں سے نکال رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔۔۔'' اس خط کے بعد والی لبنان نے ان لوگوں کو اعزاز و اکرام سے اپنے گھروں کو لوٹا دیا۔ (۱۷)

روشن خیالی (Enlightenment) اور سیرت طیبہ کی رہنمائی

مغرب میں روشن خیالی کی تحریک کا آغاز سترہویں اور اٹھارویں صدی کے دوران ہوا۔ آج مغرب و مشرق کے غیر متعصب سکالرز اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ مغرب میں روشن خیالی کی تحریک کو پروان چڑھانے میں مسلمانوں کی فکر اور علوم نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس تحریک کے نتیجہ میں مغرب میں تمام علوم میں محیرّ العقول ترقی ہوئی۔ انسانی آزادی، حریت، حقوق، جمہوریت اور سماجی انصاف کا غلغلہ بلند ہوا۔ لیکن اس تحریک یا شاید نسل انسانی کی بدقسمتی تھی کہ روشن خیالی کی تحریک کے آغاز میں ہی اس کا اہل کلیسا کے ساتھ ٹکراؤ ہو گیا جس کی وجہ سے یہ تحریک مذہبی روشنی سے محروم ہو گئی۔ نتیجتاً بعض اعتبارات سے یہ تحریک انسانیت کیلئے سمِ قاتل ثابت ہوئی۔ مہلک ہتھیاروں کی تیاری، مادی پرستی کو پروان چڑھانے اور اخلاقیات کا جنازہ نکالنے میں روشن خیالی کی تحریک نے کلیدی کردار ادا کیا۔ اسی وجہ سے جدیدیت (modernity) کے جواب میں روشن خیالی کی تحریک کے ضرررساں پہلوؤں کی اصلاح کیلئے کام کیا جا رہا ہے۔ مذہب و سائنس کے ادغام کیلئے مغرب میں جو کوششیں ہو رہی ہیں وہ اس ضمن میں ہونے والی مساعی کا ایک پہلو ہیں۔

عرب کا معاشرہ اسلام کی آمد سے پہلے جہالت، بت پرستی، توہمات و تعصبات کی گرفت میں پوری طرح جکڑا ہوا تھا۔ اس کی آمد ان حالات میں روشنی کی کرن ثابت ہوئی۔ اسلام کی اولین وحی کا آغاز اقراء (پڑھ) سے ہوتا ہے اور اس میں تعلیم بالقلم کو رب کریم کی بہت بڑی نعمت قرار دیا گیا ہے۔ گویا یہ بات واضح کر دی گئی کہ اس دین مبین میں جہالت اور اوہام کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام کی روشنی کی بدولت دنیا کو جہالت توہمات اور اوہام سے نجات حاصل ہوئی۔ قرآن حکیم اس ضمن میں اعلان کرتا ہے:

وہی تو ہے جو اپنے بندے پر واضح (المطالب) آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ بے شک خدا تم پر نہایت شفقت کرنے والا اور مہربان ہے (۸:۵۷)

قرآن و سنت نبویؐ میں انسانوں کو آفاق و انفس میں غور و فکر اور تدبیر کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔ یہ غور و فکر و تدبیر دوگانہ مقاصد کا حامل ہے ایک طرف یہ معرفت ربانی کا ذریعہ ہے اور دوسری طرف تسخیر کائنات کا۔

قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

یقیناً زمین اور آسمانوں کی تخلیق میں اور دن رات کے ہیر پھیر میں عقلمندوں کیلئے بہت سے نشانات موجود ہیں (۳:۱۹۰)

ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے:

''اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیئے اور خود تمھارے اندر بھی سو کیا تم غور نہیں کرتے'' (۵۱: ۲۰-۲۱)
جو لوگ کائنات میں غور و فکر نہیں کرتے قرآن حکیم نے اُن کی مختلف انداز سے مذمت کی ہے اور انہیں چوپایوں سے بھی بدتر قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:
''اور ہم نے دوزخ کیلیئے بہت سے جن اور انسان پھیلا رکھے ہیں جن کے دل تو ہیں مگر وہ سمجھتے نہیں ہیں اور اُن کی آنکھیں تو ہیں مگر وہ اُن سے دیکھتے نہیں ہیں اور ان کے کان تو ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں ہیں۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں کیونکہ یہ غافل و بے پرواہ ہیں'' (۷: ۱۸۵) ایک اور جگہ فرمان خداوندی ہے:
اور ارض و سماوات میں کتنی ہی ایسی نشانیاں ہیں جب پر یہ لوگ آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں (۱۲: ۱۰۵)
اسلام کی تعلیمات حکمت اور دلیل پر مبنی ہیں اور وہ اُن اعمال و عقائد اور تصورات کو رد کرتا ہے جو دلیل سے عاری ہوں۔ قرآن حکیم میں مشرکین سے اُن کے شرکیہ اعمال کی دلیل طلب کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:
کیا لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود بنا لیے ہیں؟ کہہ دو اس بات پر اپنی دلیل پیش کرو (۲۱: ۲۴)۔
حضورؐ کا مقصد بعثت قرآن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔
''وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں ان ہی میں سے پیغمبر بنا کر بھیجا جو اُن کے سامنے اسکی آیتیں پڑھے اور اُن کو پاک کرتے اور خدا کی کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے'' (۶۲: ۲)
دانائی اور سمجھ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:
وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخش دیتا ہے اور جس کو دانائی ملی بے شک اس کو بڑی نعمت ملی اور نصیحت تو وہ لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں (۲: ۲۶۹) پیغمبرؐ خدا قرآن میں حکم دیا گیا کہ وہ لوگوں کو حکمت اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلائیں (۱۶: ۱۲۵)۔
اسلام نے ہر قسم کے تعصبات کو بھی جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ تعصب کی بنیاد قبیلہ قوم، زبان، علاقہ یا رنگ ہو سکتا تھا۔ اسلام نے ان تمام امتیازات کو مٹا دیا۔ فضیلت یا برتری کا معیار تقویٰ ٹھہرا نہ کہ رنگ، نسل یا علاقہ۔ کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ تمام انسان اولاد آدم ہیں اور حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ (۱۸)
مذہبی تعصبات کے خاتمہ کیلیئے کہا گیا کہ تمام انبیاء کی بنیادی دعوت ایک ہی تھی۔ اس کے علاوہ تمام انبیاء پر ایمان لانا اور کتابوں پر ایمان لانا اسلامی عقائد کا لازمی حصہ ہے۔ تفریق بین الرسل کی اجازت نہیں دی گئی۔ (۱۹)
اسلام کی آمد سے پہلے عدل و انصاف کے معاملہ میں دہرا معیار اختیار کیا جاتا تھا۔ اپنوں کیلیئے ایک قانون اور

دشمنوں کیلئے دوسرا قانون ہوتا تھا۔ قرآن میں حکم دیا گیا کہ دشمنوں کے معاملہ میں بھی عدل وقسط کو یقینی بناؤ۔

حضورؐ نے عصبیت جاہلیہ کے خاتمہ کیلئے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے اور وہ بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر لڑے اور عصبیت پر مرے۔ تعصب کی ایک اور شکل یہ ہوسکتی ہے کہ انسان کسی دوسری قوم کی اچھی چیزوں کو بھی اختیار کرنے سے اجتناب کرے۔ حضورؐ نے خود بھی دوسری اقوام کی اچھی چیزوں کو اختیار کرنے میں کبھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کیا اور ہمیں بھی حکمت اور دانائی کی باتوں کو حاصل کرنے میں بخل نہ کرنے کی تلقین کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ حکمت کی بات مومن کا گمشدہ سرمایہ ہے وہ اُسے جہاں پائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے" (۲۰) نیز فرمایا اچھی چیز لے لو اور جو بری ہے اُسے چھوڑ دو (خُذ و ماصفاودع ماکدار)۔

معتدل اور روشن خیال معاشرہ کی تشکیل

سطور بالا میں ہم نے روشن خیال اور معتدل معاشرہ کی تشکیل کی ضرورت پر سیرت طیبہ کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ اب ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ معتدل اور روشن خیال معاشرہ کی تشکیل کیلئے کون سے ضروری اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے۔

سیرت طیبہ کی روشنی میں جن اقدامات کی ضرورت ہے اُن کی تفصیل ذیل میں دی جارہی ہے:

عبدالحکیم مراد اپنے ایک مضمون Faith in the futures Islam after englightenment میں لکھتے ہیں

We need a bi- focal vision. We must have an eye on the eternal principles of sanctioned by the Quranic view of man's place in the scheme of things and also have the eye firmly fixed on the everchanging concourse of economic or political situation which confronts man from time to time. (21)

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ مغربی روشن خیالی کی طرح نہ تو مذہب کو گھر یا عبادت گاہ تک محدود کرنا اور حقیقی دنیا کو کفر یا برائی سمجھ کر اس کے تقاضوں سے روگردانی کرنا اچھی بات ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ روایتی اسلام دونوں طرح کے رویوں کی تائید نہیں کرتا۔ (۲۲)

علامہ اقبالؒ اپنے مشہور خطبات میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہیے اجتہاد کے حرکی تصور کو اختیار کر کے نئے نئے

تقاضوں کی تکمیل کریں۔ اقبالؒ نے مغربی روشن خیالی کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہوا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ مغربی تہذیب کے دو پہلو ہیں۔ ایک اس کا اندرونی مغز (Inner lore) ہے اور ایک اس کا چمکدار بیرون ہے۔ مغربی تہذیب کے Inner lore کو اختیار کر لیا جائے۔ چمکدار بیرون (Glittering Exterior) سے مراد اخلاقی تقاضوں سے روگردانی کر کے اباحیت کو پروان چڑھانا لیتے ہیں۔ مسلمانوں کیلئے اُن کا مشورہ یہ ہے کہ وہ مغربی تہذیب کے چمکدار بیرون سے دور رہیں۔

اس بحث کی روشنی میں یہ بات عیاں ہے کہ عصر حاضر کے چیلنجوں کا سامنا کرنے کیلئے امت مسلمہ کو سائنس و ٹیکنالوجی اور دوسرے علوم کے شعبوں میں تیز رفتار ترقی کرنا پڑے گی۔ اس ایک قدم سے اُن کی معاشی پسماندگی دور ہونے کے ساتھ ساتھ دفاع بھی مضبوط ہوگا اور کسی کو یہ جرات نہ ہوگی کہ وہ امت مسلمہ کے وسائل کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھے۔

۲۔ عالم اسلام کے پاس وسائل کی کوئی کمی نہیں۔ ضرورت صحیح منصوبہ بندی کی ہے۔ اس وقت کے عالمی تناظر میں اسلامی ممالک کو مشترکہ معاشی منصوبے شروع کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلامی ممالک کو اسلامک کامن مارکیٹ بنانے کی بھی ضرورت ہے۔ اس مقصد کی طرف پیش رفت کیلئے ابتدائی قدم کے طور تجارتی بلاک بنایا جائے اور اسلامی ممالک اپنی باہمی تجارت کو فروغ دیں۔ ان معاشی اقدامات سے معاشی ترقی کی طرف خاطر خواہ پیش رفت کی توقع ہے۔ معاشی خوشحالی سے مسلمان عوام میں بے چینی اور مایوسی کے آثار ختم ہوں گے جو انتہا پسندی کے رجحانات کیلئے مہمیز کا کام کر رہے ہیں۔

۳۔ اسلامی ممالک میں انفرادی جہاد کے رجحانات کو کیوں تقویت حاصل ہوئی ہے؟ اس بات کی طرف ابھی تک کسی نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ انتہا پسندی اور جنونانہ رجحانات کو تقویت دینے میں ایک اہم وجہ جو مہمیز کا کام کر رہی ہے وہ مسلمان حکومتوں کی اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے سے روگردانی ہے۔ اگر مسلمان حکومتیں دفاعی طور پر مستحکم ہوتیں اور وہ غیر ملکی یلغار کے خلاف مشترکہ طور پر کوششیں کرتیں تو افراد کو یہ کام کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے مقابلہ میں اسلامی ممالک مشترکہ دفاع کی قوت فراہم کریں۔

۴۔ اسلامی معاشروں میں بڑھتے ہوئے عدم برداشت اور انتہا پسندی کے رجحانات کے خاتمہ کیلئے منفی اور مثبت دو طرح کے اقدامات کی ضرورت ہے۔ منفی اقدامات میں اسلامی تعزیرات کا نفاذ شامل ہے۔ مثبت اقدامات میں نظام تعلیم کی اصلاح شامل ہے۔ نظام تعلیم کی اصلاح اس طرح کی جائے کہ اسلامی اخلاقی تعلیمات جو کہ اعتدال، میانہ روی، برداشت، عفو، درگزر، محاسبہ اخروی، خداخوفی سے متعلق ہیں کو نصاب تعلیم کا ہر سطح پر حصہ بنایا جائے۔ قرآنی اخلاقیات کی ترویج سے ہی معاشرہ میں بننے والے منفی رجحانات کا خاتمہ ممکن ہو سکتا ہے۔

۵۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دینے کیلئے جماعتوں اور حکومتی سطح پر بھی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اشتعال انگیز لٹریچر

کی اشاعت پر سختی سے پابندی لگانے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ انفرادی فتویٰ بازی کے رجحانات پر بھی پابندی لگانے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کی وجہ سے بغیر کسی رکاوٹ کے لوگ ایک دوسرے کو کافر کہہ کر واجب القتل قرار دے دیتے ہیں اور پھر مشتعل نوجوان عبادت گاہوں میں گھس کر مخالف فرقہ کے لوگوں کو خون میں لت پت کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

۶۔ حکومتی معاملات میں عوام کی شرکت کو یقینی بنانے کیلئے ضروری ہے کہ اسلامی معاشروں میں جمہوری قدروں کو فروغ دیا جائے اور عوام کو اُن کے حقوق کی ادائیگی کو یقینی بنایا جائے۔ اس قدم سے زیر زمین کام کرنے والی قوتوں کی حوصلہ شکنی ہوگی۔

۷۔ مسلم معاشروں میں وسائل کی تقسیم کے نظام بھی درست کرنے کی ضرورت ہے۔ وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم بھی بے چینی اور مایوسی کو جنم دیتی ہے اور معاشروں میں منفی ردعمل پیدا ہوتا ہے۔

۸۔ مسلم دنیا اور غیر مسلم دنیا کے درمیان ڈائیلاگ کو ہر سطح پر شروع کرنے کی بھی ضرورت ہے کیونکہ اگر غیر مسلم دنیا کو اُن کے غلط اقدامات سے صحیح طریقہ سے آگاہ کیا جائے اور ہمارے حکمران اُن کی ہر غلط اور نا روابات پر آمین نہ کہیں تو صورت حال کا معروضی تجزیہ کرنے کا غیر مسلم قوتوں کو موقع مل سکتا ہے۔ یہ چیز مسلمان ممالک کی ایک فعال تنظیم بھی اپنی مؤثر آواز کے ذریعے متعلقہ قوتوں تک بہتر طور پر پہنچا سکتی ہے۔

۹۔ اسلامی دنیا میں عوام کی فلاح و بہبود کو بڑھانے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ زکوٰۃ و صدقات اور وقف کے نظام کو فعال بنایا جائے اور غیر سرکاری فلاحی تنظیموں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۱۰۔ علماء کرام کے تعاون سے دینی نظام تعلیم کو دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت بھی ہے۔

References ماخذومراجع

(۱) Encarta world english Distionary 1999 Microsoft corporation (CD Rom)

(۲) Your self Alqardawi, Islamic Awakening between Rejection and Extremism----- www.wponline. org

(۳) فرحت عزیز دین ودنیامیں اعتدال وتوازن۔ ماہنامہ میثاق ۵۳(۱)۷ؑ(شمارہ جنوری 2004)۔

(۵) امین احسن اصلاحی(1983) ۔تدبر قرآن فاران فاؤنڈیشن لاہور جلد ۹ ۴۳۹۔۴۳۵

(۲) محولہ بالا------- Alqardawi -------- --------

(۷) ایضاً

(۸) ایضاً

(۹) AlAM CD Rom (Collection of the Ahadith books and the Holy Quran translations)

(۱۰) محولہ بالا Alqardawi ----------

(۱۱) ایضاً

(۱۲) ایضاً

(۱۳) ایضاً

(۱۴) ابن ہشام۔ سیرت النبی کامل۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، جلد دوم، 727 (مترجم غلام رسول مہر)

(۱۵) شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی۔ سیرت النبی، جلد 6 59

(۱۶) مصطفیٰ سباعی (مترجم سید معروف شاہ شیرازی)(1980)۔ اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو۔ اسلامک پبلیکیشنز لاہور، 142

(۱۷) ایضاً 146

(۱۸) محمد نسیم خان۔ عصر حاضر کے مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں۔ مقالات سیرت

(1995 قومی سیرت کانفرنس)۔

وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد۔ ۷۶۔۷۷

(۱۹) ایضاً

(۲۰) ڈاکٹر محمد رفیع الدین (1986)۔قرآن اور علم جدید۔آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس، لاہور ۱۳

(۲۱) Abdul- Hakim Murad. Faith in the future: Islam after englightenment.......... www.the modern religion.com/ht/faith-future.htr

(۲۲) ایضاً



عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت سیرت طیبہ کی روشنی میں

(ضیاءالدین احمد (ہری پور)

ہر دور کے انسان کو بزعم خود یہ گمان رہا ہے کہ وہ اپنی عقل کے گھوڑے دوڑا کر، اپنی قوت کو کام میں لاکر، زیادہ سے زیادہ دولت اکھٹی کر کے خود کو عقل کل سمجھ کر جو کچھ کرے گا، جو قانون بنائے گا وہ بہترین ہوگا۔ حالانکہ یہ سوچ ہی ہر دور کے انسان کے لئے تباہی کا سبب بنی کیونکہ ہر مخلوق کے خالق کا کام ہے کہ وہ اپنی تخلیق کے ٹھیک ٹھیک کام کرنے کے بارے میں ضابطہ کار متعین کرے۔ جب اس ضابطے کے مطابق کام لیا جائے گا تو مطلوبہ نتائج کا حصول ممکن ہوگا وگرنہ تباہی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ جب انسان نے خود ہی کو سب کچھ سمجھا تو انسانی معاشرہ فساد سے بھر گیا۔ ہر انسان دوسرے کی حیثیت کو ماننے پر قطعاً تیار نہ ہوا۔ ہر فرد یہ چاہتا ہے کہ دوسرے تو قربانی کر دیں مگر وہ نہ کرے۔ جب ایسا ہو تو معاشرے میں ظلم اور تعدی پھیل جاتی ہے اور قرآن کے بقول انسان جانور بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے بھی انسانی معاشرہ موجودہ مسائل جیسے ہی مسائل کا شکار تھا۔ اس کے تقاضے بھی کم و بیش وہی تھے۔ جن کا آج انسانی معاشرے کو سامنا ہے۔ مولانا حالیؒ کے بقول:

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

اب عصر حاضر کی طرف نظر دوڑائیے۔ معاشرے میں عدل و انصاف کا فقدان، منشیات کا استعمال، گداگری، سفارش، قحبہ گری، جرائم، قتل اور اغوا برائے تاوان، رشوت کی لعنت، دولت کی بے جا نمائش، کلاشنکوف کلچر، دہشت گری، جواء اور شراب نوشی، اسراف و تبذیر، سودی کاروبار، عریانی اور فحاشی، معاشرے میں خواتین و حضرات کے خلاف شرع معاملات،

وڈیو، سی۔ڈی پلیئر، کیبل اور انٹرنیٹ کا ناجائز استعمال، طبقاتی کشمکش، معاشرتی اونچ نیچ، بے روزگاری، منافقت، جھوٹ، ذخیرہ اندوزی، غیروں کی نقالی اور اتحاد امت کا فقدان جیسے معاشرتی مسائل اور برائیوں سے پورا معاشرہ دوچار ہے۔ان تمام مسائل کو حل کرنے کے لئے ایک ہی نسخہ کیمیا ہے۔وہ قرآن سے رہنمائی اور صاحب قرآن ﷺ کی حیات طیبہ پر خلوص دل سے عمل کرنا ہے۔تب ہی عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

جب بھی انسانی معاشرے پر ظلمات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھا جائیں۔ بھائی بھائی کا دشمن بن جائے۔انسانی جان کی قیمت مکھی اور مچھر کے برابر بھی نہ رہے۔نسل در نسل دشمنی اور قتل و غارت کا سلسلہ جاری رہے۔تو رحمت الٰہی کو جوش آتا ہے۔پھر نبوت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔اور اس کا برگزیدہ بندہ یعنی نبی و رسول لوگوں کو شب ظلمت سے روز روشن کی طرف لے جاتا ہے۔

دراصل خالق کائنات اللہ بزرگ و برتر نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر اس کرۂ عرضی پر اپنا نائب بنا کر بھیجا۔اور ساتھ ہی اس نے اپنی اس مخلوق کی رہنمائی کے لیئے اپنے بندوں میں سے پسندیدہ ترین حضرات کو انبیاء و رسل کی صورت میں مبعوث فرمایا۔تاکہ وہ عملی طور پر خالق کل کی ہدایات پر عمل کر کے حضرت انسان کو دکھا دیں۔اور وہ اس دارالامتحان میں سے کامیاب ہو کر جنت میں جانے والا بن جائے۔

سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب ہدایت قرآن مجید فرقان حمید نازل فرمائی۔اور ساتھ ہی اپنے محبوب ﷺ کو مبعوث فرمایا۔نیز فرمایا۔ **ان الدین عنداللہ الاسلام** (آل عمران، آیت ۱۹)۔ ترجمہ! بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔ اللہ رب العزت نے لفظ دین استعمال کیا ہے۔مذہب نہیں۔وجہ یہ ہے کہ دین کا مطلب ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔جو انسانی زندگی کے ہر ہر لمحہ اور ہر ہر زمانہ کے لیئے رہنمائی کے قوائد و ضوابط کا مجموعہ ہے۔ اسلام محض دیگر نام نہاد مذاہب کی طرح چند عبادات و من گھڑت رسومات کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ اس میں اللہ رب العزت خالق کل کائنات کی طرف سے مکمل ہدایات کے ساتھ ساتھ عملی طور پر رسول کریم ﷺ کی سنت مطہرہ کا بیش قیمت خزانہ بنی نوع انسان کے لیئے بھیجا گیا۔

ان ہی رسول رحیم و کریم ﷺ کے بارے میں اللہ رب العزت کا فرمان عالیشان یہ ہے کہ!

ترجمہ: دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول ﷺ آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔تمھارا نقصان میں پڑنا اس پر گراں گزرتا ہے۔تمھاری فلاح کا وہ حریص ہے۔ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ﷺ ہے۔(سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۲۸)

اس ارشاد خداوندی سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ آپ ﷺ کی ذات گرامی انسانوں کی فلاح و بہبود کی متمنی ہے۔ان کی

خواہش ہے کہ ہر دور کے انسان احکامات الہیٰہ کے مطابق سنت رسول کریم ﷺ پر عمل کر کے جہنم سے بچ کر جنت میں جانے والے بن جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ رب العزت نے ہر عہد کے لوگوں کے لیئے تا قیامت مبعوث فرما کر آپ ﷺ پر دین کی تکمیل اور سلسلہ نبوت کو ختم فرما دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **وما ارسلنک الا کافة لناس بشیراً ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔** (سورۃ السباء، آیت نمبر ۲۸)

ترجمہ: اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لئے بشیر (خوشخبری سنانے والا) اور نذیر (خبردار کرنے والا) بنا کر بھیجا ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مزید فرمایا! **قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔** (سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۵۸) ترجمہ! (اے محمد ﷺ) کہہ دیجیئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف (تمام انسانوں اور تمام زمانوں) اللہ کا بھیجا ہوا رسول ﷺ ہوں۔ نبی آخر الزماں ﷺ کا اپنا ارشاد گرامی ہے۔ **کان کل نبی یبعث لی قوم خاص وبعث لی کل احمر و اسود۔** (صحیح مسلم باب المساجد)

ترجمہ! ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا۔ اور میں تمام سرخ و سیاہ قوموں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

چونکہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا۔ اس لئے آپ ﷺ کا پیغام ابدی و سرمدی ہے۔ اب قیامت تک کے انسانوں کو رہنمائی کے لئے جس ذات گرامی القدر تک رسائی حاصل کرنی ہے۔ وہ آپ ﷺ کی ذات والا صفات ہی ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی ذات ایک زبردست پر امن انقلاب لے کر آئی۔ جس کی وجہ سے عرب سے عجم تک قعر مذلت میں گری ہوئی انسانیت آفاق کی بلندیوں کو چھونے لگی۔ آپ ﷺ کے آنے سے پہلے ہر طرف ظلم وستم جاری تھا۔ ہر قسم کی مخلوق ظلم تلے کراہ رہی تھی۔ مگر آپ ﷺ کے آنے کے بعد بدی نے نیکی اور سچائی کا، ظلم نے رحم کا، سرکشی نے اطاعت اور سلامتی کا، زبوں حالی نے عروج کا اور ہر قسم کی بداخلاقی نے حسن اخلاق کا روپ دھار لیا۔ قلب و نظر کے زاویے بدلے، فکر و عمل کے دھارے بدلے تو مہر و ماہ اور بتوں کے پجاری ایک خدائے لاشریک کے سامنے جھک گئے۔ یہی تقاضا آج کا بھی ہے کہ سوچ کے دھارے قرآن و صاحب قرآن ﷺ کی طرف موڑ دیئے جائیں تو انسانیت کی معراج کا حصول آج بھی ممکن ہے۔ عصر حاضر میں ایک بار پھر اسی دور کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔

فطری طور پر انسان تقلید پسند ہے۔ وہ دوسروں کی نقالی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن جب عصر حاضر کا انسان دنیا کے دیگر اکابر (HEROES) کی طرف رہنمائی حاصل کرنے کی غرض سے نظر ڈالتا ہے۔ تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ان تمام میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ جس کے کمال کی چمک دمک انسانی زندگی کے ایک دو شعبوں سے آگے بڑھ سکی ہو۔ کوئی نظریات کا

بادشاہ ہے مگر عملی قوت نہیں رکھتا، کوئی عمل کا پتلا ہے مگر فکر میں کمزور ہے، کسی کے کمالات سیاسی تدبر تک محدود ہیں، کوئی محض فوجی ذہانت کا مظہر ہے، کسی کی نظر اجتماعی زندگی کے ایک پہلو پر اتنی زیادہ گہری جمی ہے کہ دوسرے پہلو اوجھل ہو گئے، کسی نے اخلاق اور روحانیت کو لیا تو معیشت اور سیاست کو بھلا دیا، کسی نے معیشت و سیاست کو لیا تو اخلاق اور روحانیت کو نظر انداز کر دیا، کوئی ظاہر کا حسین و جمیل ہے تو اس کا باطن تاریک ہے۔

الغرض تاریخ میں ہر طرف ایک ہی سوچ کے ہیرو نظر آتے ہیں، مگر ایک ایسی شخصیت جس میں تمام کمالات و جمالات جمع ہیں، جو خود ہی فلسفی اور حکیم بھی ہے اور خود ہی اپنے فلسفہ کو عملی زندگی میں نافذ کرنے والا بھی ہے، جو سیاسی مدبر بھی ہے اور فوجی لیڈر بھی، وہ وہ ہستی ہے کہ جس کے بارے میں خدائے لم یزل نے ارشاد فرمایا؟ **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ۔** (سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۲۱) ترجمہ! بے شک تمھارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔

تا قیام قیامت آنے والے انسانوں کو اپنے معاشروں سے ظلمت و تعدی کے بادل چھٹانے کے لئے جس ہستی کی پیروی کرنی پڑے گی۔ وہ آمنہ کے لعل، عبداللہ کے لخت جگر، عبدالمطلب کے پوتے، فاطمہؓ کے پدر بزرگوار، عائشہؓ و حفصہؓ کے سرتاج، کل کائنات کے لیئے رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی ہیں۔

آخر کیوں؟ اس لئے کہ صرف آپ ﷺ کی ذات اقدس میں ہی وہ تمام خوبیاں موجود ہیں۔ جو انسان کو ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی دیتی ہیں۔ جب آپ ﷺ حلف الفضول میں سرگرمی سے کردار ادا کرتے ہیں تو آپ ﷺ ایک امن پسند اور صلح جو جوان ہیں، جب آپ ﷺ حجر اسود کے نصب کرانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں تو آپ ﷺ کی صداقت و امانت کی وجہ سے لوگ آپ ﷺ کو صادق اور امین کہتے ہیں، جب آپ ﷺ حرا سے انسانیت تک خدا کا پیغام پہنچاتے ہیں تو بہترین پیغمبر، جب اصحاب صفہ کو تعلیم دیتے ہیں تو ایک مہربان معلم، جب صلح حدیبیہ کا صلح نامہ لکھواتے ہیں تو ایک دانش مند مصلح، جب گھریلو معاملات نمٹاتے ہیں تو ایک مثالی شوہر اور شفیق باپ، جب بدر و حنین کی صف بندی کرتے ہیں تو اعلیٰ پائے کے سپہ سالار، جب احد کے میدان میں استقامت سے داد شجاعت دیتے ہیں تو ایک نڈر اور دلیر سپاہی، جب ریاست مدینہ کی تنظیم و ترتیب کرتے ہیں تو ایک بہترین منتظم، میثاق مدینہ لکھواتے ہیں تو سب سے بڑے قانون ساز، جب منصفی کرتے ہیں تو بے لاگ انصاف کرنے والے کے روپ میں نظر آتے ہیں۔ اسی لئے تو رب العزت نے آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ فرمایا! **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** (سورۃ النساء، آیت ۸۰)

ترجمہ! جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

آپ ﷺ اخلاق وسیرت کے اعتبار سے وہ منور آفتاب ہیں کہ جس میں ہر خوبی کی جھلک، ہر حسن کا رنگ موجود ہے۔ آپ ﷺ تمام انبیاء کی خوبیوں کا مجموعہ ہیں۔ آپ ﷺ حضرت مسیحؑ کی طرح نرم خو اور حضرت ایوبؑ کی طرح صابر بھی، آپ ﷺ نے حضرت ابراہیمؑ کی طرح وطن چھوڑا، ہجرت فرمائی اور دشمنی وعداوت کی آگ میں ڈالے گئے۔ پھر بھی دنیا کو ٹھنڈک اور سلامتی کا پیغام دیا۔ حضرت یونسؑ کی طرح غار ثور میں رہے، حضرت سلیمان کی طرح دنیا میں حکومت قائم کی اور مدینہ منورہ میں اللہ کا گھر بنایا جو ہمیشہ اہل ایمان کا محبوب مرکز رہے گا۔

غرضیکہ وہ تمام خوبیاں جو پہلے انبیاء میں پائی جاتی تھیں وہ سمٹ کر آپ ﷺ کی ذات مبارکہ میں سمودی گئیں۔ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا کوئی گوشہ تصوراتی یا خیالی نہیں۔ آپ ﷺ کی پیدائش سے وصال تک کا مکمل ریکارڈ اظہر من الشمس ہے۔

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ **وما ینطق عن الھوی** (سورۃ النجم، آیت نمبر ۳) سے لے کر **کان خلقه القرآن** (صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ) تک توازن، امتزاج اور اعتدال کا انتہائی جامع، دلکش اور قابل عمل نمونہ ہے۔ اسی لئے تو رب العزت نے تمام انسانوں اور ادوار کے لئے آپ ﷺ کو بہترین نمونہ قرار دیا۔ (سورۃ احزاب آیت نمبر ۲۱)

حسن کی ایک بہترین مثال اعتدال وتوازن اور میانہ روی کی گئی ہے۔ جب انسانی معاشرہ کے حوالے سے بات کی جائے تو حسین معاشرہ وہی ہوسکتا ہے کہ جس میں روشن خیالی (نہ کہ آزاد خیالی و مادر و پدر آزادی) اور اعتدال پسندی کی روایات خالق کائنات کی ہدایات اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہوں۔

وقت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ **خیر القرون قرنی** ترجمہ! بہترین زمانہ میرا ہے۔ جب ہم ایک مثالی اعتدال پسند معاشرے کی تخلیق کرنا چاہیں گے تو ہمیں اس دور کے تقاضوں کے مطابق قرآن و سنت سے رہنمائی لینا ہوگی۔ موجودہ دور سائنس وٹیکنالوجی کا دور کہلاتا ہے۔ بظاہر اس دور کا تعلق ساڑھے چودہ سو سال پہلے سے نہیں بنتا۔ مگر خالق کائنات نے جو کتاب ہدایت اور نبی آخر الزمان ﷺ کی حیات طیبہ وتعلیمات دی ہیں وہ ہر دور کے لئے قابل عمل ہیں۔ جب بھی اور جہاں بھی ان پر عمل درآمد کیا گیا دنیا نے دیکھا کہ وہیں یہ کرۂ ارض جنت نظیر بن گیا اور جہاں جہاں ان سے روگردانی کی گئی تو وہاں ظلم وجبر اور افتراق وبے چینی اور قتل وغارت گری نے جگہ لے لی۔

عصر حاضر کے تقاضے اور ایک اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیئے سیرت طیبہ ﷺ کے حوالہ سے درج ذیل نکات پیش کیئے جاتے ہیں۔

۳۱۔ اتحاد و اتفاق امت اور وحدت فکر

اسلامی معاشرہ کے لیئے آج کے دور کا اہم ترین تقاضا اتحاد و اتفاق امت اور ان کی وحدت فکر ہے۔ پوری دنیا کے مسلمان بلا رنگ ونسل، زبان وثقافت، ایک کلمہ توحید و رسالت کی لڑی میں پروئے ہوئے دانوں کی طرح ہیں۔ دین اسلام نے ان تمام اختلافات کے باوجود انہیں ایک امت قرار دیا ہے۔ امت کا لفظ عربی زبان میں ام سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ماں، اصل بنیاد، مرکز اور طور طریقہ کے ہیں۔ جس طرح ماں ایک خاندان کی اصل بنیاد اور آغاز ہوتی ہے۔ جب تک اہل خاندان اس سے وابستہ رہیں۔ وحدت فکر و عمل موجود رہتی ہے۔ اسی طرح ایک ریاست کی وحدت و یکسانیت اسی امت کے تصور سے وابستہ ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی جو جماعت تشکیل اس میں وحدت فکر پائی جاتی تھی۔ اس جماعت میں خون و نسل، رنگ و زبان کی کوئی تمیز نہ تھی۔ آنحضور ﷺ کے پیروکاروں کی صفات بیان کرتے ہوئے رب العزت نے فرمایا!

محمد الرسول الله والذين معه اشدآ علي الكفار رحماء بينهم (سورۃ الفتح آیت نمبر ۲۹)

ترجمہ! محمد ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اور جو ان کے ساتھی ہیں وہ کافروں کے حق میں تو بہت سخت ہیں۔ لیکن آپس میں بہت رحم دل ہیں۔

مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق، اخوت و بھائی چارہ اور اسلامی تشخص کے حوالہ سے ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ

توی المئومنین فی تراحمهم وتوادهم وتماطفهم کمثل الجسد اثااشتکی عضوا تداعی لو سائر الجسد بالسبرو لحمی۔ (البخاری، کتاب الادیب باب رحمت الناس، حدیث نمبر ۶۰۱۱)

ترجمہ! تم مومنوں کو ایک دوسرے پر رحم کرنے میں باہم محبت کرنے میں، اور ایک دوسرے کے ساتھ نرمی وشفقت کرنے میں ایسے دیکھو گے جیسے ایک جسم ہوتا ہے۔ (جسم کا یہ حال ہوتا ہے کہ) اس کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے سارا جسم بیدار رہتا ہے۔ اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

صحابہؓ کی اس جماعت میں اس حد تک اجتماعی سوچ اور بھائی چارہ پیدا ہو گیا تھا کہ ان میں ایک سلمان فارسیؓ تھے جو کہ ایرانی تھے۔ جب ان کا نسب پوچھا جاتا تو وہ فرماتے تھے سلمان بن اسلام۔ حضرت علیؓ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ **سلمان منا اهل البيت** یعنی سلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں۔ اسی جماعت میں حبشہ کے بلال حبشیؓ بھی تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ **بلال سيدنا ومولي سيدنا** یعنی بلالؓ ہمارے آقا کا غلام اور ہمارا آقا ہے۔ اسی جماعت میں صہیب رومیؓ بھی تھے۔ جنہیں حضرت عمرؓ نے اپنی جگہ نماز میں امامت کے لئے کھڑا کیا۔ ان میں زید

بن حارثہؓ ایک غلام جن کے ساتھ رسول اکرم ﷺ نے خود اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کو بیاہ دیا تھا۔ ان میں حضرت زید کے بیٹے حضرت اسامہؓ تھے جن کو رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے لشکر کا سردار بنایا تھا جن میں حضرت ابو بکرؓ، عمر فاروقؓ، ابو عبیدہ بن الجراحؓ، جیسے جلیل القدر صحابہؓ موجود تھے۔ انہیں اسامہؓ کے متعلق حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ فرمایا کرتے تھے کہ اسامہؓ کا باپ تیرے باپ سے افضل اور خود اسامہ تجھ سے افضل ہے۔ سیرت طیبہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے تو پورے عالم کے مسلمانوں کو ایک دیوار قرار دیا ہے۔ فرمایا!

المئومنین للمئومن کالبنیان یشد بعض بعضا (البخاری، کتاب المظالم، باب نصر المظلوم، حدیث نمبر ۲۴۴۶)

ترجمہ! مومن مومن کے لئے دیوار کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے۔

ایک مثالی اسلامی معاشرے کی تخلیق کے لئے ہمیں تعلیمات نبویہ پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔ اگر چہ اس وقت امت میں بہت اختلافات ہیں۔ لیکن جب سیرت طیبہ کے عملی نفاذ کی طرف شعوری کوششیں کی جائیں گی۔ تو یقیناً ہدف حاصل ہو سکے گا۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی ان کا نبی ﷺ، دین بھی، قرآن بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

(اقبال)

۲۔ علم و حکمت کا حصول اور سائنسی علوم پر توجہ

اسلام ایسا دین ہے کہ جس کی ابتدا ہی اقراء (پڑھیے) سے ہوئی۔ لیکن کم قسمتی کی وجہ سے عصر حاضر میں مسلم دنیا اس میدان میں بھی دنیا کی دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہے۔ عرب معاشرہ میں لکھنا پڑھنا عار سمجھا جاتا تھا۔ بعثت نبوی ﷺ کے وقت مکہ میں صرف سترہ (۱۷) افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ غزوہ بدر کے پڑھے لکھے اسیران کے لئے یہ فدیہ قرار پایا کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا کر آزاد ہو سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ عرب کہ جہاں پڑھنا لکھنا معیوب تھا۔ عہد نبوی ﷺ میں اس معاشرہ میں شرح خواندگی ۸۵ فیصد تک پہنچ گئی تھی۔ (پروفیسر رب نواز۔ آنحضور ﷺ کی تعلیمی جدوجہد صفحہ نمبر ۹)

آپ ﷺ نے حکمت ودانائی کے حصول کے بارے میں ارشاد فرمایا!

الحکمة ضالة المئومن فحیث وجدھا فھو احق بھا (مشکوۃ المصابیح کتاب العلم)

ترجمہ! حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے۔ جہاں پائے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

اس لئے دنیا جہاں کے علوم وفنون کے خزانے مسلمانوں کے ہاتھوں میں پہنچے اور انہوں نے دنیا کو سائنس وٹیکنالوجی کے اطلاقی پہلو کی طرف توجہ دلائی۔ جس کی دنیا پر آج مغرب، امریکہ اور دوسری ترقی یافتہ اقوام دنیا پر حکمرانی کر رہی ہیں۔ سائنس وٹیکنالوجی میں سب سے اہم اور بنیادی کردار لوہے اور فولاد کا رہا ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اس کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا۔

وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع الناس (الحدید ۲۵)

ترجمہ! ہم نے لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے۔ اور لوگوں کے لئے منافع ہے۔

آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو عبرانی زبان سیکھنے کو کہا تا کہ یہود سے معاملات کرتے وقت مسلمانوں کو آسانی رہے۔ اسی لئے اس دور میں دوسری زبانوں کو سیکھنا قطعاً معیوب نہیں۔ بلکہ معاشی ترقی کا زینہ ہے۔

۳۔ عدل وانصاف اور مساوات واعتدال

کسی چیز یا وزن کو دو برابر کے حصوں میں اس طرح بانٹ دینا کہ دونوں میں سے کسی ایک میں بھی ذرہ برابر کمی بیشی نہ رہے۔ عدل کہلاتا ہے۔ عام اصطلاح میں اور قضا کے نقطہ نظر سے عدل کا مفہوم یہ ہے کہ روزمرہ کے معاملات میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے وقت جج یا قاضی عدل وانصاف کے ساتھ ان کے حقوق عامہ کا یوں تحفظ کرے کہ کسی ایک کی بھی حق تلفی نہ ہونے پائے اور اسے اس مقصد کے حصول کے لیئے ایسا قانون بھی میسر ہو۔ جس کی نظر میں سب انسان برابر ہوں۔ عدل وانصاف کا متضاد ظلم وتعدی ہے۔ جس معاشرہ میں عدل نہ ہو وہاں ظلم جگہ بنالیتا ہے۔ حالانکہ ارشاد خداوندی ہے۔

عدلوا ھو اقرب لتقوی (مائدہ، آیت نمبر ۸)

ترجمہ! انصاف کرو یہی تقوی سے قریب تر ہے۔

قرآن مجید کے مطابق ماضی میں جتنی بھی آسمانی شریعتیں اتاری گئیں اور جتنی بھی کتب سماوی بھیجی گئیں ان سب کا واحد مقصد یہ تھا کہ لوگ عدل وانصاف پر قائم ہو جائیں۔ کوئی عالم گیر نظام ظلم کی بنیاد پر قائم نہیں رہ سکتا۔ ماضی قریب وبعید کے تمام ظالمانہ نظام بھی اسی لئے فنا کا شکار ہوئے کہ ان کی بنیاد ظلم پر تھی۔ اسلامی شریعت میں جہاں عدل وانصاف کی فطری اہمیت

بیان کی گئی، وہیں حضورﷺ نے اس کی عملی تفصیلات بھی بیان فرمائیں۔

بنیادی انسانی حقوق، عدل وانصاف، مساوات اور اعتدال کے مجرد اور مبہم نعرے لگانا تو آسان ہیں مگر ان کی عملی تفصیلات کا تعین اور ان پر عمل درآمد اصل کارنامہ ہے۔ آپﷺ نے جہاں عدل کو ہر انسانی معاملہ کی اساس قرار دیا ہے وہاں عدل کی عملی تفصیلات اور احکام بھی بیان فرمائے ہیں۔ اور ان کا عملی نمونہ بھی دنیا کو دکھایا۔

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہﷺ کو امت وسط قرار دیا۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۴۳) امت وسط سے مراد انسانوں کا ایسا گروہ جو عدل پر قائم ہو اور اعتدال کا راستہ اختیار کرے تاکہ کسی بھی شخص سے زیادتی نہ ہو۔ اور سب کے ساتھ یکساں سلوک ہو۔ اور ظالم و مظلوم ہر ایک کا مددگار ہے۔ عدل و اعتدال کا دائرہ صرف مقدمات کے فیصلے تک محدود نہیں۔ بلکہ یہ معاشرتی و معاشی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے۔ اگر ایک انسان زندگی کے ہر معاملے میں عدل و اعتدال کا راستہ اختیار کرے تو اسی طرح اس کے مزاج میں ٹھہراؤ اور میانہ روی پیدا ہوگی۔ اور اسلامی تعلیمات بھی انسان کو زندگی کے ہر میدان میں اعتدال کا درس دیتی ہیں۔ یہ اعتدال عبادات و معاملات میں بھی مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے پسندیدہ بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا!

والذین اذا انفقوا لم یسر فوا ولم یقتروا وکان بین ذٰلک قواما (سورۃ الفرقان، آیت نمبر ۶۷)

ترجمہ! اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ ہی تنگی کرتے ہیں۔ اور ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے عدل و اعتدال، فضول خرچی سے اجتناب، مذہبی اور معاشرتی معاملات کے لئے ایک رہنما اصول عطا کردیا ہے۔ خود آنحضورﷺ نے فرمایا! کہ میں خدا سے تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ مگر میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں۔ اور نکاح بھی کرتا ہوں۔ (بخاری کتاب النکاح)

۴۔ نظم وضبط کا اہتمام

امت مسلمہ آج جس زبوں حالی سے دوچار ہے۔ اس میں جہاں اور بہت سے عوامل کارفرما ہیں۔ وہاں ایک بڑی اور اہم جگہ نظم وضبط کا فقدان ہے۔ یہ آج کا ایک بڑا تقاضا ہے۔ نظم وضبط کا یہ فقدان ہماری عام زندگی میں، سفر میں، بازار میں اجتماعات میں ہر جگہ دیکھا جاسکتا ہے۔ اور یہ بدنظمی اور حقیقت ہلاک کردینے والی ہے۔ عذاب یہ ہی نہیں کہ آسمان سے پتھر

برسیں۔قوت کار کو مفلوج کر دینے والی بد نظمی بھی درحقیقت ایک بڑا عذاب ہے۔

سیرت طیبہ ﷺ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ کی پوری حیات طیبہ نظم و ضبط کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہے۔آپ ﷺ نے نماز سے لے کر جہاد تک تمام اعمال میں نہایت عمدہ انتظامی و انضباطی طرز عمل اختیار فرمایا۔جیسا کہ بیان کیا گیا۔

لكل حال عنده عتاد (شمائل ترمذی صفحہ نمبر ۲۴)

ترجمہ!ہر حال کے لئے آپ ﷺ کے پاس سامان تیار ہوتا تھا۔

آپ ﷺ نماز کی صفوں کی درستگی کا خوب خیال فرماتے تھے۔(بخاری کتاب الصلوۃ)

اسی طرح جہاد کی صفوں کو آپ ﷺ خود اہتمام کے ساتھ درست فرماتے تھے اور لشکر کو مختلف حصوں میں نہایت عمدگی سے ترتیب دیتے تھے۔ (جامع الترمذی باب ماجاء فی القصف جلد اول صفحہ نمبر ۲۰)

آپ ﷺ کی مجلس علمی بھی نظم و ضبط کی بہترین صورت کے ساتھ قائم ہوتی تھی جس کا حال حدیث مبارکہ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔کہ جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کے پاس بیٹھنے والوں کا حال یہ ہوتا تھا کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔(شمائل ترمذی صضحہ نمبر ۲۵)

۵۔حقوق انسانی کا تحفظ اور احترام انسانیت۔

آنحضور ﷺ رحمت اللعالمین ہیں اور اس حیثیت سے آپ ﷺ نے تمام انسانوں کے حقوق کے تحفظ کا نہ صرف فریضہ انجام دیا بلکہ عملی طور پر اس کا مظاہرہ بھی فرمایا۔آپ ﷺ نے خواتین،غلاموں،زیردستوں،کمزوروں حتیٰ کہ جانوروں اور پرندوں کے ساتھ ساتھ پودوں کے تحفظ کی تعلیم دی اور اس کا عملی مظاہرہ بھی فرمایا۔تاکہ قیامت تک آنے والے لوگ اس مینارۂ نور سے ہدایت کی روشنی حاصل کر کے اپنے ظلمت زدہ دور کو روشن کر سکیں۔

خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: **فان تعاء کم واموالکم واعرضکم حرام الی ان تلقوا ربکم کحرمنه یومکم هذا۔** (ابن ہشام،السیرۃ النبویہ ج ۴،ص نمبر ۲۵۰)

ترجمہ!بے شک تمھاری جان و مال و آبرو ایک دوسرے کے لئے اسی طرح محترم ہیں جس طرح آج کا دن حتیٰ کہ تم اللہ سے جا ملو۔

آپ ﷺ نے خواتین اور بچوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی اور فرمایا **خیرکم خیرکم لاھلی وانا خیرکم لاھلی** (ترمذی،جلد ۵ ص نمبر ۴۷۵)

ترجمہ! تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لئے سب سے بہتر ہوں۔

ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جب خود کھائے تو اس کو بھی کھلائے اور جب خود پہنے تو اس کو بھی پہنائے۔ نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے، نہ اس کو برا بھلا کہے اور اگر اس سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے تو یہ گھر کے اندر ہی رہے یعنی خفا ہو کر گھر نہ چھوڑ دے۔ (ابن ماجہ، کتاب النکاح، ج ۲، ص نمبر ۵۹۰، حدیث نمبر ۱۸۵۰)

حضرت ام سلمہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس عورت کا اس حالت میں انتقال ہوا کہ اس کا شوہر اس سے راضی تھا تو وہ جنت میں جائے گی۔ (ابن ماجہ، ج ۲، ص ۵۹۲، حدیث ۱۸۵۴)

علاوہ ازیں آپ ﷺ کے اسوہ کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ مظلوموں کی داد رسی فرماتے۔ اور کمزوروں محتاجوں اور مفلوک الحال طبقے کی امداد واعانت کے حوالے سے بھی پیغمبر رحمت ﷺ محسن انسانیت کی حیات طیبہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ آپ ﷺ غمگسار جہاں اور رحمت عالم ﷺ بن کر آئے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

کلُ الخق عیال اللہ فاحب الخلق لی المومن احسن لی عیال۔

(الخطیب، مشکوت المصابیح ص ۴۲۸)

ترجمہ! پوری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کے نزدیک مخلوق میں پسندیدہ ترین وہ ہے جو اللہ کے کنبے سے بھلائی کرے۔

۶۔ ایثار اور خدمت خلق۔

سیرت طیبہ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ نے امت کو خدمت خلق اور ایثار کی تعلیم دی۔ دوسروں کی خاطر اپنے مفادات کی قربانی ایک بڑی نیکی قرار دی۔ نہ صرف یہ بلکہ اس پر عمل کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ نے خود غزوہ خندق کے موقع پر اپنے ساتھیوں کے شانہ بشانہ خندق کھودی اور مٹی نکال کر باہر پھینکی، مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت اپنے کندھوں اور پیٹھ پر گارا اور پتھر اٹھا اٹھا کر لائے، اور دوران سفر کھانا پکانے کے لئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ساتھ ایندھن کے لئے لکڑیاں اکٹھی کیں اور باوجود ساتھیوں کے منع کرنے کے اپنے حصے کا کام کرتے رہے۔

یہ پیغام ہے آج کے نام نہاد بادشاہوں، حکمرانوں کے لئے جو عوام کو اپنا غلام سمجھ کر اونچے اونچے محلات اور ایوانوں میں عیش و آرام کے مزے لوٹتے ہیں۔ یہ راہ عمل ہے ان کمانڈروں کے لئے جو محاذوں سے دور بیٹھ کر اپنے مسلح یا نہتے جوانوں کو دشمن کا تر نوالہ بنا کر خود محض احکامات جاری کرتے رہتے ہیں۔ ہر صاحب اختیار شخص کے لئے لمحہ فکریہ ہے، جس کے پاس

ذرا سا بھی اختیار ہو وہ اپنے آپ کو امت رسول ﷺ کا فرد سمجھتا ہو کہ وہ کس جگہ کھڑا ہے۔ اس لئے کہ فرمان رسول ﷺ ہے کہ

کالکم راع وکلکم مسوء له عن رعیته (صحیح بخاری کتاب الاحکام)

ترجمہ! تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اسکی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

۷۔ شورائیت کا نظام حکومت۔

اسلامی معاشرہ کا نظام حکومت مشورہ پر قائم ہے۔ جس کو شورائیت کا نظام کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ بھی نظم حکومت اور دیگر معاملات پر بھی صحابہؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے کہ مشورہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں دو مقامات پر واضح طور پر مشورہ کے بارے میں حکم آیا ہے۔

وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی الله۔ (سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹)

ترجمہ! اور آپ ﷺ ان صحابہ سے کام میں مشورہ لیجیئے پھر جب آپ ﷺ مشورہ کے بعد کسی بات کا عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کریں۔

سورہ شورہ میں سچے مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی۔

وامرھم شوری بینھم (سورہ شوریٰ آیت ۳۸)

ترجمہ! اور ان کے اجتماعی اور باہمی مشورہ سے انجام پاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے مشورہ کی اہمیت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی۔ **ماشاور قوم الاھتدوا**۔ (طبرانی)

ترجمہ! جس قوم نے باہمی مشورہ سے کام کیا اس نے فلاح پائی۔

۸۔ دفاعی قوت کا حصول اور جدید حربی وسائل کی فراہمی۔

اس وقت دنیا میں سوا ارب سے زائد مسلمان ہیں۔ لیکن صنعتی اور دفاعی پیداوار کے معاملہ میں دوسروں کے دست نگر ہیں۔ اسکی اہم وجہ جدید سائنسی علوم سے اغماض برتنا ہے۔ دیگر میدانوں میں پسماندگی کی وجہ سے اس وقت پوری دنیا میں بسنے والے ۴۰ کروڑ سے زائد مسلمان افلاس کی نچلی سطح پر انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اسلامی دنیا کے پاس دنیا کے کل ذخائر میں سے ۲۵ فیصد موجود ہیں اور تیل جیسی دولت کا ۷۰ فیصد صرف عرب ممالک کے پاس ہے۔ مگر اس تمام دولت کے باوجود مسلمانوں کی پسماندگی کی واحد وجہ احکامات ربانی اور ارشادات نبوی ﷺ سے روگردانی ہے۔ حلانکہ ارشاد خداوندی ہے کہ۔ **واعد والھم به مااستطعتم من قوة ومن رباط الخیل ترھبون به عدوالله**

وعدوکم واخرین من دونھم۔ (سورہ الانفال، آیت ۶۰)

اورتم کافروں کے مقابلے میں تمام قوت اور پلے ہوئے گھوڑے جوتم سے ہوسکیں مہیا کرو جس سے تم اللہ تعالی کے اور اپنے دشمن کو اوران کے سوادوسرے لوگوں کو جن کوتم نہیں جانتے مرعوب کرو۔

یہاں رب العزت نے لفظ قوت استعمال کیا ہے۔اس سے مفسرین کرام یہ مراد لیتے ہیں کہ ہرقسم کی جدید قوت اس میں شامل ہے۔آنحضورﷺ خود صحابہؓ کو رائج الوقت اسلحہ کی تیاری کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

۹۔اسلامی معاشی نظام کا قیام اور سودی نظام سے نجات

اسلام جو کہ مکمل ضابطہ حیات ہے اس کا اپنا معاشرتی اور معاشی نظام ہے۔اس کے معاشی نظام کی خصوصیت فلاح عمودی ہے۔یعنی اسلام میں صدقہ خیرات کی طرف ترغیب دلائی گئی۔اس کے علاوہ زکوٰۃ کے نظام سے دولت معاشرہ کے امیر اورغریب طبقوں میں گردش کرتی رہتی ہے۔جس وجہ سے معاشرہ میں اخوت و بھائی چارہ پیدا ہوتا ہے۔جبکہ اس کے برعکس سودی نظام میں سود بہت بڑی لعنت ہے۔سود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولﷺ سے جنگ کے مترادف ہے۔اللہ اور رسولﷺ سے جنگ مطلب تباہی ہی تباہی ہے۔اس سود کے ذریعے یہود نے پوری دنیا کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔آنحضورﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر سود کو حرام قرار دیتے ہوئے سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباسؓ کے سود کے کالعدم قرار دیئے کا اعلان کیا۔آپﷺ کے اسی حکم پر بہت سے غیر مسلم بنک عمل کر کے کامیابی سے کاروبار کررہے ہیں۔ایسے میں ہمیں چاہیے کہ ہم جتنی جلد ممکن ہو سود جیسی لعنت سے نجات حاصل کرنے کی پوری کوشش کریں۔

۱۰۔ذرائع ابلاغ کا درست استعمال۔

موجودہ معاشرہ میں جدید ذرائع ابلاغ کا کردار بہت مؤثر ہو چکا ہے۔اس لئے معاشرہ میں بھلائیوں اور نیکیوں کی اشاعت کے لیئے ان کو استعمال میں لایا جائے اور اس ضمن میں تعلیمات سیرت طیبہﷺ کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔آنحضورﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر وہاں موجود صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا تھا کہ یہاں حاضر لوگ غائبین تک یہ پیغام خداوندی پہنچا دیں۔چنانچہ بہت قلیل عرصہ میں اللہ کا پیغام اور سیرت طیبہﷺ فروغ پا گئی۔اسی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے عصر حاضر کے تمام ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لاتے ہوئے سیرت کے پیغام کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔

الغرض حقیقت یہ ہے کہ ہر عصر آنحضورﷺ کا عصر ہے۔قرآن مجید کی تعلیمات اور پیغمبرانہ ہدایت وسنت نبویﷺ محفوظ ہیں۔نہ صرف محفوظ بلکہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ تازہ تر ہو رہی ہیں۔اور وقت کی ہر کروٹ کے ساتھ ان کا انداز نکھرتا

جا رہا ہے۔ عصر حاضر ہی نہیں ہر زمانے کی ظلمت کو اجالنے کے لئے اللہ تعالی کا آخری پیغام ہدایت اور نبی آخر الزمان ﷺ کا تابندہ و درخشندہ عمل کافی وشافی ہے۔

تجلیوں سے تیری مستنیر و تابندہ
زمان ماضی و عصر رواں و آئندہ



عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت سیرت طیبہ کی روشنی میں۔

(ڈاکٹر عبدالمالک آغا (کوئٹہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اَلْحمدُ لِلّٰہِ ربّ العلمین والصَّلوٰۃُ والسّلامُ عَلیٰ سیّدِالْمُرْسلین وَ عَلیٰ اٰلِہٖ وَاصحابہٖ اجمعین.

وَ کذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَسَطاًلِتکونو اشُھَداءَ عَلی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا (۱)

''ہم نے تم کو ایک درمیانی اور بیچ کے راستہ پر چلنے والی امت بنایا ہے۔ تا کہ تم دنیا بھر کے انسانوں کے سامنے (حق) کے گواہ بن سکو۔''

حدیث نبوی:

خیر الامور اوسطھا (۲)

''ہر ایک کام میں اوسط اور درمیانہ درجہ بہت ہی اچھا ہے''

مذکورہ موضوع سے متعلق چند سوالات اٹھائے جاسکتے ہیں:

۱۔ کیا اسلام ایک اِعتدال پسند (Moderate) مذہب ہے؟

۲۔ کیا دین اسلام میں انتہا پسندی اور غلو کی گنجائش نہیں ہے؟

۳۔ کیا پاکستانیوں کی اکثریت مذہب سے لگاؤ رکھتی ہے اور اعتدال پسند ہے؟

۴۔ کیا اسلام میں روشن خیالی، وسیع النظری اور عالی ظرفی کا تصور موجود ہے؟

۵۔ کیا اسلام کا جمہوریت، مذہبی رواداری اور ترقی پسندی سے کوئی اختلاف نہیں ہے؟ ان جملہ سوالات کے جوابات اثبات میں ہیں۔

(الف) اِعتدال پسندی (Moderation):

اسلام دراصل اعتدال کی راہ کا نام ہے۔ اسلام کا دوسرا نام صراط مستقیم ہے جو دو منزلوں کے درمیان سب سے مختصر اور درمیانی راہ ہے۔ اسلامی قانون کی مجموعی تشریحی فکر اپنے تمام دائروں میں وسعت و جامعیت اور توازن و اعتدال کا حسین امتزاج ہے۔ کشادگی، آسانی، تخفیف، دفع ضرر، اعتدال اور مصلحت کا اطلاق اسلامی احکام کے تمام دائروں عبادات، مناکحات، عقود، معاملات، تصرفات، عقوبات اور قضاء وافتاء کے سب گوشوں تک وسیع ہے۔

پس اسلام نے زندگی کے تمام شعبوں میں عدل واعتدال اور صراط مستقیم پر چلنے کی لوگوں کو تعلیم دی ہے۔

اعتدال کا مفہوم:

اعتدال کے معنی ہیں برابر ہونا، یہ لفظ عدل سے مشتق ہے، اس کے معنی بھی برابر کرنے کے ہیں (۳) عدل کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کا مطلب توازن، مساوات، افراط وتفریط سے اجتناب، انصاف، تناسب اور لوگوں کے تعلقات ان بنیادوں پر قائم کرنا جن سے ہر شخص کو اس کا جائز حق مل جائے۔ قرآن حکیم میں عدل کے مترادف الفاظ قسط، وسط، اعتدال، میزان، مستقیم اور تقدیر وغیرہ وارد ہوئے ہیں عدل ظلم کی ضد ہے۔ آلوسی نے عدل کو ہر نیکی کی اساس قرار دیا ہے:۔

"اِنَّ اللّٰهَ یا مُرُبالعد ل. ای بمراعة التوسط بین طرفی الافراط والتفریط وھو راس الفضائل کلھا" (۴)

۔ عبداللہ نسفی نے عدل کی توضیح یوں کی ہے: "التسویة فی الحقوق فیما لبینکم وترک الظلم و العیال کال ذی حق الی حقه" (۵) احمد بن علی الجصاص کی نظر میں عدل سے مراد قول وفعل دونوں میں عدل سے کام لینا شامل ہے: "قد انتظم العدل فی العمل والقول قال اللہ تعالیٰ "واذاقلتم فاعدلوا" (۶) مولانا شبیر احمد عثمانی نے عدل کے مفہوم کو یوں واضح کیا ہے: "عدل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات، جذبات، اعتدال وانصاف کے ترازو میں تلے ہوں۔ افراط وتفریط سے کوئی پلڑا جھکنے یا اٹھنے نہ پائے۔ دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ جو بات اپنے لئے پسند نہ کرتا ہو اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے" (۷)

امت محمدیہ ایک معتدل امت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطاً (۸)

"ہم نے تم کو ایک درمیانی اور بیچ کے راستہ پر چلنے والی امت بنایا ہے"

لغت میں وسط سے مراد خیار یعنی عدل ہے جیسا کہ ابن عربی نے اس کی وضاحت کی ہے:

"الوسط فی اللغة . الخیار، وھو العدل" (۹) ''لغت میں وسط سے مراد خیار ہے جس کا مطلب عدل ہے'' مفتی محمد شفیع نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

''امت محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی جو فضیلت آیت مذکورہ میں بتلائی گئی، وکذلک جعلنٰکم امۃ وسطاً یعنی ہم نے تمہیں ایک معتدل امت بنایا ہے، یہ بولنے اور لکھنے میں تو ایک لفظ ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے کسی قوم یا شخص میں جتنے کمالات اس دنیا میں ہو سکتے ہیں ان سب کے لئے حاوی اور جامع ہے' (۱۰)

پس محسن انسانیت ﷺ کی امت میں ہر قسم کا اعتدال پایا جاتا ہے۔ اس امت کے توسط واعتدال کا واقعات سے ثبوت موجود ہے۔ مثلاً دیگر تمام امتوں کے اعتقادات، اعمال و خلاق وغیرہ کا امت محمدیہ ؐ سے موازنہ کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ جملہ امتوں میں صرف اور صرف ھادی صراط مستقیم علیہ ﷺ کی امت ہی معتدل امت ہے۔ موازنہ کرنے کے لیے سب سے پہلے عقائد سے آغاز کیا جاتا ہے۔

عقائد میں اعتدال:

اسلام نے پچھلی امتوں کے برخلاف عقائد میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے اور ذات اور صفات کے اعتبار سے خالق اور مخلوق میں جو بنیادی فرق ہے، اسے روا رکھا ہے۔ خالق صرف اور صرف ایک ہی ہستی ہے۔ اس کے ساتھ ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا ظلم ہے۔ جیسا کہ پچھلی امتوں نے اللہ کے رسولوں کو اس کا بیٹا بنا کر اس اعتقادی بے اعتدالی اور غلو کا ارتکاب کیا تھا قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْزُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰه (۱۱) ''اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے''

۲۔ مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۲)

''نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ تھا نصرانی لیکن تھا حنیف یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار حکم بردار اور نہ تھا مشرک''

۳۔ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا (۱۳)

''اور یہ نہ کہے تم کو کہ ٹھہراؤ فرشتوں کو اور نبیوں کو رب۔ کیا تم کو کفر سکھائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو''

۴۔ اعتقادی بے اعتدالی سے متعلق حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت مروی ہے۔ کہ حضور انور علیہ اسلام نے فرمایا: لا تطرونی

كما اطرت النصارىٰ عيسىٰ بن مريم عليه اسلام فانّما انا عبد فقولو عبده و رسوله (۱۴)

''میری مدح وثناء میں ایسا مبالغہ آرائی سے کام نہ لو جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے بارے میں کام لیا ہے۔ خوب سمجھ لو میں اللہ کا بندہ ہوں اس لئے تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہا کرو''۔

دین میں اعتدال:

قرآن وحدیث میں انتہاء پسندی کے لئے لفظ ''غلو'' مستعمل ہے۔ ''غلو'' کے لفظی معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔ جیسا کہ امام حصاصؒ نے لکھا ہے: الغلو في الدين هو مجاوزة حد الحق فيه (۱۵) دین کے معاملے میں مبالغہ آرائی سے کام لینا شریعت اسلامیہ کی رو سے حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ يآ هْلَ الْكتاب لا تَغْلُوْ ا فِي دينكمْ غَيْرا لْحَقِّ وَ لا تَتَّبِعُوْ آ اَهْوَآءَ قومٍ قَدْ ضَلُّوْا كثيرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبيلِ ٥ (١٦)

ایک اور مقام ہر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يآ هْلَ الْكتاب لَا تَغْلُوْ ا فِي دِيْنِكمْ وَلَا تَقُوْ لُوْ ا عَلى اللّٰهِ الَّا الحَقَّ (١٧)

''اے کتاب والو مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات مین اور مت کہو اللہ کی شان میں مگر پکی بات''

دین اسلام ایک معتدل اور سیدھا مذہب ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰه الّتى فَطَرَالنَّاسِ لايَعْلَمُوْنَه (١٨)

''اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فطرت صحیح پر پیدا کیا اور اس اصلی اور جبلی فطرت کو کوئی بدل نہیں سکتا، یہی دین اسلام سیدھا دین ہے کہ جو اس اصلی فطرت کے مطابق ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں''

حدیث نبوی ہے:

وَايّاكُمْ والْغُلُو فى الدّين فانّما ابلک من كان قبلكُمْ الغُلو فى الديْن (١٩)

''دین میں غلو کرنے سے اجتناب کرنا، کیونکہ تم سے پچھلی امتیں دین میں غلو کے سبب ہلاک ہوگیئں''

عبادت میں اعتدال:

شریعت اسلامیہ نے عبادات میں بھی اعتدال اور میانہ روی کی روشن اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ دعا یا نماز میں ایک مسلمان کی آواز معتدل ہونی چاہئے۔

فرمان الٰہی ہے:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِکَ وَ لَا تخافت بها وَ ابتغِ بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلاً (۲۰)

اور تو نہ پکار اپنی دعا (یا نماز) میں اور نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ میں راہ"

دنیا کو ترک کر دے اور رہبانیت اختیار کر لے۔ دن رات عبادت میں مشغول رہنا اور دینوی تقاضوں کو نظر انداز کرنا شریعت اسلامیہ کے مزاج اور اس کی روح کے خلاف ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ھادئی صراط مستقیم کا ارشاد ہے:

امَا واللّٰہِ انیّ لَاخشاکُم للّٰہِ واتقاکم له لکِنیّ اَصُوْمُ و اُفْطِرُ، وَ اُصَلّی وَ اَرْقَد، وَتزوّجُ النِّساء، فمن رَغِبَ عنْ سُنتی فلیس منّی (۲۱)

"خدا کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور سب سے بڑھ کر تقویٰ کی پاسداری کرتا ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار (ناغہ) بھی کرتا ہوں رات میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور نکاح بھی میری سنت ہے پس جو میری سنت سے گریز کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں"۔

اعمال میں میانہ روی اور اعتدال:

حدیث نبوی ہے: خیرا لامور اوساطها (۲۲) "تمام امور میں بہترین وہ ہیں جو اعتدال پر ہوں" ایک اور حدیث میں آیا ہے:

ولا قتصاد جزءٌ من خمسة و عشرینَ جزاً من النبوة (۲۳)

"میانہ روی (تمام حالتوں اور تمام کاموں میں) نبوت کا پچیسواں جزو ہے"

ھادی صراط مستقیم کا ایک اور ارشاد ہے:

خذاو من الاعمال ماتطیقون فان الله لایمل حتی تملوا وان احب الا عمال الی الله مادام علیه صاحبه وان قل (۲۴)

"اے لوگو، ایسے اعمال اختیار کرو جن کی تم طاقت رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل سے نہیں تھکتا البتہ تم تھک جاتے ہو۔ سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر آدمی ہمیشہ قائم رہے خواہ وہ تھوڑا ہو"

اس سلسلے میں ایک اور حدیث نبوی ہے: کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا امرهم امرهم من الا عمال بما یطیقون (۲۵) "رسول اللہ ﷺ جب حکم دیتے تو ایسے اعمال کا حکم دیتے جن کی لوگ طاقت رکھتے ہوں" سرکار دو عالم ﷺ نے دین میں سختی کرنے سے منع فرمایا ہے: ان الدین یسر ولن یشادالدین احداه غلبه فسددو اوقار بوا وابشروا (۲۴)

''یہ دین (اسلام) آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی کرے گا وہ اس پر غالب آجائے گا۔ پس تم لوگ میانہ روی اختیار کرو اور اعتدال کے قریب رہو اور خوش ہو جاؤ (کہ تمہیں آسان دین ملا)'' شاہ ولی اللہؒ نے اس حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

قوله صلى الله عليه وسلم: (فسددوا) یعنی خذوا طريقة السداد وهي التوسط الذي يمكن مراعاته والمواظبة عليه لا وقاربوا " يعني لا تظنوا انكم بعدا لا تصلون الا بالا عمال الشاقة "وابشرو" يعني حصلوا الرجاء والنشاط (۲۷)

''آنحضرت ﷺ کا قول ہے فَسَدِّدُوا یعنی میانہ روی کا طریقہ اختیار کرو جس کی نگرانی ہو سکے اور اس کو ہمیشہ عمل میں لا سکیں وَقَارِبُوا یعنی یہ خیال مت کرو کہ بغیر اعمال شاقہ کے اس تک نہیں پہنچ سکتے وَ اَبْشِرُوا یعنی امید اور سرور دل حاصل کرتے رہو''

خرچ کرنے میں اعتدال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (۲۸) ''اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن میں باندھ لے، اور نہ اس کو بالکل کھول دے کہ تو بیٹھ جائے ملامت کا نشانہ بن کر تھکا ہارا'' مسلمان نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ درمیانی راہ چلتے ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (۲۹) ''اور جو خرچ کریں تو فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گزران'' اسلام نے زیب و زینت کی اجازت دی ہے مگر اس میں فضول خرچی اور نخوت سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (۳۰)

''اے اولاد آدم! زینت اختیار کرو ہر عبادت کے موقع پر۔ کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو، بیشک اسراف کرنے والے اللہ کو پسند نہیں ہیں'' حدیث نبوی ہے: كلوا واشربوا والبسو وتصدقوا من غير اسراف ولا مغيلة . وقال ابن عباس كل ماشت والبس ماشئت مااخطاتك اثنتان، سرف او مخيلة (۳۱)

''نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ کرو مگر اس میں اسراف یا گھمنڈ نہ ہو۔ اور ابن عباس نے کہا ہے۔ اسراف اور

گھمنڈ سے بچتے ہوئے جو جی چاہے اور جو جی چاہو پہنو'' معاشی نظام کو مستحکم رکھنے کے لئے جتنی اہمیت طلب رزق میں اعتدال وقناعت کی ہے اس سے کہیں زیادہ خرچ میں اعتدال کی ہے۔ حدیث نبوی ہے:

الاقتصاد فی النفقته لضف المعیشة (۳۲) ''خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے'' دوسروں کی محتاجی سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان میانہ روی اختیار کرے۔ ارشاد نبوی ہے: ماعال من اقتصد (۳۳) '' وہ محتاج نہیں ہوگا جس نے میانہ روی اختیار کی'' ان آیات اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اسراف کی ممانعت کا مقصد انسان کو صرف مال میں ایک معتدل اور متوازن روش پر قائم رکھنا ہے(۳۴)

چال ڈھال میں اعتدال:

حضرت لقمانؑ کے نصائح میں ہے، وَ اقصِدْ فِیْ مَشْیِکَ (۳۵) ''اور چل بیچ کی چال'' بتصریح سید سلیمان: ''یعنی اتنی تیز نہ ہو کہ چال میں متانت اور وقار نہ باقی رہے، اور نہ اتنی دھیرے ہو کہ ریاکار زاہدوں کی نمائشی چال بن جائے'' (۳۶) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعِبَادُ الرَّحمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْناً (۳۷)

''اور رحمت والے خدا کے بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں''

وَلَاتَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحاً اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً ، (۳۸)

''اور زمین میں اکڑ کر نہ چل (کہ اس طرح چل کر) نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں تک اونچائی میں پہنچ سکتا ہے''

حدیث نبوی ہے:

عن ابی هُریرة قال قال رسول اللّٰه ﷺ اذا ثواب بالصَّلاۃِ فلا یَسْعَ اِلَیْهَا اَحَدُکُمْ ، وَلٰکِنْ لِیَمْشِ وَعَلَیْهِ السَّکِیْنَةُ وَالْوَقارُ ، صلِّ مَاادْرَکْتَ وَ اقْضِ ما سَبَقَکَ (۳۹)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کے لئے اعلان ہو جائے تو اس کی طرف تم میں سے کسی کو دوڑنا نہیں چاہئے بلکہ ایسی حالت میں چلے کہ اس پر سکینہ اور وقار کی کیفیت طاری ہو۔ نماز کا جس قدر تو نے پایا ہے۔ اسے پڑھ لیجئے جو حصہ فوت ہو چکا ہے اس کی قضا کیجئے''

پوشاک میں اعتدال:

حضور نبی اکرم ﷺ نے لباس میں بھی میانہ روی اختیار کرنے کا درس دیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

عَنْ ابنِ عمرؓ نهی رسول الله ﷺ عَن ھا تین اللبستین المو تفعة والدون (۴۰)

''حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں قسم کے لباسوں، بہت قیمتی اور بہت گھٹیا لباس کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے'' اسلام میں ہر نعمت اور ہر لذت کی گنجائش ہے مگر حد اعتدال تک۔ کیونکہ لذتوں میں انہماک اور بے اعتدالی انسان کو خدا اور آخرت سے لاپرواہ بنا دیتا ہے۔ نتیجتاً زندگی کا مقصد فوت ہو جاتا ہے یہی سبب ہے کہ اسلام نے تمام امور میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ نیز ہر فرد کو اپنی وسعت کے مطابق لباس پہننا چاہئے۔ چنانچہ حدیث نبوی ہے:

عن ابی الا حوص عن ابیه قال اتیت رسول الله ﷺ فی ثوب دون فقال اک مالٌ، قال نعم، قال من ایّ المال؟ قال قد اتانی اللّٰه من الابل و الغنم والخیل و الرّقیق، قال فاذا اتاک الله نعمة فلیر اثر نعمته، علیک و کرامته (۴۱)

''ابوالاحوص نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گھٹیا کپڑے پہنے ہوئے حاضری دی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے پاس دولت ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ آپؐ نے پوچھا کس قسم کی؟ میں نے کہا اللہ نے مجھے اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام عطا کئے ہیں۔ فرمایا: ''جب اللہ تمہیں کوئی نعمت عطا فرمائے تو چاہئے کہ تمہاری ذات پر اس کے فضل و کرم کا اثر دیکھا جا سکے۔'' سرکار دو عالمؐ نے مردوں کے لئے ریشمی لباس پہننے سے منع کیا ہے:

حرّم لباس الحریر و الذھب علیٰ ذکور امتی واحل لاناثھمؐ (۴۲)

''میری امت کے مردوں پر ریشمی لباس اور سونے کا استعمال حرام کر دیا گیا ہے اور عورتوں کے لیے جائز رکھا گیا ہے۔''

تعمیر مکان میں اعتدال:

جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہوا سے اپنے رہن سہن اور دیگر امور میں کشادگی سے کام لینا چاہیے لیکن اسراف و تبذیر سے بچنا چاہئے اور اعتدال کی حد سے تجاوز نہ کرے۔ حدیث نبوی ہے:

عن النبی ﷺ : انّ اللّٰه یحبّ ان یُریٰ اثر نعمتهٖ علیٰ عبده (۴۳)

''اللہ چاہتا ہے کہ اس کے بندہ پر اس کی نعمت کا اثر دیکھا جا سکے۔

عن النبی ﷺ : قال من سعدة المرء المسکن الواسع والجار الصانح والمر کب الھنییء (۴۴)

''نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا وسیع مکان، نیک پڑوسی اور عمدہ سوار آدمی کی بہبود میں داخل ہیں''

لیکن اس مسئلے کا دوسرا رخ بھی ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے مال کے استعمال میں اعتدال کی روش اختیار کرے۔ کیونکہ اسلام نے بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل کو ضروری قرار دیا ہے (۴۵) اگر کوئی ذمہ دار مالک محض نام و نمود، گھمنڈ، تفاخر اور اظہار ثروت کی غرض سے بڑی بڑی کوٹھیوں کی تعمیر پر حد ضرورت سے زیادہ مال صرف کرے۔ حدیث کی رو سے ایسی ہر تعمیر اپنے مالک کے لئے وبال ثابت ہوگی جیسا کہ حدیث نبوی ہے: قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک لوگ ایسے مکان نہ بنانے لگیں جن کو وہ منقش کپڑوں کے مثل (آراستہ) کریں گے (۴۶) امیر المومنین عمر بن خطاب ؓ نے اپنے عمال کو لکھا تھا کہ بلند و بالا عمارتیں نہ تعمیر کرو۔ کیونکہ یہ طرز عمل بدترین زمانہ کی نشانی ہے۔ (۴۷)

سلوک اور تعلقات میں اعتدال:

معلم انسانیت ﷺ نے تعلقات اور سلوک میں بھی میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔ حدیث نبوی ہے:

أحبِبْ حَبِيبَكَ هَوْناً ما، عَسَى أنْ يَكُونَ بغَيضلكَ يوماًما، وَأبغضْ بِغَيضكَ هَوْناًما عَسَى أن يَكُونَ حَبِيْبَكَ يوماً مَا (۴۸)

”اپنے دوست کے ساتھ میانہ روی کا معاملہ رکھو شاید کسی دن وہ تمہارا دشمن بن جائے۔ اور دشمن کے ساتھ دشمنی میں بھی میانہ روی اختیار کرو کیونکہ ممکن ہے کہ کل وہی تیرا دوست بن جائے“

غریبی اور امیری میں اعتدال:

غریبی اور امیری ہر دو حالتوں میں اعتدال اور میانہ روی کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا تعلیمات نبوی کے خلاف ہے۔

فرمان نبوی ہے:

ثلاثٌ منجياتٌ مُهلِكاتٌ ، فَأمَّا المنجيات: فخشية اللّٰهِ تعالىٰ في السّرِ والعلانية، والا قتصادُ في الغنىٰ والفقر، والحكم بِالعَدْل في الرّ والعلانية، والا قتصادُ فِي الغنىٰ والفقر، والحكم بِالعَدْل في الرّضىٰ والغضب (۴۹)

”تین باتیں باعث نجات اور تین باعث ہلاکت ہیں، نجات دینے والی یہ ہیں: خفیہ اور ظاہر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، غریبی امیری میں میانہ روی اختیار کرنا اور خوشنودی اور ناراضگی میں عدل وانصاف کرنا،۔۔۔“ ایک اور ارشاد نبوی ہے: ما احسن القصد في الغنى ، ما احسن القصد في الفقر ما احسن القصد في العبادة (۵۰)

”دولت مندی میں درمیانگی کتنی اچھی ہے محتاجی میں درمیانگی کتنی اچھی ہے، عبادت میں درمیانگی کتنی اچھی ہے“

حقوق میں توازن واعتدال:

حقوق العباد کی ادائیگی دین کا اہم شعبہ ہے بلکہ شریعت اور دین کا خلاصہ ہی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہے۔ پس خواہ حقوق نسواں کا مسئلہ ہو یا انسانی حقوق، سماجی برداری اور اقلیتوں کے حقوق کا، والدین اور بچوں کے حقوق کا معاملہ ہو یا مذہب، رائے اور مسلک کی آزادی کا چیلنج۔ ان سب میں محسن انسانیت ﷺ نے عدل واحسان، مساوات، رواداری اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔ مثلاً بڑوں اور چھوٹوں سے متعلق ارشاد فرمایا: لیس مِنّا من لم یرحم صغیرنا و لم یُوَقِّرِ کَبِیرَنَا (۵۱) ''جو ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑے کا ادب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں'' بتصریح سلیمان رزوی: ''اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ ترازو ٹھیک اور سیدھی رہے تو ہر انسانی جماعت میں چھوٹوں، بڑوں، افسروں، ماتحتوں، آقاؤں، نوکروں اور بزرگوں اور عزیزوں کے درمیان کسی قسم کی ناگواری اور آزردگی پیدا نہ ہونے پائے، جب کبھی چھوٹوں اور بڑوں میں کسی قسم کی ناگواری پیش آئی ہے تو اس کا سبب یہی ہوا ہے کہ ترازو کے ان دونوں پلڑوں میں توازن قائم نہیں رہتا ہے'' (۵۲) اسلام نے قانونی حقوق میں عورتوں کو مساوی درجہ عطا کیا: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۵۳) ''اور عورتوں کا حق دستور کے مطابق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسا کہ مردوں کا عورتوں پر'' حقوق زوجین سے متعلق آپؐ نے ارشاد فرمایا: خیر کم خیر کملا هله (۵۴) ''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے سب سے بہتر ہے'' ولزوجک علیک حقاً (۵۵) ''اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے'' ایک طرف یہ صورت حال ہے کہ عرب معاشرے میں لوگ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کرتے تھے۔ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (۵۶) دوسری جانب رحمۃ اللعلمین ﷺ نے اتنا بلند مقام عطا فرمایا کہ یہی بیٹیاں جنت کا وسیلہ بن جاتی ہیں۔ فرمایا: جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ عمر تمیز کو پہنچ جائیں تو قیامت کے دن اس کا یہ رتبہ ہوگا کہ وہ اور میں (دو انگلیوں کو جوڑ کر فرمایا) اس طرح ملے ہوئے ہوں گے (۵۷) اسلام میں غیر مسلموں (اقلیتوں) کو وہی حقوق حاصل ہیں جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ اگر غیر مسلم شہری کوئی مسلمان قتل کردے تو اس کا بدلہ اسی طرح لیا جاتا ہے جس طرح مسلمانوں کو قتل کرنے کی صورت میں لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی مسلم کسی ذمی کی شراب اور اس کے سور کو ضائع کردے تو اس سے تاوان وصول کیا جائے گا۔ ویضمن المسلم قیمة خمره و خنزیره اذا اتلفهٗ (۵۸) درالمختار میں ہے: ویجب کف الاذی عنه وتحرمه غیبتهٗ کا لمسلم (۵۹) ''اس کو تکلیف دینے سے باز رہنا واجب ہے اور اس کی غیبت اسی طرح حرام ہے جیسی مسلمان کی غیبت حرام ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں جب بیت المقدس فتح ہوا تو مفتوح قوم کو ان الفاظ میں معاہدہ امن لکھ کردیا:

'یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے۔ نہ ان کے گرجاؤں میں سکونت اختیار کی جائے گی نہ وہ گرائے جائیں گے نہ ان کی صلیبوں اور ان کے اموال میں کمی کی جائے گی۔ مذہب کے معاملے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا (۶۰) یہودیوں کو مکمل مذہبی آزادی ملی۔ فرمایا: لليهود دينهم وللمسلمين دينهم (۶۱) ''یہود اپنے دین پر رہیں اور مسلمان اپنے دین پر'' الغرض اسلام نے غیر مسلموں کی جان، مال، آبرو، مذہب سب کو تحفظ فراہم کیا۔

(ب) روشن خیالی (Enlightenment):

اسلام ایک روشن خیال مذہب ہے۔ اس میں تنگ خیالی، مذہبی تعصب، تشدد اور سختی نہیں ہے۔ جو شخص وسیع الفکر ہو اور متحمل مزاج ہو اور رنگ و نسل، زبان، علاقہ، قوم وغیرہ ہر طرف کے تمام امتیازات سے بالاتر ہو اسے روشن خیال کہا جا سکتا ہے۔ راقم کے خیال میں روشن خیالی کے چیدہ چیدہ چار پہلو ہیں۔ ۱۔ عقلیت پسندی ۲۔ انسان دوستی ۳۔ رواداری اور برداشت اور ۴۔ حقیقت پسندی۔

i۔ عقلیت پسندی (Rationalism):

عصر حاضر کے ایک دانشور نے صحیح کہا ہے: ''جو مقام شعور انسانی کی انتہا ہے وہاں سے شعور پیغمبری کی ابتدا ہوتی ہے'' (۶۲) اسلام تدبر و تفکر اور عقل و نظر پر زور دینے کا داعی ہے۔ فرمان الٰہی ہے: اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (۶۳) ''بلاشبہ (اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں) میں (اس کی قدرت) نشانیاں ہیں غور کرنے والے لوگوں کے لئے'' امام غزالیؒ کے خیال میں عقل و شرع باہم لازم و ملزوم ہیں: فالعقل كالا ساس و الشرع كالبناء ولن يغنى اساس مالم يكن بناء ولن يثبت بناء مالم يكن اساس (۶۴)

''سو عقل اساس کی مانند ہے اور شرع بنا کی مانند، اساس بناء کے بغیر کوئی فائدہ نہیں دیتی اور اساس کے بغیر کوئی بنا اور عمارت قائم نہیں کی جا سکتی'' پس شرع اپنے فروغ میں عقل کی محتاج ہے اور عقل اپنی تکمیل میں شریعت کی محتاج ہے۔

ii۔ انسان دوستی (Humanism):

ایک انسان کے دوسرے انسان پر انسانی برادری کی حیثیت سے بھی کچھ فرائض ہیں۔ جن سے عہدہ برآ ہونا ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وقولوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (۶۵) ''اور لوگوں سے اچھی بات کہو'' لوگوں سے اچھی بات کہنا اور اچھائی سے پیش آنا، انسانیت کا فرض ہے جن میں کسی دین و مذہب کی تخصیص نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے تو خیر خواہی پر لوگوں سے بیعت بھی لی ہے: عن جریر بن عبد اللہ قال، بایعت رسول اللہ ﷺ علی اقامۃ وایتاء الزکوۃ والنصح لکل مسلم (٦٦) ''میں نے نماز قائم کرنے زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر رسول اللہ کی بیعت کی' حدیث نبوی ہے:

من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللّٰہُ فی حاجتِہِ (٦٧) ''جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا تو خدا اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا'' حدیث نبوی ہے: ''ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، باہم دگر روگردانی نہ کرو۔ اللہ کے بندو بھائی بھائی بن کر رہو'' (٦٨) محسن انسانیت کا ایک اور ارشاد ہے: ''جس نے کسی مومن پر لعنت کی گویا اسے قتل کر دیا اور جس کسی نے مومن پر کفر کی تہمت لگائی اس نے گویا اسے قتل کر دیا'' (٦٩) معلم انسانیت ﷺ نے نظر ہمیشہ اونچی اور مقصد بلند رہنے کی تعلیم دی چنانچہ ارشاد فرمایا: ان اللّٰہ یحب معانی الامور ویبغض سفسا فھا (٧٠) ''بے شک اللہ معالی امور کو پسند اور محقرات امور کو ناپسند کرتا ہے'' اس حدیث کی تشریح سلیمان ندوی نے یوں کی ہے: ''ایک مسلمان کو خدا کا دوست بننے کیلئے ضرورت ہے کہ اس کی نظر ہمیشہ اونچی اور مقصد بلند رہے اور دناءت کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے الگ رہے'' (اے) اسلام ایک روشن خیال مذہب ہے اس کا واضح ثبوت قانون اسلامی کا تصور حکمت و مصلحت اور مقصدیت ہے۔ تبصریح استاد علی الخفیف: ''اسلام کا تشریحی فکر امت مسلمہ یا معاشرہ کے لئے مصلحت ہو اسلام اس کا مطالبہ کرتا ہے اور جس چیز میں معاشرہ کا نقصان ہو اس سے منع کرتا ہے (٧٢)

iii۔ حقیقت پسندی (Realism):

اسلام کا مزاج واقعیت پسند ہے۔ زمینی حقائق سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ قرآن حکیم، سنت نبوی اور فقہ اسلامی میں عصری تقاضوں کا لحاظ رکھنے کا درس موجود ہے۔ اپنے افکار ونظریات کی دعوت تو دی جا سکتی ہے مگر انہیں دوسرے انسانوں پر جبراً مسلط نہیں کیا جا سکتا۔ زمینی حقائق میں سے ایک مسئلہ مذہبی اختلاف (Religious Diversity) کا بھی ہے۔ اعتدال پسندانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں خوش اسلوبی سے اس مسئلے کے حل کیا جا سکتا ہے۔ آج کی دنیا گلوبل ویلج ہے۔ موجودہ دنیا کو یہ باور کرانا کہ دین اسلام ایک عظیم مذہب ہے۔ تشدد، بے اعتدالی، تنگ خیالی اور دہشت گردی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسلام پوری انسانیت کے لئے رحمت ہے۔ صرف زبان سے نہیں بلکہ عمل و کردار سے اس کا ثبوت فراہم کرنا ضروری ہے۔

iv۔ مذہبی رواداری (Religious Tolerance):

رواداری کے معنی صبر و برداشت کے ہیں اور مذہبی رواداری کا مطلب یہ ہے کہ مذہب سے متعلق جو افکار اور

نظریات ہیں ان کا ہم احترام کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے'' (۷۳) ''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ پند و نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے مباحثہ کرو'' (۷۴) پیغمبر رحمت ﷺ کی سیرت طیبہ رواداری، صبر و برداشت اور عفو درگزر سے عبارت ہے۔ پیکر عفو درگزرؐ نے اپنی زندگی کے نازک لمحات میں مثلاً حجرِ اسود کی تنصیب، سفر طائف، شعب ابوطالب، عام الحزن (غم کا سال) واقعہ ہجرت، میثاق مدینہ، غزوات نبوی صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے مواقع پر جس عظیم رواداری کا مظاہرہ کیا۔ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ غزوہ احد میں ہند نے حضرت حمزہؓ کو جس بیدردی سے شہید کروایا لیکن رحمت عالمؐ نے اسے بھی معاف کر دیا بتصریح شبلی نعمانی: ''حضرت حمزہ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا، اور چبا گئی، لیکن گلے سے اتر نہ سکا، اس لئے اگل دینا پڑا، تاریخوں میں ہند کا لقب جوجگر خوار لکھا جاتا ہے، اسی بنا پر لکھا جاتا ہے'' (۷۵) صلح حدیبیہ کے معاہدے سے متعلق نقوش میں درج ہے:

''جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھا جانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ معاہدہ کے آغاز میں لکھو ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' اہل مکہ نے اعتراض کیا کہ ہم رحمٰن، رحیم کے قائل نہیں! صرف ''باسمک اللھم'' لکھا جائے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لکھو یہ معاہدہ محمد رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو کے درمیان ہے۔ سہیل نے حضرت علیؓ سے کہا قلم روک لو! ہم محمد ﷺ کو رسول اللہ ﷺ مانتے تو جھگڑا ہی کیا تھا صرف محمد ﷺ بن عبداللہ لکھا جائے اور رسول اللہ مٹایا جائے۔ حضرت علیؓ نے کہا میں یہ الفاظ نہیں مٹا سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے خود ہی اپنے ہاتھ سے رسول اللہ کے الفاظ مٹا دیئے'' (۷۶) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ پس لوگ اس کی طرف اٹھے تا کہ اسے زدوکوب کریں، لیکن رحمت عالم ﷺ نے انہیں منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: دَعُوْہُ وَاَرِیْقُوا علیٰ بَولِہٖ سَجلاً، مِنْ مَاءٍ او ذنوباً مِنَ مَاء فانّما بعثتم میسرین ولم تبعثو مُعسّرین (۷۷) ''اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو کیونکہ تم آسانی مہیا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، سختی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے'' ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا: ھلک المتنطعون (۷۸) ''دین میں بے جا شدت اختیار کرنے والے ہلاک ہو گئے'' حضرت مفتی محمد شفیع ''معارف القرآن'' میں فرماتے ہیں:

''حدیث: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور اکرم ﷺ نے ہمارے سامنے ایک سیدھا خط کھینچا، پھر اس خط کے دائیں بائیں دوسرے چھوٹے خط کھینچے اور فرمایا کہ یہ دائیں بائیں کے خطوط وہ طریقے ہیں جو شیاطین نے ایجاد کئے ہیں اور اس کے ہر راستے پر ایک شیطان مسلط ہے جو لوگوں کو اس طرف چلنے کی تلقین کرتا ہے، اور پھر سیدھے خط کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ۔ یعنی یہ میرا سیدھا راستہ ہے تم اسی کا اتباع کرو، (

رواہ احمد والنسائی والدارمی، مظہری) اس تمثیل میں صراط مستقیم سے وہی دین قیم کا راستہ مراد ہے جو سب انبیاء علیھم السلام میں مشترک چلا آرہا ہے، اس کے اندر شاخیں نکالنا یہ تفرق حرام اور شیاطین کا عمل ہے اور انہی اجماعی اور متفق علیہ احکام میں تفرقہ ڈالنے کی شدید ممانعت احادیث صحیحہ میں آئی ہے" (۷۹)

ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے: "احکام و مسائل میں اختلاف تو بے حد ہیں لیکن اگر ہر دو مسلمان جو اختلاف رکھتے ہیں وہ باہمی تعلق کو بھی منقطع کرلیں تو پھر مسلمانوں میں نہ کوئی بھائی چارہ باقی رہے گا اور نہ ہی جان و مال کی عصمت وحفاظت" (۸۰)

قومی یکجہتی، رواداری اور اطاعت امیر کے حوالے سے سیف اللہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی کا واقعہ باعث عبرت ہے کہ جب امیر المومنین حضرت عمرؓ نے بیک جنبش قلم انہیں معزول کیا تو مسلمانوں کے سپہ سالار اعظم نے بلا چون و چرا آپؓ کے حکم کی تعمیل کی اور اپنے عہدے سے معزولی اختیار کی۔ حدیث نبوی ہے: عن انس ابن مالک قال قال رسول اللہ علیہ وسلم اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد جشی کان راسہ زبیبۃ (۸۱) "انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارے اوپر ایک چھوٹے سر والے حبشی غلام کو امیر مقرر کردیا جائے" مسلمانوں نے ہمیشہ اپنے دور حکمرانی اور عروج میں کبھی اور کہیں بھی غیر مسلموں سے انتہائی اچھا برتاؤ کیا۔ اسپین میں مسلمانوں کے دور میں یہودیوں کو وہ عروج نصیب ہوا جس کو وہ Golden Age کہہ کر یاد کرتے ہیں ایک یہودی تنظیم Gushshalom کے بانی کے الفاظ میں اس Golden Age کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

And, Most important, the Jewish community in the united states has attained a standing comparable only to the Golden age of the Jews in Medieval Muslim Spain" (82)

خیبر میں جو مال غنیمت ملا تھا اس میں توریت کے قدیم نسخے بھی تھے۔ یہود نے آپ ﷺ سے التجا کی کہ ان کی متبرک کتاب کے نسخے جو نایاب ہیں انہیں واپس کردیے جائیں حضور ﷺ نبی اکرم ﷺ نے ایسے تمام نسخے یہودیوں کو واپس کرنے کا حکم دیا۔ اس سے کیا یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ آپؐ کے نزدیک وہ صحیفے کس قدر لائق احترام تھے (۸۳)

ترقی پسندی:

اسلام ترقی پسندانہ دین ہے۔ سائنس کی بنیاد دو چیزوں پر ہے (۱) مشاہدہ (تجربہ) (۲) غور و فکر۔ قرآن حکیم میں متعدد بار مذکورہ دونوں امور کی دعوت دی گئی ہے۔ فرامین نبوی ہے: "حکمت کی بات مومن کی متاع گم گشتہ ہے جہاں بھی ملے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے" (۸۴) "کسی قوم کی زبان سیکھ لو اس کے شر سے محفوظ ہو جاؤ گے" (۸۵) "فراخی و خوشحالی کی

امید رکھنا بھی عبادت ہے'' (۸۶) ''وسیع مکان، نیک پڑوسی اور عمدہ سواری آدمی کی بہبود میں شامل ہیں (۸۷) ''بیکاری انسان کو سنگ دل بنا دیتی ہے'' (۸۸) ''دنیا شیریں اور پررونق ہے اور اللہ تمہیں اس میں کام سپرد کر کے یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو'' (۸۹) ''جو اپنے ورثاء کو مال دار چھوڑ جائے یہ بات اس سے بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑ ے کہ وہ لوگوں سے مانگتے پھریں'' (۹۰) ''سنو! قوت تیز اندازی میں ہے' سنو! قوت تیر اندازی میں ہے' سنو! قوت تیر اندازی میں ہے (۹۱) سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے:

''عالم اسلام میں ایک ایسی طاقت ور عالمگیر علمی تحریک کی کمی محسوس کی جا رہی ہے جو جدید طبقہ کا اسلام کے علمی ذخیرہ سے رشتہ و رابطہ قائم کر سکے۔ اسلامی علوم میں نئی روح پھونک سکے اور اس حقیقت کو ثابت کر سکے کہ اسلامی قانون اور فقہ نہایت وسیع اور ترقی پذیر قانون ہے۔ اور وہ ایسے ابدی اصولوں پر قائم ہے جو کبھی فرسودہ اور از کار رفتہ نہیں ہو سکتے۔ جس میں زندگی کے تغیرات و ترقیات کا ساتھ دینے کی پوری صلاحیت ہے'' (۹۲)

دفاع اور استحکام پاکستان:

دنیا ایک گلوبل ویلج ہے۔ اسلام واقعیت پسندانہ دین ہے۔ وہ اسی زمین پر جو حقائق و واقعات کی زمین میں رہنا سکھاتا ہے۔ ترقی اور خوشحالی کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ دنیا سے ہمارا رابطہ ہو۔ اس سلسلے میں ۷ نکاتی فارمولا پیش کیا جا سکتا ہے پہلے دو نکات جو ملک کی اندرونی صورت حال سے متعلق ہیں وہ یہ ہیں کہ ملک کے اندر سے (۱) فرقہ واریت اور (۲) مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ ہو۔ پانچ (۵) نکات جن کا تعلق بیرونی دنیا سے ہے ان میں سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ پاکستان کے اوپر جو منفی الزامات ہیں ان کو دور کرنے کی اشد ضرورت ہے مثلاً یہ تاثر کہ پاکستان ایک تنگ خیال اور انتہا پسند ملک ہے اور اسلام (نعوذ باللہ) ایک جارحانہ مذہب ہے۔ ان خیالات سے اسلام اور ملکی امیج کو جو نقصان پہنچا ہے اسے دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم قول اور عمل سے دنیا پر ثابت کر دیں کہ ہم بحیثیت ایک قوم اعتدال پسند اور روشن خیال ہیں دوم یہ کہ اس وقت پاکستان کو جو خطرات لاحق ہیں ان سے ملک کو بچانا ہے مثلاً (i) جوہری اور میزائل طاقت کی حفاظت اور اسے آگے بڑھانا (ii) بیرونی دنیا میں پاکستانیوں کی مشکلات کو دور کرنا (iii) پاکستان جانے پر ٹریول ایڈوائزری یا پابندی عائد ہونے کا جو خطرہ لاحق ہے' اسے دور کرنا (iv) اس وقت یورپی یونین سے ہماری تجارت جو بڑھی ہے اسے برقرار رکھنا (v) پوری دنیا میں اسلام کے اس عظیم عالمگیر پیغام کو پھیلانا ہے کہ اسلام نظام امن ہے اور اس کی اساس میانہ روی اور انسان دوستی پر ہے اور جمہوریت' مذہبی رواداری اور ترقی پسندی سے اسلام کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ الغرض معاشرت کے جدید تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تعلیمات نبوی سے استفادہ زوال پذیر مسلم معاشرت کی تشکیل جدید میں مدو معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ مسلم امہ اور پاکستان کو ترقی اور خوشحالی سے ہمکنار فرمائیں اور وطن عزیز کو امن کا گہوارہ بنائیں۔ آمین

حوالہ جات

۱۔ البقرۃ' ۲:۱۲۳

۲۔ ابن اثیر' ابوالسعادات مبارک بن محمد الجزری (۶۰۶ ھ) جامع الاصول من احادیث الرسول' بیروت' ۱۹۸۰ء مطبعہ المحمدیہ' ۱۹۴۹' ص ۲۲۳

۳۔ محمد شفیع' مفتی' معارف القرآن' ادارۃ المعارف' ۱۹۸۱ء' ج ا' ص ۳۶۶

۴۔ الآلوسی، سہابت الدین السید محمد، روح المعانی، ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ، ج ۱۸، ص ۲۱۷

۵۔ عبداللہ نسفی، تفسیر النسفی، الجزء الثانی، ص ۲۹۷

۶۔ الجصاص، ابوبکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، مطبعۃ الاوقاف، الاسلامیہ، الجزء الثالث، ص ۲۳۴

۷۔ عثمانی، شبیر احمد، مولانا، تفسیر القرآن، ص ۳۶۶

۸۔ البقرۃ، ۲:۱۴۳

۹۔ ابن العربی، محمد بن عبداللہ الاندلسی، احکام القرآن، بیروت، دار المعرفہ، ج ا، ص ۲۰

۱۰۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج ا، ص ۳۶۸

۱۱۔ التوبۃ، ۹:۳۰

۱۲۔ ال عمران، ۹:۶۷

۱۳۔ ال عمران، ۳:۸۰

۱۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ج ا، ص ۲۴

۱۵۔ الجصاص، احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، ج ۲، ص ۲۹۲

۱۶۔ المآئدۃ، ۵:۷۷

۱۷۔ النسآء، ۴:۱۷۱

۱۸۔ الروم، ۳۰:۳۰

۱۹۔ النسائی، احمد بن شعیب، (۳۰۳ ھ) السنن، کتاب مناسک الحج، باب التقاط الحصۃ۔

۲۰۔ بنی اسرآءیل، ۱۷:۱۲

۲۱۔ البخاری، محمد اسماعیل بن ابراہیم (۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح۔

۲۲۔ ابن اثیر، مبارک بن محمد (۶۰۶ھ)، جامع الاصول، ج۱ ص۲۲۳

۲۳۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث، (۲۷۵ھ) السنن، کتاب الادب، باب فی الوقار۔

۲۴۔ ایضاً، کتاب الصلاۃ

۲۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل (۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب اَحَبُّ الدّینِ اِلی اللہ اَدْ وَ مَہُ

۲۶۔ ایضاً، کتاب الایمان، باب الدین یُسْرٌ

۲۷۔ شاولی اللہ، احمد بن شیخ عبدالرحیم (۱۱۱۴ھ)، حجۃ اللہ البالغہ، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور، الجزء الثانی ص۲۲

۲۸۔ بنی اسرائیل، ۱۹:۱۷

۲۹۔ الفرقان، ۶۷:۷

۳۰۔ الاعراف، ۳۱:۷

۳۱۔ البخاری، محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح، کتاب الباس، باب اوّل؛ ابن ماجہ، السنن، ابواب اللباس، بـــاب البــس ماشئت ماالخطاء تک سرف او مخیلۃ

۳۲۔ فیض القدیر، ج۲ ص۱۴۵

۳۳۔ ابن حنبل، المسند، ج۱ ص۳۴۷

۳۴۔ صدیقی، محمد نجات اللہ، ڈاکٹر، اسلام کا نظریہ ملکیت، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص۲۲۰

۳۵۔ لقمٰن، ۱۹:۳۱

۳۶۔ ندوی، سید سلیمان، سیرۃ النبی ﷺ نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۳۵۷ھ، ج۶ ص۵۳۱

۳۷۔ الفرقان، ۶:۲۵

۳۸۔ بنی اسرائیل، ۴:۱۷

۳۹۔ مسلم، ابوالحسین مسلم بن الحجاج (۲۶۱ھ) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب استحباب اتیان الصلاۃ بوقار وسکینۃ والنھی عن اتیانھا سعیا۔

۴۰۔ تلخیص الصحاح، کتاب اللباس، اخرجہ رزین

۴۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب اللباس، باب باب فی الخلقانو فی غسل الثوب۔

۴۲۔ اترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ (۲۷۹ھ) الجامع، ابواب اللباس، باب ماجاء فی الحریر والذہب للرجال۔

۴۳۔ الترمذی، الجامع، کتاب الاستیذان والآداب، باب ماجاء ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علیٰ عبدہ

۴۴۔ لابخاری، الجامع، الادب المفرد، ص ۶۷

۴۵۔ الشاطبی، ابی اسحٰق ابراہیم بن موسیٰ الغرناطی، (۷۹۰ھ) الموافقات، مصر، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، ت ن، ج ۱، ص ۱۷۶، ۱۷۷۔

۴۶۔ البخاری، الجامع، الادب المفرد، ص ۶۷۔

۴۷۔ ایضاً۔

۴۸۔ الترمذی، الجامع، ابوب البر والصلۃ، کتاب ماجاء فی التانی والعجلۃ۔

۴۹۔ محمد طفیل، نقوش، رسول نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۸۴ء، ج ۸، ص ۵۶۴

۵۰۔ علی المتقی، حسام الدین الہندی برہان پوری (۹۷۵ء) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ج ۲، ص ۷

۵۱۔ الترمذی، الجامع، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان۔

۵۲۔ ندوی، سید سلیمان، سیرۃ النبیؐ، ج ۶، ص ۲۳۰۔

۵۳۔ البقرۃ، ۲:۲۸

۵۴۔ الترمذی، الجامع، ابواب الرضاع، باب ماجاء فی حق المراۃ علیٰ زوجھا

۵۵۔ ایضاً، ابواب الزہد، باب فی اعطاء حقوق النفس والرب والضیف والاھل۔

۵۶۔ التکویر، ۹:۸۱

۵۷۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الاحسان الی البنات۔

۵۸۔ الحصکفی، محمد علاوالدین (م ۱۰۸۸) درمختار، لکھنو نول کشور، ج ۳، ص ۲۷۳

۵۹۔ ایضاً ص ۲۷۳۔۲۷۴

۶۰۔ کیلانی، محمد اقبال، جہاد! دہشت گردی یا امن عالم کی ضمانت؟ حدیث پبلیکیشنز، لاہور، ت ن، ص ۴۸

۶۱۔ ابن ہشام، ابومحمد بن عبدالملک، السیرۃ النبویۃ، مطبع مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۳۶ء، ج ۲، ص ۱۴۹

۶۲۔ نیازی، مولانا کوثر، تخلیق آدم، م ن، ت ن، ص ۲۶

۶۳۔ النحل، ۱۶:۱۱

۶۴۔ الغزالی، ابوحامد محمد بن محمد (م ۵۰۵ھ) معارج القدس، مصر، مطبع السعادہ، ۱۹۲۷ء، ص ۵۹
۶۵۔ البقرہ، ۲: ۱۰
۶۶۔ نووی، ابوزکریا یحییٰ بن شرف، ریاض الصالحین، مصطفیٰ الباب الحلبی، القاہرہ، ۱۹۳۸ء، ص ۱۰۷
۶۷۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الادب، باب المواخاۃ۔
۶۸۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب ینھیٰ عن التحاسد۔
۶۹۔ ایضاً، کتاب الادب، باب مَنْ ا کفرا خاھة بغیر تاویل فَجُوَ کما قال
۷۰۔ ندوی، سید سلیمان، سیرۃ النبی ﷺ، ج ۶، ص ۱۴۵
۷۱۔ ایضاً
۷۲۔ علی الخفیف، مقالہ الفکر التشریعی واختلافه با ختلاف الشرائع ، مطبوعہ درمجلہ بحوث اقتصادیہ وتشریعیة محرم ۱۳۹۱ھ، ص ۱۶
۷۳۔ البقرۃ، ۲: ۲۵۶
۷۴۔ النحل، ۱۶: ۱۲۵
۷۵۔ شبلی نعمانی، غزوہ احد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ص ۱۵
۷۶۔ محمد طفیل، نقوش، رسول نمبر، ج ۸، ص ۵۹۱
۷۷۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الطھارۃ، باب صبالماء علی البول فی المسجد
۷۸۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ھلک المتنطعون۔
۷۹۔ محمد شفیع مفتی، معارف القرآن، الشوریٰ، ۴۲: ۱۵، ج ۷، ص ۶۷۸
۸۰۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، مکۃ المکرمہ، مطبعۃ الحکومۃ المکرۃ المکرمۃ، ۱۳۸۱ھ، ج ۲۴، ص ۱۷۳
۸۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب السمع و الطعة للامام مالم تکن معصیة
۸۲۔ روزنامہ جنگ کوئٹہ، جمعہ ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۴، ص ۴
۸۳۔ ایضاً
۸۴۔ الترمذی، الجامع، ابواب العلم، باب ماجاء فی الفقہ علی العبادۃ۔

۸۵۔ محمد طفیل، نقوش، رسول نمبر، ج ۸، ص ۵۶۲

۸۶۔ ایضاً، ص ۵۶۳

۸۷۔ البخاری، الادب المفرد، ص ۷۶

۸۸۔ محمد طفیل، نقوش، رسول نمبر، ج ۸، ص ۵۶۵

۸۹۔ ایضاً، ص ۵۵۴

۹۰۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الوصایا، باب انْ یَترُوکَ وَ رثَتَهُ اغنیاءَ خَیرٌ مِنْ انْ لَتکَفَّفُوْا النَّاسَ .

۹۱۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الامارة، باب فضل الرمیی والحث علیه، وذم من علمه ثم نسبه

۹۲۔ ندوی، سید ابوالحسن علی، مولانا، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، مجلس نشریات اسلام، ستان، کراچی، ص ۵۲۔



عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت سیرت طیبہ کی روشنی میں۔

(عبدالعلی اچکزئی (کوئٹہ)

معاشرہ کی حالت یکساں نہیں رہتی بلکہ اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ یہ تبدیلی کبھی معمولی ہوتی ہے جو حالات کے اتار چڑھاؤ سے رونما ہوتی ہے اور کبھی ہمہ گیر ہوتی ہے جو ایک دور کے بعد دوسرے دور کے آنے سے ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔ یہ تغیر پذیر معاشرہ ایک دور کے بعد دوسرا دور جدید اپنے ساتھ بڑے بڑے چیلنج لا رہا ہے۔ نئے نئے مسائل پیدا کر رہا ہے اور زمانے کے نئے نئے تقاضے سامنے آرہے ہیں۔ اب ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا ہوگا، سب سے پہلے ہمیں عصر حاضر کے تقاضوں اور مسائل کو سمجھنا ہوگا۔ اور پھر قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرنا ہوگا۔ قرآن و حدیث کی رہنمائی سے ہی ہم ایک روشن خیال، اعتدال پسند اور ایک مکمل اسلامی معاشرہ کی تشکیل کر سکیں گے، کیونکہ ہمارا دین اسلام ایک کامل اور ہمہ گیر دین ہے اور اس کی جامع تعلیمات ہر دور کے لیے راہ ہدایت اور مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن میں کسی قسم کا نقص یا عیب نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات ہر مشکل حالات میں اہل اسلام کی راہنمائی کے لیئے بہت کافی وشافی ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر مسلمان دین و دنیا کی سعادت حاصل کر سکتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کا ایک اہم حصہ اسوہ حسنہ پر مشتمل ہے، اور اس اُسوہ حسنہ کی عصری اہمیت کا ایک اہم پہلو جدید انسانی مسائل کے حوالے سے اُجاگر ہوتا ہے۔ آج انسانیت عالمی سطح پر کئی پیچیدہ مسائل میں گھری ہوئی ہے۔ اور خاص کر امت مسلمہ کو کئی چیلینجوں کا سامنا ہے، لیکن اس مشکل دور میں یہ حقیقت تقویت ایمان کا باعث ہے کہ سیرت نبوی ﷺ نے قرآن و سنت کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کی صورت میں ان مشکل مسائل کا حل چودہ صدیاں قبل ہی عطا فرما دیا تھا۔ عصر حاضر کے اہم تقاضوں میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

(۱) حالات و زمانے کی رعایت:۔

ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ حالات پر گہری نظر رکھی جائے اور حالات کے اعتبار سے جو عمل مناسب ہو اُسے اختیار کرنا چاہیے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت

عائشہؓ سے فرمایا کہ قریش نے بعد کو جب کعبہ کی تعمیر کی تو انہوں نے اس کو حضرت ابراہیمؑ کی اساس پر نہیں بنایا بلکہ اس کو بدل کر بنایا (حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کو لمبائی میں بنایا تھا مگر قریش نے اس کو مربع صورت میں بنایا۔ انہوں نے قدیم کعبہ کے ایک حصہ کو خالی چھوڑا جس کو اب حطیم کہتے ہیں) حضرت عائشہؓ بتاتی ہیں کہ میں نے کہا اے خدا کے رسول ﷺ آپ کیوں نہیں کعبہ کو دوبارہ ابراہیمی اساس پر بنا دیتے۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ تمہاری قوم ابھی جلد ہی کفر کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئی ہے، اندیشہ ہے کہ کہیں وہ اس سے بھٹک نہ جائے، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور ایسا کرتا۔ [1] صحیح بات اگر چہ یہ تھی کہ کعبہ کی اساس کو دوبارہ حضرت ابراہیمؑ کی اصل اساس پر قائم کیا جائے "اس کو مشرکین کی اساس پر چھوڑنا بظاہر ایک غیر صحیح فعل تھا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس کی تصحیح کی کوشش نہیں کی، کیوں کہ اس وقت کے حالات میں کعبہ کی تعمیر میں یہ تصحیح نئے مسائل پیدا کر سکتی تھی۔

رسول کریم ﷺ کی اس سنت سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ زندگی میں بعض اوقات ایسی صورت حال پیش آتی ہے جب کہ یہ نہ دیکھا جائے کہ کیا درست ہے اور نادرست ہے بلکہ یہ دیکھا جائے کہ کیا ممکن ہے اور کیا ممکن نہیں ہے، یہ بے حد اہم بات ہے، حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اس اصول کا لحاظ انتہائی ضروری ہے۔ موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی اکثر ناکامیاں اسی لیے پیش آتی ہیں کہ انہوں نے ممکن اور ناممکن کے اعتبار سے معاملہ کو نہیں دیکھا، بلکہ اس کو صرف درست اور نادرست کے اعتبار سے دیکھا، اور پھر جو انہیں درست نظر آیا اس کی طرف وہ فوراً دوڑ پڑے، حالانکہ حالات کے اعتبار سے اس کا حصول ان کے لیے ممکن ہی نہ تھا، موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی بے نتیجہ قربانیاں تمام تر اسی اصول کو ترک کرنے کا نتیجہ ہیں۔ [2] سیرت کے مطالعے سے اس طرح کی اور بھی مثالیں ملتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اجتماعی حالات کے پیش نظر کوئی حکم دیا یا کسی چیز سے منع کیا، پھر جب حالات بدل گئے یا اس میں ضرر کا اندیشہ ہوا تو اس میں تبدیلی فرما دی۔ مثلاً قربانی کا گوشت تین دن سے زائد ذخیرہ بنا کر رکھنے سے روک دیا تھا تاکہ گاؤں کے لوگ محروم نہ رہیں، پھر جب آپؐ سے شکایت کی گئی اور مختلف قسم کی ضرورتوں کو بیان کیا گیا تو آپؐ نے اجازت دے دی اور فرمایا: میں نے باہر کے لوگوں کی وجہ سے منع کیا تھا، اب کھاؤ، خیرات کرو اور ذخیرہ بنا کر رکھو [3]

(۲) اصلاح میں تدریج:۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ قرآن میں سب سے پہلے وہ آیتیں اور سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت اور جہنم کا ذکر تھا، یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہو گئے تو اس کے بعد حلال وحرام کے احکام

اترے، اگر ایسا ہوتا کہ شروع ہی میں یہ حکم اترتا کہ تم لوگ شراب نہ پیو تو یقیناً لوگ کہتے کہ ہم شراب کبھی نہیں چھوڑیں گے، اسی طرح اگر شروع ہی میں یہ حکم اترتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم زنا نہیں چھوڑیں گے [۴]

اس روایت سے ایک عظیم حکمت نبویؐ معلوم ہوتی ہے۔ یہ وہی عملی حکمت ہے جو کو تدریج کہا جاتا ہے۔ انسان کی اصلاح ایک مشکل اور پیچیدہ کام ہے، انسان عام طور پر کچھ خیالات اور عادات سے مانوس ہو جاتے ہیں وہ اسی کو درست سمجھنے لگتے ہیں، اس بنا پر وہ کسی نئی چیز کو فوری طور پر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، ایسی حالت میں انسانوں کی اصلاح کا واحد طریقہ یہ ہے کہ کہ اس کام کو حکمت اور تدریج کے ساتھ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے عرب میں پہلے لوگوں کی سوچ کو بدلا، لوگوں کے اندر شریعت کا مزاج پیدا کیا، یہاں تک کہ جب ان کے اندر اصلاح کو قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو گئی تو اس کے بعد آپؐ نے شرعی احکام کا نفاذ فرمایا۔ اگر آپ فکری تطہیر اور مزاج سازی کے بغیر شریعت کے قوانین نافذ کرتے تو یہ انسانی فطرت کے خلاف ہوتا اور وہ انقلابی نتیجہ برآمد نہ ہوتا جو عرب کے سماج میں برآمد ہوا [۵]

اور یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ از سر نو اسلامی زندگی کو اپنانے کی دعوت دے رہے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں اسلام کی فرماں روائی قائم ہو تو ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہدف تک پہنچنے کے سلسلہ میں تدریج کے قانون کو نگاہوں کے سامنے رکھیں، ہدف کی عظمت امکانات اور رکاوٹوں کی کثرت کے پیش نظر بھی اس سے اعراض صحیح نہیں ہو گا۔ اس موقع پر خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کی زندگی کا یہ واقعہ یاد کرنے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؒ نے سررشتہ کار اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد خلفائے اربعہ کے نقش قدم پر چلنے کا ارادہ کیا، لیکن ان کے نوجوان، غیور اور پرجوش بیٹے عبدالملک نے جب یہ دیکھا کہ غلطیوں کو درست کرنے مظالم کے ہٹانے اور زندگی کے قافلہ کو خلفائے راشدین کی راہ پر لگانے میں تاخیر ہو رہی ہے تو ایک دن اپنے والد عمر بن عبدالعزیز سے کہا ''آپ سارے معاملات کو جلد از جلد درست کیوں نہیں کر دیتے، حق کی راہ میں جو کچھ بھی پیش آئے ہمیں اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے'' بیٹے کی بات سن کر مومن اور فقیر باپ نے جواب دیا'' بیٹے جلدی نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دو بار شراب کی مذمت میں آیتیں اتاریں اور تیسری بار اترنے والی آیتوں میں اسے حرام قرار دیا گیا مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں تدریج کو نظر انداز کر کے ایک بارگی لوگوں کو پورے حق پر آمادہ کرنے کی کوشش کروں تو کہیں لوگ اسے چھوڑ نہ دیں، تو یہ بھی بڑا فتنہ ہوگا [۶]

(۳) امن اور عدم تشدد کی ضرورت:۔

قرآن حکیم میں فطرت کا ایک ابدی قانون ان الفاظ میں بتایا گیا ہے ''الصلح خیر'' [۷] یعنی ٹکراؤ کے طریقے کے

مقابلے میں مصالحانہ طریقہ زیادہ بہتر ہے۔ یہ واضح طور پر تشدد کے مقابلے میں عدم تشدد کی اہمیت کی تعلیم ہے۔ اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! **ان اللہ یعطی علی الرفق ما لا یعطی علی الغف** ۸؎ یعنی اللہ نرمی پر وہ چیز دیتا ہے جو وہ سختی پر نہیں دیتا۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ متشددانہ طریق کار کے مقابلہ میں پرامن طریق کار زیادہ نتیجہ خیز ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا! **لا تتمنو لقاد العدو واسئلو اللہ العافیۃ** ۹؎ ''دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو، اللہ سے عافیت مانگو''۔ اس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ اگر کسی کے ساتھ عداوت کے اسباب پیدا ہوں تو اس کے مقابلے میں تمہاری جوابی منصوبہ بندی امن کی بنیاد پر ہونی چاہیے، نہ کہ تشدّد کی بنیاد پر۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پُرامن طریقہ اختیار کرنے میں بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ آدمی کو کچھ نقصان برداشت کرنا پڑے گا، لیکن اگر اس کے اندر غیر متاثر سوچ ہو تو وہ اس کو بتائے گی کہ تھوڑے نقصان کو برداشت کر لو تا کہ تمہیں بڑے نقصان کو برداشت نہ کرنا پڑے۔ جو کچھ کھویا جا چکا ہے اس کو حاصل کرنے کی کوشش میں ایسا نہ ہو کہ جو کچھ اب بھی حاصل ہے اس کو بھی کھو دینا پڑے۔ ۱۰؎

پیغمبر اسلام ﷺ انتہائی حد تک ایک امن پسند آدمی تھے۔ آپؐ کے مخالفین نے بار بار آپ کو لڑائی میں الجھانا چاہا، مگر ہر بار آپؐ اعراض کر کے لڑائی سے بچتے رہے، تاہم چند بار یک طرفہ جارحیت کی بنا پر آپ کو وقتی طور پر دفاع جنگ کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ انہی چند دفاعی جنگوں میں سے ایک بدر کا غزوہ ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ عین اس وقت جب کہ دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں آپؐ کے پاس خدا کا فرشتہ آیا۔ اس نے کہا کہ اے محمدؐ اللہ نے آپ کو سلام کا پیغام بھیجا ہے، یہ سن کر پیغمبر اسلام نے فرمایا: ھوالسلام ومنہ السلام والیہ السلام ''یعنی اللہ سلامتی ہے، اور اس سے سلامتی ہے اور اس کی طرف سلامتی ہے'' ۱۱؎ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عین لڑائی کے وقت بھی آپؐ ایک امن پسند انسان بنے ہوئے تھے۔

(۴) ذمہ داری کا احساس اور حقوق کی ادائیگی:۔

ارشاد نبوی ہے کہ ''خبردار تم میں سے ہر شخص رعیت کا نگہبان ہے اور تم میں سے ہر شخص کو اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہونا پڑے گا، لہٰذا امام جو لوگوں کا نگہبان ہے اس کو اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہی کرنا ہوگی۔ مرد جو اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اس کو اپنے گھر والوں کے بارے میں جواب دہی کرنا ہوگی۔ عورت جو اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے اس کو ان کے حقوق کے بارے میں جوابدہی کرنا ہوگی، لہٰذا آگاہ رہو تم میں سے ہر ایک شخص نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک شخص اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہوگا۔ ۱۲؎ اسی طرح احادیث میں یہ واقعہ درج ہے کہ جب رسول

اللہ ﷺ تک یہ خبر پہنچی کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص عبادت میں اتنے مشغول ہو گئے ہیں کہ اب گھر والوں کے حقوق بھی بھول گئے ہیں تو آپ ﷺ نے ان سے کہا تم دن میں روزے رکھتے ہو اور رات میں نمازیں پڑھتے ہو؟ عداللہ بن عمرو نے عرض کیا ہاں، یا رسول اللہ، آپ ﷺ نے فرمایا، ایسا نہ کرو، روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، سوؤ بھی اور جاگو بھی، اس لیے کہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، اور جو لوگ تم سے ملنے آتے ہیں ان کا بھی تم پر حق ہے'' ۱۳

ان روایات سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ چونکہ معاشرے کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ پر ذمہ دار اور نگہبان ہے اور اس کے ذمے کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں اس لئے اُسے چاہیے کہ ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اپنے اوپر عائد شدہ حقوق کو بطریق احسن ادا کرے،

(۵) اجتہاد کی ضرورت:۔

عصر حاضر کی ایک اہم ضرورت اجتہاد بھی ہے۔ اجتہادی عمل کے ذریعہ اہل اسلام ہر زمانہ میں اپنی اپنی حیثیت کو از سر نو قائم کرتے رہتے ہیں، وہ بدلے ہوئے حالات میں اسلام کو از سر نو منطبق کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اسلام ایک ابدی مذہب ہے۔ اجتہاد سے مراد آزادانہ رائے قائم کرنا نہیں ہے، بلکہ اجتہاد سے مراد یہ ہے کہ قرآن وسنت جو اسلام کے اُصل مصادر ہیں ان پر غور کر کے قیاسی یا استنباطی طور پر شریعت کے نئے احکام معلوم کرنا۔ جیسا کہ امام قرطبی لکھتے ہیں۔

الاستنباط جی اللغة الاستخرج وهو يدل على الاجتهاد داذ اعدم النفس والد جماع ١٤۔

یعنی استنباط کے معنی استخراج کے ہیں۔ اس کا مطلب ہے جنس اور اجماع کی غیر موجودگی میں اجتہاد کر کے شریعت کا حکم معلوم کرنا احادیث سے اجتہاد کے ثبوت میں سب سے اہم حدیث حضرت معاذ بن جبلؓ کی ہے۔ اس حدیث کا آخری حصہ براہ راست اجتہاد سے متعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس سوال پر کہ اگر تمہیں قرآن وسنت میں درپیش کسی مسئلہ کا حل نہ ملے تو کیا کرو گے، حضرت معاذ بن جبلؓ نے جواب دیا، **اجتهد برای ولا آلو**'' میں اس صورت میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور غور وفکر کے ذریعہ کسی نتیجہ تک پہنچنے میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا، اس جواب پر رسول اللہ ﷺ نے خوشی اور اطمینان کا اظہار فرمایا اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو اس قسم کی صورت حال میں اجتہاد کے ذریعہ مسائل حل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ۱۵

دور صحابہؓ میں بھی اجتہاد کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔حضرت خلفائے راشدین کا دستور عمل یہ تھا کہ سب سے پہلے کسی مسئلہ کا حکم کتاب وسنت سے تلاش کیا جاتا،اور جب کوئی ایسا واقعہ پیش آتا جس کا حکم کتاب وسنت میں صراحۃً موجود نہ ہوتا تو فقہا،صحابہؓ کو جمع کر کے انہیں غور وفکر کی دعوت دی جاتی اوران کے اجتماعی اجتہاد پر عمل کیا جاتا۔ [۱۶] خاص کر دور فاروقی میں نئے مسائل پر غور کرنے کے لئے حضرات صحابہ کرامؓ کی دو مجلسیں قائم تھیں۔ایک مجلس تو سیدنا عمر بن الخطابؓ نے مرتب فرمائی، جس میں خود خلیفہ دومؓ حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شریک تھے،دوسری مجلس سیدنا علیؓ ابن ابی طالب نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ مل کر بنائی تھی۔ [۱۷]

(۴) جہاد کی اہمیت وضرورت:۔

عصر حاضر میں اجتہاد کے ساتھ ساتھ جہاد کی بھی ضرورت ہے، کیونکہ شرعی جہاد اور اجتہاد لازم وملزوم ہیں، جب تک قوم میں جہاد باقی رہے گا، اجتہاد کے نوک پلک درست کیے بغیر چارہ نہ ہوگا،اور جب جہاد اپنی اصلی حیثیت کھودے گا تو اجتہاد کا دروازہ بھی بند ہوجائے گا [۱۸] جیسا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی مرحوم لکھتے ہیں:۔

''اسلام کی امامت بڑی نازک اور وسیع صفات کو چاہتی ہے جو فرد یا جماعت اس منصب پر فائز ہو اس کے لیے ذاتی صلاح وتقویٰ اور عدل کے علاوہ جہاد اور اجتہاد کی قابلیت کی بھی ضرورت ہے۔یہ دو لفظ بہت سادہ اور ہلکے ہیں لیکن معانی و مطالب سے لبریز۔جہاد سے مراد ہے عزیز ترین اور اہم ترین مطلوب کے حصول کے لیے اپنی انتہائی طاقت و وسائل صرف کر دینا،مسلمانوں کا سب سے بڑا مقصود اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اس کی خوشنودی کا حصول اور اس کی بادشاہی اور احکام کے سامنے سپردگی اور سرافگندگی ہے۔اس لیے ایک طویل جہاد کی ضرورت ہے، ہر اس عقیدہ، تربیت، اخلاق، اغراض اور خواہشات کے خلاف جو اس میں مزاحم ہوں اور ان تمام نفسی وآفاقی (داخلی وخارجی) الٰہ ومعبودان باطل کے خلاف جو اللہ کی فرمانبرداری اور اخلاص میں حریف اور رقیب ہوں، جب یہ مقصد حاصل ہو جائے تو مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کی بادشاہی اور اس کے احکام کو اپنے گردوپیش کی دنیا اور اپنی بنی نوع پر پھیلانے کے لیے جدوجہد کرے۔جس مقصد کے لئے مسلمان کی جدوجہد مطلوب ہے وہ خدا کے اس قانون کا نفاذ ہے جو انبیاء علیہم اسلام لے کر آئے اور جس کے غلبہ اور قیام کے لیے ان کے پیرو مامور ہیں،جس کی مخالف طاقتیں اور دعوتیں دنیا میں ہمیشہ رہیں گی،یہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔اس کی بکثرت قسمیں اور صورتیں ہیں جن میں سے ایک جنگ بھی ہے جو بعض اوقات اس کی سب سے افضل قسم ہو جاتی ہے،اس کی غایت یہ ہے کہ اسلام کے مقابلے میں کوئی برابر حریف کی طاقت باقی نہ رہے، جو خواہشات اور طبیعتوں کو مخالف سمت کی طرف

کھینچے۔۱۹؎ ارشاد خداوندی ہے

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۲۰؎۔

''اور اہل کفر سے یہاں تک جنگ کرو کہ کفر کا زور باقی نہ رہے اور اطاعت اللہ کی ہی ہو''۔ آیت مذکورہ میں جہاد کا ایک عظیم مقصد بیان کیا گیا ہے اور اس کے دو حصے ہیں سب سے اہم مقصد خدا کی آیت مذکورہ میں جہاد کا ایک عظیم مقصد خدا کے دشمنوں کی طاقت اور شوکت کو اتنا توڑ دینا ہے کہ پھر ان میں اسلام کے مقابل آ کر جنگ کا حوصلہ باقی نہ رہے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ خدائی قانون عالم پر اس طرح پھیل جائے کہ غالب پھر وہی ہو اور بقیہ قوانین اس کے زیر قیادت وسیادت اپنے اپنے دائرہ میں محدود رہیں، کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کفار کو غلبہ ہوا، مسلمانوں کا مذہب اور ایمان خطرہ میں پڑ گیا۔ اسپین کی مثال دنیا کے سامنے ہے، کس طرح قوت اور موقع ہاتھ آنے پر مسلمانوں کو تباہ کیا گیا یا مرتد بنایا گیا اور موجودہ زمانہ میں بھی اس کے شواہد دنیا کے سامنے ہیں حتیٰ کہ بعض ممالک میں مسلمانوں پر مظالم توڑنا گویا اپنی سیر وتفریح کا سامان سمجھا جاتا ہے کہ جب چاہا پرندوں کی طرح ان کا شکار کھیلا، ان کے جان و مال لوٹ لئے، ان کی عزت وآبرو برباد کر دی، پھر کوئی نہیں ہوتا جوان کی داد فریاد سنے ۲۱؎ عراق، فلسطین، افغانستان، کشمیر، چیچنیا اور بوسنیا وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ لیکن جنگ کی تمنا کرنا اور اس میں عجلت سے کام لینا بھی صحیح نہیں ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے کہ ''رسول ﷺ نے کسی غزوہ میں جس میں دشمن کے ساتھ آپ کا مقابلہ ہوا، اتنی دیر انتظار کیا کہ آفتاب ڈھل جائے، اس کے بعد صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا دیکھو، دشمن سے جنگ کی تمنائیں مت کرنا اور اللہ سے ہمیشہ عافیت مانگنا، جب جنگ سر پر ہی پڑ جائے تو پھر ثابت قدم رہنا اور اس کا یقین رکھنا کہ جنت کہیں دور نہیں بس تلواروں کے سائے کے نیچے ہے ۲۲؎ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اگر تمہارا دشمن بن جائے تو ایسا نہ کرو کہ تم بھی اس کے دشمن بن کر اس سے لڑنا شروع کر دو، بلکہ فریق ثانی کی دشمنی کے باوجود تم اس کے ساتھ اعراض کا طریقہ اختیار کرو، دشمنی کے حالات کے باوجود تمہارا طریقہ لڑائی سے بچنے کا ہونا چاہیے۔ کیونکہ خصوصاً موجودہ دور کی جنگوں میں سب سے پہلے دشمن کی نظروں میں دشمن کا نصب العین یہ رہتا ہے کہ ملک میں جو ترقیات بڑی مشقتیں اور محنتیں اٹھا کر اور بڑے مصارف برداشت کر کے کسی حد تک ہوئی ہیں سب سے پہلے ان کو اپنا ہدف بنائے اور برباد کر ڈالے اور اتنا ہی نہیں، عوام کی بھی اس طرح خانہ ویرانی کر دے کہ عورت کا شوہر نہ رہے، بچے یتیم ہو جائیں، ہری بھری کھیتیاں راکھ کا ڈھیر بن جائیں، غرضیکہ جو ملک بڑی مصیبتیں جھیل کر سنبھلا تھا، چند گھنٹوں میں قبرستان نظر آنے لگے۔ اس ضمن میں جو موت کے گھاٹ اتر جائیں ان کو چھوڑیئے لیکن جو باقی رہ جائیں گے، ان کو در در کی بھیک مانگنی پڑے، پہننے کے لیے کپڑا نصیب نہ ہو، اور سر چھپانے کے لیے کوئی گھر باقی نہ رہے۔ اب سوچئے اگر یہ مصائب کسی ملک پر خدا نہ کردہ

آ پڑیں تو اس کی مکافات ممکن ہے یا نہیں؟ اس لئے صرف جوش کار آمد نہیں ہوتا، اس کے ساتھ ہوش بھی درکار ہے''۔ ۱۳

۷۔ دعوت الی اللہ:۔

اسلام مسلمانوں سے صرف یہی نہیں چاہتا کہ وہ اپنی ذات کی حد تک نیک اور صالح بن جائیں بلکہ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ دوسروں کی اصلاح کے لیے بھی کوشش کریں۔ اسی بات کا ثبوت **امر بالمعروف ، نھی عن المنکر، تواصی بالحق ، تواصی بالصبر** اور **دعوت الی الخیر** کے فریضہ سے بھی ملتا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں ہر مسلمان اس بات کا مکلف ہے کہ وہ اپنی طاقت اور وسائل کے مطابق دین کی دعوت کا کام انجام دے، اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو اس کا مکلف بنایا ہے، ارشاد خداوندی۔

وَمَن اَحسَنُ قَولاً مِّن دَعَا اِلَی اللہ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ اِنَّنِی مِنَ المُسلِمِین۔ ۲۴۔

''اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کے طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں''

دعوت کا کام سادہ کام نہیں، یہ ایک ایسا کام ہے جو کلیدی عمل کی حیثیت رکھتا ہے، اس کام کو بھرپور طور پر انجام دیا جائے تو بقیہ تمام مطلوبات اپنے آپ حاصل ہو جائیں گے، اس لیے اس کام میں بصیرت سے کام لیتے ہوئے اور اسوہ نبوی کو سامنے رکھتے ہوئے آگے بڑھنا چاہیے۔ اس سلسلے مین اگر ہم سیرت نبویؐ میں غور وفکر کریں تو معلوم ہوگا کہ تیرہ سال تک رسول اللہ ﷺ لوگوں کو مکہ میں اسلام کی طرف بلاتے رہے، اور ان کی تربیت کرتے رہے اور چاروں طرف دائیں بائیں شرک کا خیمہ گڑا ہوا تھا، خانہ کعبہ تین سو ساٹھ (۳۶۰) بتوں کے گھیرے میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھتے تھے، اس کا طواف کرتے تھے اور چاروں طرف یہ بت موجود ہوتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے اور آپؐ کے ساتھیوں نے کبھی یہ نہ سوچا کہ ایک فدائی حملہ کر کے انہیں چکنا چور کر دیا جائے، اور ان سے چھٹکارا حاصل کر لیا جائے، اس لیے کہ اگر آپؐ ایسا کرتے تو اپنے آپ اور اپنے ساتھیوں کو ہلاکت اور بربادی سے دوچار کر دیتے، اس لئے کہ اگر آپؐ ایسا کرتے تو اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو ہلاکت اور بربادی سے دوچار کر دیتے، اس لئے کہ دونوں گروہوں میں طاقت کا توازن نہیں تھا، اس طرح جو تباہی ہوتی وہ تو ہوتی ہی۔ بت پرستی بھی اپنی جگہ پر قائم رہتی۔ بت پرست ان بتوں کی جگہ پر گھڑ کر یا خرید کر دوسرے بتوں کو پھر دوسرے دن نصب کر دیتے۔ اس لیے کہ بت پرستی پہلے ان کے ذہنوں میں قائم ہوئی تھی پھر بعد میں اُسے مرئی روپ ملا، ایسی حالت میں جب تک ان کے ذہن اس جھوٹ سے آزاد نہ ہوتے تو بتوں کی توڑ پھوڑ سے کیا فائدہ ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضور ﷺ ابتدا میں کعبہ کے اندر اور باہر بتوں سے تعرض کیے بغیر دعوت اسلامی کی اشاعت میں مشغول ہو گئے۔ آپؐ نے کوشش کی کہ پہلے

توحید کے اجالے سے دِل ودماغ روشن ہو جائیں تو یہ گمراہی خود بخود ختم ہو جائے گی۔ ۲۵

اسی طرح اسوہ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کو مخاطب کے معیارِ فہم کے مطابق مدلّل کرتے ہوئے پیش کیا جائے۔ تشدد سے مکمل پرہیز کرتے ہوئے صرف پر امن ذرائع سے کام کو آگے بڑھایا جائے، فریق ثانی اگر زیادتی کرے تب بھی یک طرفہ صبر کرتے ہوئے پر امن اشاعتی مہم کو جاری رکھا جائے، ہر قیمت پر یہ کوشش کی جائے کہ داعی اور مدعو کے درمیان نفرت اور کشیدگی کا ماحول ہرگز قائم نہ ہونے پائے، معتدل ماحول ہمیشہ اسلام کے لیے مفید ہوتا ہے اور غیر معتدل ماحول ہمیشہ اسلام کے لیے غیر مفید۔ یہی وہ دعوتی طریق کار ہے جس کو اختیار کر کے پیغمبر اسلام ﷺ نے خدا کے دین کو عزت اور غلبہ کے مقام تک پہنچایا۔ ۲۶

(۸) فہم وفراست اور حکمت کا استعمال:۔

عصر حاضر کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کو ہر موقع پر فہم وفراست اور حکمت سے کام لینا چاہیئے۔ نبی کریم ﷺ کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ آپؐ صاحب حکمت تھے اور لوگوں کو حکیمانہ روش اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ اس سلسلے میں آپؐ کے بہت سے اقوال حدیث کی کتابوں میں درج ہیں۔ مثال کے طور پر آپؐ نے فرمایا!''حسد (رشک) نہیں ہوا دو قسم کے آدمیوں پر، ایک وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا تو اس کو وہ حق کے راستہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرتا ہے، اور دوسرا آدمی وہ جس کو اللہ نے حکمت دی تو وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے ۲۷ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور کہا کہ اے اللہ اس کو حکمت عطا فرما۔ ۲۸ اس طرح اور بہت سی روایتیں ہیں جن سے حکمت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، مثلاً ارشاد فرمایا: **نعم المجلس مجلس ینشر فیه احکمة** ۲۹ یعنی کیا ہی اچھی ہے وہ مجلس جس میں حکمت کی بات کی جائے۔ غرض حکمت کی اہمیت کے پیش نظر اس کی تعلیم بھی دی گئی کہ دوسری قوموں میں اگر کوئی حکمت کی چیز ملے تو اس کو لینے سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے، اس لیے فرمایا!'' حکمت کی بات مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے وہ جہاں اس کو پائے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے'' ۳۰ بعض روایات کے مطابق حکمت اور تفقیہ کی اہمیت عبادت سے بھی زیادہ ہے، چنانچہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ایک فقیہہ شیطان کے اوپر ہزار عابدوں سے بھی زیادہ بھاری ہے'' ۳۱

پیغمبر اسلام کی پوری زندگی حکمت کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔ نبوت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے آپ نے ہر موقع پر اور ہر مرحلہ میں حکمت کا طریقہ اختیار فرمایا۔ یہاں اس سلسلہ میں آپ کی زندگی سے چند مثالیں نقل کی جاتی ہیں

نبی کریم ﷺ کی عمر جب ۳۵ سال تھی وقت مکہ میں ایک واقعہ پیش آیا۔ کعبہ کی عمارت بعض اسباب سے منہدم ہوگئی، اس کے بعد قریش کے لوگوں نے اس کی نئی تعمیر کی۔ اس دوران یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ حجر اسود کو کون رکھے اور اس کو دوبارہ اس جگہ پر کعبہ کی دیوار میں نصب کرے۔ یہ چونکہ فضیلت کا ایک معاملہ تھا، ہر ایک یہ چاہنے لگا کہ وہی اس کو دوبارہ اس کی جگہ پر کعبہ کی دیوار میں نصب کرے۔ یہ چونکہ فضیلت کا ایک معاملہ تھا، ہر ایک یہ چاہنے لگا کہ وہی اس کو اٹھا کر نصب کرے اور اس شرف کا مالک بنے۔ اس سوال پر قریش کے لوگوں میں کئی دن تک جھگڑا جاری رہا اور کوئی اتفاقی فارمولا طے نہ ہوسکا۔ آخر کار قریش کے ایک بزرگ کی تجویز کے مطابق وہ اس پر راضی ہوئے کہ کل صبح کو جو آدمی سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہو، وہی اس مسئلہ کا فیصلہ کرے اور تمام لوگ اس کے فیصلہ کو مان لیں۔ اگلی صبح کو جب لوگ دوبارہ کعبہ میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ کعبہ میں داخل ہونے والے سب سے پہلے شخص رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ہر ایک نے بہ یک زبان کہا **هذا الامين رضينا هذا محمد** ۳۶ یعنی یہ تو محمد الامین ہیں۔ ہم ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ ایک چادر لے آؤ، وہ لوگ چادر لائے تو آپؐ نے اس کو زمین پر پھیلا دیا اور حجر اسود کو اٹھا کر اس کے اوپر رکھ دیا۔ پھر آپؐ نے لوگوں سے کہا کہ تم سب لوگ چادر کے کناروں کو پکڑو اور اس کو اٹھا کر کعبہ کی دیوار کے پاس لے جاؤ، انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپؐ نے حجر اسود کو چادر سے اٹھایا اور اس کو کعبہ کی دیوار میں نصب کر دیا۔

ایک شخص نے اپنے پڑوسی کے ایذا رسانی کی شکایت کی آپؐ نے اس سے فرمایا کہ گھر سے سارا مال اسباب نکال کر راستہ میں ڈال دے۔ اس نے حکم کی تعمیل میں ایسا ہی کیا، جب لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو صورت حال دریافت کی اور پڑوسی پر لعن طعن شروع کر دیا، پڑوسی اس لعن طعن سے متاثر ہو کر ایذا رسانی سے باز آیا اور آئندہ کے لیے حلفیہ وعدہ کیا۔ ۳۳ غرض اس طرح کی اور بہت سی مثالیں آپؐ کے اسوہ حسنہ میں موجود ہیں۔

(۹) فرقہ واریت کا خاتمہ:۔

عصر حاضر کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ فرقہ واریت کا خاتمہ کیا جائے اور فروعی اختلافات کو اپنے حدود کے اندر رکھنا چاہیے، اختلاف رائے جو اپنے حدود کے اندر ہو یعنی قرآن وسنت کے قطعی اور اعتقادی مسائل اور قطعی احکام میں نہ ہو، صرف فروعی مسائل اجتہادیہ میں ہو، جن میں قرآن وسنت کی نصوص ساکت یا مبہم ہیں اور وہ بھی جنگ وجدل اور لعن طعن کی حد تک نہ پہنچے تو وہ بجائے مُضر ہونے کے مفید اور ایک نعمت و رحمت ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اختلاف امتی رحمۃ ۳۴ یعنی میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ امت محمدیہ کی یہ خصوصیت اس لیے اختیار فرمائی گئی کہ اس امت کے علما حق اور

فقہا متقین میں جو اختلاف ہوگا وہ ہمیشہ اصول قرآن وسنت کے ماتحت ہوگا، اور صدق نیت اور للہیت سے ہوگا، کوئی نفسانی غرض جاہ ومال کی ان کے اختلاف کی محرک نہ ہوگی اس لیے وہ کسی جنگ وجدل کا سبب بھی نہ بنے گا۔ ۳۵

نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے مذکورہ اختلاف کو رحمت اس لیے بیان فرمایا کہ یہ باعث زینت اور علم میں اضافہ کا سبب ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے دور میں اس قسم کے اختلاف کی تحسین فرمائی اس لیے کہ اختلاف تو اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ جماعت میں غور وفکر اور تحقیق وتجسس اور فہم وتفقہ کی صلاحتیں موجود ہیں۔ غزوہ احزاب سے واپسی کے موقع پر نبی کریمؐ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ بنو قریظہ کی طرف جاؤ اور عصر کی نماز وہاں جا کر ادا کرو، چنانچہ راستے میں جب عصر کی نماز کا وقت آ گیا تو بعض صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے فرمان کی یہ توجیہہ کی کہ ان کی مراد یہ تھی کہ تیزی سے وہاں پہنچنے کی کوشش کرو اور راستے میں کہیں نہ رکنا۔ اب تو نماز کا وقت ہو چکا ہے، نماز راستے میں پڑھ کر فوراً چل دیتے ہیں، اور انہوں نے ایسا ہی کیا، مگر بعض صحابہ کرام کا اصرار یہ تھا کہ حضور ﷺ کا قول واضح ہے کہ نماز راستے میں نہ پڑھنا بلکہ وہیں جا کر پڑھنا، چنانچہ انہوں نے بنی قریظہ کے ہاں پہنچ کر نماز پڑھی۔ واپس آ کر حضور ﷺ نے دونوں کی باتیں سنیں اور کسی کی تردید نہیں کی۔ ۳۶

اختلاف رائے صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد سلف صالحین میں بھی موجود تھا، لیکن ان کے درمیان یہ اختلاف رائے صرف اجتہاد پر مبنی تھا اور اختلاف رائے کے باوجود دینی معاملات اور شرعی احکام کے سلسلے میں وہ لوگ نہایت احتیاط برتتے تھے، اور ان کی باہمی مخالفت کبھی دین میں شقاق وفرقہ بندی کا باعث نہیں بنی، جیسا کہ امام بیہقی نے سنن میں روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ان کے آزاد کردہ غلام کریب نے آ کر یہ شکایت کی کہ حضرت معاویہؓ تین کے بجائے ایک وتر پڑھتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ معاویہؓ ٹھیک ہی کرتے ہوں گے کیونکہ وہ ہم سے بڑھ کر عالم ہیں۔ ۳۷ یاد رہے کہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت علیؓ کے چچازاد بھائی تھے جبکہ اس وقت حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ سے برسرپیکار تھے۔

غرض اس طرح کی بہت سی روایات اور واقعات حدیث وسیرت کی کتابوں میں موجود ہیں، ان روایات اور واقعات پر غور کرنے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ہمارے سلف صالحین میں اختلاف رائے اور سیاسی مخالف کے باوجود کس قدر رواداری پائی جاتی ہے، اور وہ باہمی احترام اور عزت نفس کو کس قدر ملحوظ رکھتے تھے، انہوں نے اختلاف رائے کو کبھی انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور کبھی یہ نہ کہا کہ صرف میری ہی بات حق ہے اور دوسروں کی باطل ہے۔

(۱۰) تالیف قلب یا اغیار کی رعایت:۔

تالیف قلب کا مطلب ہے دلوں کو جوڑنا، لوگوں کو اپنے سے مانوس کرنا، اور یہ مقصد صرف اس طرح حاصل کیا جا

سکتا ہے کہ دوسروں کی رعایت کی جائے، ان کے جذبات اور مفادات کا احترام کیا جائے، تالیف کا یہ اصول اسلامی دعوت کا ایک اہم اصول ہے۔ وہ ابدی طور پر ہر انسانی معاشرے میں مطلوب ہے۔ پیغمبر ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں تالیف قلب کے اس اصول پر عمل فرمایا۔ مثلاً حطیم شریف کو خانہ کعبہ میں شامل نہ کرنے کا آپ کا فیصلہ بھی تالیف قلب کی غرض سے تھا، جیسا کہ امام نووی شارح صحیح مسلم نے آپؐ کے اس فیصلے سے یہ اصول اخذ کیئے ہیں کہ (۱) بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے (۲) تالیف قلب اور لوگوں کی دل جوئی کا حتی الامکان خیال رکھنا چاہیے (۳) کسی ایسی چیز سے تعرض نہ کرنا چاہیے جو زیادہ اہم نہ ہو، لیکن قومی رغبت کی بنا پر اس کی وجہ سے نفرت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ ۳۸

تحویل قبلہ کا حکم آنے سے پہلے تقریباً سترہ (۱۷) مہینہ تک آپؐ نے یہود کے قبلہ بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنائے رکھا ۳۹ یہود کے قبلہ عبادت کو اپنا قبلہ بنانا اس لیے تھا کہ آپؐ امید رکھتے تھے کہ اس طرح وہاں کے یہود آپؐ سے مانوس ہوں گے اور آپؐ کے قریب آ جائیں گے۔ ۴۰ اسی طرح آپؐ نے منافقین کے قتل کرنے سے منع کر دیا تھا، تا کہ لوگوں کی نفرت اور یہ کہنے کا سبب نہ بنے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں، جب کہ ایک موقعہ پر آپؐ نے حضرت عمر فاروقؓ سے ارشاد فرمایا:

دعه لایتحدث الناس ان محمداً القتیل اصحابه ۴۱۔ حالانکہ منافقین طرح طرح کے فتنہ و فساد پھیلاتے رہتے تھے، لیکن و مصلحۃ التالیف اعظم من مصلحۃ القتل ۴۲ ''تالیف قلب کی مصلحت قتل کی مصلحت سے زیادہ بڑی ہے''

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا طریقہ مخالفت کے جواب میں مخالفت نہ تھا، بلکہ مخالفت کے جواب میں رعایت تھا، آپ کی سوچ یہ نہیں تھی کہ لوگوں کو دبا کر انہیں تابع بنائیں، اس کے برعکس آپ کا طریقہ یہ تھا کہ لوگوں کے ساتھ شفقت اور رعایت کا معاملہ کیا جائے، ان کے دِل کو نرم کر کے انہیں اپنا ساتھی بنایا جائے۔

(۱۱) اتحاد امت:۔

آج امت افتراق اور اختلاف کا شکار ہے، عصر حاضر کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ امت میں وحدت اور اتفاق پیدا کیا جائے۔ اس سلسلے میں قرآن و سیرت نبویہ سے راہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن حکیم نے مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے ۴۳ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو اتحاد و یگانگت کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ **المُومنُ للمُومن کالبنیان یشدُّ بعضُه بعضاً وشبک بین اصابعه** ۴۴ ''ایک مومن دوسرے مومن کے حق

میں عمارت کی مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے اور آپؐ نے اپنے ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھائیں اسی طرح ارشاد فرماتے ہیں کہ "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے نہ اسے حقیر گردانے اور نہ اس کو (مدد کے وقت) بے سہارا چھوڑ دے، ۴۵ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس کے ساتھ خیانت کرتا ہے، نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے، نہ اسے بے سہارا چھوڑتا ہے، ایک مسلمان کی عزت، اس کا مال اور اس کا خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے" ۴۶

آج اسلام اور اسلامی دنیا کو جن بین الاقوامی خطرات اور چیلنجوں کا سامنا ہے، وہ آندھی اور طوفان کی طرح عالم اسلام کی طرف بڑھ رہے ہیں اور اس کو گھیرنے اور اس کا استحصال کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں، لہٰذا ان چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے عالم اسلام کو متحد ہونے کی جتنی شدید ضرورت آج ہے، اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔

(۱۲) سیاسی استحکام:۔

حضور اکرم ﷺ نے ایک طرف یہ فرمایا کہ ظالم حکمران کے سامنے حق و عدل کی بات کہنا افضل جہاد ہے ۴۷ دوسری طرف یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے حاکم میں ایسی چیز دیکھے جو اس کو پسند نہ ہو تو وہ اس پر صبر کرے ۴۸ اسی طرح آپؐ نے فرمایا کہ تم اپنے حاکم کی بات سُنو اور اُس کی اطاعت کرو، خواہ وہ تمہاری پیٹھ پر کوڑا مارے اور تمہارا مال چھین لے ۴۹

ان حدیثوں میں بظاہر دو قسم کے احکام ہیں۔ ایک طرف یہ حکم ہے کہ تم اپنے حاکم میں کوئی غلط بات دیکھو تو کھلے طور پر اس کا اعلان کرو، دوسری حدیث یہ بتاتی ہے کہ امیر کے اندر تمہیں کوئی غلط بات دکھائی دے تو اس پر صبر کرو، اگر وہ تمہارے اوپر ظلم کرے تب بھی تم اس کو برداشت کرو۔

یہ ایک بے حد اہم ہدایت ہے جس سے دو چیزوں کا فرق معلوم ہوتا ہے، اور وہ ہے اعلان اور اقدام کا فرق۔ یہ ایک مطلوب بات ہے کہ آدمی حکمران کے اندر کوئی غلط بات دیکھے تو وہ نصیحت اور خیر خواہی کے انداز میں اس کا اعلان کرے، مگر جہاں تک عملی اقدام کا تعلق ہے تو آدمی کو اس سے مکمل طور پر باز رہنا چاہیے، آدمی کو چاہیے کہ وہ نصیحت اور ٹکراؤ کی سیاست میں فرق کرے۔ نصیحت کے جائز حق کو استعمال کرتے، ہوئے وہ سیاسی ٹکراؤ سے مکمل طور پر بچے۔ فرق کا یہ اصول بے حد اہم ہے۔ سماج میں جب بھی تشدد کا ماحول بنتا ہے وہ اس وقت بنتا ہے جب کہ لوگ حکمران کے خلاف عملی ٹکراؤ کی مہم شروع کر دیں۔ وہ اصلاح سیاست کے نام پر حکمران کو اقتدار سے بے دخل کرنے کا منصوبہ بنائیں۔ لیکن اگر اس قسم کی نزاعی سیاست سے بچتے ہوئے صرف قولی نصیحت پر اکتفا کیا جائے تو ہمیشہ ایسا ہوگا کہ سماج میں امن قائم رہے گا، سماج کبھی بھی تشدد کا جنگل نہیں بنے گا۔ ۵۵

اس کی تائید ایک دیگر روایت سے بھی ہوتی ہے جب کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا! ''تمہارے بہترین حاکم وہ ہیں جو تم سے محبت رکھیں اور تم ان سے محبت رکھو، وہ تم کو دعائیں دیں تم ان کو دعائیں دو، اور بدترین حاکم وہ ہیں جو تم سے بغض رکھیں اور تم ان سے بغض رکھو، وہ تم پر لعنت کریں اور تم ان پر لعنت کرو، (راوی فرماتے ہیں کہ) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ان بدترین حاکموں کو تلوار سے دفع نہ کریں۔ آپؐ نے فرمایا! ہرگز نہیں جب تک کہ وہ تمہاری باجماعت نمازوں کا نظام قائم رکھیں، اور جب تم اپنے حاکموں سے کوئی ناپسندیدہ بات دیکھو تو اس کو دل میں نفرت کی نظر سے دیکھو، لیکن ظاہری طور پر اس کی اطاعت سے دست کش نہ ہو۔ ۵۱ اور ایک حدیث قدسی میں ہے کہ ''جب میرے بندے میری فرمانبرداری کرتے ہیں تو میں بادشاہوں کے دل ان کی محبت و شفقت سے بھر دیتا ہوں اور جب میرے بندے میری نافرمانی پر کمربستہ ہو جاتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو پھیر کر ان کے دلوں میں غصہ اور ناراضگی اور سختی ڈال دیتا ہوں، تو پھر وہ بادشاہ ان کو بڑی بڑی مصیبتوں میں مبتلا کرتے ہیں، لہٰذا تم اپنے بادشاہوں پر بددعاؤں کے بیکار مشغلے میں نہ لگے رہو بلکہ سب سے پہلے اپنی اصلاح حال کی طرف توجہ کرو تا کہ ان کی ظالمانہ حرکات سے میں خود تمہارے لیے کافی ہو جاؤں ۵۲

آج جیسا کہ دنیا کے حالات پر نظر ڈالنے سے اس مضمون کی تصدیق روز روشن کی طرح ہو جاتی ہے، یعنی رعایا کی توجہ صرف اپنے حاکموں کی مخالفت پر لگی رہتی ہے اور ان کے مظالم میں تخفیف کے بجائے اور زیادتی ہوتی رہتی ہے، اگر کاش ہم اپنے حالات کی طرف بھی توجہ کر لیں اور ان کی اصلاح کر لیں تو یقیناً ان مظالم کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور حالات کا نقشہ بدل سکتا ہے، بہر حال سیاسی استحکام لیے ضروری ہے کہ حاکم و محکوم ہر ایک اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو سمجھنے اور انہیں پورا کرنے کی کوشش کریں۔

(۱۳) معاشی ترقی:۔

معاشی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کا کوئی فرد معاشی سروسامان سے محروم نہ رہے معاشرے کا ہر فرد سادگی کے ساتھ زندگی گزارے، اسراف و تبذیر سے اجتناب کرے۔ ضرورت سے زائد مال ضرورت مندوں پر خرچ کرے۔ اور جو کچھ موجود ہے اس پر قناعت کرے۔ حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آدمی کے لیے حق نہیں ہے سوائے تین چیزوں کے، ایک گھر جو اسے چھپائے اور حفاظت دے، دوم لباس جو اس کے ستر کو ڈھانپے اور سوم کسی شکل میں روٹی پانی ۵۳ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جائیدادیں نہ بناؤ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری رغبت دنیا میں بڑھ جائے گی ۵۴ نبی کریم ﷺ کی معیشت نہایت معمولی اور سادہ تھی، آپ ﷺ اپنا کھانا اور دیگر ضروریات زندگی حاجت مندوں میں تقسیم فرما دیتے اور خود فاقہ بھی فرما لیتے، ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

گر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ میری تین راتیں اس حال میں نہ گزریں کہ اس میں سے میرے پاس کچھ باقی نہ ہو، سوائے اتنے حصے کے جو میں قرض کی ادائیگی کے لیے سنبھال کر رکھ لوں ۵۵ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کئی کئی راتیں متواتر بھوکے گزار دیتے تھے اور آپؐ کے گھر والوں کو بھی رات کا کھانا سیر نہ ہوتا اور آپ کی اکثر روٹی جو کی ہوتی۔ ۵۶ آپ کی سادہ معاشرت کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے درخت کی پتلی چھال بھری ہوئی تھی ۵۷

(۱۴) جدید تعلیمی اور فنی اداروں کا قیام:۔

عصر حاضر اور جدید دنیا کی ایک اہم ضرورت ایسے تعلیمی اور فنی اداروں کا قیام ہے جہاں جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ فنی تربیت بھی مہیا کی جائے۔ اسلام نے ان تمام اساسی علوم کو اہمیت دی ہے جو انسان کے لیے کار آمد ہیں۔ علم کی فضیلت اس آیت سے واضح ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ کو اضافہ علم کے لیے یہ دعا بتلائی گئی ہے ''اے پیغمبر کہہ، اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر ۵۸ نیز ارشاد فرمایا! کہہ دے کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں'' ۵۹ اور اس سلسلے میں یہ روایت منقول ہے کہ ''علم دین طلب کرو اگر چہ چین میں ہو، کیونکہ علم طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے'' ۶۰ مذکورہ بالا ارشادات سے علم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

صنعت و حرفت اور فنون جنگ وغیرہ کے بارے میں نئے نئے طریقوں اور آلات حرب کا استعمال خود نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے غزوہ طائف کے موقع پر آپؐ نے دو نئے آلات حرب استعمال فرمائے، جو بعض روایات کے مطابق حضرت سلمان فارسیؓ نے خود اپنے ہاتھ سے بنائے تھے، ان میں سے ایک منجنیق تھی جسے اس زمانے کی توپ کہنا چاہیے اور دو دبابے تھے جنہیں اس دور کے ٹینک کہا جا سکتا ہے۔ ۶۱ زراعت اور معدنیات سے فائدہ اٹھانے کے لیے آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا: **اطلبو الرزق فی ضیا بالارض** ۶۲ ''زمین کی پوشیدہ نعمتوں میں رزق تلاش کرو''

غرض یہ تعلیمات نبویؐ میں سے چند مثالیں تھیں جو سرسری طور پر ذکر کی گئیں، مقصد یہ ہے کہ اسلام نے کسی جدید اقدام پر جدید ہونے کی حیثیت سے کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ صحیح مقاصد کے لیے صحیح حدود میں رہ کر جدت پسندی کی ہمت افزائی کی ہے۔

(۱۵) اعتدال اور میانہ روی:۔

اسلام کی راہ اعتدال کی راہ ہے، ہر چیز میں اعتدال، تصور اور عقائد میں عبادت اور زہد میں، اخلاق اور رویہ میں، معاملات اور

قانون سازی میں۔ اسی راہ کا نام اللہ نے صراط مستقیم رکھا ہے، اور اسی راہ پر چلنے کا حکم دیا ہے ۶۳؎ صراط مستقیم وہ معتدل اور درمیانہ راستہ ہے جو افراط و تفریط دونوں سے منزّہ اور پاک ہے، نہ اس میں افراط یعنی حدود اللہ سے تجاوز ہے اور نہ ہی اس میں تفریط یعنی حدود اللہ میں کوتاہی ہے، تعلیمات نبویؐ سے بھی ہمیں میانہ روی کا سبق ملتا ہے۔ مثلاً ایک روایت میں ہے، آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''اچھی سیرت اور اطمینان و وقار سے رہنے کا ر انجام دینے کی عادت اور میانہ روی ایک حصہ ہے نبوت کے چوبیس حصوں میں سے''۔ ۶۶؎

اسی طرح ارشاد فرماتے ہیں ''اپنے دوست کے ساتھ میانہ روی کا معاملہ رکھو، شاید کسی دن وہ تمہارا دشمن جائے اور دشمن کے ساتھ دشمنی میں بھی میانہ روی ہی رکھو، کیونکہ ممکن ہے کل وہ تمہارا دوست بن جائے'' اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''آسانی کرو سختی نہ کرو' خوشخبری دو اور نفرت مت دلاؤ 44؎

حج کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے رمی جمرات کے لیے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو فرمایا: کہ آپؐ کے واسطے کنکریاں جمع کرلائیں، انہوں نے متوسط قسم کی کنکریاں پیش کردیں، آپ ﷺ نے ان کو پسند فرما کر ارشاد فرمایا: ایسی ہی متوسط کنکریوں سے جمرات پر رمی کرنی چاہیے، پھر فرمایا:

وَایا کُمْ وَالغلوا فی الدین خانِمَا اَھلك من کانَ قبلکم الغُلو فی الدِین۔ ۶۷؎

''دین میں غلو کرنے سے بچنا، کیونکہ تم سے پہلے کی امتیں دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں''۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کی ایک حد شرعی ہے، اور یہ حد رسول کریم ﷺ نے اپنے قول و عمل سے متعین فرمادی ہے، اس سے تجاوز کرنا غلو یا انتہا پسندی ہے، جس کی اسلام نے ممانعت فرمائی ہے۔

مذکورہ بالا تعلیمات پر اگر ہم صحیح معنوں میں عمل کریں تو عصر حاضر کے تقاضے بھی پورے ہوسکیں گے، اور ایک روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل بھی ممکن ہوسکے گی، اللہ تعالیٰ ہمیں نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حوالہ جات

۱ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، ''الجامع الصحیح''، کتاب المناسک، باب فضل مکۃ و بنیانھا۔

۲ مولنا وحید الدین خان، مسائل اجتہاد، لاہور، دار التذکیر، 2004ء، ص ۱۳۔

۳ مسلم۔ ابی الحسن مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح'' کتاب الاضاحی، باب بیان ما کان من النبی عن اکل لحوم الاضاحی بعد ثلاث فی اول الاسلام۔۔۔

۴ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب تالیف القرآن۔

۵ مولینا وحید الدین خان، مسائل اجتہاد، ص ۹۹۔

۶ ڈاکٹر یوسف القرضاوی، اسلامی بیداری، انکار اور انتہاء پسندی کے نرغے میں (اردو ترجمہ سلمان ندوی) لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ص ۱۲۵، ۱۲۶۔

۷ سورۃ النساء، ۴:۱۲۸۔

۸ صحیح مسلم، کتاب البرّ، باب فضل الرفق۔

۹ ایضاً، کتاب الجہاد، باب کواھیۃ تمنی لقاد العدوّ۔

۱۰ مولینا وحید الدین خان، مسائل اجتہاد، ص ۱۴۶۔

۱۱ ابن کثیر، امام ابی الغدا، اسمٰعیل، البرایہ والنہایہ، مصر، مطبع السعادۃ ۳:۲۶۷۔

۱۲ صحیح مسلم، کتاب الدعارۃ، باب فضیلۃ (۔۔۔) العادل وعقوبۃ الجائز۔

۱۳ بخاری، کتاب الصوم، باب حق الدھل فی الصوم، و باب حق الفیف فی الصوم۔

۱۴ القرطبی، ابی عبداللہ مہر بن احمد الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، قاہرہ، دار الکتب العربی، ۵:۲۹۲

۱۵ ابی داؤد، سلیمان بن اشعت السجستانی، ''السنن''، کتاب القضاء باب اجتہاد الرائی فی القضاد۔

۱۶ ابن القیم، شمس الدین مہر بن کبر الجوزیہ، اعلام الموفعین عن رب العلمین، بیروت، دار الجلیل، ۱:۶۲۔

۱۷ محمد بن الحسن الشیبانی، کتاب الاثار، ملتان، مکتبہ امدادیہ، ۱۹۶، ۱۹۷۔

۱۸ مرتضی امینی، احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت، لاہور، سندھ ساگر اکادمی، ۱۹۸۲، ص ۱۶۶۔

۱۹ ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۷۵۔۱۷۷

۲۰ سورۃ البقرہ، ۲:۲۴۷۔

۲۱ سید محمد بدر عالم۔ جواھر الحکم، کراچی، ایچ۔ایم سعید کمپنی ص ۱۷۸۔

۲۲ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب کواھیۃ تغنی لقادر العدو۔

۲۳ مولینا سیر بدر عالم، جواہر الحکم، ص ۱۸۴، ۱۸۵۔

۲۴ سورۃ فصلت، ۴۱:۳۳۔

۲۵ ڈاکٹر یوسف قرضادی، اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں، ص ۱۱۴، ۱۱۵۔

۲۶ مولینا وحید الدین خان، مسائل اجتہاد، ۶۴۔

۲۷ صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ۔

۲۸ ابن حجر مسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ باب ذکر ابن عباسؓ، ۷:۱۶۴۔

۲۹ الدارمی، ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن، السنن، ملتان، نشر السنۃ۔۱۹۶۶، مقدمہ، باب من ھاب الفتیا مخافۃ السقط، حدیث نمبر ۲۹۳۔

۳۰ سنن الترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ۔

۳۱ ابن ماجہ، ابی عبداللہ محمد بن ابوالفدا اسمٰعیل۔ السیر ۃ النبویۃ، قاہرہ، مطبع عیسیٰ البابی، ۱۹۶۴، ۱:۲۸۰

۳۳ بخاری محمد بن اسمٰعیل، الادب اعفرد (الجامع للاداب النبویۃ) لاہور، مکتبہ رحمانیہ، باب شکایۃ البحار حدیث نمبر ۱۲۴

۳۴ سیوطی، جلال الدین، جامع الصغیر من احادیث البشیر النذیر مع شرح فیض القدیر" المناوی، بیروت، دار الاحیاء التراث العربی، ۱۳۸۸ھ، حدیث نمبر ۲۸۸، ۱:۲۰۹

۳۵ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، کراچی، ادارۃ لمعارف، ۱۹۷۹، ۳۶۴۳:۳

۳۶ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب موجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب ومخرجہ الی بنی قریظہ۔

۳۷ بیہقی، احمد بن الحسین بن علی، السنن الکبرٰی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، کتاب الصلوٰۃ، باب الوتر برکعۃ واحدۃ ۳:۲۶۔

۳۸ النووی، شیخ مہر الدین ابوزکریا یحیی بن شرف، نشرح صحیح مسلم" کتاب الحج، باب نقض الکعبۃ وبنائہا۔ ۱:۴۲۹۔

۳۹ صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب الصلوٰۃ من الایمان۔

۴۰ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ۲: ۱۵۰۔

۴۱ الصحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ سواء علیھم استغفرت لھم اولھم تستغفر لھم۔

۴۲ اعلام الموقعین لابن نجیم الجوزیہ، فصل فی سد الذرائع، ۳: ۱۲۲۔

۴۳ سورۃ الحجرات، ۴۹: ۱۰

۴۴ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب فضل تعاون المومنین۔

۴۵ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظن والنجس۔

۴۶ سنن ترمذی، ابواب البر، باب ماجاء فی شفقۃ المسلم علی المسلم۔

۴۷ سنن ابن ماجہ، ابوب الفتن، باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔

۴۸ صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعۃ للامام مالم تکن لعصیہ۔

۴۹ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظہور الفتن۔

۵۰ مولینا وحید الدین خان، مسائل اجتہاد، ص ۲۰۲۔

۵۱ صحیح مسلم، کتاب الاعارۃ، باب خیار الائمۃ وشرارھم۔

۵۲ التبریزی، ولی الدین ابو عبداللہ محمد ابن عبداللہ الخطیب، مشکوۃ المصابیح، کتاب الامارۃ والقضاء، الفصل الثالث۔

۵۳ سنن ترمذی، ابواب الزھد، باب لیس لابن آدم حق فیما سوی حضال ثلاث۔

۵۴ ایضاً، باب لاتتخذ والضیعۃ فترغبوا فی الدنیا۔

۵۵ الصحیح البخاری، کتاب (۔۔۔) باب قول النبی ﷺ ما احب ان لی عندی مثل احد ذھباً۔

۵۶ سنن ترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی لعشیۃ النبیؐ۔

۵۷ صحیح البخاری، کتاب (۔۔۔) باب کیف کان عیش النبی واصحابہؓ۔

۵۸ سورۃ طٰہٰ، ۲: ۱۱۴

۵۹ سورۃ زمر، ۳۹: ۹۔

۶۰ الھندی، علاؤ الدین علی المتقی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، بیروت، موسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۵، کتاب العلم، ۱۰: ۱۳۸ حدیث نمبر، ۲۸۶۹۷۔

۶۱ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۴: ۳۴۸۔

۶۲ کنز العمال للہندی، انواع الکسب، کتاب البیوع، حدیث نمبر ۹۳۰۲۔

۶۳ سورۃ الانعام، ۶: ۱۵۳۔

۶۴ سنن ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی التانی والعجلۃ۔

۶۵ ایضاً باب فی الاقتصاد فی الحب والبغض۔

۶۶ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب الامر بالیسر وترک التنفیر۔

۶۷ النسائی، حافظ عبدالرحمٰن احمد بن شعیب، المجتبیٰ من السنن، کراچی، قدیمی کتب خانہ۔

فہرست موجع وعصادر

۱۔ القرطبی، ابی عبداللہ محمد بن احمد الانصاری، الجامع لاحکام القرآن۔ قاہرہ، دار الکتب العربی،

۲۔ مفتی محمد شفیع، لعارف القرآن، کراچی، ادارۃ المعارف، ۱۹۷۹۔

۳۔ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، ''الجامع الصحیح''، دھلی، اصح المطابع۔

۴۔ مسلم، ابی الحسن مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح، کابل، نعمانی کتب خانہ۔

۵۔ ابی داوٗد، سلیمان بن اشعث السجستانی، ''السنن'' لاہور، مطبع مجتبائی، ۱۹۸۴ء۔

۶۔ الترمذی، ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی بن سورۃ، ''الجامع السنن'' دھلی، مطبع مجتبائی، ۱۹۴۰ء۔

۷۔ ابن ماجہ، ابی عبدالرحمٰن احمد بن شعیب، ''المجتبیٰ من السنن''، کراچی، قدیمی کتب خانہ۔

۹۔ الدارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن، ''السنن'' ملتان، نشر السنۃ، ۱۹۶۶ء

۱۰۔ محمد بن الحسن الشیبانی، کتاب الاثار، ملتان، مکتبہ امدادیہ۔

۱۱۔ ابن حجر عسقلانی احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ،

۱۲۔ بیہقی، احمد بن الحین بن علی، السنن الکبریٰ، بیروت، دار الکتب العلمیہ۔

۱۳۔ النودی، شیخ مہر الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف۔ المنہاج شرح صحیح المسلم بن حجاج، کابل، نعمانی کتب خانہ۔

۱۴۔ التبریزی، ولی الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب، مشکوٰۃ المصابیح، دھلی کتب خانہ رشیدیہ۔

۱۵۔ الھندی، علاؤالدین علی المتقی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، بیروت، موستعا سلانہ۔

۱۶۔ ابن کثیر، امام ابی الغدا اسمٰعیل، السیرۃ النبویۃ، قاہرہ مطبع عیسی البابی ۱۹۶۴۔

۱۷۔ سید مہر بدر عالم، جواہر الحکیم، کراچی، ایچ۔ایم سعید کمپنی۔

۱۸۔ ابن کثیر، امام ابی الغدا، اسمٰعیل، السیرۃ النبویۃ، قاہرہ، مطبع عیسی البابی، ۱۹۶۴ء۔

۱۹۔ سیوطی، حافظ جلال الدین، جامع الصغیر من احادیث البشیر النذیر مع شرح فیض القدیر، بیروت، دار احیاء التراث العربی۔

۲۰۔ ابن قیم، شمس الدین محمد بن ابی بکر الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العٰلمین، بیروت، دار الجبل۔

۲۱۔ مولینا وحید الدین خان، مسائل اجتہاد لاہور، دار التذکیر، ۲۰۰۴ء۔

۲۲۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی، اسلامی بیداری انکار اور انتہاپسندی کے نرغے میں (اردو ترجمہ سلمان ندوی) لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت۔

۲۳۔ مرتضیٰ امینی، احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، لاہور، سندھ ساگر اکیڈمی، ۱۹۸۲ء۔

۲۴۔ ندوی، ابوالحسن علی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، کراچی، مجلس نشریات اسلام۔



عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت سیرت طیبہ کی روشنی میں

(اکرام الحق (اسلام آباد)

الحمد الله وحده والصلوة والسلام علی من لا نبی بعده

محبت کے یوں جس نے دریا بہائے
دل ان کے بھی جیتے جو سر لینے آئے
یہ بندہ نوازی کے جو ہر دکھائے
کہ جو کھائے اور جو ہر لوٹائے
خوشی اپنی غیروں کے غم میں بھلا دی
دیا درد جس نے اسے بھی دوا دی
اٹھائیں جس نے اذیتیں انہی کے حق میں دعائیں مانگیں
کسی میں یہ شان حلم بھی ہے ایسا کوئی ایسا حلیم بھی ہے

یہ جان رنگ و جلوہ گاہِ حیات ہے۔ گو نباتاتی اور حیوانی زندگی میں بھی بڑے دلکش اور دلربا مینا بازار سجے ہوئے ہیں لیکن انسانی زندگی میں جو رعنائیاں اور ندرت آفرینیاں ہیں، یہاں تخلیقی قوتوں کے جو سمندر موجزن ہیں وہ کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتے۔ یہ انسان ہی ہے جس کو خلعتِ وجود بخشنے کے بعد اس کے خالق نے فرمایا: ''**لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيم**'' (۱) ''یقیناً ہم نے انسان کو اچھی صورت میں پیدا کیا''۔ اس قدرت و طاقت والے نے عرش و فرش کائنات کی لامتناہی پہنائیوں کو لفظ ''کُن'' سے پیدا کیا، لیکن آدم خاکی کی آفرینش کا ذکر کیا تو فرمایا: ''**خَلَقْتُ بِيَدَيَّ** (۲) میں نے اپنی قدرت کے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔ علم اور عمل، فکر اور تخلیق، تدبیر اور تعمیر کی جو بے پناہ صلاحیتیں اس پیکرِ خاکی میں ودیعت فرمائیں اُن کا تذکرہ ''**نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي**'' (۳) کے معنی خیز الفاظ سے کیا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات حکمت، علم اور قدرت کا یہ شاہکار سب سے الگ تھلگ انفرادی زندگی بسر کرے، خلاقِ عالم کو یہ گوارا نہ ہوا۔ ان صفات کی

ودیعت فرمانے والے کے حضور فرطِ عقیدت سے جبینِ نیاز کون جھکاتا؟ حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ انسان اجتماعی اور معاشرتی زندگی بسر کرنے، اپنے بنی نوعِ انسان سے استفادہ بھی کرے اور انہیں فائدہ بھی پہنچائے۔ دوسروں کے علوم وفنون سے رہنمائی بھی حاصل کرے اور اپنے فکر ونظر کے چراغ روشن کرکے شبستانِ وجود کو منور بھی کرے۔ وہ ماں باپ کا بیٹا بھی ہو اور اپنے بیٹے بیٹیوں کا باپ بھی۔ اس کے خاندان کے افراد اس کے لے تقویت کا باعث ہوں۔ انبیائے کرام علیھم السلام اور بانیانِ مذاہب وضعیہ کی موجودہ سیرتوں کا وہ کونسا باب ہے جو تمام تر خالی اور سادہ ہے۔ لیکن محمد ﷺ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے اور صرف یہی ایک معیار اس فیصلہ کے لیے کافی ہے کہ نبیوں کے سردار اور رسولوں کا خاتم کون ہوسکتا ہے، مفید نصیحتوں، میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی نصیحتوں کی دنیا میں کمی نہیں، کمی جس چیز کی ہے وہ کام اور عمل ہے۔ موجود مذاہب کے شارعوں اور بانیوں کی سیرتوں کے تمام صفحات پڑھ جاؤ، دلچسپ تصویریاں، دلآ ویز حکایات ملیں گی، خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی، تقریر کا زور وشور اور فصاحت وبلاغت کا جوش نظر آئے گا۔ مؤثر تمثیلیں تھوڑی دیر کے لیے خوش کردیں گی، مگر جو چیز نہیں ملے گی وہ عمل، کام اور اپنے احکام ونصائح کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے۔(۱۴)

روشن خیالی اور اعتدال پسندی قرآن کی روشنی میں:

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو قول وفعل میں یکسانیت رکھنے کی تعلیم دیتا ہے اور جو ایسا نہ کرے اسے منافق قرار دیتا ہے۔ قرآن نے کافروں اور اسلام کے مخالفین کے حوالہ سے مسلمانوں کو جو تعلیم دی ہے وہ ساری دنیا کے لئے آئیڈیل تعلیم ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم (۵)** ”(اے مسلمانوں) جو لوگ معبودان باطل کی عبادت کرتے ہیں ان کو برا نہ کہو ورنہ یہ لوگ بھی نادانی سے اللہ کو برا کہنے لگیں گے۔ غور فرمایئے اس سے بڑھ کر اور کیا روشن خیالی ہوسکتی ہے؟ اور اگر غیر مسلم اسلام یا مسلمانوں کی اہانت کریں تو اس کے جواب میں ہمیں ان کے خداؤں یا مقدس چیزوں کی اہانت کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ بلکہ فرمایا گیا: **ادفع بالتی ھی احسن السیئة نحن اعلم بما یصفون (٦)** ”اے نبی آپ کے ساتھ جو برائی اس کا جواب اچھے برتاؤ سے کریں یہ غیر مسلم آپ کے حوالے سے جو کہتے ہیں ہم سے خوب واقف ہیں۔ دوسری جگہ حکم دیا: **خذو العفو وامر بالمعروف وامری عن الجاھلین (۷)** ”درگزر کا شیوہ اپنائیں، نیکی کا حکم دو جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ اسلام قبول کرنے یا نہ کرنے میں ہر شخص کو مکمل آزادی کی گئی۔ **قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ما**

تعبدون ۔۔۔ (۸) ''اے نبی کہہ دیجیے اے کافرو جس کی تم عبادت کرتے ہو، اُس کی میں عبادت نہیں کرتا۔ اور نہ تم اس کے برعکس کرنے کو۔۔۔۔۔ لہٰذا تمہیں تمہارا دین، مجھے میرا دین مبارک۔ ہر قسم کے جبر سے منع کرتے ہوئے فرمایا: **لا اکراہ فی الدین** (۹) ''دین اسلام قبول کرنے میں کوئی زبردستی نہیں'' **فمن شاء فلیکفر ومن شاء فیکفر** (۱۰) ''جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر اختیار کرے۔'' صرف یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے تعلق رکھنے اور مشترک فکر پر متفق ہونے کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: **یا اھل الکتاب تعالوا اِلیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم** (۱۱) ''اے اہل کتاب آؤ مشترکہ نکتہ پر اتحاد کر لینا۔ اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور نہ کسی کو خدا کا بیٹا بنائیں گے۔''

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سُن کر دعائیں دیں — سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں

روشن خیالی اور اعتدال پسندی، سیرت طیبہ کی روشنی میں:

آپؐ نے اسلام کو کسی مخصوص قوم یا نسل کے لیے مختص نہیں کیا بلکہ اعلانِ عام فرمایا: **قولوا لا اِلٰہ اِلا اللہ تفلحوا** ''(بلا تخصیص رنگ و نسل) کہو اللہ ایک ہے دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے'' اسی طرح آپؐ نے فرمایا: مسلمانو توراۃ، زبور اور انجیل تمام کتابوں پر ایمان لاؤ، تمام انبیاء موسیٰ عیسیٰ اور سلیمان **علیھم السلام** سب پر ایمان لاؤ، (سورۃ البقرۃ) جو شخص کتاب یا رسول، کسی پر ایمان نہ لایا وہ مسلمان بھی نہیں حالانکہ غیر مسلم نہ ہماری کتاب کو مانتے ہیں نہ ہمارے رسول کو، کیا یہ مسلمانوں کی اعتدال پسندی اور روشن خیالی نہیں ہے؟ آپؐ نے غیر مسلموں سے پہلے معاہدہ میثاق مدینہ کیا جس میں یہود، عیسائی اور منافق سب شامل تھے۔ اس کی ایک شق تھی اللہ کی حفاظت ہر فریق کو حاصل ہے۔ دوسری یہ تھی کہ غیر مسلموں کو مسلمانوں کی طرح تمام حقوق حاصل ہوں گے۔ تیسری شق تھی حملہ آور کے خلاف تمام فریق مل کر لڑیں گے اور جنگی اخراجات برداشت کریں گے۔ (۱۲) صلح حدیبیہ مذہبی روشن خیال و اعتدال پسندی کا بہترین نمونہ ہے۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے اعلان فرمایا: **لا تثریب علیکم الیوم** ''آج تم سب پر کوئی گرفت نہیں، سب آزاد ہو۔'' اسلامی تعلیمات میں خصوصی توجہ غیر مسلم اقلیت کو دی گئی ہے۔ حتیٰ کہ آپؐ نے فرمایا: جس نے کسی غیر مسلم پر ظلم کیا قیامت کے دن میں کافر کی طرف سے مسلم سے جھگڑوں گا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا روشن خیالی ہو سکتی ہے۔

سلام اُس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں — بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

انسان کی عملی سیرت کا نام خُلق (اخلاق) ہے۔ قرآن کے سوا اور کسی مذہب کے صحیفہ نے اپنے شارع کی نسبت اس بات کی

کھلی شہادت نہیں دی کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بھی بدر جہا بلند انسان تھا، لیکن قرآن نے صاف کہا اور دوست و دشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا: ''وَاِنَّ لَكَ لَاَجرًا غَيرَ مَمنُونٍ وَاِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيم '' (۱۳) (اے محمد ﷺ بیشک آپ کی مزدوری نہ ختم ہونے والی ہے اور بے شک آپؐ بڑے (درجہ کے) اخلاق پر ہیں۔''

اکِ مہر جہاں تاب ابھرتا ہے جہاں سے　　　اب جھوٹے خدا اپنے چراغوں کو بجھائیں

اخلاق کا اعلیٰ مرتبہ یہی ہے کہ جو کہے اس پر خود بھی عمل کرے اور اسی طرف قرآن پاک اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے ! جو بات کہتے ہیں وہ خود کیوں نہیں کرتے۔ (۱۴) اقوام عالم کے عہد قدیم و جدید کے لیڈروں کی سوانح مطالعہ کریں تو یہ بات سامنے آئے گی کہ ایک کی سیرت اس صفت سے یکسر خالی ہے، تو دوسرے کی سرتاپا معمور، قوت پا کر عفو اور حلم پیش کرنا بلند اخلاقی ہے، لیکن کسی معذور، مجبور یا کمزور کی خاموشی کی تعبیر عفو و حلم سے نہیں کی جا سکتی، ایک شخص نے کسی کو مارا نہیں، کسی کو قتل نہیں کیا، کسی کے ساتھ برائی نہیں کی کسی کا مال نہیں لوٹا، کوئی گھر نہیں بنایا، کچھ جمع نہیں کیا، لیکن یہ سب کی سب منفی اور سلبی خوبیاں ہیں۔ بتایئے کہ مارا تو نہیں لیکن کسی غریب و کمزور کی مدد بھی کی؟ کسی کو قتل نہیں کیا، لیکن کسی کو قتل ہونے سے بچایا بھی؟ کسی کے ساتھ برائی نہیں کی لیکن کسی کے ساتھ اچھائی بھی کی؟ کسی کا مال نہیں چھینا لیکن کسی غریب و مسکین کو کچھ دیا بھی؟ دنیا کو یہ ثبوتی اور ایجابی خوبیاں درکار ہیں، اور انہی کا نام عمل ہے۔ (۱۵) قرآن پاک گواہی دیتا ہے: '' فَبِمَا رَحمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُم وَلَو كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ القَلبِ لَانفَضُّوا مِن حَولِكَ '' (۱۶) '' (اے محمدؐ) اللہ کی مہربانی سے تمہاری اُفتادِ مزاج اُن لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے''۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: لَقَد جَاءَكُم رَسُول '' مِّن اَنفُسِكُم عَزِيز '' عَلَيهِ مَا عَنِتُّم حَرِيص '' عَلَيكُم بِالمُؤمِنِينَ رَئُوف '' رَّحِيم '' (۱۷) (تمھارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمہاری تکلیف اُن کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمھاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں۔

اعتدال پسندی کی ضرورت:

آقا جو محمد ہے عرب و عجم کا　　　بے مثل نمونہ ہے ضرورت کا کرم کا

نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے اپنی تعلیمات میں رواداری اور برداشت کو بنیادی اہمیت دی اور دوسروں کے عقائد اور نظریات کے احترام کا درس دیا۔ جبکہ دورِ حاضر میں اسلام دشمن قوتوں نے اپنی مرضی کی ترجمانی کرتے ہوئے اسلام کو

شدت پسندی کا مذہب اور مسلمانوں کو انتہا پسند قرار دے کر انہیں مذہبی اچھوت بنانے کی کوشش کی۔ مغرب کے اس رویے کے تناظر میں انتہا پسندی کا اصل مفہوم جاننا ضروری ہے۔ اگر اس اصطلاح کو غیر جانبدارانہ سیاق وسباق میں دیکھا جائے تو اس پر علاقائی، سیاسی اور مذہبی حوالوں سے بحث کی جاسکتی ہے۔ یہ جان لینا عبث نہ ہوگا کہ انتہا پسندی کے لفظ کو مشرق اور مغرب نے، عیسائیت اور اسلام نے، یہودیت اور ہندومت نے اپنے خاص نظریاتی پس منظر میں استعمال کیا ہے۔

عہد حاضر میں انتہا پسندی کا جائزہ لینے سے پہلے اس لفظ کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کا جائزہ لینا مناسب ہوگا۔ انتہا پسندی کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ اپنے مذہبی، سیاسی، قومی، معاشرتی اور ذاتی نظریات پر سخت اور بے لچک مؤقف رکھنے کو انتہا پسندی کہتے ہیں۔ انتہا پسندانہ رویوں کی کئی مثالیں مثالیں مذہبی اور سیاسی حلقوں میں تمام دنیا میں ملتی ہیں۔ مذہبی انتہا پسندی دوسرے فرقوں کے مسالک اور دوسری قوموں کے مذاہب کے بارے میں حتمی معاندانہ رویّے کو کہتے ہیں۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے مذہبی تشدد پسندی کا ادارک اس کے متضاد الفاظ حلم یا تحمل سے واضح ہوسکتا ہے۔ (۱۸)

تحمل کے لیے فارسی میں برداشت کا لفظ ہے۔ یہ لفظ ''بر'' اور ''داشت'' کا مرکب ہے۔ ''بر'' کا مطلب ''بوجھ'' اور ''داشت'' کا مطلب ''رکھنا'' ہے۔ برداشت کا لغوی مفہوم کسی بوجھ کو سنبھالنا ہوگا۔ (۱۹) انتہا پسندی کی ضد اعتدال پسندی ہے، عربی میں ''تحمل'' اور ''تسامح'' بھی مستعمل ہے اور انگلش میں ''Tolerance'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاح میں اس سے مراد لوگوں کے آزادیٔ عقیدہ کے حق کا عقلی اور عملی اعتراف ہے۔

برداشت (Tolerance) یا ''تسامح'' کے متضاد کے طور پر انتہا پسندی اور عدم برداشت کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے عربی میں '' اَلتَّطَرُّفِيَّة'' اور انگلش میں "Extremism" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جس کا مطلب کسی خاص موقف کا سختی سے ساتھ دینا، اس کے خلاف کسی قسم کی بات سننے سے سخت انکار کرنا اور اس موقف کے نہ ماننے والوں کو غلط سمجھنا ہے۔ عدم برداشت کے رجحان میں ایک انتہا پسندی کا رویہ ہوتا ہے جس میں پسند کو تمام ترعیوب کے باوجود بہترین قرار دیا جاتا ہے اور ناپسند کو تمام تر خوبیوں کے باوجود بدترین قرار دیا جاتا ہے۔ (۲۰) اعتدال پسندی اور روشن خیالی انسان کے باطنی کمالات، اخلاقِ عالیہ اور اوصاف حسنہ میں ایسا عمدہ اور بلند ترین وصف ہے جو ایک تو اللہ کو بہت پسند ہے، دوسرے اخروی ثواب و درجات کے علاوہ بے شمار دنیوی / معاشرتی برکات اور بھلائیوں کا سرچشمہ ہے۔ (۲۱) یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ اور تعلیمات نبوی **علی صاحبها الصلوة والسلام** میں اس کے بڑے فضائل اور تاکید بیان فرمائی گئی ہے۔ اس کے برعکس خدانخواستہ اگر کسی انسان میں اعتدال پسندی کا مادہ نہ ہو تو فطری وجبلی طور پر موجود ہو اور نہ وہ اس کے اکتساب کی کوشش کرے گو گویا وہ ہر قسم کی خیر سے محروم ہے۔ (۲۲)

انتہا پسندی جہاں ایک زبردست اخلاقی عیب ہے(۲۲) وہاں بے شمار اخلاقی خرابیوں اور معاشرتی مفاسد کی جڑ بھی ہے جس کے نتیجے میں صرف اسی انسان کو نہیں بلکہ بسا اوقات پورے قوم اور سارے انسانی معاشرے کو مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ انتہا پسندی کے بھیانک نتائج جو لوگوں کو بھگتنے پڑے، ان سے انسانی تاریخ بھری پڑی ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

اعتدال پسندی سے انتہا پسندی کی جانب گامزن ہونے کا فلسفہ:

انسان چونکہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اس لیے صفت خداوندی ''حلم'' کی ایک جھلک اس میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ خالق کائنات کی برداشت کا احاطہ کرنے والا کوئی پیمانہ وجود میں نہیں آ سکتا۔ حلم، اعتدال اور انتہا پسندی کو علم نفسیات کی مختلف اصطلاحات کی مدد سے جانچنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ابتداء ہی سے انسان ان مشتعل احساساتی حالتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا ہے جن کا تجربہ اسے اپنی روزمرہ زندگی میں ہوتا رہتا ہے۔ یونانیوں کا خیال تھا کہ چار مخصوص ہیجانی ردعمل ہیں: (۱) خوش مزاجی (۲) پژمردگی (۳) غصہ اور (۴) ہیجان کی کمی (خوف)(۲۴) آخری تین انتہا پسندی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ہر عمر کا انسان اپنے اردگرد کے ماحول میں اپنے جذباتی ہیجان کے مطابق ایک حد تک ڈھلنے کی کوشش کرتا ہے اُسے مطابقت کہتے ہیں۔(۲۵) لیکن ماحول جب اس کے مزاج اور سوچ پر اپنا نامناسب اثر ڈالنا چاہے تو انسان میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ یہیں سے انتہا پسندی اور فکری جمود کا آغاز ہوتا ہے جس کا اظہار عمر کے مختلف ادوار میں مختلف طریقے سے کیا جاتا ہے۔ شیر خوارگی میں عدم تحمل کا مظاہرہ رو کر کیا جاتا ہے۔ رونے کا مطلب کسی خارجی یا داخلی محرک کا برداشت سے باہر ہو جانا ہے۔(۲۶) ضد کے بعد بچہ روٹھ جاتا ہے یا نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے یا بھوک کی کمی کا شکار ہو جاتا ہے اور بعض بچے جارحیت پر اُتر آتے ہیں اور کھلونے وغیرہ توڑنے لگتے ہیں۔ شباب کی منازل میں ماہرین نفسیات کشمکش کے پیمانے سے انتہا پسندی کو ناپتے ہیں۔ بچپن میں انسان کے سامنے صرف اپنی ذات ہوتی ہے جبکہ عمر کی اس نفسیاتی کیفیت میں انسانی ذہن تحفظات کا شکار ہوتا ہے جن میں کئی محرکات آپس میں متصادم ہوتے ہیں اور جب کوئی شخص اپنی ضروریات کی تسکین میں رکاوٹ سے دوچار ہو تو ذہنی و جذباتی کشمکش جنم لیتی ہے جس کا اظہار غصہ، جھنجھلاہٹ یا بعض اوقات شدید قسم کی عضویاتی تبدیلیوں کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔(۲۷) بعد از شباب کے مراحل میں انتہا پسندی ''ہیجان'' کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ہیجان ایک شدید قسم کا اضطراری تاثر ہے جو کردار، شعور اور احساس کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے۔(۲۸) اس کے نتائج میں

بعض اوقات بڑی بڑی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ جن میں فشارِ خون کی کمی یا دل و دماغ کے امراض شامل ہیں۔

الختصر یہ کہ فرد کے کردار اور شعور پر حاجت کے اثرات بڑی حد تک مقررہ صورت میں تناؤ کے درجہ پر منحصر ہوتے ہیں۔ اگر تناؤ ایک بحرانی نقطہ جس کو Frustation Tolerance کہتے ہیں، سے بڑھ جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرد کا تطابق صورتِ حال کے تقاضوں سے نہیں ہو سکتا۔ ایسی تمام صورتوں میں فرد کی قوتِ برداشت سے باہر ہو جاتی ہے، جن میں محرومی پیدا کرنے والا زائد تناؤ، فرد کو مجبور کر دیتا ہے کہ صورتِ حال کا نامناسب ردِّعمل ظاہر کرے، جس کے نتیجے میں وہ روتا ہے، غیض و غضب کا اظہار کرتا ہے، زیادہ برائی والے کردار کی طرف رجعت کرتا ہے یا ذہنی امراض کی مختلف شکلوں میں سے کسی شکل میں ڈھل جاتا ہے۔(۲۹)

اعتدال پسندی سے انتہا پسندی کی طرف گامزن نہ ہونے کے اسباب:

- ☆ نسلی، لونی، لسانی، وطنی اور قومی برتری کا احساس۔
- ☆ دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کی خواہش یعنی حبِّ تفوق (Urge to dominate)۔
- ☆ عدل و انصاف کا فوری نہ ملنا۔
- ☆ استحصالی نظاموں کی وجہ سے غربت، بے روزگاری اور احساسِ محرومی وغیرہ کا موجود ہونا۔
- ☆ اخلاقی اور مذہبی تعلیمات پر عمل نہ ہونا۔
- ☆ مذہبی برتری کا احساس اور اپنے نظریات و معتقدات کو دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کرنا۔

حیاتیات، نفسیات اور بشریات کے ماہرین (Biologists, Psychologists and Anthropologists) تخلیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہر بچہ فطری طور پر معصوم پیدا ہوتا ہے اس کی جبلت (Instinct) میں دوسرے انسانوں کے ساتھ کسی قسم کی رقابت یا تعصب نہیں ہوتا، بعد میں ماحول (Environment) اس کے اندر مختلف قسم کے تعصبات اور احساسات پیدا کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ بعض لوگوں کے لیے محبت کے جذبات پیدا کر لیتا ہے اور بعض کے لیے نفرت۔(۳۰)

اسی طرح یہ بات بھی تحقیق سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رنگ، نسل، وطن اور قوم کے حوالے سے کسی انسان کی فطرت میں کوئی تعصب اور تفوق کا جذبہ نہیں پایا جاتا، بعد میں والدین اور ماحول اسے اِن چیزوں پر فخر و غرور سکھاتے ہیں۔ نتیجۃً وہ دوسروں کو کمتر سمجھنے لگتا ہے اور یوں انسانوں کے اندر "من دیگرم تو دیگری" کے احساس کے تحت ایک دوسرے سے ٹکراؤ

اور تصادم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔(۳۱)

استحصالی نظاموں کی موجودگی کی وجہ سے تمام افراد اور اقوام کو انصاف نہیں ملتا یا دیر سے ملتا ہے، جس کی وجہ سے افراد اور اقوام میں احساس محرومی (Sense of deprivation) اور قنوطیت (Frustration) پیدا ہوتی ہے جو کہ مختلف معاشی و معاشرتی ناہمواروں کو جنم دے کر آپس میں ٹکراؤ کی کیفیات کو جنم دیتی ہیں۔ اسی طرح ظلم اور عدم مساوات بھی معاشرے میں فساد کا سبب بنتے ہیں۔

صرف مادی و سائنسی ترقی اور مجرد قانون معاشرے کے مختلف افراد کے باہمی تعلقات کو درست نہیں کر سکتے بلکہ اس کے لیے افراد کے اندر اخلاقی تعلیمات کے ذریعے انقلاب ضروری ہے۔ ہمارے مسائل کا حل سائنسی تجربہ گاہوں میں نہیں مل سکتا، ہمارے مسائل اخلاقی ہیں اور سائنس اخلاق کے دائرے میں کوئی دخل نہیں رکھتی۔ اپنی معاشرتی بیماریوں کو خدا کے بغیر حل کرنے کے نتائج ہمارے سامنے آ چکے ہیں۔

☆ حسد:

انتہاپسندی اور معاشرتی طوائف الملوکی کے اہم محرکات میں سے حسد بھی ہے۔ اس لیے انتہاپسندی کے اس محرک کے خاتمہ کے لیے پیغمبر **علیہ السلام** نے مختلف مواقع پر اس کی مذمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''**اِیَّاکُم وَالحَسَدُ فَاِنَّ الحَسَدَ یَاکُلُ الحَسَنَاتِ کَمَا تَاکُلُ النَّارُ الحَطَبَ**''(۳۲) ''تم لوگ حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو یوں کھا جاتا ہے جیسا کہ آگ لکڑیوں کو۔'' ایسے ہی ایک دوسرے موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''**لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوا وَکُونُوا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا**(۳۳) یعنی ''تم آپس میں نہ تو حسد کرو، نہ کینہ رکھو، اور تم اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔'' جبکہ قرآن نے بھی حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین کرتے ہوئے گویا حسد کی برائی کو بے نقاب کر دیا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے ''**وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ**'' (۳۴) ''اور حسد کرنے والے کی برائی (پناہ مانگتا ہوں) جب وہ حسد کرنے لگے''۔ تیرہویں صدی کے سقوط بغداد سے لے کر اکیسویں صدی کے سقوط بغداد تک عیسائیت کا اسلام کے خلاف تمام تر کردار حسد پر مبنی رہا۔ مشرق وسطیٰ، وسطی ایشیاء اور جنوبی ایشیاء میں تیل اور معدنی ذخائر پر مسلمانوں کی ملکیت امریکہ اور غیر اسلامی دنیا کو ہمیشہ کھٹکتی رہی جس کے نتیجے میں چاہے چیچنیا ہو یا بوسنیا، کشمیر ہو یا فلسطین، افغانستان ہو یا عراق، عیسائی دنیا کے اسلامی ممالک کی املاک کے بارے میں حسد نے آدھی دنیا کو جنگ کا نشانہ بنا دیا اور یہ مذہبی انتہاپسندی کی بدترین مثال ہے۔

☆ انتہا پسندی کا ایک سبب تکبرّ و غرور:

انتہا پسندی کے رجحان کے اسباب میں سے ایک سبب تکبر بھی ہے، دنیا میں سب سے پہلے اس بداخلاقی کا مرتکب شیطان تھا کیونکہ جب اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بارگاہ خداوندی کی طرف سے ملنے والی توقیر اور خلافتِ ارضی کے عظیم اعزاز کو دیکھا تو اس سے عظمت آدم علیہ السلام برداشت نہ ہوسکی اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے تکبر کا مظاہرہ کیا اور کہا: " اَنَا خَیر " مِنہُ "(۳۵)" کہ میں آدم سے بہترین ہوں۔" گویا تکبر اور عدم برداشت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ تکبر ہی تھا کہ جس کی وجہ سے فرعون اور اس کے اعوان و انصار حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے کیونکہ اِن لوگوں نے حضرت موسیٰ اور آپؑ کے ساتھیوں کو بنظر حقارت دیکھا اور تکبر کا ارتکاب کیا۔ ان کی اس کیفیت کی عکاسی قرآن نے یوں کی ہے کہ " فَاسْتَکْبَرُوا وَکَانُوا قَوماً عَالِین "(۳۶) یعنی" انہوں نے تکبر کا مظاہرہ کیا، وہ تھے بھی سرکش"۔ عدم برداشت کے رجحان کی خِشتِ اوّل چونکہ تکبر ہی ہے اس لیے آپؑ نے تکبر سے اجتناب کی مختلف انداز سے مختلف اوقات میں مذمت فرمائی ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:" کہ جس شخص کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔(۳۷) رسول خدا ﷺ دوزانو بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ ایک بدو اس وقت موجود تھا۔ اس نے کہا کہ" بیٹھنے کا یہ طریقہ کیا ہے؟ فرمایا" خدا نے مجھ کو شریف بندہ بنایا ہے متکبر اور سرکش نہیں بنایا ہے۔"(۳۸) دوسری جنگ عظیم سے لے کر اکیسویں صدی کے ابتدائی سالوں تک امریکہ نے طاقت کے خمار میں بے انتہا تباہی کی ہے۔ اس نے دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہونے کے زعم میں تیسری دنیا اور غریب ممالک کا بے دریغ استحصال کیا ہے۔ اپنے تکبر میں بے جواز انداز کے ساتھ اس نے کمزور ممالک پر یلغار کی ہے لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو امریکہ اور دوسرے عیسائی ممالک کا نشانہ ہمیشہ اسلامی دنیا رہی ہے۔ ۱۹۴۸ء سے لے کر فلسطین اور کشمیر دونوں عیسائی دنیا کے تعصب اور انتہا پسندی کا شکار رہے ہیں۔ اگرچہ بظاہر یہ دو آزادی کی تحریکیں ہیں جن پر سیاسی پس منظر میں بات کی جاتی ہے لیکن حقیقت میں یہ دونوں اسلامی تحریکیں ہیں جو عیسائی کلیسا کی ہٹ دھرمی اور مذہبی تعصب کی وجہ سے اقوام متحدہ کے بین الاقوامی پلیٹ فارم پر التوا اور لیت و لعل کا شکار رہی ہیں۔ مصر میں اخوان المسلمین کی تحریک بھی صلیب اور ہلال کی کشمکش کے نتیجے میں دبا دی گئی۔ اسی طرح سے نام نہاد وسیع النظر اور آزاد خیال مغرب نے معاشی اور سیاسی چالوں کے روپ میں بدترین مذہبی تنگ نظری کا مظاہرہ کیا ہے۔

پاکستان معاشرہ اعتدال پسندی سے انتہا پسندی تک:

اعتدال، حلم و بردباری یا روشن خیالی کے حوالے سے جب ہم اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہیں تو وطن عزیز کے قدیم

طرز کے دینی مدارس اور جدید تعلیمی مراکز میں مناسب نظامِ تربیت نہ ہونے اور خانقاہوں، جن کا بنیادی مقصد ہی اصلاحِ نفس تھا، میں ''عقابوں'' کی جگہ ''زاغوں'' کے تصرف کی وجہ سے تزکیہ نفوس کی طرف بالکل توجہ نہ ہونے کے باعث ہر چھوٹا بڑا آدمی (الا ما شاء اللہ) اس عظیم اخلاقی وصف سے خالی نظر آتا ہے۔ مذہب، مسلک اور دین کے حوالے سے وطن عزیز میں تنگ نظری کے بڑھتے ہوئے رجحان نے جو افسوسناک، المناک، بھیانک اور تباہ کن صورتِ حال اختیار کر رکھی ہے اس کو دیکھئے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہمارا دین اسلام سے نعوذ باللہ کوئی تعلق ہی نہیں کیونکہ اسلام تو بڑے سے بڑے مخالف اور غیر مسلم کو بھی نہ صرف برداشت کرنے بلکہ اس کے ساتھ رواداری اور حسنِ سلوک اور روشن خیالی کا حکم دیتا ہے۔ تاریخ کے اوراق ہمارے اسلاف کے ایسے بے شمار واقعات کا روشن باب ہے۔ لیکن جدید اسلامی دنیا خاص طور پر ہمارا وطن عزیز پچھلے کچھ عشروں سے مذہبی تنگ نظری کا شکار رہا ہے۔ چند فروعی اختلافات اور غلط فہمیوں کی وجہ سے کتنے ہی معصوم لوگ مسجدوں اور محرابوں میں شہید کر دیئے گئے۔ اس مذہبی منافرت کے شعلوں نے گھروں، بازاروں اور تعلیمی اداروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جس کے نتیجے میں ہماری معاشرتی زندگی بہت حوالوں سے مفلوج ہو کر رہ گئی۔ اگر نبی محترم ﷺ کی رواداری کی تعلیمات پر عمل کیا جاتا اور اپنے مذہبی جذبات کو مثبت رخ دیا جاتا تو اس سے ہماری مجموعی قومی اور مذہبی زندگی پر بہت صحت مندانہ اثرات پڑتے۔

اقوام عالم میں انتہا پسندی فکری جمود اور دہشت گردی کا فروغ:

تاریخ عالم انتہا پسندی کے واقعات سے بھری پڑی ہے اور یہ انتہاء پسندی یہودیوں، عیسائیوں دونوں کی جانب سے بکثرت ہوئی ہیں۔ یہ تاریخ وحشیانہ سزاؤں اور لرزہ خیز مظالم کی داستانوں سے لبریز ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مطابق ۱۴۹۲ء میں سپین میں اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ ساڑھے تین لاکھ مسلمانوں کو مذہبی عدالت میں پیش کیا گیا۔ ان میں سے ۲۸۵۴۰ کو سزائے موت ملی اور ۱۲۰۰۰ کو زندہ جلا دیا گیا۔ بقول رابرٹ بریفو ڈیڑھ لاکھ کے قافلے میں سے ایک لاکھ مسلمانوں کو سپین میں قتل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں کہ ''۱۶۱۰ء میں تمام مسلمانوں کو سپین چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔ ۱۶۳۰ء میں ایک مسلمان بھی سپین میں باقی نہ رہا حالانکہ مسلمانوں نے قریباً پونے آٹھ سو سال حکومت کی۔ (۳۹)

ولیم جان ڈریپر نے لکھا ہے کہ ''اٹلی کے پادری آرنلڈ نے یورپ کے خلاف آواز اٹھائی تو انتہا پسندی کی یہ حالت تھی کہ اُسے ۱۱۵۵ء میں موت کی سزا سنائی گئی۔

انتہا پسندی کی چند اور مثالیں ملاحظہ ہوں۔ خونِ انسانی کی ارزانی کا اندازہ لگائیں۔

۱۔	۱۰ا۷ قبل از مسیح (یروشلم)	۴۰ ہزار اشخاص ذبح ہوئے۔
۲۔	۱۱ا۷ قبل از مسیح (یروشلم)	ایک لاکھ...... سے زائد اشخاص مارے گئے۔
۳۔	۹۵۷ قبل از مسیح (یروشلم)	پانچ لاکھ یہودی مارے گئے۔
۴۔	۷۰ قبل از مسیح (یروشلم)	گیارہ لاکھ یہودی مارے گئے۔
۵۔	۳۶۔۳۵ قبل از مسیح (یروشلم)	پانچ لاکھ ۸۰ ہزار یہودی ذبح ہوئے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا، ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا   جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

مغربی اسکالرز نے دہشت گردی کی مندرجہ ذیل اقسام گنوائی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ سیاسی دہشت گردی۔

۲۔ مذہبی دہشت گردی۔

۳۔ بین الاقوامی دہشت گردی۔

۴۔ اقوام میں آزادی کی تحریکیں۔

پال ولکنسن اور اے ایم سٹیوارٹ نے مسلمانوں کے جہاد کو بھی دہشت گردی کا نام دیا ہے۔ یہ ان کا انتہائی متعصّبانہ نظریہ ہے۔ (۴۰) انہوں نے اپنے مذہبی تعصب کی وجہ سے جہاد کی اپنی مرضی سے تشریح کی۔ مغرب کی سامراجی تاریخ مذہبی منافقت سے بھرپور ہے۔ سولہویں صدی سے لے کر انیسویں صدی کے اواخر تک مغربی عیسائی طاقتوں نے افریقہ اور ایشیاء میں جہاں جہاں اپنی نو آبادیاں قائم کیں وہاں جانے کا سب سے پہلا جواز انہوں نے عیسائیت کی روشنی پھیلانا پیش کیا۔ انہوں نے اپنے اس فرض منصبی کو White man's burden کی اصطلاح سے نوازا۔ جبکہ اس تمام فلاحی منصوبے کے پس پردہ عیسائیت کا پرچار اور توسیع پسندانہ عزائم کارفرما تھے۔ لیکن برطانیہ، امریکہ اور فرانس جیسی عیسائی طاقتوں نے دنیا کو ہمیشہ اپنا محسن چہرہ دکھایا۔ اس مذہبی تعصب کی وجہ سے آدھی دنیا برطانیہ کی اسیر رہی۔ اس انسانی جبلت کی طرف قرآن نے یوں ارشاد کیا ہے: "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ" (۴۱) "خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تا کہ خدا اُن کو اُن کے بعض اعمال کا مزا چکھائے، عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں"۔

آج دنیائے اسلام نئے عالمی نظام کی زد میں ہے۔ عالمِ اسلام انڈونیشیا سے مراکش تک اور اندلس سے یمن تک عیسائیت، اشتراکیت، اشتمالیت، سوشلزم، لادینیت، افرنگیت، برہمنیت اور مغربی طاغوتی طاقتوں کے جال میں جکڑا ہوا

ہے۔مغرب کی یہودی لابی نے دنیائے عرب کے پیٹ میں اسرائیلی چھرا گھونپ دیا ہے۔اہل مغرب آج اعتدال اور حلم کے جذبے سے عاری نظر آتے ہیں۔آج پھر وہ صلیبی ذہنیت کے ساتھ مسلمانوں کو دیکھ رہے ہیں۔موجودہ دور میں مختلف ممالک میں چھڑی ہوئی جنگیں اسی جذبے کا اظہار ہے۔یوسنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی کا یہ سلسلہ صلیبی جنگوں کا ہی حصہ ہے۔(۴۲)

طاقت کے نشے میں چُور عیسائی مغربی طاقتوں نے یکے بعد دیگرے کئی اسلامی ممالک کو اپنی نفرت کا نشانہ بنایا ہے اس کی موجودہ مثال افغانستان اور اعراق میں امریکہ کی might is right پالیسی سے عیاں ہے۔آج مغرب اس واقعہ کی یاد تازہ کر رہا ہے جب یروشلم میں صلیبی سپاہیوں نے مسجدِ عمر میں گھس کر نہتے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا تھا۔ایک عینی شاہد لکھتا ہے کہ اس وقت دل ہلا دینے والے شور وغل میں کسی کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔مسجد عمر کے صحن میں خون سواروں کے ٹخنوں اور گھوڑوں کی رکابوں تک پہنچ رہا تھا۔ستر ہزار سے زائد مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا۔یہ تھی انتہا پسندی کی ایک دلدوز داستان! اس کے برعکس حضرت عمر رضی اللہ عنہ فلسطین کی فتح کے بعد جب شہر میں داخل ہوتے ہیں تو حکم دیتے ہیں کہ راہبوں پر تلوار نہ اٹھاؤ، عبادت گاہوں کو مسمار نہ کرو۔آپؓ وہاں کے بشپ سے اجازت حاصل کر کے ان کے گرجے میں نماز ادا فرماتے ہیں۔(۴۳)

عیسائیوں میں مذہبی انتہا پسندی:

عیسائیت کی تاریخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رحم کی تعلیمات کی نفی کرتی ہے۔عیسائیت میں بھی انتہا پسندی کا رجحان اپنے آغاز سے ہی ہے۔حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں عفو اور محبت کی تعلیم دی اور کہا ''کہ اگر کسی کے گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی کسی سے ایک جوتا مانگے تو دوسرا بھی اس کی طرف اتار دے''۔(۴۴)

عیسائیت کی تاریخ اس کی نفی کرتی ہے۔خاص طور پر پاپائیت کا دور ایسا دور ہے جو اپنے مخالفین کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں جو شخص بھی علم وعرفان کی بات کرتا ہے تو اسے مقدس کلیسا کے منافی سمجھا اور عبرتناک سزائیں دیں۔کوپرنیکلس، گلیلیو اور برونو وغیرہ کے ساتھ پوپ صاحبان کا ظالمانہ سلوک تاریخوں میں محفوظ ہے۔

عیسائیوں نے اپنے دورِ اقتدار میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ان کی انتہا پسندی کے رویے کی نشاندہی کرتا ہے، اندلس میں مسلمانوں کی حکومت تقریباً آٹھ سو سال سے قائم تھی جو کہ سقوطِ غرناطہ کے بعد ختم ہوگئی۔لیکن حکومت کے خاتمے کے ساتھ مسلمانوں پر عرصۂ حیات بھی تنگ کر دیا گیا۔ظلم وسفاکی کا کوئی حربہ ایسا نہیں تھا جو ان پر آزمایا نہ گیا ہو۔مسلمانوں کو جبراً عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔انکار کرنے پر بہت سوں کو تہہ تیغ کیا گیا باقی ماندہ کو ملک بدر کیا گیا باقی ماندہ کو ملک بدر کیا گیا۔ان میں سے بہت سے ایسے تھے جو بیچارے منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکے اور راستے ہی میں سرخ صلیبی

سفاکوں نے انہیں تہِ تیغ کر دیا۔عربی زبان پر پابندی لگادی گئی اور عربی زبان کی جتنی کتابیں جہاں کہیں ملیں اُنہیں ضبط کر لیا گیا اور اس طرح مسلمانوں کے علوم وفنون کے ایک روشن باب کا سرزمینِ اندلس سے خاتمہ ہوا۔(۴۵)

اسی طرح صلیبی جنگوں میں عیسائیت کا روّیہ انتہا پسندی پر مبنی تھا اگر چہ مسلمان حکمرانوں نے عیسائیوں کے مذہبی معاملات میں کبھی دخل نہ دیا تھا اور بعض عیسائی افسروں کو اعلیٰ سرکاری عہدے بھی ملتے تھے۔تاہم بعض متعصب پادریوں نے یورپ میں مسلمانوں کے مظالم کی فرضی داستانیں اور قصے بیان کر کے وہاں کے عیسائی باشندوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا اور انہیں ترغیب دی کہ وہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھین کر وہاں عیسائی سلطنت قائم کریں۔ان دنوں عیسائیوں میں ایک خیال نیم مذہبی عقیدے کی صورت میں پھیلا کہ حضرت عیسیٰؑ اس روئے زمین پر نازل ہو کر ایک ہزار برس کے لیے ایک عیسائی سلطنت قائم کریں گے۔ان کا خیال تھا کہ اس بے نظیر دور کا آغاز مسلمانوں کو فلسطین سے نکالنے کے بعد شروع ہو گا۔چنانچہ مختلف عیسائی ممالک کے سپاہی مقدس فرض کی ادائیگی کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔

۱۰۹۹ء میں عیسائی فوجوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے وہاں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کا قتل عام کر دیا۔ ستر ہزار مسلمان مسجد الاقصیٰ کے سامنے قتل کر دیئے گئے۔

نہ مدعی نہ شہادت حساب پاک ہوا　　　یہ خون خاک نشاں تھا رزق خاک ہوا

عرب، ایران، عراق کے مسلمان اپنے اندرونی جھگڑوں کے باعث مسلمانوں کی امداد نہ کر سکے۔کم وبیش نوے برس تک بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ رہا۔آخر سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۸۷ء میں عیسائیوں سے بیت المقدس کو واپس چھین لیا۔

اس وقت سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیائے عیسائیت مسلمانوں کے وجود کو برداشت تک کرنے کے لیے تیار نہیں حالانکہ مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں نہ صرف انہیں برداشت کیا بلکہ رواداری کا معاملہ بھی کیا لیکن اب یہ عیسائی طاقتیں نیو ورلڈ آرڈر کے تحت عالمِ اسلام کے ساتھ جو کچھ کر رہی ہیں سب پر واضح ہے۔اپنے قبیح مفادات کی خاطر انہوں نے مسلمانوں کو ہراساں رکھنے کے لیے بنیاد پرست، دہشت گرد اور انتہا پسند (Extermist) جیسی پروپیگنڈا اصطلاحات کو ایجاد کیا۔

ہندو میں مذہبی انتہا پسندی:

ہندو ویسے تو فلسفہ اہنسا کے پیروکار ہیں کہ کسی بھی ذی روح چیز کو تکلیف نہیں پہنچانی۔عملی طور پر دیکھا جائے تو ان کا

یہ فلسفہ حیوانوں کے لیے تو ہے مگر انسانوں کے لیے ہرگز ہرگز نہیں۔ ایک طویل عرصہ تک مسلمان ہندوستان پر حکومت کرتے رہے۔ ہمیشہ ان کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا، ان پر کسی قسم کا کوئی جبر نہیں تھا۔ محمد بن قاسم سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر تک کے عروج کے ادوار میں بھی مسلمانوں نے نہ صرف انہیں برداشت کیا بلکہ انہیں بڑی مراعات اور اہم مناصب پر بھی ہمیشہ فائز رکھا۔ محمد بن قاسم نے ہندوؤں کے لیے جاگیریں وقف کیں اور برہمنوں کو بڑے بڑے عہدوں سے نوازا۔ صاحب ''آئینہ حقیقت نما'' لکھتے ہیں:

''محمد بن قاسم اور اس کے عہد کے مسلمان گورنروں نے ملک سندھ میں ہندوؤں کے مندروں کے لیے بڑی بڑی جاگیرداریں وقت کیں''۔

مورخین لکھتے ہیں کہ:

''محمد بن قاسم نے یہ تحقیق کرنے کے بعد کہ برہمن واقعی ایک معزز اور امورِ سلطنت سے واقف قوم ہے۔ حکم دیا کہ برہمنوں کو سلطنتِ اسلامیہ کے عہدوں پر مامور کیا جائے۔ چنانچہ محکمہ مال کا تمام انتظام برہمنوں کے سپرد کر دیا گیا۔ زرِ مال گذاری وصول کرنے کا حساب، خزانہ کی حفاظت کرنا، سب برہمنوں کے سپرد کر دیا گیا۔'' اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ محمد بن قاسم کے زمانہ سے لے کر آئندہ ہر زمانہ میں ملک سندھ کا مالی محکمہ برہمنوں کے ہاتھ میں رہا۔ برہمن محمد بن قاسم سے جس شخص کی سفارش کرتے، وہ اس کے مرتبے کو بلند کر دیتا تھا۔ (۴۶)

غیر مسلموں کو مسلمان حکومت کے اہم صیغوں میں افسران کی حیثیت سے جگہ دی جاتی تھی اور انہیں بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا گیا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے: ''جہانگیر کے توپ خانے کا افسرِ اعلیٰ راجہ بکرماجیت تھا جو کہ پچاس ہزار توپچیوں کا افسر تھا اور تین ہزار توپیں ان کے زیرِ کمان تھیں۔ یہ راجہ بکرماجیت کھشتری تھا۔ اکبر کے زمانہ میں ترقی کرتا ہوا جیل خانہ کا داروغہ مشرقی سے خدمتِ دیوانی اور مرتبہ امرائی کو پہنچا تھا۔ فنِ سپاہ گری اور تدابیر جنگ خوب جانتا تھا''۔

یہ تاریخی حقائق اس حقیقت کو آشکارا کرنے کیے کافی ہیں کہ یہ اسلام اور سیرت رسولؐ کی تعلیمات کا اثر تھا کہ مسلمان حکمرانوں نے غیر مسلموں کو برداشت کیا، کبھی بھی تنگ دلی سے کام نہ لیا۔ اس کے مدمقابل ہندوؤں کی انتہا پسندی کو دیکھیں کہ جب بھی وہ اقتدار میں آئے، مسلمانوں کو برداشت نہ کر سکے۔ شدی اور سنگھٹن کی تحریکیں ان کی انتہا پسندی کی مثالیں ہیں۔ کہ مسلمانوں کو ہندو بنایا جائے اور مسلمانوں کے آثار کو ختم کیا جائے۔ حالیہ دور میں بابری مسجد کی شہادت اور گجرات میں مسلمانوں پر ڈھائے گئے مظالم ہندو مذہبی انتہا پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اسلامی معاشرے کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی:

قرآن پاک اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو کہیں بھی انتہا پسندانہ رویے کو پسندیدہ نہیں گردانا گیا۔ اس کے برعکس روشن خیالی اعتدال پسندی، صبر، حلم اور عفو کی تعلیمات جا بجا ملتی ہیں۔ موجودہ دور کے انسان کے جملہ مسائل کا حل متصادم رویوں کو ختم کرنے میں ہے۔ انفرادی، قومی، مذہبی اور بین الاقوامی سطح پر رجحانات میں تنگ نظری اور مخاصمت کا تریاق اسلامی مساوات اور روشن خیالی کے سنہرے اصولوں کی پابندی میں مضمر ہے۔ انسانیت پر اسلام کا یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے وحدتِ انسانیت کا ایسا تصور دیا جو رنگ و نسل، لسانیت اور وطنیت کے تمام بتوں کو پاش پاش کر کے بھائی چارے کی مشترکہ اساس فراہم کرتا ہے۔ وہ انسانوں کے ذہن میں یہ بات راسخ کرتا ہے کہ جس طرح سارے انسان ایک خدا کی مخلوق ہیں اسی طرح وہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور ان سب میں ایک ہی ماں باپ کا خون دوڑ رہا ہے۔ جس طرح ایک ماں باپ کی اولاد مختلف رنگ و روپ، مختلف قوت و صلاحیت اور مختلف عقل و ضمیر کے باوجود حقوق میں برابر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے مساویانہ سلوک کرتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے اختلافات اور رنجشوں کے باوجود ایک دوسرے کے دکھ، درد اور خوشیوں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمام دنیا کے انسانوں کو فرداً فرداً اور اجتماعی طور ایسا ہی بننے کی کوشش کرنا چاہیے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ''کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت نہیں اسی طرح سرخ و سفید رنگ والے کو کسی سیاہ فام پر اور کسی سیاہ فام کو کسی سرخ و سفید رنگ والے پر کوئی فوقیت نہیں سوائے تقویٰ کے''۔ (۴۷) ''كُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا (اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔)'' (۴۸) آپ نے فرمایا: ''اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهِ '' ''ساری مخلوق خدا کی کفالت میں ہے (کنبہ کی طرح ہے) تو وہ شخص اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اس کے عیال کے ساتھ حسن سلوک کرے گا''۔ (۴۹) ارشاد نبویؐ یہ ہے کہ'' اَلصَّلٰوةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُم خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا اَوْ فَاجِرًا '' (ہر نیک اور گناہگار مسلمان کے پیچھے (باجماعت) نماز پڑھنا تمھارے اوپر واجب ہے۔) ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا: ''صَلُّوْا خَلْفَ كُلِّ مَن قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَفِي رِوَا يَةٍ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ (ہر کلمہ گو اور نیک و فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لو۔) قطع نظر مذہب و مسلک کے ایک دوسرے کا احترام کرنا اور تکفیر سے احتراز کرنا۔

اسی طرح ایک مسلک کے لوگوں کا دوسرے مسلک کے حامل لوگوں کو اپنی مسجد (جو اصلاً سارے مسلمانوں کی مشترکہ عبادت گاہ ہوتی ہے) میں داخل نہ ہونے دینا جبکہ خود نبی اکرم ﷺ نے مشرکین تک کو مسجد کے اندر ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ

مشہور حنفی فقیہ اور مفسر علامہ جصاص رازی آیت " اِنَّمَا الْمُشْرِکُونَ نَجَس" (۵۰) کے تحت لکھا ہے: وَلَمْ یَکُن اَھْلُ الذِّمَّۃِ امُئومِنُو عِینَ مِنْ ھٰذِہِ الْمَوَا ضِع" (۵۱) (ان مواضع (مساجد) میں اہل ذمہ کا داخلہ ممنوع نہیں ہے۔

اور اپنے اس خیال یا رائے کی تائید میں حضور اکرم ﷺ کے وفد قیس کو مسجد نبویؐ میں ٹھہرانے اور حضرت ابوسفیانؓ کے حالت کفر میں مسجد نبوی میں داخل ہوتے رہنے سے استدلال کیا ہے۔(۵۲) متشدد و مذہبی لوگوں کا یہ رویہ ہے کہ جسے اپنے تراشیدہ یا اپنے سمجھے ہوئے اسلام کے راستے سے ذرا ہٹا ہوا پایا اُس پر جھٹ کفر کا فتویٰ صادر کر دیا اور اس میں اتنی شدت یا غلو اختیار کیا کہ اسے کافر قرار دے دیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ جو اسے کافر نہ مانے وہ بھی کافر۔ یہ سب کچھ انتہا پسندی ہی کا کرشمہ ہے ورنہ اسلام وہ مذہب ہے جو کافروں، مشرکوں اور منافقوں تک کے ساتھ ملاطفت، حسن سلوک اور شرافت کا برتاؤ کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا واضح حکم ہے: "لَا تَقُوْلُوا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُئومِنًا" (۳۵) "جو کوئی تمہیں (مسلمان کا سا) سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے"۔

اس آیت سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام کا یہ اصول ہے فیصلہ ظاہر پر ہوگا، باطن پر نہیں۔ کسی مسلمانوں کو جذبات اور اشتعال میں آ کر کافر قرار دے دینا نازک معاملہ ہے چنانچہ ہمارے فقہاء کرام نے اس معاملے میں حد درجہ احتیاط برتتے ہوئے یہاں تک لکھا ہے کہ "اگر کسی مسئلہ یا آدمی میں ننانوے وجوہ کفر کے پائے جائیں اور ایک احتمال اسلام کا موجود ہو تو مفتی اور قاضی کے لئے اولیٰ بلکہ لازم ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگائے۔(۵۴)

اسلامی معاشرہ کی تشکیل و خصوصیات تعلیمات نبوی کی روشنی میں:

انتہا پسندی کے رجحانات کے سدباب کے لیے سیرت طیبہ میں صحیح حل موجود ہے۔ آنحضرتؐ کی تعلیم و تربیت کے زیر اثر افراد کے مابین منافرت کے بجائے اخوت پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نعمت قرار دیتے ہوئے فرمایا: " وَاذْکُرُوا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا" (۵۵) (اور یاد کرو احسان، اللہ کا اپنے اوپر کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں پھر ہو گئے اس کے فضل سے بھائی بھائی۔) دوسرے مقام پر فرمایا: " وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْم" (۵۶) (اور الفت ڈالی ان کے دلوں میں اگر

آپ خرچ کر دیتے جو کچھ زمین میں ہے سب، نہ الفت ڈال سکتے اُن کے دلوں میں لیکن اللہ نے الفت ڈالی ان میں۔ بے شک وہ زور آور ہے حکمت والا۔)

خوف وگھبراہٹ اور مصائب وشدائد کے مواقع پر دل ودماغ کو انتہا پسندی کے اثرات سے محفوظ رکھتے ہوئے استقلال کا مظاہرہ کرنا، اخلاقی بلندی اور استحکام کی بنا پر ہی ممکن ہے۔ تعلیمات نبویؐ میں اس اخلاقی بلندی کا بطریق احسن اہتمام موجود ہے۔ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے نامساعدت اور مصائب کو برداشت کرنے کی صلاحیت ودیعت کر رکھی ہے۔ اسی صلاحیت کو بروئے کار لانے کے لیے زبانِ نبویؐ نے اللہ تعالیٰ کا حکم یوں بیان فرمایا: ''وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ'' (۵۷) (اور جو مصیبت آپ کو پیش آئے، اسے برداشت کرو، یہ بڑے عزم کی بات ہے۔) نامساعدت اور ناموافقت میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا اور ایسی صورتِ حال کو برداشت کرنا اس لحاظ سے بڑی عنایت خداوندی ہے کہ اس بنا پر انسان کو اللہ کی معیت کا اعزاز حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: ''اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ'' (۵۸) (بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔) یعنی جس معاشرہ میں صبر واعتدال نہ ہو اس میں ارتقا نہیں ہو سکتا۔

دوسری جانب سے اذیت پر جذبات کا اشتعال اور آپے سے باہر ہونا عین ممکن ہے۔ یہ صورت حال ہی ناقابل برداشت ہوتی ہے کہ مدمقابل کی گالی سُن کر صبر کیا جائے یا طاقت رکھتے ہوئے اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دیا جائے۔ اسی انتہا پسندی کا مظاہرہ روزانہ ہوتا ہے اور گالی کا جواب گولی سے اور ایک قتل بدلے کئی قتل اکثر ہوتے ہیں۔ اس خونی دھارے کو روکنے کا مؤثر طریقہ کار نبوی تعلیمات میں موجود ہے، آپؐ نے وحی کے الفاظ یوں بیان فرمائے: ''وَالْكَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ'' (۵۹) (اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کر دیتے ہیں لوگوں کو۔)

مکہ کے جن لوگوں نے آپؐ کو قتل کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ اور آپؐ کے جملہ ساتھیوں کا عرصہ حیات تنگ کر کے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایسے ظالموں کا ظلم برداشت کرتے ہوئے انہیں معاف کر دینا بے شک رحمت اللعالمین کا ظرف ہی ہو سکتا ہے لیکن اس میں انسانیت کے لیے برداشت کا نمونہ بھی موجود ہے۔ آپؐ فتح مکہ کے موقع پر اپنے مخالفین اور ظلم کے پہاڑ توڑنے والوں کو ان الفاظ سے معافی کا مژدہ سنایا: ''لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَكُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ'' (۶۰) (تم سے آج کوئی باز پرس نہیں، اللہ تمہیں معاف کر دے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔)

سفر طائف میں اوباشوں نے آپ کو شدید جسمانی اذیت پہنچائی، اسے آپؐ نے جس صبر وتحمل سے برداشت کیا

اس کی مثال ناممکن ہے۔آپؐ نے اس موقع پر اللہ سے رجوع کرتے ہوئے دعا فرمائی: "**الهم اليك اشكو ضعف قوتي وقلة حيلتي وهواني على الناس يا ارحم الرّحمين انت رب المستضعفين وانت ربي الى من تكلني؟**" "الٰہی! اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔درماندہ اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے، مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے۔" نبی کو اعتدال کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: "**وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا**" (٦١) "اے رسولؐ! تو اپنے پروردگار کے فیصلہ کا ثابت قدمی کے ساتھ منتظر رہ، کیونکہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے"۔"**اَلصَّابِرِيْنَ فِي الْبَأْسَآءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ**" (صبر کرنے والے تختی اور تکلیف اور جنگ کے دوران، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں) مزید حکم ہوا: "**اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ**" (اور نماز اور صبر کے ذریعے مدد طلب کرو۔) (٦٢) عفو و درگذر کے بارے میں حکم خداوندی ہے: "**اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَة**" (٦٣) ارشاد نبویؐ ہے: "**وما زاد الله رجلا يعفو الا عزا**" (اللہ تعالیٰ عفو و درگذر کرنے والے کی عزت میں اضافہ کرتا ہے) انسان میں اعتدال کا مادہ اور اطمینان پیدا کرنے کا باعث ذکر الٰہی بھی ہے۔چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: "**اَلا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ**" (٦٤) (خوب سُن لو کہ اللہ کے ذکر سے اطمینان ہی ہو جاتا ہے)

حسب ذیل ارشادات نبوی باہم محبت اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی متقاضی ہیں۔ "**لا يومن احدكم حتى يحب لاخيه مايحب لنفسه**" (٦٥) (تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔) "**المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده**" (٦٦) (مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں) "**مثل المومنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم، مثل الجسد اذا شتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى**" (٦٧) (اہل ایمان کی مثال باہمی محبت، رحم اور نرمی میں ایسی ہے جیسے ایک جسم، جب جسم کے کسی عضو کو تکلیف پہنچے تو پورا جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے)

نبی اکرمؐ نے فرمایا: "**من حمل علينا لسلاح فليس منا**" (٦٨) (جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے) اس کے باوجود دوسروں پر اسلحہ سے حملہ آور ہونا، انتہا پسندی کی ایک صورت ہے۔دیگر احادیث مبارکہ میں بھی بربادی، تحمل، برداشت اور حلم کا درس دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر" (٦٩) (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اسے قتل کرنا کفر ہے"۔) پس رسول اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں مختلف گروہوں کا ایک دوسرے کو گالی دینا اور پھر مسلمانوں کا آپس میں قتل کفر قرار دیا گیا ہے۔

اسلام کی اعتدال پسندی کا غیر مسلموں کی طرف سے اعتراف:

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے کہ " لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ "(دین میں جبر نہیں) چنانچہ غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنانے کی اجازت نہیں۔ آپؐ نے عبادات مثلاً نماز، روزہ حج وغیرہ میں تکالیف کو برداشت کرنے کا درس دیا۔ آپؐ نے تبلیغی مشن میں عقل و حکمت، موعظہ حسنہ، مجادلہ احسن، ذہنی انقلاب، قلبی تبدیلی، دلسوزی، عدم اکراہ اور نرم روی اور برداشت جیسے اصولوں کو سامنے رکھا۔ آپؐ نے ہمیشہ اقلیتوں کا خیال رکھا۔ مندرجہ ذیل مستشرقین نے بھی اسلام کے اقلیتوں کے بارے میں اعلیٰ تعلیم اور اعتدال پسندی کی تعریف کی ہے۔

1 Thomas patrick hughes, A Dictionary of Islam: Religious Toleration, PP.684-85

2 W.F Adeney , Encyclopaedia of Religion & Ethics. T.W. Arnold, - Toleration(Muhammadan)pp. 360-365

3 Encyclopeadia of the Modern Islamic World, Vo I, pp. 108-113

آخر میں اس حوالہ سے کچھ غیر مسلم مفکرین کے خیالات بھی پیش خدمت ہیں:

جی سنگھ دار لکھتے ہیں: " سبحان اللہ " کیا ٹھکانہ دریائے رحمت کی اس طغیانی کا یہ دریا اُمڈا اور ہر غلاظت اور عفونت گناہ کو بہائے لے گیا (رسول اللہ ﷺ) نے اپنے قتل کا قصد کرنے والوں کو اپنی نور چشم کے قاتلوں کو اپنے چچا کا کلیجہ کھانے والوں سب ہی کو معافی دے دی اور قطعی معافی قتل عام دنیا کی تاریخوں میں اکثر سنتے تھے مگر قاتلوں کی معافی نہ سنی تھی (٧٠)

ایک یورپی دانشور آرتھر گلیمن (Arthur Gliman) فتح مکہ کے حوالے سے کہتا ہے:

"فتح مکہ کے موقع پر یہ بات آپؐ کے حق میں جائے گی کہ اُس وقت جبکہ اہل مکہ کے ماضی کے انتہائی ظالمانہ سلوک پر آپ کو جتنا بھی طیش آتا کم تھا اور آپ کی انتقام کی آگ بھڑکانے کے لیے کافی تھا مگر آپؐ نے اپنے لشکر و سپاہ کو ہر قسم کے خون خرابے

سے روکا اور اپنے اللہ کی بندگی اور اطاعت کا مظاہرہ کیا، دوسرے فاتحین کے وحشیانہ طرزِ عمل کے مقابلے میں اسے انتہائی درجے کی شرافت اور انسانیت سے تعبیر کیا جائے گا''۔(۷۱)

بی ایس رندھاوا ہوشیار پوری آپ کی رحم دلی، شفقت اور قوت برداشت کی داد دیتے ہوئے کہتا ہے:

''حضرت محمد ﷺ کو جتنا ستایا گیا اتنا کسی ہادی اور پیغمبر کو نہیں ستایا گیا۔ ایسی حالت میں کیوں نہ محمد صاحب کی رحم دلی اور شفقت اور مروت علی المخلوقات کی داد دوں جنہوں نے خود ظلم وستم کے پہاڑ اپنے سر اٹھا لئے مگر اپنے ستانے والے اور دکھ دینے والوں کو اُف تک نہ کہا بلکہ ان کے حق میں دعائیں مانگیں، اور طاقت حاصل ہو جانے پر ان سے کوئی انتقام نہ لیا''۔(۷۲)

جناب سوامی لکشمن لکھتے ہیں:

''مفسرِ رازِ حیات سرورِ عالم ﷺ کے سوا تاریخ عالم کے تمام صفحات زندگی اس قدر صحیح تفسیر والی دوسری شخصیت عظمی کے بیان سے خالی ہیں۔ وہ کونسی اذیتیں تھیں جو کفرستان عرب کے کافروں نے اپنے عقائد باطلہ کی حفاظت کے لیے اس بت شکن پیغمبر کو نہیں دیں۔ وہ کون سے انسانیت سوم مظالم تھے جو عرب کے درندوں نے اس رحم و ہمدردی کے مجسمے پر نہیں توڑے، وہ کون سے زہرہ گداز ستم تھے جو جہالت کے گہوارے میں پلنے والی قوم نے اپنے سچے ہادی پر روا نہیں رکھے، مگر انسانیت کے اس محسن اعظم ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے بجائے بددعا کے دعا ہی نکلی''۔(۷۳)

مسٹر لال ہری چند فرماتے ہیں:

''بانی اسلام نے دشمنوں کی زبان سے اور اُن کے ہاتھوں سے ظلم برداشت کیے جن پر کمزور سے کمزور آدمی بھی بگڑ کھڑا ہوتا ہے۔ مگر بانی اسلام نے استعداد مقابلہ کے باوجود کبھی جواب میں زبان ہلانا یا ہاتھ اٹھانا پسند نہیں کیا۔''(۷۴)

اور ماسٹر تارا سنگھ ان لوگوں کی کم عقلی پر حیران ہیں جو حضور ﷺ کے پیغام کے پھیلانے میں تلواروں کا کمال سمجھتے ہیں''۔(۷۵) ایک ہندو سیرت نگار رانا بھگوان داس آپ کی رحم دلی اور قوتِ برداشت پر یوں تبصرہ کرتا ہے:

''فتح مکہ نے خون آشامی اور درندگی کو ختم کر کے اخلاص، محبت جاوداں اور امن و عافیت ذیشان کا مقدس دریا، کاش جنگ میں آگ وخون کا دریا پیدا کرنے والے فاتحین عالم جادہ محمد ﷺ پر گامزن ہوتے''۔(۷۶)

رومانیہ کے دانشور کونسٹن ویرژن فتح مکہ ہی کے بارے میں کہتے ہیں:

''مروجہ قوانین کے مطابق پیغمبر اسلام ﷺ کو یہ حق حاصل تھا کہ شہر کے سارے مردوں کو تہِ تیغ کر ڈالیں یا انہیں اپنا غلام بنا لیں، لیکن آپ نے اہل مکہ کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا اور حقیقت تو یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کی بخشش نے اہل مکہ کو نئی زندگی عطا کی''۔(۷۷)

اور آخر میں سویڈن کے مشہور مستشرق ٹور انڈرے (Torandrae) کی رائے دیکھیے وہ بھی پیغمبر اسلام ﷺ کی قوتِ برداشت اور عدم انتہا پر رطب اللسان ہیں: ''غیر ضروری امور پر ذاتی توہین کو برداشت کرنے کا آپ کے حوصلے اور ہمت کی صفات بتاتی ہیں کہ آپؐ بے مثال اور منفرد اہلیت کے مالک تھے''۔ واقعہ یہ ہے کہ آپؐ کی سی ذہنی برتری رکھنے والا انسان زمام کار ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ خواہ اسے کبھی لمحہ بھر کے لیے مجبوراً جھکنا ہی کیوں نہ پڑے۔ (۷۸)

اسلامی معاشرہ کی تشکیل:

انتہا پسندی کے خاتمہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے فروغ کے لیے تعلیمات پیغمبر ﷺ کے علاوہ اور کونسا طریقہ تربیت یا اندازِ تعلیم بہتر اور عمدہ ہو سکتا ہے۔ ذرا سوچیے سہی! اگر اسلامی معاشرے کا ہر فرد انتہا پسندی کے رجحان کو اپنے دل سے اکھاڑ پھینکے، تحمل اور رواداری جیسے عظیم اوصاف سے اپنے آپ کو متصف کرے اور اس کا ہر عمل اپنے مسلمان بھائی کی خیر خواہی کے جذبات سے معمور ہو اور بقائے باہمی کی بنیاد پر ایک دوسرے کے افکار و نظریات اور وجود کو برداشت کرنے کا رویہ زندگی کا حصہ بن جائے، تو کیا ہمارا معاشرہ مستحکم بنیادوں پر استوار نہیں ہوگا، اور کیا اس سے امن وسلامتی کا وہ عہد ہم پنی آنکھوں سے نہیں دیکھ پائیں گے جو آج بھی پوری تاریخ انسانی میں اپنی مثال آپ ہے۔ انتہا پسندی کے ان رجحانات کو ختم کر کے ہم نہ صرف اسلامی معاشرے میں پھیلی ہوئی افراتفری، بے چینی، بے راہ روی، افتراق وانتشار اور عداوت وعناد کی مسموم فضا کو ختم کر پائیں گے، بلکہ اخوت ومحبت کے وہ زمزمے بھی بہا سکیں گے جن سے مواخات کی یادیں تازہ تازہ ہو جائیں گی۔ اور اسلامی معاشرہ ''وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ(۷۹) (اور وہ اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو) کا حسین مرقع بن جائے گا۔

انتہا پسندی کے رجحان کے خاتمے کے بعد روشن خیالی اور رواداری کی فضا کے نتیجے میں ہماری خون آشام صبح وشام میں انقلاب برپا ہو جائے گا۔ اخوت ومحبت کے نغموں سے معطر ہونے لگے گا اور قومی مفادات کا تحفظ بہتر انداز میں ہو سکے گا۔ وہی مفادات جو ہم سے متقاضی ہیں اندرونی و بیرونی دشمنوں کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن جانے کے، جو مطالبہ کرے ہیں ہم سے اپنی بقا کی خاطر متحد ہو جانے کا، رواداری کے تصور کو قلب ونظر میں اتار کر ہی ہم علاقائیت، لسانیت اور صوبائیت کا تریاق فراہم کر سکتے ہیں۔ رواداری کی بدولت ہم رگ وپے میں اترنے والے فرقہ واریت کے زہر کا مداوا کر سکتے ہیں۔ ان زخموں پر مرہم رکھ سکتے ہیں جن کی وجہ سے آج ہمارے قومی جسد کا ایک ایک رواں خون کی آبشار کا روپ دھار چکا ہے۔

الغرض قومی اور بین الاقوامی سطح پر جب تک ہم انتہا پسندی کے رجحانات کا قلع قمع نہیں کر لیتے۔ امت واحدہ کے

تصور کو پیکرِ عمل میں ڈھالنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ اور ویسے بھی ملکی و ملی مفادات و حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ تمام مسلمانانِ عالم من حیث القوم انتہا پسندی کے ناسور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ بقول علامہ اقبال:

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی
(۸۰)

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا
(۸۱)

مصادر و مراجع

۱۔ سورۃ "التین"، ۹۵/۴۔

۲۔ سورۃ "ص"، ۸/۷۲۔

۳۔ سورۃ "ص"، آیت نمبر ۷۵۔

۴۔ پیغمبرِ اخلاق، مرتب پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیقی، ص ۴۹، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد۔

۵۔ سورۃ الانعام، آیت ۱۰۹۔

۶۔ سورۃ المومنون، آیت ۹۶۔

۷۔ سورۃ الاعراف، آیت ۱۹۹۔

۸۔ سورۃ الکافرون۔

۹۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۵۶۔

۱۰۔ سورۃ الکھف، آیت ۲۹۔

۱۱۔ سورۃ آل عمران، آیت ۶۴۔

۱۲۔ رسول اکرم اور یہود حجاز، برکات احمد، ترجمہ: ڈاکٹر مشیر الحق ندوی، صفحہ ۸۲، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۷۹ء۔

۱۳۔ سورۃ "القلم"، ۶۸/۳۔۴

۱۴۔ سورۃ "الصف" ۶۱/۱، آیت کا معنی بالمفہوم بیان کیا گیا ہے۔

۱۵۔ پیغمبرِ اخلاق، پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیقی، ص ۵۲

۱۶۔ سورۃ "آل عمران"، ۳/۱۵۹

۱۷۔ سورۃ "التوبہ"، ۹/۱۲۸

۱۸۔ **المفردات فی غریب القرآن**، مادہ "حلم" مطبوعہ مصر، ص ۱۲۹۔

۱۹۔ نسیم اللغات، نسیم امروہی، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۰ء، ص ۴۵

۲۰۔ International Encyclopaedia of Social sciences, Macmillan Company and the Free Press, 1968, Page 12/439

۲۱۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الرفق، والحیاۃ وحسن الخلق، مطبوعہ کراچی۔
۲۲۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج القشیری، باب فضل الرفق، مطبوعہ ایچ ایم سعید، کراچی، ج ۲، ص ۳۲۲۔
۲۳۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الرفق، والحیاۃ وحسن الخلق
۲۴۔ فرزانہ اختر، اساس نفسیات، حصہ اول، ص ۱۱۳، علمی کتب خانہ لاہور۔
۲۵۔ ایدن گریکس بورنگ، نفسیات کی بنیادیں۔ ترجمہ: بلال احمد زبیری، شعبہ تصنیف وترجمہ کراچی یونیورسٹی کراچی، ص ۵۶۹، ۱۹۶۹ء۔
۲۶۔ ہمارے بچے، ظہور الحق قریشی، حصہ اول ص ۹۱، کتاب منزل لاہور، ۱۹۵۹ء۔
۲۷۔ مبادیات نفسیات، سید کرامت حسین جعفری، ص ۳۱۹، ایم آر برادرز لاہور، ۱۹۷۵ء۔
۲۸۔ نفسیات، عبدالقادر چوہدری، ص ۲۰۸، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۵ء۔
۲۹۔ نفسیات کی بنیادیں، ایڈن گریکس بورنگ، ترجمہ: بلال احمد زبیری، ص ۱۵۰، ۱۵۱۔
۳۰۔ Phychology and Life Ruch, F, L, New Yark, page 680
۳۱۔ ایضاً ''ص'' ۶۷۴۔
۳۲۔ سنن ابو دائود، کتاب الادب، باب في الحسد۔ مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی
۳۳۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، ما ینھی من الحاسد۔ مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی
۳۴۔ ''سورۃ الفلق''۔ آیت ۵
۳۵۔ سورۃ ''الاعراف''، آیت نمبر ۱۲، سورۃ ''ص''، آیت ۷۶۔
۳۶۔ سورۃ ''المومنون'' ، آیت ۴۶۔
۳۷۔ سنن ابو دائود، کتاب اللباس ، باب ما جاء فی الکبر۔
۳۸۔ سنن ابن ماجه، ابو اب الذهد، باب البراء ه من الكبرياء والتواضع ، ص ۳۱۸، طبع وفاقی وزارتِ تعلیم۔
۳۹۔ یورپ پر اسلام کے احسان، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ص ۸۷۔
۴۰۔ نقوش، سیرت نمبر، ج ۴، ص ۳۱۳۔
۴۱۔ سورۃ ''الروم''، آیت نمبر ۴۱۔
۴۲۔ نیوز ویک (News Week)، ۱۱ جنوری ۱۹۹۳ء۔

۴۳۔ الفاروق،شبلی نعمانی،ج۱،ص۱۷۴۔
۴۴۔ انجیل یوحنا
۴۵۔ الاسلام والحضارة الغربيةِ،ج۱،ص۲۵۲۔
۴۶۔ آئینہ حقیقت نما،ص ۲۵۔
۴۷۔ مسند احمد،بحوالہ ''سیرت النبی'' شبلی نعمانی،سید سلیمان ندوی،مکتبہ مدینہ لاہور ج ۲،ص ۹۳۔
۴۸۔ بخاری شریف،ایضاً،ج ۶،ص۱۶۱۔
۴۹۔ الحدیث،بحوالہ اسلامی ثقافت،ڈاکٹر نصیر احمد ناصر۔
۵۰۔ سورۃ التوبہ،آیت ۲۸۔
۵۱۔ احکام القرآن للجصاص،مطبوعہ مصر،ص ۱۰۹،ج
۵۲۔ ایضاً۔
۵۳۔ سورۃ النساء آیت ۹۴۔
۵۴۔ البحر الرائق، ابن النجیم حنفی، دارالکتب العربیۃ، بیروت ،ج۵،ص۱۲۴۔
۵۵۔ سورۃ ''آل عمران''،آیت ۱۰۳۔
۵۶۔ سورۃ ''انفال''،آیت ۶۳۔
۵۷۔ سورۃ ''لقمان'' ،آیت ۱۷۔
۵۸۔ سورۃ ''البقرہ''،آیت ۱۵۳۔
۵۹۔ سورۃ ''آل عمران''،آیت ۱۳۴۔
۶۰۔ سورۃ ''یوسف''،آیت ۹۲،حضرت یوسف علیہ السلام نے جن الفاظ میں اپنے بھائیوں کو معاف فرمایا تھا وہی الفاظ آپؐ نے دہرائے اور اعلان فرماتے ہوئے کہا ''اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ...... اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاء (آج رحم کا دن ہے ...... جاؤ تم آزاد ہو۔)
۶۱۔ سورۃ ''طور''،آیت ۴۸۔
۶۲۔ سورۃ ''البقرہ''،آیت ۱۵۳۔
۶۳۔ سورۃ ''مومنون''،آیت ۹۶،سورۃ ''حٰم السجدۃ''،آیت ۳۴،اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ۔
۶۴۔ سورۃ ''لرعد''،آیت ۲۸۔

۶۵۔ صحیح بخاری شریف ، حدیث ۵۳، صحیح مسلم شریف ، حدیث ٤٥،

۶۶۔ بخاری و مسلم ۔ بخاری حدیث ۵۰، مسلم حدیث ٤٠۔ بحواله ریاض الصالحین ، ص ٦٠٠، باب تحریم الظلم والامر بالدد علی المظالم۔ باب النهی عن الایذاء ، طبع وزارت تعلیم اسلام آباد۔

۶۷۔ بخاری شریف ، حدیث ٣٦٧، مسلم حدیث ٢٥٨٦، بحواله ریاض الصالحین، باب تعظیم حرمات المسلمین وبیان حقوقهم ، ص۱۲۰۔

۶۸۔ مسلم، حدیث ۱۰۱، بحوالہ ریاض لصالحین ، باب النهی عن الغش والخداع ، طبع وزارتِ تعلیم اسلام آباد۔

۶۹۔ متفق علیہ۔ بخاری، حدیث ۳۸۷، مسلم حدیث ٦٤، بحواله ریاض الصالحین ، للام یحیی بن شرف الدین النوری تحقیق وتخریج عبدالعزیز رباح واحمد یوسف الدقاق۔ مراجعه شعیب الاَ رنئوط ،ص ۵۹۸، طبع وزارتِ تعلیم اسلام آباد۔

۷۰۔ جی سنگھ دارا/رسول عربی ﷺ صفحہ ۱۱۸، سیرت اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۹ء

۷۱۔ Aurtur Gilman/The Saracenc, Page 184-185, London, 1887

۷۲۔ ماہنامہ ''مولوی'' دہلی، ربیع الاول ۱۳۵۱ھ۔

۷۳۔ اخبار '' صحیفه '' حیدرآباد دکن، نومبر ۱۹۳۲ء۔

۷۴۔ ماہنامہ ''مدینہ'' انڈیا، جولائی ۱۹۳۲ء۔

۷۵۔ اخبار ''ارمان'' ، دہلی، ۷ جولائی ۱۹۳۲ء۔

۷۶۔ ڈاکٹر حافظ محمد ثانی/روزنامہ ''جنگ'' کراچی، ۳۰ دسمبر ۱۹۹۸ء۔

۷۷۔ ''سیارہ ڈائجسٹ'' / ''عکسِ سیرت نمبر''، جون ۱۹۹۶ء۔

۷۸۔ ''مقالات سیرت''، رشید احمد جالندھری، ۱۹۸۹ء ، وزارتِ مذہبی امور، حکومت پاکستان، اسلام آباد، ص ۲۷۰۔

۷۹۔ ''بانگ درا'' علامہ محمد اقبالؒ۔

۸۰۔ ''بانگ درا'' علامہ محمد اقبالؒ۔

☆☆☆☆☆

عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت سیرت طیبہ کی روشنی میں

(ڈاکٹر عبدالخالق خان (میر پور، آزاد کشمیر)

ابتدائیہ

(عصر حاضر دراصل جدید دستکاری (Modern Technology) کا دور ہے جو ''خیر القران'' کی روشنی سے بُعد کے باعث ''دورِ مظلمہ'' (Dark Age) کی مانند ہے۔ دراصل تنگ نظری، عدم اعتدال اور استحصال کا دور ہے۔ عصر حاضر کا تقاضا ہے کہ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل کیلئے سعی کی جائے۔ سیرت طیبہ ﷺ سے انحراف کے سبب افراد اور اقوام کے فکر و عمل میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو چکا ہے۔ اس منفی فکر اور غیر صالح عمل کے حسب ذیل ''تحفے'' عصر حاضر کیلئے خطرناک چیلنج بن چکے ہیں)

(۱) غربت (۲) دہشت گردی (۳) خوف و غم (۴) جنگ و جدل (۵) استحصال

روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کے خدوخال بیان کرتے ہوئے یہ واضح کیا جا رہا ہے۔ کہ عصر حاضر کے یہ تقاضے سیرت طیبہ کی روشنی میں فکر و عمل کی راہ متعین کرنے سے ہی پورے ہو سکتے ہیں۔ یہ نگارشات بذیل نکات پر مشتمل ہیں۔

معاشرہ کا مفہوم، مقاصد شریعت۔ تصور حریت، اخوت، ہدایت خداوندی، تزکیہ نفس، اجتماعیت، عصر حاضر کا چیلنج، مسئلہ غربت، روشن خیالی کی اساس، سعی برائے مساکین، لمحہ فکریہ، معاشی اور معاشرتی انتظام، خلافت کا نمایاں عمل، جنگ و جدل کی ممانعت، فلسفہ جہاد، اجماع واجتہاد، جہالیت کے آثار، امن کے معاہدے، مصالحت کی مثال، عہد حاضر کیلئے بہترین نمونہ، سیاسی منشور پاکستان کی بقا کیسے ممکن ہے؟ **امر بالمعروف ونہی عن المنکر، اُسوہ حسنہ**۔

معاشرہ انسانی روابط کا ایک کلی مرکب ہے، اس حیثیت سے کہ یہ روابط عمل سے پیدا ہوتے ہیں۔ جو ذرائع و مقاصد سے قائم ہیں۔ (۱)۔ حسب تحریر ابن خلدون ''انسانی افراد کا اکٹھے رہنا ایک ناگزیر امر ہے اور یہ حقیقت ہے جسے اہل علم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انسان پیدائشی طور پر مدنیت پسند واقع ہوا ہے۔ (۲)۔

انسانی تاریخ دراصل معاشرہ کی تاریخ ہے اس بارے میں ارشادالٰہی ہے۔ " وَکَمْ اَھْلَکْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوح وَکَفٰی بِرَبِّکَ بِذُنُوْبِ عِبَادِہٖ خَبِیْراً بَصِیْراً(۳)۔ (اور نوحؑ کے بعد ہم نے کتنی بستیاں آباد کیں اور آپ ﷺ کا پروردگار اپنے بندوں کے بارے میں بطور خبیر بصیر کافی ہے)

مثالی معاشرہ کے خدوخال

تشکیل معاشرہ کے تاریخی تسلسل میں نبی اکرم ﷺ نے خداداد منشور کے مطابق مثالی معاشرہ قائم کیا تھا جس کے نمایاں خدوخال حسب ذیل ہیں اسی نمونہ کے مطابق عصر حاضر میں روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل ہونی چاہیئے۔

۱۔مساوات ۲۔حریّت ۳۔اخوت ۴۔عدل وانصاف ۵۔رواداری

مقاصد شریعت

تعلیمات نبوی ﷺ سے عدم آگہی اور سیرت طیبہ سے انحراف کے نتیجہ میں مسلمان مقاصد شریعت سے لاتعلق ہو کر نفس پرستی میں مگن ہیں اور اخلاقی اقدار پامال کر کے معاشرہ میں بگاڑ پیدا کر رہے ہیں۔ معاشرتی اقدار کی بحالی کی خاطر عصر حاضر کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کو مقاصد شریعت کی تعلیم دی جائے تا کہ نفس پرستی کی بجائے اللہ کی بندگی ہو اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل ہو سکے، عمران احسان خان نیازی رقمطراز ہیں۔

The primary goal of the Shariah according to the most jurists is free man from the grip of his own whims and fancy, so that he may be the servant of allah by choice, just as he is one without it

مقاصد شریعت کی آگہی اور ان کے پیش نظر جدوجہد اسی صورت میں ممکن ہے جب مسلمان سیرت طیبہ کی روشنی میں اپنے فکرو عمل کا تعین کریں۔

تصور حریت

عصر حاضر میں انسان غلامی کی مختلف زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ اُسے حقیقی حریت کی حقیقت کا ادراک نہیں ہے۔ ایسی صورتحال میں حریت کے حقیقی مفہوم کی آگاہی وقت کا ایک تقاضا ہے حریت کا مفہوم حامودہ عبدالتی ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں۔

"It is a natural right of man, a spirtual privilege, a moral preogative and

above all a religious duty, without the framework of this Islamic concept of freedom there is no room for religious persecution, class conflict or racial prejudice,The individual's right of freedom is as sacred as his right of life, freedom is the equivalent of life itself."

اخوت

عصر حاضر کا ایک تقاضا اخوت کا اہتمام ہے۔ افراد اور اقوام تعلیمات نبوی ﷺ سے لاعلمی ہونے اور سنت نبوی ﷺ سے اعراض کے باعث منافرت اور فرقہ واریت کی زد میں ہیں۔ وقت کا اہم تقاضا ہے کہ بھائی چارے کی حقیقت و اہمیت واضح کی جائے اور بھائی چارہ کا تصور اجاگر کرتے ہوئے روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ قائم کیا جائے۔ حامودہ عبدالتی رقمطراز ہیں۔

" And when it is imparted in to human mind, it will provide man with a clear concept and a solid basis of human brotherhood. Because the muslim believes in the oneness of God, the unity of mankind and the unity of religion, he believes in all the messengers and revelations of God without discrimination"(6)

روشن خیالی اور اعتدال معاشرہ کی تشکیل کی حقیقت واضح کرتے ہوئے سید مودودی رقمطراز ہیں۔

''انسانی حکومت کی صحیح صورت قرآن کی رو سے صرف یہ ہے کہ ریاست خدا اور رسول ﷺ کی قانونی بالادستی تسلیم کر کے اس کے حق میں حاکمیت سے دستبردار ہو جائے اور حاکم حقیقی کے تحت خلافت (نیابت) کی حیثیت قبول کرے''۔ نیابت الٰہی کے مطابق سیرت طیبہ کی روشنی میں جو معاشرہ قائم ہو وہی روشن خیال اور اعتدال پسند ہو سکتا ہے۔ ایسا ہی معاشرہ عصر حاضر میں مقصود ہے(۱۷)۔

عصر حاضر کا یہ تقاضا ہے کہ خلافت کا مفہوم سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں سمجھا اور سمجھایا جائے۔ اس طرح متوازن معاشرہ کی تشکیل ہو سکے گی۔

ہدایت خداوندی

ارشادِالٰہی ہے "اِنَّ اللّٰهَ يَأمُرُ بِالعَدلِ وَالاِحسَانِ وَاِيتَآئِ ذِی القُربٰی وَيَنهٰی عَنِ الفَحشَآءِ وَالمُنكَرِ والبغی يعظكم لَعَلَّكُم تَذَكَّرُونَ ۔ (یقیناً اللہ انصاف اور بھلائی کا اور قرابت داروں کے سلوک کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور نا معقول کاموں کو اور تعدی و سرکشی کو منع کرتا ہے۔ تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس لئے نصیحت کرتا ہے تا کہ تم قبول کرو(۸)

تعلیمات نبوی ﷺ میں اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لئے جو ہدایت اس آیت میں موجود ہے مصلحین امت پیش نظر رکھ کر اصلاح معاشرہ کے لئے حکمت عملی وضع کر کے قابل عمل اسکیم پیش کریں اور احکام عوام کے تعاون سے عملی اقدام کریں تو اصلاح معاشرہ ایک یقینی امر ہوسکتا ہے۔

سیرت النبی ﷺ کا ایک مقالہ نگار قمطراز ہے "اسلامی نظام عمل کے نفاذ کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم نہ صرف عوام کو ذہنی طور پر اسے قبول کرنے کے لئے تیار کریں بلکہ نفاذ قانون کے تمام اداروں کے کارکنوں کو بھی تربیت دیں تا کہ وہ عملی طور پر اسے من و عن کامیاب بنا کر مثالی معاشرے کی تشکیل و تکمیل کریں(۹)۔

"مغربی اور قرآنی تہذیب کا بنیادی" فرق کے زیر عنوان غلام احمد پرویز رقمطراز ہیں۔ قرآن کا نظام ہی انسانی معاشرہ کو صحیح خطوط پر رکھ سکتا ہے اور انسانی خودی کو ارتقاء شرف انسانیت کی منازل طے کراتا ہوا اس زندگی سے ارفع و اعلیٰ زندگی بسر کرنے کی صلاحیت بھی عطا کرتا ہے(۱۰)۔ افراد میں روشن خیالی اور اعتدال پسندی پیدا کرتے ہوئے انہیں بلند تر زندگی کی ترغیب کے لئے لازم ہے کہ وہ اس بارے میں تعلیمات نبوی ﷺ سے آگاہ ہوں۔

تزکیہ نفس

اصلاح معاشرہ کے لئے تزکیہ نفس کی حکمت عملی سے جدید دور کے بگڑے ہوئے معاشرہ میں فردکی اصلاح کا اہتمام عصر حاضر کا تقاضا ہے چونکہ معاشرہ میں بگاڑ و فساد دراصل انفرادی طور پر افراد کے عدم تزکیہ نفس و طہارت کا نتیجہ ہے۔ تزکیہ و طہارت کے لئے تعلیمات نبوی ﷺ کے مطابق ارکان اسلام کی صورت میں جامع نظام موجود ہے۔ مقالات سیرت کے مقالہ نگار پروفیسر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں "انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل نو کے لئے حضور ﷺ نے اسلام کے ارکان کا نظام پیش کیا جس نے قوموں کو مرنے کے بعد زندہ کیا اور ایسا زندہ کیا کہ انہوں نے دوسری قوموں کو زندہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے اسلام کے ارکان خمسہ کلمہ، توحید، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی تعلیم دی"۔

لیکن عصر حاضر کا یہ سنگین مسئلہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے مرکزی رکن زکوٰۃ سے مکمل اعماض برتا ہے جس کے باعث وہ عدم تزکیہ وطہارت کی حالت میں ہیں۔ یہ نحوست اور نجاست کی ایسی حالت ہے جس میں غربت و دولت کا تسلط ناگزیر ہوتا ہے۔ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ جملہ ارکان اسلام کو بالعموم اور زکوٰۃ کو بالخصوص مسلمانوں کی حیات نو کے لئے متعارف اور نافذ کرنے کا اہتمام ہو۔(۱۱)۔

اجتماعیت

اسلام میں اجتماعی عدل کا مزاج واضح کرتے ہوئے سید قطب شہید رقمطراز ہیں ''اسلام کے پیش نظر پوری انسانی زندگی کو ایک سانچے میں ڈھالنے کا کام تھا۔ اس لئے نہ تو اس کی اصلاحی کوششیں الل ٹپ رہی ہیں اور نہ اس نے ہر مسئلہ کے لئے الگ الگ علاج تجویز کئے ہیں'' سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں متعین کرنا عصر حاضر کا اہم تقاضا ہے۔

اعتدال معاشرہ کی تشکیل کے حوالہ سے اصلاح تمدن کے لئے حضور ﷺ کے نصب العین کے بارے میں نعیم صدیقی لکھتے ہیں ''یہ بات نہایت ہی صاف ہے کہ دعوت حق کا منشاء انسانی زندگی کو نظام قسط کے سانچے میں ڈھالنا اور تمدن میں عدل وتوازن پیدا کرنا ہے۔ اس آیت (الحدید:۲۵) میں متصلاً آہنی اسلحہ کو بھی اسی مقصد کے لئے استعمال کرنے کا ارشاد موجود ہے''۔ عصر حاضر میں روشن خیالی اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل کے لئے وہی طریقہ قسط عصر حاضر کا تقاضا ہے جو حضور ﷺ نے اختیار فرمایا(۱۳)۔

عصر حاضر کا چیلنج

عصر حاضر کا چیلنج اور اس کے جواب کی شرط کے زیر عنوان ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں ''اسلام کی طرف سے اس چیلنج کے جواب کا دعویٰ صرف اس کو سزاوار ہے جو تکمیل دین کے معنی سمجھتا ہے''(۱۴)۔

آپ مزید لکھتے ہیں ''اگر مسلمان عصر حاضر کے چیلنج کا جواب سننے کا ارادہ رکھتے ہوں تو سب سے پہلے ان موثرات کا تدارک کریں جن کی بدولت دینی فکر میں اختلال پیدا ہوا ہے''(۱۵)۔

مسئلہ غربت

روشن خیالی اور اعتدال معاشرہ کی تشکیل کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ مسئلہ غربت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان دعاؤں کے ذریعے غربت سے نجات طلب کی۔

۱۔ (اللھم انی اعوذبک من الفقر والقلة والذلة (میں فقروفاقہ اور قلت وذلت سے تیری پناہ چاہتا

ہوں) (۱۶)۔

۲۔ **الھم انی اعوذبک من الفقر والکفر** (اے اللہ! میں کفر اور فقر و فاقہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں)(۱۷)۔

(اس حقیقت کے پیش نظر کہ فقر و فاقہ اپنے ساتھ کفر بھی لایا کرتا ہے۔) آپ ﷺ نے ایسے اعتدال پسند اور روشن خیال سماج کی تشکیل فرمائی جس سے فقر و فاقہ کے سدباب کے باعث کفر کی ترویج کے امکانات کم سے کم تر ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ معدے کی آواز ضمیر کی آواز سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ غربت کے دباؤ کی شدت اور شخصیت پر اس کے اثرات آپ ﷺ نے ان الفاظ میں واضح فرمائے۔

خذو العطاء مادام عطاء فاذا صاء رشوة علی الدین فلا تاخذوه ولستم بتارکیه تمنعکم الحاجة والفقر (۱۸)۔ (عطیہ جب تک عطیہ رہے لے لو اور جب وہ دین کے خلاف رشوت بن جائے تو ہرگز نہ لو، مگر تم اسے چھوڑتے نظر نہیں آتے کیونکہ حاجت اور تنگ دستی تمہیں اسے چھوڑنے سے روکتی ہے) اعتدال پسند، روشن خیال اور صالح معاشرہ اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جب افراد کو بنیادی ضروریات زندگی کے ذرائع دستیاب خواہ وہ صدقہ کے طور پر ہوں یا زکوٰۃ کی صورت میں۔ ایک حدیث سے اس امر پر دلالت ہوتی ہے کہ ضرورت مند بدکار اور چور کو بھی مالی اعانت فراہم کی جائے تو وہ بدکاری اور چوری سے باز آسکتے ہیں (۱۹)۔

صالح اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل اور امن و سلامتی کے لئے فقر و فاقہ کو خطرناک ہونے کے بارے میں ڈاکٹر یوسف القرضاوی لکھتے ہیں، (حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے میں حیران ہوں کہ جس شخص کے گھر کھانے کے لئے خوراک نہیں وہ کس طرح اپنی تلوار سونت کر لوگوں کے خلاف نکل کھڑا نہیں ہوگا جب وسائل کی غلط تقسیم اور مالداروں کی جانب سے غریب طبقہ سے ظلم و زیادتی ہو اور اور سوسائٹی میں اکثریت کے مفاد کو نظر انداز کر کے اقلیت گلچھرے اڑا رہی ہو تو غریب طبقہ میں فقر و فاقہ کے باعث اضطراب و اشتعال پیدا ہوتا ہے اور لوگوں میں باہمی اخوت و محبت کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں (۲۰)۔

روشن خیالی کی اساس

تعلیمات نبوی ﷺ کی رو سے فقر و فاقہ کے سدباب کی خاطر جو ضابطہ مقرر ہے، یہ ضابطہ اس مسئلہ کا عارضی یا سطحی حل نہیں ہے بلکہ یہ ایک دائمی انتظام ہے اور اسے اساسات دین میں مرکزی مقام حاصل ہے اور اس انتظام کے باعث غرباء

مساکین کو معاشی تحفظ کی ضمانت فراہم ہوتی ہے۔ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں ''زکوٰۃ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے مالوں اور حکومت وقت کی ذمہ داریوں میں فقراء ومساکین کے حقوق کی ضمانت دی ہے(۲۱)۔

احادیث نبوی میں واضح کیا گیا ہے کہ جو لوگ زکوٰۃ دینا چھوڑ دیتے ہیں وہ بھوک اور قحط میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان پر آسمان سے رحمت کا نزول بند ہو جاتا ہے قہر خداوندی کا سبب بننے والے مجرمین قانونی طور میں سزا کے مستحق ہیں چنانچہ جناب یوسف القرضاوی لکھتے ہیں اور اولوالامر کے لئے جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کے آدھے مال کو بحق سرکار ضبط کرلیں یہ ایک قسم کی مالی سزا ہے جو حاکم وقت بوقت ضرورت دے سکتا ہے تاکہ وہ زکوٰۃ چوروں کو سیدھا کر سکے(۲۲)۔

مبنی بر زکوٰۃ کفالت اجتماعیہ سنت نبویؐ کا تسلسل اور خلفائے راشدین کا جامع اور مستند طریقہ ہر دور کے لیے حسب ذیل قابل عمل نمونہ ہے عصر حاضر میں مسلمانوں پر جو مسکنت مسلط ہو چکی ہے وہ مبنہ طور پر سیرت نبوی سے انحراف کا نتیجہ ہے وقت کا تقاضا ہے کہ ارشاد نبویؐ پر عملدرآمد کا اہتمام کیا جائے فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیلین من بعدی (یہ لازم ہے کہ تم میری سنت اور میرے بعد راست خلفائے راشدین کی سنت پر سختی سے عمل کرو)(۲۳)۔

ٹیکنالوجی کے دور میں Capital intersive نے افراد کے لیے روزگار کے مواقع محدود کر دیئے اس طرح مسکنت ومحرومی میں اضافہ ہو رہا ہے اس سے غربت کی ایسی صورتحال پیدا ہو رہی ہے جس سے مساکین کی زندگی خطرناک حد تک تلخ ہو چکی ہے۔اس سنگین صورتحال کا تقاضا ہے کہ احکام الٰہی کی تعمیل میں ترغیب برائے طعام مسکین کے لیے تعلیم وتحریک کا اہتمام ہونا چاہیے اس بارے میں جناب یوسف القرضاوی لکھتے ہیں'' قرآن مجید ہر مومن پر مسکن کا یہ حق ڈالا ہے کہ وہ دوسرے مومن لوگوں کو بھی مساکین کے خورد ونوش کا انتظام کرنے اور ان کے دیگر حقوق کا خیال رکھنے کی ترغیب دے'' (۲۴)۔عصر حاضر میں نظام زکوٰۃ کی ترویج ہیں اس کی حقیقت اور اہمیت سے علمی ہے وقت کا یہ تقاضا ہے کہ مسلمانوں کو ایک منظم تحریک سے زکوٰۃ کی تعلیم دی جائے۔

سعی برائے مساکین

روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی بہترین صورتحال وہ ہے جس میں حاجت مندوں کی حاجت برآری اور کفالت کے لیے سعی کا اہتمام کیا جاتا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے **الساعی علی الارملۃ والمسکین کالقائم لا یفطر وکالصائم لا یقطر** (بیواؤں اور مساکین کی خاطر سعی کرنے والا (عامل) اس شخص کی مانند ہے جو ایسا نمازی ہے (جس کی نماز میں) وقفہ نہیں اور ایسے روزے دار جیسا ہے جو افطار نہیں کرتا (۲۵)۔

لمحہ فکریہ

آنحضرت ﷺ نے دولت کی تقسیم کے لیے مبنی پر اعتدال جو سنت امت مسلمہ کے لیے مقرر کی تھی اسے اختیار کرنے سے مسلمانوں میں جو روشن خیالی پیدا ہوئی تھی اس کی ایک جھلک عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں نظر آتی ہے جب زکوٰۃ کے مستحق ڈھونڈنے سے نہیں ملتے تھے۔ لیکن اس سنت سے انحراف کے باعث تصویر کا دوسرا رخ عصر حاضر میں یہ نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ دولت کے کثیر حصہ پر قابض ہو چکا ہے جبکہ دوسرا طبقہ دولت غربت کی ادنیٰ سے لے کر نیچے زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے غیر معتدل معاشرہ میں یہ شرمناک اور خطرناک صورتحال پیدا ہو چکی ہے کہ تنگ دست افراد اپنے گردے فروخت کر کے جاگیرداروں اور زمینداروں کے قرضے اُتارنے کی مصیبت میں مبتلا ہیں (۲۶)۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حکام امراء، علما، اہل فکر و دانش کیلئے یہ لمحہ فکر ہے کہ زکوٰۃ کی صورت میں جن مستحقین کو مالی حق فراہم نہیں ہوا وہ مظلوم محتاج افراد غربت اور قرض کی مصیبت ہی میں گرفتار ہو کر گردے بیچنے پر مجبور ہو گئے ہیں عصر حاضر کا یہ تقاضا ہے کہ جملہ غرباء کو اُن کے حقوق فراہم کرنے کی خاطر ریاستی سطح پر سیرت طیبہ کی روشنی میں وہ انتظام کیا جائے جس کیلئے جملہ ''ذمہ داران'' مکلف ہیں۔ روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ اسی صورت میں تشکیل پذیر ہوگا جب سیرت طیبہ کے نمونہ کے تحت معاشی و معاشرتی عدل کا اہتمام کیا جائے جو اسلامی معاشرہ کی علامت ہے اگر ایسا نہ ہو سکے تو عدم تحفظ اور احساس محرومی جیسے نفسیاتی مسائل محروم طبقات میں نفرت اور ردعمل پیدا کرتے ہیں جو معاشرہ میں بگاڑ اور فساد کا باعث بنتے ہیں۔ خالد نذیر لکھتے ہیں۔

Socio economic justice should be hallmark of Muslim society to make the objectives of Zakat system achievable. Because if justice is not administed to people, a feeling of insecurity on their part erodes away the psychological foundations of society, exposing it to chaos and disiquitibium (27).

معاشی اور معاشرتی انتظام

متمول افراد کی فاضل دولت اور تجارتی اموال کی زکوٰۃ محروم اور مستحق افراد کو فراہم ہونے سے جہاں پیدائش دولت اور گردش دولت کیلئے مہمیز ثابت ہوتی ہے وہاں روزگار کے مواقع بھی پیدا ہوتے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی لکھتے ہیں۔

"Such wealth ought to be in productive enterprise which increases the general wealth of humankind and provide jobs for more people. To play wealth back in to production is one of the beneficial effects of Zakat. To insure this continuing production of wealth and hence more employment and more production of real wealth, that is, of goods and services Islam prohibits the charging of interest" (28)

سیرت طیبہ کی روشنی میں زکوٰۃ اور روزگار کے اس تصور کا ادارک اور اسے عملی شکل دیتے ہوئے عصر حاضر کا اہم تقاضا پورا کر کے ہی محروم طبقات کو اُن کے سلب شدہ معاشی حقوق فراہم ہو سکتے ہیں۔

سیرت نبویؐ کے مطابق زکوٰۃ کی ترویج سے قرآنی سوشلزم اور اخوت کو فروغ ملتا ہے۔ایسی صورتحال میں ایک طبقہ پر تسلط قائم نہیں کر سکتا۔محمد حسین ہیکل رقمطراز ہیں۔

"It is relatively easy to appreciate this Qur'anic socialism based upon brother hood and institutionalized in Zakat and charity. It does not allow one class to dominate another or one group to impose its will upon another" (29).

مبنی زکوٰۃ معیشت متعارف کرواتے ہوئے سوشلزم یا کیپیٹل ازم کی بھول بھلیوں میں بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیرت طیبہ کی روشنی میں قرآنی سوشلزم سے مستفید ہونے کے مواقع فراہم کرنا عصر حاضر کا تقاضا اور وقت کی پکار ہے۔

خلافت کا نمایاں عمل

آنحضرت ﷺ نے سلطنت کا جو نظم ونسق قائم کیا وہ حکومت الہیٰہ کی تاسیس کا ایسا نمونہ ہے جو تا قیامت مسلمانوں کے لئے واجب التقلید ہے۔علامہ شبلی نعمانی استخلاف فی الارض کی یوں وضاحت کرتے ہیں۔"فتح مکہ اسلام کی شہنشاہی کا پہلا دن تھا جو رمضان ۸ھ کا واقعہ ہے۔اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے قبائل میں محصلین زکوٰۃ کا تقرر فرمایا،لیکن خلافت الٰہی کے تمام اجزاء اواخر ۱۰ھ میں زمانہ حجتہ الوداع کے قریب تکمیل پائے"(۳۰)۔

تاسیس حکومت الٰہی میں اولین فریضہ جو ادا کیا گیا وہ طعام مسکین کا اہتمام ہے اس محکم بنیاد پر جو حکومت قائم ہوئی ہوا انتہائی

مستحکم ہوگئی اور مختصر وقت میں اس کی سرحدیں حیرت انگیز طور پر پھیل گئیں۔ ملکی انتظام اور عسکری کارروائیوں کے ساتھ ساتھ وہ عمل جس پر آپؐ نے خصوصی توجہ فرمائی وہ عاملین زکوٰۃ کی تقرری ہے شبلی نعمانی لکھتے ہیں'' یکم محرم ۹ھ کو آنحضرت ﷺ نے صدقہ وزکوٰۃ وصول کرنے کیلئے ہر قبیلہ کیلئے الگ الگ محصلین مقرر فرماتے جو قبائل کا دورہ کر کے لوگوں سے زکوٰۃ اور اخراج وصول کر کے آپ کی خدمت مبارک میں پیش کرتے تھے (۳۱)۔

(عصر حاضر میں مسئلہ غربت کا واحد حل یہ ہے کہ اسلامی ریاست کی حکومتیں سنت نبویؐ کے مطابق معاشی مساوات کا انتظام کریں تو ایسا معاشرتی ماحول پیدا ہوسکتا ہے جو حکومت الٰہی کی عکاسی کرتا ہو۔)

جنگ وجدل کی ممانعت

(آنحضرت ﷺ نے افراد اور گروہوں کو کسی بھی صورت طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مدمقابل افراد اور گرہوں کے خلاف برسرپیکار ہونے کی اجازت نہیں دی۔ اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے۔ عبدالحامد ابوسلیمان رقمطراز ہیں)۔

"The prophet never sanctioned the use of arms by Muslims individuals or groups against those who oppressed and persecuted them. He forbade Muslims to use arms even when people like Hamzah or Umar joined them in Makkah. By the same token, the Prophet prohibited the use of arms by individuals striving for justice or upholding what is believed to be good and right not even in the name of self defense. A person or a group who rebels against legitimate authority and commity aggression against the ummah's public order must be clearly indentified. This will unify the ummah and make it possible for the ligitimate authorities to subdue the rebellious element with minimum blood shed'1(32).

فلسفہ جہاد

عسکریت پسندی کے اس دور میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ سیرت طیبہ کی روشنی میں جہاد کا مفہوم واضح کیا

جائے۔ چنانچہ پیر کرم شاہ نے روشن خیالی سے فلسفہ جہاد واضح کرتے ہوئے لکھا کہ "اسلامی جنگیں نہ آتش انتقام کو ٹھنڈا کرنے کیلئے لڑی جاتی ہیں، نہ کسی قوم کی نسلی برتری کو ثابت کرنے کیلئے اور نہ ہی صنعتی اور تجارتی مفادات کی خاطر بلکہ یہ جنگیں صرف حق کی سربلندی کی خاطر لڑی جاتی ہیں" (۳۳)۔

"Universality of The Holy prophet's Message" کا مقالہ نگار رقمطراز ہے۔

" The Battle field was hamanized throuht the teachings of the Prophet. Jihad or war was raised to such a level of sanctity that any manifestation of the devil in man was turned in to a pious act of the highest godliness" (34)

غزوات نبوی کا عمیق جائزہ لینے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جہاد بالقتال کی حکمت عملی دراصل امن و آتشی کی خاطر تھی۔ حقیقت جہاد سیرت طیبہ کی روشنی میں سمجھی جا سکتی ہے۔ سیرت طیبہ کا نمونہ پیش نظر رکھے بغیر جو عسکری کارروائی ہوگی وہ انفرادی، گروہی یا ریاستی دہشت گردی سے مختلف کچھ نہ ہوگی۔ گروہی اور ریاستی دہشت گردی عصر حاضر کا کلچر بن چکے ہیں اور نوع انسانی کیلئے چیلنج بن گئے ہیں وقت کا اہم تقاضہ ہے کہ حقیقت جہاد واضح کرتے ہوئے دہشت گردی اور جہاد کا فرق اُجاگر کیا جائے۔ اور سیرت طیبہ کی روشنی میں دہشت گردی کے خلاف "جہاد" کا اہتمام کیا جائے۔ جو دراصل سعی برائے امن ہے اور جس کا بہترین طریقہ دعوت و تبلیغ ہے۔

اجماع واجتہاد

معاملات زندگی میں دین کی سمجھ بڑی اہمیت کی حامل ہے اس سلسلہ میں اجتماعی دانش یعنی اجماع اور اجتہاد زندگی کو متحرک رکھنے اور ہر دور کے تقاضوں کے مطابق فکر و عمل کی تعین کی بہترین حکمت عملی ہے۔ تعلیمات نبویؐ سیرت طیبہ اجماع اور اجتہاد پر دلالت کرتی ہیں۔ معروف سکالر احمد حسن لکھتے ہیں۔

" Modern researches of the early period show that Ijma in pre-shafi' period was an on-going process, liable to be changed with the change of condition" (35).

قبل شافعی دور کی مانند مابعد دور کیلئے بھی معاشی، سیاسی اور معاشرتی معاملات کی درست تفہیم اور موافقت عصر اور معاشرہ کی

تشکیل جدید کی خاطر اجماع اور اجتہاد کی اشد ضرورت ہے۔ جمود زدہ مسلمانوں کو تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں متحرک کرنے کی خاطر اجماع و اجتہاد سے آگاہ کرنا عصر حاضر کا اہم تقاضا ہے شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔ ''ملت اسلامیہ میں تمام راستوں میں وہی راستہ عمدہ اور پسندیدہ ہے کہ جمہور روایت اور علما نے اسی پر اتفاق کر لیا ہو اور دونوں طریقے اسی میں جمع ہو گئے ہوں'' (۲) اجماع اور اجتہاد روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل کی محکم اساس ثابت ہو سکتے ہیں۔ (۳۶)۔

جاہلیت کے آثار

عصر حاضر کی جاہلیت میں جاہلیت اولیٰ کے جو عناصر موجود ہیں تعلیمات نبویؐ پر عملدرآمد کرتے ہوئے یہ ترک کئے جانے چاہیں آپؐ نے فرمایا، ''کل دم و مال کان فی الجاہلیہ تحت قدمی'' (دور جاہلیت میں جو خون بہایا یا مال کسی پر عائد ہوتا تھا وہ میرے قدموں تلے ہے) (۳۷)۔ جاہلیت کا ہر سود ختم کیا جاتا ہے نسائی، کتاب ۲۲، باب ۵) ظلم و جبر کیلئے جو قرض دے کر مقروضوں کو محکوم و مجبور بنایا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں ارشاد نبویؐ ہے ''کل دین فی الجاہلیہ موضوع'' (۳) (دور جاہیت کا ہر قرض ترک کیا جاتا ہے) (۳۸)۔

امن کے معاہدے

عہد حاضر مفادات کی جنگ لا طائل کا دور ہے جنگ اور جوابی جنگ کا متناہی سلسلہ ختم کرنا، وقت کا ایک تقاضا ہے یہ امر نوع انسانی کے مفاد میں ہے کہ مفادات کی جنگ بندی کر کے بقائے باہمی اور امن و آشتی کی خاطر ''میثاق مدینہ'' کے نمونے پر اقوام عالم امن کے معاہدے کریں۔ میثاق مدینہ کے بارے میں مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔ ''دستور مملکت کو عام قوانین سے علیحدہ تحریری صورت میں لانا، اس کی نظیر باوجود تلاش کے مجھے عہد نبویؐ سے نہیں مل سکی'' (۳۹)۔ نکلسن رقمطراز ہیں: بظاہر یہ محتاط اور دانشمندانہ اصطلاح ہے (لیکن) درحقیقت یہ ایک انقلاب ہے'' (۴۰) دور جدید میں افراد، جماعتوں اور قوموں میں جو آویزش ہے اسے میثاق مدینہ کی روح کے مطابق صلح اور اخوت کی خاطر "Live and let live" (جیو اور جینے دو) کی پالیسی اختیار کرنے سے ہی جنگ در جنگ کا سلسلہ بند ہو سکتا ہے۔ یہ امر باعث ندامت ہے کہ مسلمانوں کی فرقہ وارانہ چپقلش اور دہشت گردی اور جوابی دہشت گردی نے مسجد جو عبادت اور امن کا گہوارہ تھا اسے میدان کارزار اور مقتل بنا دیا ہے اور یہ صورتحال پیدا ہو چکی ہے کہ پولیس کی نگرانی میں نماز ادا ہوتی ہے۔ یہ فساد فی الارض اُسی صورت میں ختم ہو سکتا ہے جب تعلیمات نبویؐ کے مطابق روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا ماحول پیدا کیا جائے۔ اس کیلئے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پیش نظر رکھنا ہوگا۔ '' **ولا تقتلو النفس التی حرم اللہ** '' (۴۱) (ایسی جان جسے اللہ نے محترم

قرآنی تعلیمات فرقہ واریت اور دہشت گردی کے ان چیلنجوں کا مقابلہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ان کے محرکات و مؤثرات کا سدباب کیا جائے اور ان کے محرکات کا ازالہ کیا جائے تو یہ غیر مؤثر ہو جائیں گے۔ دور حاضر کا معاشرہ جو میت اور تنگ نظری کی عکاسی کر رہا ہے۔

مصالحت کی عمدہ مثال

عہد حاضر میں مسلمانوں کی جن گمبھیر مسائل کا سامنا ہے ان میں فرقہ واریت اور جنگ و جدل کے مسائل بہت نمایاں ہیں۔ ان مسائل کا حل سنت نبوی میں موجود ہے۔ آنحضرت کی امن پسندی اور صلح جوئی کے طرز عمل کا ایک نمونہ صلح حدیبیہ کی صورت میں موجود ہے جو "فتح مبین" کے طور پر قیامت تک مسلمانوں کیلئے قابل تقلید نمونہ ہے۔ عہد حاضر کا اہم تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے بیچ امن و آشتی اور مصالحت کیلئے یہ نمونہ متعارف کروایا گیا ہے۔

امن و آشتی کی خاطر صلح حدیبیہ اور اس کی شرائط روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی خاطر فقید المثال اقدام ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ اس پر خیال آرائی کرتے ہیں "حدیبیہ میں قریش کو یہودیوں کے متعلق غیر جانبدار رہنے پر آمادہ کر دینا وہ زبردست سیاسی اور سفارتی کامیابی تھی کہ اس کے متعلق قرآن مجید کا یہ دعویٰ "فتح مبین" ذرہ بھی مبالغہ آمیز نظر نہیں آتا (۴۲)۔

فتح مکہ کے موقع پر "لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء" کے تاریخی الفاظ میں اعلان عام عفو و درگزر اور مصالحت پسندی کا فقید المثال نمونہ ہے۔

اس سلسلہ کی اہم کڑی خطبہ حجۃ الوداع ہے جو مثالی معاشرہ کی تشکیل کیلئے انتہائی اہم دستاویز ہے۔ جس میں آپ نے عورتوں اور غلاموں کے حقوق، مساوات، صلح جوئی، جاہلیت اور جہالت کی رسوم سے دستبرداری، ریاضی نظم کے بارے میں ہدایت دی (۴۳) عہد حاضر کے معاشی اور سیاسی تقاضے اس خطبہ کی روشنی میں پورے کیے جاسکتے ہیں۔

عہد حاضر کیلئے بہترین نمونہ

عہد حاضر جو "خیر القرون قرنی" کے بلند ترین معیار سے بہت نیچے ہے اس کا اہم تقاضا اُس "بہترین نمونہ" کی جانب مراجعت ہے جو روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے لحاظ سے ایک جامع نظام فکر و عمل کا عکاس تھا "خیر القرون" میں توحید تو ہے شرک نہیں، امن تو ہے بدامنی نہیں، مساوات تو ہے، عدم مساوات نہیں جس میں حاکم قانون کی پابندی کرتا ہے جس میں غریب کا استحصال نہیں ہوتا۔ جس میں جملہ خوبیاں ہیں اور خامی کوئی نہیں عصر حاضر میں خیر القرون کے برعکس صورتحال پائی جاتی ہے اس تکلیف دہ اور خطرناک صورتحال کی خاطر اس سے استفادہ کرنا مسلمان فرد و معاشرہ کے مفاد میں ہے۔ ڈاکٹر

حمیداللہ نے نبی کریم ﷺ کے اس نمونہ حیات کے بارے میں یوں خیال آرائی کی ہے۔

" He bequeathed to posterity, ■ religion of pure monotheism, he created ■ well-disciplined state out of the existent chaos gave peace in place of the war of every body against every body else; he established ■ harmonious equlibirum between the spiritual and the temporal, between the Mosque and the citadel; he left a new system of law, which dispensed impartial justice, in which even the head of the state was as much a subject to t as any commoner, and in which religious tolerance was so great that non-Muslim in-habitants of Muslim conutries equally enjoyed complete juridical, and cultural autonomy. In the matter of the revenues of the state, the Qur'an fixed the principles of budgeting, and paid more thought to the poor than any body else. The revenues were declared to be in no wise the private property of the head of the state; Above all, the Prophet Muhammad set a noble example and fully practised all that he taught to others" (44)

سیاسی منشور

روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل کیلئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منشور عطا کیا ہے۔ سیرت طیبہ سے اس منشور پر عمل درآمد واضح ہوتا ہے اس سیاسی منشور کی نشاندہی قرآن حکیم کے ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ (۴۱) (وہ لوگ کہ اگر تم انہیں زمین موافق مکانیت عطا کریں تو وہ اقامت صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا اہتمام کریں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں اور اللہ ہی کیلئے ہے سب معاملات کا انجام) اس کی وضاحت کرتے ہوئے، سید محمد نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں۔ ''اس میں خبر دی گئی ہے کہ آئندہ مہاجرین کو زمین میں تصرف عطا فرمانے کے بعد ان کی

سیرتیں ایسی پاکیزہ رہیں گی اور وہ دین کے کاموں میں اخلاص کے ساتھ مشغول رہیں گے۔ اس میں خلفائے راشدین، مہدیین کے عدل اور ان کے تقوی اور پرہیزگاری کی دلیل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمکین وحکومت عطا فرمائی سیرت عادلہ عطا کی''(۴۶)۔

اصلاح معاشرہ اور تشکیل ریاست کیلئے اس آیت میں جو چار نکاتی منشور بیان کیا گیا ہے یہ اسلامی ریاست کے منشور کا اصول عمل (Inex) ہے۔ منشور ریاست کا یہ اصول عمل قلوب واذھان میں تعلیمات نبویؐ نے راسخ کر دیا تھا۔ صحابہ کرام اس منشور کی حقیقت سمجھتے تھے اور اسکے نافذ العمل ہونے کے متمنی تھے۔ اسی کی خاطر انہیں حکومت عطا ہوئی تھی، عصر حاضر کے مسلمان حکام اور عوام یہ منشور اختیار کر لیں تو یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل کر سکتے ہیں اور اسی کی برکت سے ایسی اسلامی ریاست کا قیام بھی عمل میں آ سکتا ہے، جس میں ''اقتدار اعلیٰ'' موجود ہو۔ عصر حاضر میں یہ سیاسی منشور اختیار کرنا مسلمانوں کیلئے لازم ہے جو یہ منشور ترک کر کے پسماندگی، درماندگی اور کمزوری کی علامت بن چکے ہیں اسے اجتماعی طور پر اپنانا وقت کا اہم تقاضا ہے۔

پاکستان کی بقا کیسے ممکن ہے؟

درج بالا عنوان کے تحت ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی فکر انگیز تحریر کے چند الفاظ یوں ہیں۔

''ان آزاروں کا علاج یوں ممکن ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب تلاوت کو دور مابعد رسالت میں امت مسلمہ کو زوال سے نکالنے کا صحیفہ انقلاب سمجھا اور مانا جائے۔ قرآن مجید مقصود بعثت کو پانے کی'' **اھدنا الصراط المستقیم** '' کی دعا کے جواب میں نازل ہوا تھا اور ایک دفعہ انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی سطح پر اس کی عطا کردہ ہدایت سے انقلاب لایا جا چکا ہے۔ اب بھی اس سے ان مسائل کا حل طلب کیا جا سکتا ہے(۴۷)۔

اس نشاندہی کے مطابق سیرت طیبہ کی روشنی میں ایک ماڈل ٹیسٹ کے طور پر پاکستان میں معاشرہ کی تشکیل نو کیلئے معاشرتی اور سیاسی سطح پر اصطلاحی تحریک سے عصر حاضر میں معاشرتی، معاشی اور سیاسی تقاضے سیرت طیبہ کے مطابق پورے ہو سکتے ہیں اور روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل ہو سکتی ہے ہے پاکستان کی بقا اور تعمیر وترقی کیلئے بہترین حکمت عملی ہو گی۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کی تشکیل کیلئے احکام الٰہی کے بارے میں آگہی کا اہتمام ضروری ہے۔

اور احکام الٰہی کے نفاذ اور ترویج کا موثر طریقہ دعوت و تبلیغ اور تصور احتساب ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دعوت و تبلیغ سے اسلامی نظام کے نفاذ کا آغاز فرمایا تھا اور اس کی جزئیات واضح کرتے ہوئے اسلامی ریاست میں احکام الٰہی نافذ کر کے قیامت تک کیلئے بہترین نمونہ قائم فرما دیا۔

معروف و منکر کے اہتمام کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے " **وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ** (۴۸) تم میں ایک جماعت ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)

ارشاد نبوی ﷺ ہے

والذی نفسی بیده تامرون بالمعروف تنهون عن المنكر اوليو شكن الله ان يبعث عليكم عذابا منه فقد عون فلا يستجب لكم " (۴۹)۔(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو ورنہ وہ وقت دور نہیں کہ خدائے تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کر دے اس وقت تم اس سے دعا کرو گے لیکن تمہاری دعا نہیں سنی جائے گی)

آیت کے حوالے سے امام غزالی لکھتے ہیں۔ " **قال ولتكن منكم امة فاذا منها جقام به واحد او جماعة سقط الحرج عن لآ خرين** " (۵۰) (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں ضرور ایک جماعت ہونی چاہیے پس جب کوئی شخص یا جماعت یہ فرض انجام دے دے تو دوسروں کی ذمہ داری ساقط ہو جائے گی۔

اُسوہ حسنہ

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام محض الفاظ کی صورت میں ہی نہیں پہنچایا بلکہ اسے اپنی ذات پر نافذ کر کے انسانیت کو دکھایا اور پہنچایا۔ مبلغ محتسب کی حیثیت سے آپ ﷺ کا یہ کردار فقید المثال نمونہ ہے۔ ڈاکٹر اسماعیل الفاروقی نے ان الفاظ میں وضاحت کی ہے۔

" Muhammad was not there fore merely the messenger who conveyed the message of his lord verbatin. He concretized, particularized, and specified the divine message. God had prepared him for the task, and his people never knew of a single flaw in his character. Hence it says in

the Quran that Muhammad's conduct stands par excellence as the example for Muslim emulation. Muslim believe that two singular merits are there fore by his divine arrangement: verbatism delivery of the message and its concretization in life. "(51).

جس کی دعوت دی جائے اس پر پہلے خود عمل کر کے دکھایا جائے۔ یہ اصطلاح معاشرہ کا مؤثر اور بہترین طریقہ ہے۔فرد و معاشرہ کیلیے روشن خیالی اور سیرت سازی تشکیل معاشرہ کا نبوی ﷺ انداز بہترین نمونہ اور مثال ہے۔ محمد حسین ہیکل نے اس فقرہ میں گویا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا۔

"Muhammad's example was the best application of islamic civilization as elaborated in the Quran" (52).

سلسلہ، نبوت کی آخری کڑی میں جو شخصیت ہے۔ وہ جملہ پہلوؤں میں بہترین نمونہ ہے ڈاکٹر مصطفیٰ کیلک (Dr. Mustafa Kilic) نے اپنے مقالہ "The Holy Prophet (P.B.U.H) As an Idial Person" میں سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔

"Muhammad (P.B.U.H) as a banner of this chain which is becoming more and more magnificient. He is the real banner of this chain confirmed thad he had beautiful pattern for men by saying" You have indeed as the apostle of God a beautiful pattern (of conduct) and God invited people to select him as an ideal by saying" so take what the apostle assigns to you deny your selves that which he withhold form you." (53)

آنحضرت ﷺ کے طور اطوار اور اخلاق کے بلند معیار کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔ ''وانک لعلی خلق عظیم'' (بیشک آپ اخلاق کے بڑے مرتبہ پر ہیں) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے سید نعیم الدین مراد آبادی قمطراز ہیں۔ ''جس قدر کمالات امکان میں ہیں سب علی وجہ الکمال عطا فرمائے، ہر عیب سے ذات عالی صفات کو پاک رکھا'' (۵۴)۔

پسماندہ اسلامی ممالک کا یہ بڑا مسئلہ ہے کہ ان ممالک کے عمال مالی باضابطگیوں، لوٹ کھسوٹ اور کرپشن کا

ارتکاب کرتے ہیں۔ سب سے زیادہ شرمناک معاملہ یہ ہے کہ عمال حکومت زکوٰۃ پر بھی ہاتھ صاف کرتے رہتے ہیں۔ سیرت طیبہ سے بیگانگی، لاعلمی اور نفس پرستی کی اس صورتحال میں ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل میں حکام سدراہ ہیں۔ یہ سنگین مسئلہ ہے کہ بعض اوقات حکام اپنی رعایا کی فلاح کی بجائے، ذاتی مفادات کی خاطر ملک قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

یہ ذہنی پستی اور نفس پرستی کی بدترین صورتحال ہے اور یہ روشن خیالی اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل میں بھی رکاوٹ ہے۔ اصلاح احوال کی گنجائش ہر وقت رہتی ہے اگر مقتدر طبقات سیرت طیبہ کے تحت اپنے فکر و عمل کا تعین کرلیں تو عصر حاضر میں روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ تشکیل ہوسکتا ہے۔

اختتامیہ

درج بالا نگارشات میں واضح کیا گیا ہے کہ دور جدید میں نوع انسانی کی انفرادی و اجتماعی سطح پر جو معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسائل درپیش ہیں اُن کا سبب تعلیمات نبویؐ سے انحراف ہے سیرت طیبہ شمع ہدایت (Pole Star) روشنی کا مینار اور روشن خیالی کا سرچشمہ ہے جس سے عصر حاضر میں یہ راہنمائی ملتی ہے کہ روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل کیلئے افراد کی ذاتی نمائش (Self Projection) اور "Hero Worshiping" کی بجائے اداروں کی مضبوطی اور استحکام ضروری ہے۔ یہ عصر حاضر کا اہم تقاضا ہے!

مراجع

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز، جز۱۳، ص۲۳۱

۲۔ مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ بیروت، ص۴۹

۳۔ بنی اسرائیل: ۱۷

4. (Theroies of Islamic law: Imran Ihsan Khan Nyazee, Islamic Research institute and International Institute of Islamic Thought (IBSN-969-408-156-4) Dulication No. 97,P. 235)

5. (Islam in Foucus: Hammudah Abdalati, Da' wah Academy International University Islamabad, P.34)

6. (IBID,P.36)

۷۔ خلافت وملوکیت ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن ۱۹۸۲، ص۳۲

۸۔ نحل: ۹۰

۹۔ مقالات سیرت: قومی سیرت کانفرنس وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۸، ص ۱۸۷، ملک محمد اشرف کا مقالہ بعنوان ''اسلام کا نظام، عدل واحسان اور برائیوں کا انسداد

۱۰۔ سلیم کے نام، ج ا، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۹۰، ص ۶۳

۱۱۔ مقالات سیرت دسویں قومی سیرت کانفرنس، ۱۹۸۶ وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان اسلام آباد ص ۶۷

۱۲۔ اسلام میں عدل اجتماعی: سید قطب شہید، اسلامک پبلیکشنز لاہور، ۱۹۷۷ ص ۸۱

۱۳۔ محسن انسانیت: نعیم صدیقی، اسلامک پبلیکشنز لاہور ۱۹۸۲ ص ۳۲

۱۴۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل: ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، ادارہ ثقافت لاہور، ۱۹۸۹ ص ۹۱

۱۵۔ ایضاً ص ۹۴

۱۶۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ

۱۷۔ ابوداؤد

۱۸۔ ایطرانی

۱۹۔ البخاری

۲۰۔ اسلام اور معاشی تحفظ: یوسف القرضاوی، البدر پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۷۸، ص ۲۰

۲۱۔ اسلام اور معاشی تحفظ، محولہ بالا ص ۶۹

۲۲۔ اسلام اور معاشی تحفظ، محولہ بالا، ص ۷۵

۲۳۔ ابوداود، ترمذی

۲۴۔ اسلام اور معاشی تحفظ، محولہ بالا ص ۱۳۵

۲۵۔ صحیح بخاری، باب النفقات

۲۶۔ بی بی سی نے میزان پروگرام 14 نومبر 2004ء میں پاکستان میں گردے کے کاروبار پر تبصرہ کیا ہے۔ جو انٹرنیٹ پر موجود ہے۔

27- (The Zakat law: Khalid Nazir, Ammar Publications Islamabad, 2002, P.235.)

28- (1. (Islam: Isma'il, R-AL- Faruqi, orgus comunications, Niles, U.SA, P.57.)

29. /(2.(The Life of Muhamad: Husayan Haykal, North American Trust Publications)(ISBN 0-89259-002-5,) P.549.

۳۰۔ سیرت النبیؐ: حضرت علامہ شبلی نعمانی، محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، کراچی، 1937، ص ۵۸

۳۱۔ ایضاً، ص ۷۲

32. 1. American Journal of Social Sciences V8, Number 2 1991, P.XXX iii international institute of Islamic Thought.

۳۳۔ ضیاء النبیؐ: پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور ۱۴۱۸ھ ص 572

34. Universality of The Holy Prophet's Message; Professor A. Rehman I Doi,International Seerat Conferance, Organised by Ministry of Religious Affairs Govermment of Pakistan, 1985, P.31)

35. The Doctrine of Ijma in Islam: Ahmad Hussan, Islamic Research Institute internation Islamic University Islamabad, ISBN 969- 408-042-8, 2002K, P. 261.)

۳۶۔ حجۃ اللہ البالغہ: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، اسلامی اکادمی لاہور، ۱۹۷۷، ص ۳۴۷

۳۷۔ مسند احمد حنبل جلد ۲

۳۸۔ مسند احمد حنبل جلد ۲

۳۹۔ عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ ص ۷۵

۴۰۔ لٹریری، ہسٹری آف عزیز: نکلسن، ص ۱۷۳

۴۱۔ الانعام: ۱۵۱

۴۲ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی: محمد حمید اللہ، دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۴، ص ۱۱۴

۴۳۔ سیرت النبیؐ: شبلی، ج ۱، ص ۱۹۲

44. Introduction to Islam:

Dr. M. Hamidullah, Sh. Muhammad

Ashraf Pulishers, Lahore, 1974, P. 16)

۴۵۔ الحج ۲۲: ۴۱

۴۶۔ کنز الایمان معہ خزائن العرفان فی تفسیر القرآن: پاک کمپنی لاہور ص ۴۰۴۔

۴۷۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل، محولہ بالا، ص ۳۲۸۔

۴۸۔ آل عمران۔ ۱۰۴

۴۹۔ ترمذی، باب ماجاء فی الذمہ بالمعروف والنہی عن المنکر

۵۰۔ احیاء علوم الدین۔ ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، ج ۲، دار الکتب العربیہ الکبریٰ، مصر ۱۳۳۴ھ ص ۲۶۹



عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل وضرورت سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

(مولانا سعید احمد صدیقی (کراچی)

سُبحَانَہٗ ما اَعْظَمَ شَانَہٗ وَالصَّلوٰۃ والسَّلامُ عَلَی النَّبِیِ منہلٍ و منُسَجمِ اَمّا بعد.

رحمۃ للعلمین، خاتم النبین، ہادی عالم، نبی آخر الزماں علیہ الصلوۃ والسلام نے ہر شعبہ زندگی میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ ہمیں آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے اور عصر حاضر کے تقاضوں کی ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا اعتدال پسند اور روشن خیال اسلامی معاشرہ تشکیل دینا ہے، جو سب کے لئے قابل قبول ہو، جدید علوم و جدید ٹیکنالوجی کا حامل ہو، دنیا کے ہر علاقے کا فرد اس میں سما سکے، اپنے آپ کو اجنبی محسوس نہ کرے، آج فاصلے سمٹ چکے، نئی قدریں رواج پا چکی ہیں، دفاعی اور خود مختاری نقطۂ نظر سے یہ حقیقت ہے کہ "مابعد صنعتی انقلاب جن قوموں کے ہاتھوں رونما ہوگا وہی دنیا کی سب سے طاقتور اور بالا دست قومیں ہوں گی، بقیہ قوموں کی آزادی اور خود مختاری ان کی مرضی پر منحصر ہوگی"۔(۱) بقول علامہ سید سلیمان ندوی

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہم کو سرگرم شجاعانہ قوتوں کا خزانہ مل سکتا ہے، مگر نرم اخلاق کا نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاں نرم اخلاق کی بہتات ہے مگر سرگرم اور خون میں حرکت پیدا کرنے والی قوتوں کا وجود نہیں، اس دنیا میں ان دونوں قوتوں کی ضرورت ہے اور دونوں کی جامع اور معتدل مثالیں صرف ہمارے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم میں مل سکتی ہیں۔"(۲)

آج ہمیں مغرب سے ٹکرانے کے بجائے ان سے جدید علوم ان خطوط پر حاصل کرنے ہیں، جس طرح انہوں نے ہم سے تین صدیوں سے زائد عرصے میں حاصل کیا تھا اور ہمیں اپنے قول و فعل اخلاق و کردار، حکمت و بصیرت اور واعظ حسنہ سے پوری دنیا کے انسانوں کو یہ باور کرانا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کریم پوری دنیا کے انسانوں کا مشترکہ سرمایہ ہے۔(۳) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلمین (۴)

اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم کے لئے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا۔

خود قرآن کریم نے اپنے متعلق گواہی دی ہے۔

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ٥ (۵)

پاک ہے وہ ذات جس نے حق و باطل میں فرق کرنے والا قرآن اپنے بندے پر اتارا تاکہ وہ تمام انسانوں کو انجام سے ڈرائے۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو نہ تو صرف روحانیت پر زور دیتا ہے۔ اور نہ صرف مادیت پر، بلکہ وہ انسانوں کو روح اور مادہ دونوں ہی کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیتا ہے، اعتدال پسندی اور روشن خیالی کے ساتھ دنیا اور آخرت دونوں کی اصلاح کا طریقہ بتاتا ہے، قرآن کریم ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے اور ان کو مقتدیٰ و رہنما بتاتا ہے جن کی دعا یہ ہے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً . (٦)

اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھلائی بخش اور آخرت میں بھی۔

اسی اعتدال پسندی، روشن خیالی اور میانہ روی کی وجہ سے قرآن کریم نے ملت اسلامیہ کو ''**اُمَّةً وَسَطًا**'' (۷) کا خطاب دیا۔ ایک امیر یا ایک سربراہ مملکت کی حیثیت سے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے روشنی کا ایک مینار ہے، بلکہ ساری انسانیت کے لئے ایک آئیڈیل اور رول ماڈل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں ہمیں تدبر، مشاورت، عدل، دل نوازی، دل سوزی، سادگی، خدمت، ہمدردی اور ہر دلعزیزی کے وہ اصول اور پیمانے ملتے ہیں جو سربراہان و حکومت کے لئے رہتی دنیا تک سرچشمہ ہدایت رہیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے عالم کے انسانوں کو خود ساختہ قوانین کی غلامی سے نکال کر قانون الٰہی کی اطاعت و فرمانبرداری میں دے دیا۔ (۸)

آج ہمیں نہ صرف اپنے معاشرے سے بلکہ دنیا سے غربت، بھوک، افلاس، بیماری، بیروزگاری ختم کر کے انسانیت کو تحفظ دینا ہے، بلکہ عالمی برادری میں اپنے آپ کو منوانا ہے اور یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب ہم زمانے کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جدید علوم و ٹیکنالوجی کے حامل ہوں، ایک روشن خیال، اعتدال پسند معاشرہ تشکیل دے سکیں، افراط تفریط، انتہا پسندی، شدت و بے اعتدالی سے پاک ہو، کیونکہ یہ انسانیت کے لئے زہر ہلاہل ہے، ''سخاوت اور فیاضی سے بہتر کوئی چیز نہیں سارے مذاہب نے اس کی تاکید پر تاکید کی ہے جو جس قدر زیادہ لٹا سکے وہ اسی قدر تعریف کے قابل سمجھا گیا، اسلام نے اس راہ میں بھی بے اعتدالی سے پرہیز کیا اور اس کو اچھا نہیں سمجھا کہ دوسروں کو دے کر تم خود محتاج بن جاؤ'' (۹)

اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں کی اخلاقی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْ الَمْ يُسْرِ فُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْ ا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَاماً ٥ (١٠)

روشن خیالی، اعتدال پسندی، کتاب وحکمت کی تعلیم، لوگوں کی جان ومال کا تحفظ، امن وامان، حلم وبرداشت، بین الاقوامیت کا تصور بھی اسوۂ حسنہ ہے، یہی میرے آقا کی سیرۃ طیبہ ہے۔ مغربی دانشور جے ایچ ڈینی سن (J.H. Denison) رقمطراز ہے: ''پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری کے دہانے پر کھڑی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار سال کی مدت میں جس تہذیب نے بال و پر نکالے تھے اور وہ منتشر ہونے والی ہے اور انسان پر اس بربریت کی طرف لوٹ جانے والا ہے جس میں ہر قبیلہ وفرقہ ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرا ہو جائے اور امن وامان معدوم ہو جائے۔'' (۱۱)

آج ہمیں پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی روشنی میں نئے انداز میں سوچنا ہے، دنیا کے چیلنجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے نہ صرف اپنے آپ کو محفوظ بنانا بلکہ خدا کی پوری دنیا کی حفاظت کرنی ہے، حالی نے آج ہی جیسے پیش آنے والے واقعات پر کہا تھا۔

جو دین کہ ہم درد بنی نوع بشر تھا — دولت ہے نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے
اب جنگ و جدل چار طرف اس میں بپا ہے — اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ ونوا ہے (۱۲)

عصر حاضر کے تقاضے

ہر دور اور ہر زمانے کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، موجودہ دور ایک ایٹمی، تحقیقی اور عملی طور پر اپنے آپ کو منوانے کا دور ہے، دنیا کے اندر امتیاز حاصل کرنے کے لئے عالمی سطح پر ایسے کارنامے سرانجام دیئے جائیں جس سے خلق خدا کو فائدہ پہنچے اور دنیا کے سامنے مذہب اسلام کو اس کی حقیقی روح جو کہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی پر مبنی ہے کی صورت میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

حکمت وبصیرت کے ساتھ اسلام کا احیاء

فکر کے ساتھ اسلام کا احیاء کرنا ہے کہ مغرب اور عالمی برادری، اس کو امن وسلامتی اور معتدل مذہب کے طور پر سمجھیں بقول ایک جرمن مستشرق خاتون اینڈریا لوئیگ (Andrea Lveg) جو وہ اپنے ایک مضمون (The Rercepltion of Islam in Western Debete) میں پیش کرتی ہیں:

''مغرب اسلام کو ایک ایسے مذہب کے طور پر زیر بحث لاتا ہے جو اسلامی ممالک کے بے شمار سیاسی، ثقافتی اور سماجی مظاہر کا ذمہ دار ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ اسلام ایک مذہب کی حیثیت سے مغربی ممالک میں خوف پیدا کرتا ہے، مذہب کا وہ

خوف جو ہمارا خیال ہے کہ ہم نے اپنے روشن خیال معاشروں سے ختم کر دیا ہے۔(۱۳)

وطن عزیز کا دفاع

ہمیں فکر و دانائی کے ساتھ وطن عزیز کا دفاع کرنا ہے، اس کی حرمت و عزت پر کوئی آنچ نہیں آنے دینا ہے، حکمت و بصیرت، دانائی اور فکر کے ساتھ اپنے عظیم سرمائے سائنس و ٹیکنالوجی کا دفاع کرنا ہے، اپنی حاصل شدہ ایٹمی قوت کو اپنے طرز عمل سے گنوانا نہیں ہے، بلکہ اس کو نہ صرف بچانا ہے بلکہ مزید موثر بنانا ہے۔

مشترک سرمایہ

آج دنیا کو جس مذہب اور منشور کی ضرورت ہے، وہ روشن دین اسلام ہے"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول کتاب تمام نوع انسانی کا مشترک سرمایہ ہے، جس طرح خدا کی تمام مادی نعمتیں ہر فرد کے لئے عام ہیں، اسی طرح یہ روحانی نعمت بھی تمام مخلوق کے لئے عام ہے"(۱۴)

ہادی برحق نبی اخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِین. (۱۵)

اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کافۃ لِّلنَّاسِ بَشِیۡراً وَّنَذِیۡراً ہ (۱۶)

ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کے لئے انجام سے باخبر کرنے والا اور خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلۡ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعاً. (۱۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

قرآن کریم کا اعلان

خود قرآن مجید فرقان حمید اپنے بارے میں یہ اعلان کرتا ہے:

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا ہ (۱۸)

پاک ہے وہ ذات جس نے حق و باطل میں فرق کرنے والا قرآن کریم اپنے بندے پر اتارا تا کہ وہ تمام انسانوں کو انجام سے ڈرائے۔

عالمی برادری

آج عالمی برادری کی اصطلاح عام ہے، ہر فرد، قوم، ملک، عالمی برادری میں مقام حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہے، لیکن یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ عالمی برادری کا تصور کہ سب سے قرآن کریم نے پیش کیا:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۔ (۱۹)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قوموں اور خاندانوں میں سے اس لیے تقسیم کیا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار یہ اعلان فرمایا:

الناس کلھم من اٰدم واٰدم من تراب ۔ (۲۰)

''آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے بھائی چارہ کی وجہ اور سبب صرف یہی نہیں بتایا کہ ہم پوری دنیا ایک ماں باپ کی اولاد ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ یہ سب ایک ہی خدا کے بندے ہیں اور فرداً فرداً یہ سب اس رشتہ عبدیت میں جڑے ہوئے ہیں'' (۲۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **کونوا عباداللہ اخواناً ۔** (۲۲) اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ ۔اسلام محض عقل وضمیر کے اشتراک پر انسانی بھائی چارے کی بنیاد استوار نہیں کرتا بلکہ اس مادی دنیا میں بھائی چارہ کی بنیاد ورشتہ خون پر رکھتا ہے، وہ کہتا ہے سارے انسان جس طرح ایک خدا کی مخلوق ہیں۔ ''**الحق عیال اللہ**'' (۲۳) ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔اسی طرح وہ ایک ہی ماں کی اولاد ہیں، اور ان میں ایک ماں باپ کا خون رواں دواں ہے۔ مجیب اللہ ندوی رقمطراز ہیں: جس طرح ایک ماں باپ کے لڑکے بھی مختلف رنگ وروپ، قوت وصلاحیت اور مختلف عقل وضمیر کے ہوتے ہیں اسی طرح دنیا کے انسانوں میں رنگ ونسل اور قوت وصلاحیت کا اختلاف ہے، بہر حال ان سب میں کالے ہوں یا گورے ،عربی ہوں یا عجمی، یورپین ہوں یا امریکن ، ہندی ہوں یا جاپانی ،ان کی رگوں میں ایک ہی ماں باپ کا خون دوڑ رہا ہے۔'' (۲۴)

اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (۲۵)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا، پھر

دونوں کے ذریعے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا۔

اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ (٢٦)

خدا کی نشانیوں میں زمین و آسمان کو پیدا کرنا بھی ہے، اور مختلف زبانوں اور مختلف رنگ کے انسانوں کا ہونا بھی ان سب میں تمام عالم کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

شیخ سعدیؒ نے اسی تصور کو ان اشعار میں واضح کیا:

بنی آدم اعضائے یک دیگراند چوں بعضے زبعضے اگر کمتر اندر

چوں عضوے بدرد آید آزردگار دگر عضو ہارا نماند قرار (٢٧)

سارے انساں ایک دوسرے کے اعضا ہیں، جس طرح ان میں کوئی چھوٹا عضو ہے اور کوئی بڑا مگر جب کسی عضو میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو دوسرے اعضا بھی اس تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔

عصر حاضر کا سب سے اہم تقاضا

عصر حاضر کا سب سے بڑا اہم تقاضا یہ ہے کہ ہم روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرہ تشکیل دیں، اور سب کو ساتھ لے کر چلنے کا جذبہ رکھتے ہوں اور ہمارے اندر عفو و درگزر، تحمل و برداشت رواداری کے ساتھ تحقیق و جستجو کا مادہ ہو، ہر مسلمان اپنی جگہ چلتا پھرتا میڈیا ہو اور ہماری سوچ کا محور زمین اور زمین کے اندر آسمان اور اس کی وسعتوں اور حقیقتوں کی تلاش اور بحر و بر کا ہمارے لئے مسخر ہونا ہے۔

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (٢٨)

اور زمین و آسمان کی تخلیق میں غور کرتے ہیں:

وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ (٢٩)

اور ہم نے بحر و بران کے لئے مسخر کر دیئے۔

کا ہم صحیح معنوں میں مصداق بن سکیں۔ وطن عزیز اور عالم اسلام کا دفاع حکمت و بصیرت اور فکر و دانائی کے ساتھ کریں، کیونکہ جس طرح غلط فہمی کی بنیاد پر اور منفی پروپیگنڈے کے زور پر عالم اسلام کے خلاف منفی قوتیں سرگرم عمل ہیں، ہمیں

انتہائی تدبر اور ہوشمندی سے نہ صرف اسے زائل کرنا ہے بلکہ وطن عزیز اور عالم اسلام کو بچاتے ہوئے اسلام کو روشن، درخشاں اور اعتدال پسند مذہب کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔

معاشرہ معنی ومفہوم

(Socicity) کثیر التعداد بنی نوع انسان کی وہ جماعتی زندگی جس میں ہر فرد کے رہنے سہنے اور اپنی ترقی، حصول مقصد اور فلاح کے لئے دوسروں سے سابقہ پڑتا ہے اور جس ماحول لے فرد، بشر کو مفر ممکن نہیں، معاشرہ کہلاتا ہے۔(۳۰)

''انسان ایک معاشرتی حیوان ہے، یا یوں کہئے ہمیشہ سے مدنی الطبع ہے اور اپنی فطرت میں جماعتی زندگی کا محتاج ہے، بغیر اجتماعیت کے اس کی زندگی بے کار ہے، انسان اپنی پیدائش سے لے کر موت تک معاشرے کا محتاج ہے، اس کا جسم عقل اور خلق جیسے اہم عطیات بھی خالق کائنات، معاشرتی خلائق ہی کے لئے عطا فرماتا ہے۔(۳۱)

اسلام اپنا ایک مضبوط اور پائیدار نظام معاشرت رکھتا ہے، جس کے اصول وضوابط مستقل ومحکم ہیں، جس کا پورا مزاج عدل انصاف سے مرکب ہے، اور جس کے تمام اجزا باہم مربوط وہم آہنگ ہیں، یہ نظام ایسا جامع ہمہ گیر ہے کہ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں آجاتی ہیں، یہ انسان کے قلب وضمیر اور اس کے معاملات زندگی دونوں پر محیط ہے۔(۳۲) اسلام، معاشرے میں ہر فرد کی جداگانہ شخصیت کا قائل ہے، خدا کے سامنے ہر فرد کی ذمہ داری انفرادی ہے اور اسلامی معاشرے میں ہر فرد کی شخصیت کے تحفظ اور نشو ونما وارتقا کا پورا موقع ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا (۳۳)

جس کسی نے نیک کام کیا تو اپنے لئے کیا اور جس کسی نے برائی کی تو خود اس کے آگے آئے گی۔

ایک حدیث مبارک میں معاشرے میں بسنے والے ہر انسان کی زندگی کو اس ذمہ دار بتایا گیا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔ (۳٤)

تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

قرآن کریم نے ایک جگہ بڑی وضاحت کے ساتھ فرمایا:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔ (۳۵)

انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

روشن خیال، اعتدال اور جدت پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل: ایک ناگزیر تقاضا

اگر ہم بنظر غائر جائزہ لیں اور حقیقت پسندی کا مظاہرہ کریں تو یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اسلام ہمیں ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی ہر جگہ ترغیب دیتا ہے، ''روشن خیالی بذات خود ایک مستحسن جذبہ اور انسان کی فطری خواہش ہے اگر انسان کے اندر روشن خیالی نہ ہو، تو انسان پتھر کے زمانے سے ایٹم کے دور تک نہ پہنچتا، اونٹوں اور بیل گاڑیوں سے طیاروں اور خلائی جہازوں تک رسائی حاصل نہ کرتا، موسم کی شمعوں اور مٹی کے چراغوں سے بجلی کے قمقموں اور سرچ لائٹوں تک ترقی نہ کرسکتا۔(۳۶)

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مزید فرماتے ہیں: ''اسلام جو کہ ایک فطری دین ہے کسی روشن خیالی پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا، بلکہ بسا اوقات اسے مستحسن قرار دیتا ہے، اور اس کی ہمت افزائی کرتا ہے۔''(۳۷)

حافظ ابن جریر نقل کرتے ہیں کہ زراعات کی ترقی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کو زیادہ سے زیادہ کاشت کرنے کا حکم دیا اور پیداوار بڑھانے کے لئے یہ تدبیر بتائی کہ کھیتوں میں اونٹوں کی کھوپڑیاں استعمال کیا کریں ۔(۳۸) ایک اور حدیث ہے کہ تجارت کی ترقی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ کپڑے کی تجارت کیا کرو کیونکہ کپڑوں کا تاجر چاہتا ہے کہ لوگ خوشحال ہوں اور فارغ البال ہوں۔(۳۹) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد لوگوں کو تجارت کے لئے عمان اور مصر جانے پر آمادہ کیا۔(۴۰) زراعت اور معدنیات سے فائدہ اٹھانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا: **أُطلبوا الرّزقَ فی خبایا الارضِ۔(۴۱)**

یعنی زمین کی پوشیدہ نعمتوں میں رزق تلاش کرو۔

عرب کے لوگ بحری بیڑے سے نا آشنا تھے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرت کے ساتھ یہ پیشن گوئی فرمائی کہ ''میری امت کے کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لئے سمندری موجوں پر اس طرح سفر کریں گے جیسے تخت نشین بادشاہ۔(۴۲)

روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا اسلامی تصور

حقیقی روشن خیالی اور اعتدال پسندی قرآن وسنت کی مکمل اطاعت اور پاسداری سے عبارت ہے۔ ایمان، تقوی، عبادت، شریعت سے وفاداری، امت کے حقوق کی ادائیگی اور آخرت میں جوابدہی کا احساس وہ فراہم کرتے ہیں جس میں اسلام کی انصاف، اعتدال اور توازن پر مبنی مثالی تہذیب کی صورت گری ہوتی ہے، یہ ہدایت پر مبنی اور خواہشات نفسانی سے

پاک روشن خیالی اور اعتدال پسندی ہے یہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی اسلام میں معتبر ہے، اس کی بنیاد وہ دعا ہے جو ہر مسلمان نماز کی ہر رکعت میں اپنے رب کریم سے مانگتا ہے یعنی:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (٤٣)

اے رب! ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا، جو معتوب نہیں ہوئے، جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔

ہدایت کوئی مبہم اور غیر متعین شئے نہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے عبارت ہے اور روشنی کا اصل منبع بھی ہے یہی وجہ ہے کہ روشن خیالی کا ماخذ اس سے ہٹ کر کوئی دوسری شئے نہیں ہو سکتی اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا نور ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (٤٤)

اور اللہ تعالیٰ کی کتاب ہی انسانوں کو تاریکیوں سے نور کی طرف لاتی ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا۔ (٤٥)

اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل روشن آ گئی ہے اور ھم نے تمہاری طرف ایسی روشنی بھیج دی ہے جو تمہیں صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے۔

يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٤٦)

''تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی آ گئی ہے اور ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔'' واضح رہے کہ راہ راست بھی اعتدال کی راہ ہے۔

اعتدال پسندی اسلامی معاشرے کی اساس اور وقت کی اہم ضرورت

اعتدال پسندی اسلام کی بنیادی خصوصیت ہے۔ نیز راہ اسلام کی بنیادی نشانیوں میں یہ وہ اہم نشان راہ ہے، جسے

اللہ تعالیٰ نے دوسری ملتوں کے مقابلے میں امت مسلمہ کا وصف قرار دیا۔(۴۷) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۔ (٤٨)

اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو۔" پس امت مسلمہ وہ انصاف اور اعتدال پسند امت ہے، جسے صراط مستقیم سے دائیں بائیں ہٹی ہوئی گمراہی اور ضلالت کے خلاف دنیا اور آخرت میں گواہ بنا کر کھڑا کیا گیا ہے۔(۴۹) ایک روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرہ اسی وقت تشکیل پا سکتا ہے جب معاشرہ کا ہر فرد امن کے قیام، مملکت کے استحکام، پرامن بقائے باہم کے لئے تحمل و برداشت، عفو درگزر، حلم و بردباری اور رواداری کو فروغ دے، خطبہ حجۃ الوداع کے تاریخی موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَنِ ابن عمرؓ اَنَّہ سَمِعَ النبیَّ صلی اللہ علیه وسلم بقول : لا ترجعُنَّ بَعْدِیْ کفَّاراً یَضرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بعضٍ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

روشن خیال، اعتدال پسند

روشن خیال اور اعتدال پسندی نہ صرف یہ کہ بڑے خوش نما الفاظ ہیں بلکہ حقیقتاً یہ بڑے دل پذیر تصورات ہیں، اگر مسلم تہذیب وثقافت، معاشرت اور شریعت پر اسلام کے فکری، نظریاتی اور اخلاقی تناظر میں غور کیا جائے تو یہ اس دین اور تہذیب کی امتیازی خصوصیات میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ معاملہ عقیدے کا ہو یا عمل کا، فردکی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، عبادت ہو یا معیشت، حتیٰ کہ دوستی کے امور ہوں یا دشمنی اور جنگ کے، ان سب میں اسلام نے عدل کا حکم دیا ہے، جو کہ اعتدال اور رتوازن کی علامت ہے۔(۵۱) اسلام نے ہر سطح پر ہر اقدام کے لئے احتساب کی شرط لگائی ہے، جو شعور، اختیار اور روشن خیالی پر منحصر ہے اور تعصب، جہل اور جانبداری سے محفوظ رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے امت مسلمہ کو خیر امت وسط قرار دیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امور میں اعتدال پسندی اور وسط کی راہ کو بہترین راستہ اور طریقہ قرار دیا اور فرمایا: **خیر الاُمورِ اَوسَطُھا** یعنی امت مسلمہ کے لئے اعتدال پسندی اور اعتدال کی راہ اپنانے کی ہدایت فرمائی، قرآن کریم میں متعدد جگہ اعتدال پسندی کو امت مسلمہ کا خاص وصف قرار دیا۔(۵۲)

روشن خیال اعتدال پسند معاشرے کے تشکیل کیلئے تجاویز واقدامات

جان ومال کی حفاظت

ایک روشن خیال اعتدال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے سب سے پہلا اقدام یہ ہے کہ اس معاشرہ میں ہر ایک بلا تخصیص رنگ و مذہب اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہو، معاشرے کے ذمہ دار اس کی جان و مال کے تحفظ کے ذمہ دار ہوں، اسلام ہر انسان کی جان و مال کی حفاظت کی تاکید کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً وَمَنْ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعاً۔ (۵۳)

جو کسی متنفس کو قتل کرے بغیر اس کہ کہ مقتول نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد پھیلایا ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی متنفس کو زندگی بخشی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَذٰلِكَ الْمُسْلِمِ الذی لَه' ذمة الله ورسوله فَلَا تحفروالله فی ذمَتِهٖ۔ (۵٤)

پس یہ وہ مسلم ہے جس کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے، تو خبردار اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی دی ہوئی ضمانت میں غداری نہ کرو۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ الْمسلِمَ عَلیَ المسلمَ حَرام'' ذمه وماله ويمرُضهُ۔ (۵۵)

مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔

اسی طرح اسلامی معاشرے میں بسنے والے غیر مسلم شہریوں کے باب میں بھی یہ اصول ہے۔ ''جو کوئی ہمارا ذمی ہے اس کا خون ہمارے خون کی طرح، اس کی دیت ہماری دیت کی طرح اور ان کا مال ہمارے مال کی طرح ہوگی۔'' (۵٦)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کے تاریخی موقع پر جو اعلان فرمایا تھا اس میں بھی جان و مال کا کھلا ہوا اعلان تھا:

اِنَّ دماءُكُمْ واَمْوَالكم حرام'' عليكُمْ كحرمةَ يومِكُمْ هذا۔ (۵۷)

عوامی فلاح و بہبود کے اقدامات اور عزت و ناموس کی حفاظت۔

ایک روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرہ اسی وقت تشکیل پا سکتا ہے جہاں معاشرے کے ہر فرد کی عزت و ناموس محفوظ ہو، اسلام ہر انسان کی عزت و آبرو کو برابر سمجھتا ہے۔ اسلام اخلاقی برتاؤ اور انسانی حقوق میں کسی فرد کسی طبقہ یا کسی گروہ کی جانبداری نہیں کرتا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع میں جان و مال کے ساتھ عزت و آبرو کی حفاظت پر بھی خاص طور پر زور دیا تھا۔ اِعْرَاضُکُمْ عِلَیکم'' حَرام'' چنانچہ تمام علماء غیر مسلموں کے بارے میں متفقہ طور پر لکھتے ہیں۔

وَیَجِبُ کَفُّ الاَذٰیٰ عنہ وَتحریمِ غیبتہٖ کالمسلم۔ (۵۸)

قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

وَلَیْسَ لِلْامام اَن یخرُجَ شیئًا منْ احدِ اِلّاَ بحق ثابتِ معروفِ ۔ (۵۹)

امام (حکومت) کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی ثابت شدہ قانون حق کے بغیر کسی شخص کے قبضے سے اس کی کوئی شئے نکالے۔

یہ ساری باتیں محض اعلان یا منشور ہی نہیں بلکہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کیونکہ جب اسلام اپنے پورے اسپرٹ کے ساتھ دنیا میں عملاً با اقتدار رہا ہے تو اس نے یہ حقوق انسان کو دیئے۔'' جزیرۃ العرب میں عیسائیوں کے مختلف مراکز تھے، جن میں سب سے بڑا مرکز نجران تھا۔ جب پورا جزیرۃ العرب اسلام میں داخل ہو گیا تو نجران اور دوسرے علاقے کے عیسائیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معاہدہ صلح کے لئے اپنا وفد بھیجا اس وقت مسلمان اس پوزیشن میں تھے کہ اگر چاہتے تو چند دن میں ان مقامات کو زیر نگین کر لیتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی اور ان کو اپنے مسلک و مذہب پر رہنے کی پوری آزادی دے کر ان سے صلح کر لی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ صلح نامہ تاریخ کی کتابوں میں آج بھی درج ہے، ہم صرف اہل نجران کے معاہدہ صلح کے چند اقتباسات یہاں نقل کرتے ہیں، نجران کے عیسائیوں کے لئے خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کو ان کے دین سے زبردستی پھیرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ نجران اور ان کے ہمدردوں، ہم نواؤں اور پاس پڑوس کے لئے خدا کی اور اس کے رسول کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کو جان ان کی ملت ان کی جائداد، ان کا مال، ان کے موجود اور ان کے غیر موجود تمام افراد محفوظ ہوں گے، ان کے کاروان تجارت ان کی مہم ان کے مثل جو چیزیں ہوں، سب مامون ہوں گی اور جس حیثیت میں ہوں وہ حیثیت باقی رہے گی اور ان کے حقوق میں کوئی

تبدیلی نہ کی جائے گی۔ ان کے رہنما اپنے دین پر آزادی سے رہیں گے، ان کو اس سے پھیرا نہیں جائے گا، ان میں سے کسی شخص کا ظلم وزیادتی کی وجہ سے دوسرا شخص نہیں پکڑا جائے گا۔ (۶۰)

شخصی آزادی

ایک معتدل روشن خیال اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص کی انفرادی آزادی محفوظ ہو اور اس حد تک آزادی ہو کہ وہ دوسروں کی آزادی سلب نہ کرے۔ (۶۱)

اسلام نے انسان کو ہر طرح کی آزادی عطا کی ہے بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اسلام سے پہلے انسان نہ جانے کتنی غلامیوں کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا سب سے پہلے اسلام نے اسے ذہنی وعملی قید غلامی سے نجات دلائی ہے۔ اسے فکر وخیال تحریر وتقریر کی آزادی دی چلنے پھرنے سفر اقامت، آنے جانے کاروبار کرنے پر اس وقت تک کوئی پابندی عائد نہیں کرتا جب تک اسلام کی کوئی بنیادی قدر مجروح نہیں ہوتی، پھر یہ کہ کسی کی حق تلفی وظلم ہو۔ (۶۲)

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے دوران ایک شخص نے اپنے ہمسایوں کے بارے میں پوچھا جو شبے کی بنیاد پر گرفتار کر لئے گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ سوال سن کر سکوت فرمایا، تا کہ گرفتاری کی کوئی معقول وجہ ہو تو معلوم ہو جائے کوئی چیز سامنے نہ آئی تو فرمایا: **خَلُّو جِیرَ انَہ'**۔ (۶۳)

اسلام کا اصول یہ ہے کہ **"لَایُو سَرُ رَجُل" فِی الاسلام بغیر عدل"** (۶۴) اسلام میں کوئی شخص بغیر عدل کے قید نہیں کیا جا سکتا۔

عقیدہ وعمل رائے اور مسلک کی آزادی

ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کو فکر وخیال کی آزادی ہو اس کو اپنے عقیدے کی قول وعمل کی آزادی ہو، اسلام ہر شخص کو اپنی آزاد رائے رکھنے کی اجازت دیتا ہے، بشر طیکہ وہ اختلاف رائے کو خوں ریزی اور فتنہ وفساد کا ذریعہ نہ بنائے، اس کی بہترین مثال وہ ہے جو حضرت علیؓ نے خوارج کے مقابلے میں اختیار فرمائی، جو ریاست کے وجود ہی کی نفی کرتے تھے، حضرت علیؓ نے ان کو یہ پیغام بھیجا کہ "تم جہاں چاہو رہو، اور ہمارے تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ اتم خون ریزی اور رہزنی اختیار نہ کرو اور ظلم سے باز رہو۔" (۶۵)

اسلامی معاشرہ جو کہ معتدل مزاجی اور روشن خیالی کا حامل ہو، وہاں دین کے معاملے میں مسلک کے معاملے میں جبر وکردار سے کام لینے کی ہرگز اجازت نہیں اور نہ کسی کو زبردستی اپنا ہمنوا بنا سکتے ہیں، رب کائنات نے اس سلسلے میں یہ میثاقِ

الٰہی جاری فرمایا:

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ (٦٦)

دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں، بلاشبہ ہدایت گمراہی سے الگ ظاہر ہو چکی ہے، قرآن حکیم نے تو باطل پرستوں کو بھی برا بھلا کہنے سے روکا اور اس کو معاشرے کی اعتدال پسندی کے خلاف سمجھا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تسبوُّ الَّذِيْنَ يَدْعُونَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ (٦٧)

اور تم (اے مسلمانو!) ان کو جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، برا بھلا مت کہو، کیونکہ پھر وہ بھی جہالت کی بنا پر حد سے تجاوز کر کے اللہ کی شان میں گستاخی کرنے لگیں گے۔

میاں بشیر احمد برصغیر میں دینی اداروں کے قیام کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

''ان مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب سے بیگانگی بہت حد تک کم ہوگئی اور مغرب کی ذہنی غلامی سے نجات ملی لیکن ساتھ ہی ایک ایسی فضا بھی پیدا ہوگئی جس میں اپنی ہر چیز اچھی اور دوسروں کی ہر چیز بری نظر آنے لگی۔'' (٦٨)

حضرت عمرؓ نے اپنے غلام اسق کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا: لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (٦٩) دین کے معاملے میں زبردستی نہیں۔ قرآن مجید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ہر مسلمان کو تنبیہ کرتا ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (٧٠)

''اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو زمین کے تمام رہنے والے مومن ہو جائیں، تو کیا تم لوگوں کو مومن بنانے میں جبر و اکراہ کرنا چاہتے ہو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو مسجد نبوی ﷺ میں عبادت کرنے کی اجازت دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دَعُوْهُمْ فَصَلُّوْا اِلَى الْمَشْرِقِ ۔ (٧١) ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو، چنانچہ انہوں نے مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ایلیا (فلسطین) کے یہود سے صلح کے لئے تشریف لے گئے تو انہوں نے ان کے ہیکل یعنی عبادت گاہوں کو دیکھا کہ اس کے ہر طرف گرد اٹی ہوئی ہے، آپ نے اپنے رومال سے جھاڑنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر تمام لوگ مسلمان ہو گئے اور آن کی آن میں گرد صاف ہو گئی اور وہ بالکل ظاہر ہو گیا۔ اسی سفر میں نماز کا وقت ہو گیا، آپؓ نے

ہیکل سے باہر نکل کر نماز پڑھی، لوگوں نے پوچھا کیا ہیکل میں نماز جائز نہیں تھی۔ انہوں نے اسلامی روح کے پیش نظر یہ حکیمانہ جواب دیا:

خشیتُ ان اُصلّی فیھا فیزیلھا السلمونَ من بعدی و تتخذ ونھامسجدا۔ (۷۲)

میں ڈرا کہ اگر میں اس میں نماز پڑھوں گا تو میرے بعد آئندہ مسلمان ہیکل کو گرا کر اس کی جگہ مسجد نہ بنالیں۔

قانون مساوات اور بلاتفریق انصاف کی فوری فراہمی

''ایک روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے کے تمام باشندے خواہ امیر ہوں یا غریب، سیاہ ہوں یا سفید، صاحب امر ہوں یا مامور، قانون کی نگاہ میں برابر ہوں اور سب پر ایک ہی قانون لاگو ہو۔ (۷۳) اسلامی انصاف کو صرف عدالت تک محدود نہیں رکھتا بلکہ انفرادی، اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے ہر گوشے میں منصف اور عادل بناتا ہے وہ جس طرح ایک فرد کے ساتھ انصاف کا حکم دیتا ہے اسی طرح قومی ملکی اور بین المملکتی معاملات میں بھی ہر ہر قدم پر اس کی نگرانی کرتا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُئوَدُّوا الاَمٰنٰتِ اِلٰی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ (۷۴)

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو امانت رکھنے والوں کے پاس صحیح طریقے سے پہنچا دو اور جب تم معاملات کا فیصلہ کرو عدل کے ساتھ کرو۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ۔ (۷۵)

اے ایمان والو انصاف کے لئے پورے طور پر کھڑے ہو جاؤ۔

اسلام انصاف محض قانونی معاشرتی یا سیاسی ضرورت ہی نہیں گردانتا بلکہ اسے ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ قرار دیتا ہے اور انصاف کا فیضان حاکم و محکوم دوست و دشمن سب کے لئے یکساں قرار دیتا ہے:

لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَنْ لَّا تَعْدِلُوا اَعْدِلُوْا ھُوَا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔ (۷۶)

کسی قوم کی دشمنی تم کو آمادہ نہ کر دے کہ تم ان سے ناانصافی کرو، عدل و انصاف سے کام لو، یہ عدل و انصاف تقویٰ

سے قریب ہے۔

ظالموں کے ساتھ انصاف وحسن سلوک کا ردعمل

مدینہ منورہ سے یہود نکلے تو انہوں نے خیبر میں جہاں ان کا سب سے بڑا مرکز تھا پناہ لی، اور وہاں سے ہر طرح کی سازشیں کرنی شروع کیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور ہو کر ان سے جنگ کی، جب ان کو شکست ہوئی تو مسلمانوں نے ان سے کوئی انتقام نہیں لیا، بلکہ انہوں نے اپنے خون کے پیاسے اور برسوں کے دشمن کے ساتھ جو عدل وانصاف کیا اس کو دیکھ وہاں کے یہودی پکار اٹھے: وَبِہٖ قَامَتِ السَّمَاءُ والارض۔ (۷۷) اسی انصاف سے زمین وآسمان تھمے ہوئے ہیں۔
فتح مکہ کے موقع پر جو تاریخی جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کی گونج رہتی دنیا تک سنائی دیتی رہے گی: اَلیـــومَ یَـوْمُ المرحمته۔ (۷۸) آج تو رحم وکرم عفو درگزر کا دن ہے۔ اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال دیتے ہوئے فرمایا: کہ میں وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے لئے کہا تھا:

لَا تَشْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمُ یَغْفِرُاللّٰهُ لَکُمْ۔ (۷۹)

آج کے دن تم پر کوئی سختی نہیں، اللہ تعالی تمہاری مغفرت فرمائے۔

آقائے نامدارؐ کے حسن سلوک کی وجہ سے وادی مکہ میں توحید کا پرچم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بلند ہوا۔ شان ولطف واحسان کا اس سے بڑا مظاہرہ کیا ہوگا کہ کعبہ کی کنجی قیامت تک کے لیے انہی عثمان بن طلحہؓ کو تفویض فرمائی، جن سے ایک بار در کعبہ کھلوانے کی خواہش حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے ابتدائی دور میں کی، تو انہوں نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔(۸۰) یورپین دانشور ارتھر گلیمن (Arthor Gillman) پیغمبر رحمت محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالف مذہب دشمنوں کے ساتھ مثالی مذہبی رواداری اور عام معافی کے عملی مظاہرے کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح درحقیقت دنیا کی فتح تھی، سیاست کی فتح تھی، انہوں نے ذاتی مفاد کی ہر علامت کو مٹا ڈالا اور ظالمانہ نظام سلطنت کو جڑ سے اکھاڑ دیا، اور جب قریش کے مغرور ومتکبر سردار عاجزانہ گردنیں جھکائے مجرموں کی طرح کھڑے تھے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہیں مجھ سے کیا توقع ہے؟ رحم اے سخی وفیاض بھائی رحم' وہ بولے۔ ارشاد ہوا' جاؤ، تم سب آزاد ہو۔'' (۸۱)

معاشرتی مساوات

اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک کو معاشرتی مساوات حاصل ہو، یعنی خون، رنگ، نسب، زبان، پیشہ، معاشی مقام وغیرہ کی بنا پر شہریوں کے درمیان کوئی امتیاز نہ برتا جائے، سب برابر ہوں، عزت وشرف اگر کسی

کو حاصل ہو تو صرف علم و تقوی کی بنیاد پر۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ (۸۲)

بے شک تم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں تقوی والا ہے۔

اسلام انسان کو ایک عالمگیر وحدت کے رشتے میں پروتا ہے اور اسے ایک اکائی تصور کرتا ہے، وہ اتنی بات مانتا ہے کہ اجتماعی زندگی کے ارتقا اور نشو و نما کے لئے قوموں اور گروہوں کا وجود ایک معاشرتی اہمیت ضرور رکھتا ہے مگر یہ عارضی اہمیت حق و ناحق کا معیار نہیں، قرآن کریم اس عارضی تقسیم کو خدا کی نشانی قرار دیتا ہے:

وَاخْتِلَافِ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ۔ (۸۳)

تمہاری زبانوں کے اور رنگوں کے اختلاف میں جہان والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

''یہ واقعہ تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا کہ دربار فاروقیؓ پر قریش کے سابق سردار حضرت ابوسفیان دونوں حاضر ہیں، اور اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں، اجازت لینے والے نے پہلے ابوسفیان کا نام لیا، پھر حضرت بلالؓ کا حضرت عمرؓ نے ڈانٹا کہ پہلے بلالؓ کا نام لو پھر حضرت بلالؓ کو اندر آنے کی اجازت دے دی اور حضرت ابوسفیان کو بغیر اجازت واپس جانا پڑا، علامہ اقبال نے کیا خوب کہا۔

جوہر ما بامقامے بستہ نیست بادۂ تندش بجامے بستہ نیست (۸۴)

فکر و رائے کی آزادی اور تنقید کا حق

ایک روشن خیال اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے میں بسنے والے ہر فرد کو یہ حق حاصل ہو، اپنی بات پوری آزادی کے ساتھ ارباب حکومت تک پہنچائے، اپنی مجبوریاں اور مسائل ان کو بتائے، ان کی پالیسیوں پر اعتراض اور تنقید کریں، ان کی بات سنیں اور ان کو اپنی بات سنائیں۔ (۸۵)

ایک بار ایک آدمی نے حضرت عمرؓ سے کہا امیر المومنین اللہ تعالیٰ سے ڈریئے، مجلس کے بعض لوگوں نے اس کی بات پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو آپؓ نے فرمایا: چھوڑ دو اس سے، تمہارے اندر کوئی بھلائی نہ رہے گی، جب تم یہ بات کہنا چھوڑ دو گے اور اگر ہم سننا چھوڑ دیں گے تو ہمارے اندر کوئی بھلائی نہ رہے گی۔ (۸۶)

ایک دن حضرت عمرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''اے لوگو! تم میں جو شخص بھی میرے اندر کوئی ٹیڑھ دیکھے تو اسے چاہئے کہ مجھے سیدھا کر دے۔ آپؓ کی بات سن کر

ایک آدمی نے کہا۔ خدا کی قسم اگر ہم تمہارے اندر کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے تو ہم اپنی تلواروں کی دھار سے اسے سیدھا کر دیں گے۔'' حضرت عمرؓ نے اس کی بات سن کر نہ غصہ ہوئے نہ اسے گرفتار نہ نظر بند کرنے یا تحقیق کرنے کا کوئی حکم دیا۔ بلکہ اعتماد کے ساتھ فرمایا: ''حمد اللہ ہی کے لئے ہے جس نے مسلمانوں میں ایسے فرد کو بنایا، جو عمرؓ کی ٹیڑھ کو اپنی تلوار کی دھار سے درست کرنے کا عزم رکھتا ہے''۔ (۸۷)

اجتماع، تنظیم سازی اور نقل وحرکت کی آزادی

ایک روشن خیال اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ ''وہاں کے شہری منظم و مجتمع ہو کر کریں اور بلا روک ٹوک ایک مقام سے دوسرے مقام منتقل ہوں، اس کے بدلے معاشرے کے افراد ریاست کی ہر صحیح بات کو قبول کریں اور اطاعت کریں۔'' (۸۸)

باہمی تعاون وخیر خواہ

ضروری ہے کہ معاشرے کی تشکیل ان خطوط پر ہو، ایسی فضا وجود میں آئے جہاں افراد آپس میں ایک دوسرے سے اور ریاست سے تعاون پر آمادہ ہوں، ایک دوسرے کے لئے آپس میں خیر خواہی اور ہمدردانہ جذبات رکھتے ہوں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ (۸۹)

نیکی اور بھلائی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔ (۹۰)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہ پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لئے کرتا ہے۔

یہاں تک کہ اگر معاشرہ میں باہمی نزاع کی کوئی صورت ہو تو قرآن کریم ہمیں حکم دیتا ہے:

وَاِنْ طَائِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا۔ (۹۱)

اگر دو مسلمان گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح و مصالحت کرا دو۔

انتہا پسندی

اگر ہم عصر حاضر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر ایک روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس میں ہمیں تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ہر صورت میں ہر حال میں انتہا پسندی سے بچنا ہوگا اور معاشرہ میں جہاں انتہا پسندی ہے، وہاں اعتدال کی راہ اپناتے ہوئے اس کو ختم کرنا ہوگا، اسلام "سلامتی" اور ایمان "امن" سے عبارت ہے، اسلام نے دنیا کو امن و سلامتی اور احترام انسانیت کا درس دیا ہے۔ اس نے پر امن بقائے باہم کے لئے بلا تفریق مذہب و ملت، **لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۔** (۹۲) کا نظریہ عطا کر کے غیر جانبداری، اعتدال پسند اور امن و سلامتی کا فلسفہ عطا کیا، اللہ تعالیٰ خود رحمٰن و رحیم اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا، اسلام بنیادی طور پر از خود انتہا پسندی اور فرقہ واریت کے خلاف ہے، بدقسمتی سے آج اس کے ماننے والے از خود اس کا شکار ہیں، بقول مولانا حالی،

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے اس تفرقہ اب آگے پڑا ہے (۹۳)

معاشرے میں کسی بھی حوالے سے انتہا پسندی ہو، اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا، قرآن کریم اسے "غلو الدین" سے تعبیر کرتے ہوئے اس کی ممانعت کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ ۔ (۹۴)

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ ۔ (۹۵)

آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو۔

قرآن حکیم انتہا پسندی کے مقابلے میں میانہ روی، اعتدال پسندی اور متوازن پالیسی اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے ارشاد ربانی ہے:

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۔ (۹۶)

اور میانہ روی کر، اپنی رفتار میں اور پست کر اپنی آواز کو۔

نماز کو اسلام کا بنیادی ستون، مومن کی معراج، رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا گیا، تاہم اس میں بھی اعتدال کا حکم دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا (۹۷)

اور نماز میں اپنی آواز کو بہت بلند نہ کرو اور نہ بہت پست کرو اور اپنا اعتدال کی راہ۔

قرآن کریم نے امت مسلمہ کو ابلاغ اور تبلیغ دین کے ساتھ اعتدال پسندی اور غیر جانبداری کا اصول عطا کیا ہے۔

قرآن ہدایت کرتا ہے:

عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ لَا يَضُرُّكُمۡ مَنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَيۡتُمۡ۔ (۹۸)

اپنی فکر کرو، جب تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے، اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔

انسان حقوق و فرائض کے ابدی اور عالمی منشور خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اور سنو غلو سے بچنا، کیونکہ دین میں غلو کرنے والے تم سے پہلے بھی ہلاک کر دیے گئے''۔ (۹۹)

معاشرہ تحمل، برداشت اور حلم و برادری سے عبارت ہو

روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرہ اسی وقت تشکیل اسکتا ہے جب اس میں تعلیم عام ہو، اس کا ہر فرد زیور تعلیم سے آراستہ ہو، خصوصیات کے ساتھ معاشرے میں اسلامی اصولوں کے مطابق تحمل برداشت اور حلم و برادری کی تعلیم عام ہو، کیونکہ یہی اسلامی تعلیمات کا امتیازی پہلو ہے، ایک شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی نصیحت کیجئے اور ارشاد ہوا غصہ نہ کیا کرو، برداشت سے کام لو، انہیں یہ بات معمولی معلوم ہوئی، تو دوبارہ پھر سہ بارہ سوال کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دفعہ فرمایا غصہ نہ کیا کرو۔ (۱۰۰) اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:

فَاصۡبِرۡ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ (۱۰۱)

اور برداشت کیجئے، جس طرح ہمت اور عزم والے پیغمبروں نے برداشت کیا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَمَنۡ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ۔ (۱۰۲)

اور البتہ جس نے برداشت کیا اور معاف کیا تو بے شک ملت کے کام ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنۡ كَظَمَ غيظا وَهُوَ يُستطِيعُ ان ينفذه دعاهُ اللّٰهُ يُوۡمَ الۡقِيَامَةِ عَلٰى روسِ الخلائق حَتّٰى يخيرَه' فى اَىّ الحُورُ شآء۔ (۱۰۳)

جو شخص قدرت کے باوجود غصے کو ضبط کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کے سامنے بلا کر انعام کا مستحق قرار دے گا۔

دشواریاں نہیں آسانیاں اسلام کا ابدی اصول، ایک ناگزیر تقاضا

ایک معتدل اور روشن خیال اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ وہاں کے باشندوں کو ہر قسم کی سہولت و آسانی بہم پہنچائی جائے سختی سے ہر ممکن پرہیز کیا جائے، جو کام تلواروں سے نہیں ہو سکتا وہ پھولوں کی پتیوں سے ہو سکتا ہے، جو کام بڑے بڑے پہلوان نہیں کر سکتے وہی کام ماں کی ممتا کر دیتی ہے۔ علامہ قرضاوی رقمطراز ہیں:

''جو لوگ کتاب و سنت کے نصوص، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت صحابہؓ پر نگاہ ڈالیں گے، وہ یہ جان لیں گے کہ یہ چیزیں آسانی کی طرف بلاتی ہیں، دشواریوں کو دور کرنے کی دعوت دیتی ہیں، یہ چاہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر سختی اور شدت پسندی کا رویہ اپنانے سے دور رہا جائے۔'' (۱۰۴)

قرآن حکیم کی تعلیمات کا ہم مطالعہ کریں تو بھی پتہ چلتا ہے کہ رب کائنات اپنے بندوں کے لئے آسانی چاہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (۱۰۵)

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی نہیں کرنا چاہتا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفاً (۱۰۶)

اللہ تعالیٰ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے، کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ۔ (۱۰۷)

اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ۔ (۱۰۸)

یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔

ایک صحابیؓ جن کے سر میں زخم تھا انہوں نے اپنے ساتھ کے کچھ لوگوں سے پوچھا انہیں طہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے تو اس زخم کی حالت میں وہ غسل کریں یا نہ کریں؟ ان لوگوں نے زخم کے باوجود یہ فتویٰ دیا کہ غسل واجب ہے چنانچہ صحابیؓ نے غسل کر لیا اور پھر ان کا انتقال ہو گیا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ انہیں تباہ کرے ان لوگوں نے اسے مار ڈالا اگر یہ لوگ مسئلہ نہیں جانتے تھے تو جاننے والوں سے کیوں نہیں پوچھا، نادانی کا علاج پوچھنا ہی تو ہے۔(۱۰۹)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُکْفُلُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تَطِیْقُوْنَ۔(۱۱۰)

اتنا ہی عمل کا التزام کرو جتنا تم کر سکو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یَسّرو وَلَا تُعسّروا بشّروا وَلَا تنفروا۔ (۱۱۱)

ابو یعلی نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تشدّدُوا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ فیشدّ دَ عَلیکُمْ قَوْمًا شَدَّدُوا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ فشدّدَ عَلیھم فَتِلْکَ بَقَایَا ھُمْ فِی الصَّوَامِعِ وَالدّیَارَاتِ (۱۱۲)

اپنے اوپر سختی نہ کرو، ورنہ یہ سختی تم پر لازم کر دی جائے گی، ایک گروہ نے اپنے اوپر سختی کی تو ان کے اوپر سختی کی گئی اور اس گروہ سے بچے ہوئے باقی افراد صوامع اور راہب خانوں میں ہیں۔

امتیاز و تخصص (Spacialization) کا اہتمام

ایک روشن خیال اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ وہاں پر بسنے والے اہل علم جو کہ معاشرے کے لئے کچھ کر سکیں اور معاشرے کو اقوام عالم اور عالمی برادری میں مقام دلائیں ان کا معاشرہ ان کی وجہ سے جانا جائے، ان خصوصیات احترام سے نوازا جائے ان کو فوقیت دی جائے، چاہے وہ ڈاکٹرز ہوں، انجینئر ہوں، سائنسدان ہوں یا علماء کرام اسلام میں اگرچہ مخصصین یا رجال دین کا کوئی طبقہ تو نہیں ہوتا لیکن اسلام علمائے مخصصین کی نفی نہیں کرتا بلکہ ان کے وجود کو تسلیم کرتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرقَةٍ مِنْھُمْ طَائِفَة'' لِیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنَ وَلِیُنذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا

رَجَعُوْا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ۔ (۱۱۳)

مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصے میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس میں جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ غیر مسلمانہ روش سے پرہیز کرتے۔

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے۔

فَسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (۱۱٤)

تم لوگ علم نہیں رکھتے تو جاننے والے سے پوچھ لو۔

اسی طرح ارشاد بانی ہے۔

وَلَوْ رُدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَہٗ مِنْھُمْ۔ (۱۱۵)

حالانکہ اگر یہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا۔ (۱۱٦)

اس کی شان بس کسی جاننے والے سے پوچھ لو۔

ایک اور جگہ فرمان الٰہی ہے: وَلَا یُنَبِّئُکَ مِثْلُ خَبِیْرٍ (۱۱۷)

حقیقت حال کی اسی صحیح خبر تمہیں ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔

مدنی معاشرے کی روشن خیالی واعتدال پسندی ایک جائزہ

حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جو اسلامی معاشرہ قائم کیا وہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی زندہ مثال ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاشرے میں لوگوں کے درمیان جو تعلیمات عام کیں ان میں ایک اہم تعلیمی اصول یہ بھی ارشاد فرمایا: ''ایک دوسرے سے تعلقات منقطع نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو، ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔'' (۱۱۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ''جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اس پر اللہ بھی رحم نہیں کرتا۔'' (۱۱۹)

یہود، مسلمان اور مدنی معاشرہ

قرآن کریم میں یہودیوں کا ذکر بہت خفگی اور کراہت کے ساتھ کیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے: ''ان کے لئے پے در پے رسول بھیجے گئے مگر انہوں نے سرکشی کی، کسی کو جھٹلایا، کسی کو قتل کر ڈالا''۔(۱۲۰) ''انہوں نے آخرت بیچ کر زندگی خریدی''۔(۱۲۱)

ان کے دل سخت ہو گئے ہیں، پتھروں کی طرح سخت بلکہ سختی میں ان سے کچھ بڑھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ بعض پتھروں سے تو چشمے بھی پھوٹ نکلتے ہیں۔(۱۲۲) یہودیوں نے انبیاء پر بدترین الزامات عائد کئے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کا اظہار ان کے مجموعہ کتب مقدسہ میں یسیاہ، یرمیاہ اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کی تمام کتابوں میں اللہ تعالیٰ کی ان پر غضبنا کی کا اظہار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان متعدد تقریروں سے بھی ہوتا ہے جو اناجیل میں اور کلام پاک بھی ان کی توثیق کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ مَنْ یَّسُوْمُھُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیْعُ '' الْعِقَابِ۔ (۱۲۳)

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا کہ وہ قیامت تک برابر ایسے لوگوں کو ان پر مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب دیں گے، یقیناً تمہارا رب سزا دینے میں تیز دست ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاشرہ قائم کرتے ہیں تو انہی یہودیوں سے واسطہ پڑتا ہے جو سود خور تھے اور اس میں بڑے بے رحم سفاک تھے، ہمیشہ سازش کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شر انگیزی اور باطنی سے واقفیت کے باوجود ان کے اور مسلمانوں کے تعلقات خوشگوار بنانے کی کوشش فرمائی اور مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان وہ تاریخی معاہدہ ہوا جو میثاق مدینہ کے نام سے جانا جاتا ہے اور اس بات کا غماز ہے کہ اسلام دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے اور کتنا اعتدال پسند اور روشن خیال مذہب ہے۔

معاہدہ ان شرائط پر ہوا،

۱۔ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا اب بھی قائم رہے گا۔

۲۔ یہودیوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

۳۔ یہود اور مسلمان آپس میں دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔

۴۔ فریقین کی جب کسی تیسرے فریق سے جنگ ہوگی تو وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

۵۔ کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

۶۔ کوئی بیرونی طاقت مدینہ منورہ پر حملہ کرے گی تو دونوں مل کر دفاع کریں گے۔

۷۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا۔ (۱۲۴)

اس تاریخی معاہدے کی بدولت بقول ولیم میور (Muir,Sir William) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عظیم مدبر اور سیاستدان کی طرح مختلف الخیال اور باہم منتشر لوگوں کو متحد اور یکجا کرنے کا کام بڑی مہارت سے انجام دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی ریاست اور معاشرے کے قیام میں کامیاب ہوئے جو بین الاقوامیت کے اصول پر مبنی تھا۔ (۱۲۵)

بنونضیر جو کہ یہودیوں کا مشہور قبیلہ تھا، ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے درپے رہا، ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے خلاف سازشیں کیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرکشی سے مجبور ہوکر ان کا محاصرہ کیا۔ پندرہ دن کے بعد انہوں نے مجبور ہوکر صلح کی اور خیبر جانے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نے دے دی اور وہ مدینے سے اس حال میں رخصت ہوئے۔ ''بنونضیر اگرچہ وطن چھوڑ کر نکلے لیکن اس شان سے نکلے کہ جشن کا دھوکا ہوتا تھا، اونٹوں پر سوار تھے، ساتھ ساتھ باجا بجتا جاتا تھا، مطربہ عورتیں دف بجاتیں اور گاتیں تھیں۔ (۱۲۶

ایک دفعہ یہودی نے سر بازار کہا: قسم اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی، ایک صحابی نے یہ سن کر پوچھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی، اس نے کہا: ''ان پر بھی'' صحابی نے غصہ میں اس کو ایک تھپڑ مارا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل وانصاف کی شہرت تھی، وہ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور صحابیؓ کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیؓ پر برہمی ظاہر فرمائی۔ (۱۲۷)

مدنی معاشرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پڑوسیوں سے ہمیشہ اچھا سلوک کرنے کی تلقین فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی ایک مجلس میں فرمایا:

اللہ کی قسم وہ ایمان نہیں لایا، وہ ایمان نہیں لایا، وہ ایمان نہیں لایا صحابہ کرامؓ نے پوچھا کون ایمان نہیں لایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا ایک اور موقع پر فرمایا: وہ شخص مسلمان نہیں جو اپنا پیٹ بھرے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔ (۱۲۸)

مدنی معاشرہ کے قیام کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کیا، حاتم طائی کے بیٹے عدی اپنے قبیلے کے سردار اور مذہباً عیسائی تھے جس زمانے میں اسلامی فوجیں یمن گئیں یہ بھاگ کر شام چلے گئے ان کی

بہن گرفتار ہو کر مدینہ آئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بڑی عزت کے ساتھ رخصت کیا، وہ اپنے بھائی کے پاس گئیں اور کہا جس قدر جلدی ہو سکے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دو، وہ پیغمبر ہوں یا بادشاہ ہر حال میں ان کے پاس جانا مفید ہے۔ عدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے متاثر ہوئے کہ اسلام قبول کرلیا۔ (۱۲۹)

''صلح حدیبیہ'' روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا بے مثال نمونہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مدنی معاشرے کے قیام کے دوران صلح حدیبیہ کا تاریخی واقعہ پیش آیا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم امن و صلح کے کتنے خواہش مند تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرامن بقائے باہم کے تحت معاہدے کو ترجیح دے کر جنگ سے اتنا گریز فرمایا کہ اس میں عام صحابہ بظاہر ذلت محسوس کر رہے تھے، لیکن آقائے نامدار کی اس روشن خیالی نے بعد میں ثابت کیا کہ اسلام اور مسلمانوں کو اس سے کتنا فائدہ پہنچا۔ (۱۳۰)

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ ''صلح حدیبیہ'' ایسی عظیم الشان فتح تھی کہ اس سے قبل اس شان کی فتح نصیب نہیں ہوئی، باہم جنگ کی وجہ سے دونوں فریق آپس میں مل نہیں سکتے تھے، صلح حدیبیہ کی وجہ سے جنگ ختم ہوئی، امن قائم ہوا اور جو مسلمان اب تک مکے میں اسلام کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے وہ اعلانیہ احکام اسلام پر عمل کرنے لگے، باہمی منافرت اور دشمنی دور ہوئی، بات چیت کا موقعہ ملا، اسلامی مسائل پر گفتگو اور مناظرے کی نوبت آئی، مشرکین مکہ نے قرآن کریم سنا، جس کا اثر یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ آغاز اسلام اور بعثت نبوی ﷺ سے لے کر اس وقت تک اتنے مسلمان نہیں ہوئے تھے''۔ (۱۳۱)

عرب مصنف محمد احمد باشمیل اپنی کتاب ''صلح حدیبیہ'' میں ''اضطراب کے وقت ضبط نفس'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے ذریعے صحابہ کرامؓ کو جو درس دیا، اسے ہر انسان کو یاد رکھنا چاہئے کہ ذمہ داری اور قیادت کے منصب پر فائز ہو، وہ ضبط نفس اور اعصاب پر کنٹرول کرنے کا زیادہ پابند ہے، جہلا کی زیادتی اور کم عقلوں کے مضطرب کرنے کے وقت صبر و تحمل اختیار کرنا اسوہ نبوی ﷺ ہے، اس خلق سے آپ آراستہ تھے۔ اور آپ نے سخت ترین حالات میں اس کا التزام کیا، حالانکہ اس وقت آپ فریق مخالف (اپنے بدترین دشمنوں) کو دگنی سزا دینے پر قدرت رکھتے تھے۔ (۱۳۲)

برطانیہ کی مشہور مصنفہ کارین آرم اسٹرانگ (Karen Armstrong) سیرۃ طیبہ پر اپنی کتاب ۔ (Muhammad

a western attempt to understanding Islam) میں اس تاریخی اور نا قابل تردید حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتی ہے۔

("Muhammad... founded ■ religion and ■ tradition that was not based cultural on the sword despite the western myth and whose Name Islam, signifies peace and reconciliation "(P-266)

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے مذہب اور تہذیب کے بانی تھے جس کی بنیاد تلوار (جبر وتشدد) پر نہ تھی۔ مغربی پروپیگنڈے اور افسانے کے باوجود اسلام کا نام امن اور صلح کا مفہوم رکھنے والا ہے۔''

فتح مکہ قیامت تک کیلئے مثال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فتح مکہ روشن خیالی، انسان دوستی اور مذہبی آزادی کا عظیم شاہکار ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بدترین دشمنوں کفار مکہ پر کامل اختیار اور اقتدار حاصل تھا اس تاریخی موقع پر محسن انسانیت کی سیرت طیبہ میں عفو و درگزر، تحمل و برداشت اور رواداری کا وہ تاریخی اور شاندار نمونہ نظر آتا ہے جو فتوحات کی پوری انسانی تاریخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ممتاز کرتا ہے۔(۱۳۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر تمام امیدوں اور تصورات کے برخلاف رواداری پر مبنی مثال انقلابی اعلان فرمایا: **اَلْیَوْمَ یَوْم اَلمرحَمه۔ (۱۳٤)**

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں فاتحانہ داخل ہوئے تو تمام لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تواضع کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے تھے۔(۱۳۵) "Sprit of Islam" کے مصنف سید امیر علی لکھتے ہیں: بالکل بجا طور پر کہا گیا ہے کہ فتوحات کی تاریخ میں اس فاتحانہ ورود کی کوئی مثال نہیں ملتی۔(۱۳٦) پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا سکھ سیرت نگار جی۔ سنگھ دارا ''فتحِ مکہ'' کے موقعہ پر رحمۃ للعالمین کے رحم و کرم اور رواداری پر لکھتا ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قتل کا قصد کرنے والوں، اپنے نورِ چشم کے قاتلوں، اپنے چچا کا کلیجا کھانے والوں کو، سب ہی کو معافی دے دی، اور قطعی معافی قتل عام دنیا کی تاریخوں میں اکثر سنتے تھے، مگر قاتلوں کی معافی نہ سنی تھی۔'' (۱۳۷) آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی تمام زندگی میں روشن خیالی کے حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ رقمطراز ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے معاشرہ کے قیام کے دوران مدنی (شہری) زندگی کے متعلق فرمایا: ''شہر کے اندر گلیوں کو اتنا چوڑا رکھو کہ دو لدے ہوئے اونٹ با آسانی گزر سکیں، گویا آج کے الفاظ میں آسانی کے ساتھ دو لاریاں آ جا سکیں۔ (۱۳۸)

عہد صدیقیؓ کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی

حضرت ابوبکر صدیق رضہ اللہ تعالی عنہ اپنی عفت، پارسائی، رحم لی، راست بازی، دیانتداری، معاملہ فہمی، روشن خیالی، اعتدال پسندی، عجز، تواضع، زہد و تقوع کی بدولت بارگاہ رسول اور محرم اسرار نبوت بن گئے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی اپنے رسول کیا سوۂ کے مطابق ہی گزاری۔ (۱۳۹) آپؓ کے عہد خلافت میں مجرموں کے ساتھ بڑی نرمی اور رحم لی سے پیش آ تے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصال کے بعد اشعت بن قیس نے بھی اور جھوٹے مدعیان نبوت کی طرح نبی ہونے کا دعویٰ کیا، وہ جب گرفتار ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کیئے گئے تو انہوں نے توبہ کی، آپؓ نے انہیں معاف کر دیا۔ (۱۴۰) اسی طرح طلیحہ نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا، لیکن جب حضرت ابوبکرؓ کے پاس معذرت لکھ بھیجی تو ان کا دل آئینہ کی طرف ہو گیا اور ان کو مدینہ واپس آنے کی اجازت دے دی۔ (۱۴۱)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام کی مہم پر لشکر روانہ کیا تو امیر لشکر کو مخاطب کر کہ فرمایا: ''تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گئے جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے وقف کر دیا، ان کو چھوڑ دینا، میں تمہیں دس وصیتیں کرتا ہوں، کسی عورت بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھل دار درخت کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کھانے کے سوا بیکار نہ ذبح کرنا، نخلستان نہ جلانا، مال غنیمت میں غبن نہ کرنا اور بزدل نہ ہو جانا'' (۱۴۲)

عہد فاروقی کی اعتدال پسندی اور روشن خیالی

عہد فاروقی کا نظم و نسق اگر چہ بہت سخت تھا۔ لیکن ممالک مفتوحہ کے غیر مسلم باشندوں کے لئے ان کا دل بہت نرم تھا ان سے ہر طرح کا فیاضانہ، شریفانہ اور روادارانہ برتاؤ کیا، ان کے زمانے میں حضرت ابوعبیدہؓ کی سپہ سالاری میں شام فتح ہوا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے وہاں کے لوگوں سے معاہدہ کیا کہ ان کے گرجے اور خانقاہیں محفوظ رہیں گی ان کو اپنے تہوار میں جھنڈے کے بغیر صلیب نکالنے کی اجازت ہوگی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کو اس معاہدے کے بعد لکھ بھیجا کہ مسلمان ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں، نہ ان کو نقصان پہنچائیں نہ ان کا مال بے وجہ غصب کریں اور جتنی شرطیں ان سے کی جائیں ان کو پورا کیا جائے۔ (۱۴۳)

عہد فاروقی میں مصر کی فتح کے موقع پر حضرت عمر عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ نے لڑائیوں کی تلخیاں دل سے بھلا دیں، جب وہاں کے عیسائیوں نے ان کو اپنے ہاں مدعو کیا تو آپؓ اپنے ہمرائیوں کے ساتھ دعوت میں شریک ہوئے اور پھر ان کو اپنے ہاں جوابی دعوت میں مدعو کیا۔ (۱۴۴)

ایک موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہیں سے گزر رہے تھے ایک بوڑھے اندھے سائل کو بھیک مانگتے دیکھا تو اس سے پوچھا تم کس مذہب کے پیرو ہو، اس نے جواب دیا، یہودی ہوں پھر پوچھا بھیک کیوں مانگتے ہو، وہ بولا بوڑھا ہو کر محتاج ہو گیا ہوں، جزیہ کی رقم بھی ادا کرنی پڑتی ہے، حضرت عمرؓ اس کو اپنے گھر لے گئے اور گھر سے لا کر کچھ دیا، پھر بیت المال کے خازن کو بلا کر حکم دیا کہ اس کا اور اس طرح کے اور مجبور لوگوں کا خیال رکھو یہ بات انصاف کے خلاف ہے کہ ایسے لوگوں سے جوانی میں تو جزیہ وصول کر کے فائدہ اٹھایا جائے اور بوڑھے ہوں تو ان کو بے سہارا چھوڑ دیا جائے۔ اس کے بعد اس یہودی اور اس طرح کے دوسرے لوگوں لوگوں کا جزیہ معاف کر دیا۔ (۱۴۵) حضرت عثمان غنی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرامؓ اسلاف کے کارنامے روشن خیالیوں اور اعتدال پسندیوں سے تاریخ کے اوراق کے بھرے پڑے ہیں، مگر بدقسمتی سے کہ جو مسلمان علم سے دور اپنے اسلاف کی میراث سے ناآشنا اور انتہا پسندی کی طرف گامزن ہے جس سے خود بھی نقصان اٹھا رہا ہے اور غیر مسلموں کا داخلہ حلقہ اسلام میں بند کرنے کا سبب بن رہا ہے۔

حاصل کلام

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت اور ضرورت ہے ہمیں فی زمانہ اس کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرہ تشکیل دینے کی بے حد ضرورت ہے، جہاں ہر ایک رنگ، زبان، مذہب کی تفریق کے بغیر تمام شہری حقوق حاصل ہوں، ہر ایک کی جان و مال عزت ناموس محفوظ ہوں، تعلیم روزگار کے دروازے ہر ایک پر کھلے ہوں، پوری دنیا کا کوئی باشندہ یہاں آ کر اپنے آپ کو اجنبی محسوس نہ کرے، ہم اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں۔

جنہوں نے انسان دوستی، تحمل و برداشت، احترام انسانیت، پرامن بقائے باہم، غیر جانبداری اور امن و سلامتی کا پیغام دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسوۂ حسنہ کے حوالے سے یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں امن، رواداری، انسان دوستی اور احترام کے کلچر کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ (۱۴۶) ہمیں اپنے اسلاف کے کارناموں کو فراموش نہیں کرنا، بلکہ اپنی گمشدہ میراث کو حاصل کرنا ہے، ہمیں مغرب سے ٹکرانے کے بجائے ان سے جدید علوم ان خطوط پر حاصل کرنے ہیں جس طرح انہوں نے ہم سے حاصل کیا آج ہم عہد کریں تعلیمات نبوی ﷺ کو عام کریں گے، سیرت طیبہ کو فروغ دیں گے اور خود بھی اسوۂ حسنہ اپنائیں گے اور دوسروں کو بھی راغب کریں گے کسی بھی موقعہ پر حکمت وبصیرت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑیں گے، معاشرے میں ایسا چشمہ بن کر رہیں جس سے نفع و برکت کے دھارے رواں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مبارکباد ہے اس بندہ کے لئے جسے اللہ تعالیٰ نے خیر کی کنجی اور شر کے لئے بند

بنایا" (۱۴۷) ہر ایک سے حسن ظن رکھتا ہے:

اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ۔ (۱۴۸)

بین الاقوامی تقاضوں اور ضرورتوں کو محسوس کریں، آج ہم سے ہزاروں میل دور ہے ہم اس کی زد میں ہیں ہم کو اپنے رویئے سے دوسروں کو اپنے سے محبت کرنے والا بنانا ہے۔ ہمیں اپنے نوجوانوں کو اعلیٰ انسانی قدریں اور تکریم انسانیت سکھانی ہے۔ "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ" (۱۴۹) اور تخلیق ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی ہے۔ دوسروں کا نقطہ نظر ہم کو سمجھا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ اقوام عالم کی سوچ میں مثبت تبدیلی لا کر ان کو اپنا ہمنوا اور معاون بنانا ہے اپنے معاشرے سے عدم اعتماد کی فضا ختم کرنا ہے۔ جس نے معاشرے کو کھوکھلا کر دیا ہے بلکہ آج تو عالمی سطح پر قومی سطح پر مقامی سطح پر جھوٹ، پروپیگنڈہ اور دھوکہ دہی عام ہے، ہمیں بے یقینی عدم اعتماد کی فضا سیرۃ طیبہ کی روشنی میں ختم کرنی ہے اسی میں ہماری فلاح و نجات مضمر ہے۔

تجاویز

۱۔ ایک روشن خیال اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ ہر سطح پر تعلیم کو عام کیا جائے بین الاقوامی ضرورت و مانگ کے مطابق ایسے افراد تیار کئے جائیں جو کہ اقوام عالم کی ضرورت بن جائیں اور ان میں سے ہر فرد ہمارے معاشرے کا سفیر ہوا اسوۂ حسنہ کا حامل ہو۔

۲۔ انتہائی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کو کنٹرول کیا جائے اس کے لئے نئی بستیاں بسائی جائیں کیونکہ انتہائی بڑھتی ہوئی گنجان آبادی فتنہ و فساد، ظلم و استحصال، ذہنی و روحانی، اخلاقی تربیت کی کمزوری، خود غرضی مسائل اور انتہا پسندی کا سبب بنتی ہے۔

۳۔ معاشرہ میں فلاحی، رفاہی اور دکھی انسانیت کی خدمت کا جذبہ ہر سطح پر بیدار کیا جائے، اساتذہ، طلبہ، علماء اور ہر طبقے کے افراد کو اس میدان میں سرگرم عمل کیا جائے۔

۴۔ معاشرے میں مثبت اور تعمیری طرز عمل پیدا کرنے کے لئے ہر محلے میں جدید لائبریری، ہیلتھ کلب، کمیونٹی سینٹر اور تعلیمی باغ قائم کئے جائیں، جس سے معاشرے میں مثبت تبدیلی پیدا ہونے کے ساتھ امن و سکون اور محبت و یگانگت پیدا ہو۔

۵۔ عالمی برادری میں منفی پروپیگنڈے اور غلط فہمی کی بنیاد پر جو ایک عمومی تاثر قائم ہو رہا ہے کہ اسلام عدم رواداری، انتہا پسندی اور دہشت گردی کا مذہب ہے اپنے رویئے سے اس کو ختم کیا جائے اور معاشرے میں روشن خیالی اور اعتدال پسندی کو اپنایا جائے۔

۶۔ معاشرے سے معاشی ناہمواری کا خاتمہ کیا جائے، معاشی ترقی، غربت کے خاتمے اور عدل وانصاف کے حصول کو آسان اور عام کرنے کی سعی کی جائے۔

۷۔ دینی اداروں میں جس طرح جدید تعلیم کی ترویج کی کوشش کی جارہی ہے اسی طرح عصری تعلیمی اداروں میں بھی دینی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام ہوتا کہ مستقبل کے معمار جدید تعلیم وٹیکنالوجی کے ساتھ اسوۂ حسنہ کے بھی حامل ہوں۔

۸۔ جان ومال کے تحفظ اور انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے میں قرآن وسنت اور اسلامی شریعت کا نفاذ کیا جائے، قصاص ودیت کے قوانین اور حدود وتعزیرات کے نظام کو موثر ومربوط بنایا جائے۔

۹۔ معاشرے میں خدمت خلق اور حقوق العباد کی ادائیگی کا جذبہ ہر سطح اور ہر فرد کے اندر پیدا کیا جائے کہ ہر فرد اپنی ذات میں خدمت خلق کا ادارہ بن جائے۔

۱۰۔ اسلام دوستی، حب الوطنی، دینی اور ملی یگانگت کے جذبے کو فروغ دیتے ہوئے معاشرے میں صبر وبرداشت تحمل وبردباری اور رواداری کو فروغ کیا جائے۔

اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کی ضامن ہے۔

اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیۡهِ تَوَکَّلۡتُ وَاِلَیۡهِ اُنِیۡبُ۔ (۱۵۰)

حواشی وحوالہ جات

مقالہ: ﴿مولانا سعید احمد صدیقی﴾

۱۔ حفیظ الرحمٰن صدیقی ڈاکٹر، جدید سائنس اور عصری تقاضے، جامشورو، ۱۹۹۵ء سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ صفحہ ۴۴

۲۔ سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس، ص ۸۴

۳۔ مجیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات، لاہور، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، ص ۲۹

۴۔ القرآن، سورۂ سبا، آیت ۲۸

۵۔ القرآن، سورۂ الفرقان، آیت ۱

۶۔ القرآن، سورۂ البقرہ، آیت ۱۷

۷۔ القرآن، سورۂ البقرہ، آیت ۱۴۲

۸۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، کراچی، دارالاشاعت، ج ۷، ص ۴۱

۹۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ محولہ سابقہ، ج ۶ ص ۲۵۵

۱۰۔ القرآن کریم، سورۂ فرقان، آیت ۶۷

۱۱۔ Denison, J.H/Emotion as the basis of civilization, London, 1928, P.262

۱۲۔ حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، کراچی، فضلی سنز، ص ۳۱۷

۱۳۔ The Next threat: Perception of Islam, ed. by Jochen Heppila and Andrea Lueg. Pluto Press, London, 1995, P27.

۱۴۔ مجیب اللہ ندوی، مولانا، اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات، لاہور ۱۹۹۰ء، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، ص ۲۹

۱۵۔ القرآن، سورۂ الانبیا، آیت ۱۰۲

۱۶۔ اقرآن، سورۂ سبا، آیت ۲۸

۱۷۔ القراان، سورۂ اعراف، آیت ۱۵۸

۱۸۔ القرآن، سورۂ الفرقان، آیت ۱

۱۹۔ القرآن، سورۂ حجرات، آیت ۱۳

۲۰۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن کراچی، اصح المطابق، ۲/ ۴۳۳

۲۱۔ مجیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات، محولہ سابقہ، ص ۴۳

۲۲۔ ترمذی، الجامع، جلد ۲، باب البر والصلۃ

۲۳۔ الحدیث بحوالہ اسلامی ثقافت، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر،

۲۴۔ مجیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی تصورات، محولہ سابقہ، ص ۳۲

۲۵۔ القرآن، سورۂ انساء، آیت ۱

۲۶۔ القرآن، ہورۂ الروم، آیت ۲۲

۲۷۔ شیخ سعدی، بحوالہ مجیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی تصورات، ص ۳۴

۲۸۔ القرآن، ال عمران، آیت ۱۹۱

۲۹۔ القرآن، بنی اسرایل آیت ۷۰

۳۰۔ اردو انسائیکلو پیڈیا، لاہور، ۱۹۸۴ء طبع سوم، فیروز سنز

۳۱۔ خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، کراچی، ۱۹۶۲ء، شعبہ تصنیف و تالیف کراچی یونیورسٹی، ص ۴۰۲

۳۲۔ خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، محولہ سابقہ، ص ۴۰۸

۳۳۔ القرآن، سورۂ حم سجدہ، آیت ۴۶

۳۴۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ۱/ ۲۹

۳۵۔ القرآن، سورۂ النجم، آیت ۲۹

۳۶۔ تقی عثمانی، جسٹس مولانا، اسلامی معاشرہ میں جدت پسندی کی حدود، اسلام آباد، دعوہ اکیڈمی، ص ۷

۳۷۔ تقی عثمانی، جسٹس مولانا، اسلامی معاشرہ میں جدت پسندی کی حدود، اسلام آباد، دعوہ اکیڈمی، ص ۷

۳۸۔ علی متقی الہندی، کنز العمال، حیدر آباد کن، مجلس دائرہ المعارف العثمانیہ، ۱۹۵۴ء، جلد ۲، صفحہ ۱۲۹

۳۹۔ کنز العمال، محولہ سابقہ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۹

۴۰۔ کنز العمال، محولہ سابقہ، جلد ۲، صفحہ ۱۹۷

۴۱۔ کنز العمال، محولہ سابقہ، جلد ۲، صفحہ ۱۹۷

۴۲۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، بحوالہ تقی عثمانی، اسلامی معاشرے میں جدت پسندی کی حدود، محولہ سابقہ، ص ۹

۴۳۔ القرآن، سورۂ فاتحہ، آیت ۵ تا ۷

۴۴۔ القرآن، سورۂ النور، آیت ۳۵

۴۵۔ القرآن، سورۂ النساء، آیت ۱۷۴

۴۶۔ القرآن، سورۂ المائدہ، آیت ۱۶

۴۷۔ القرضاوی، ڈاکٹر محمد یوسف، الصحوۃ الاسلامیہ بین الجحود والتطرف، اردو ترجمہ: اسلامی بیداری، سلمان ندوی، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ص ۱۰

۴۸۔ القرآن، سورۂ البقرہ، آیت ۱۴۳

۴۹۔ القرضاوی، اسلامی بیداری، محولہ سابقہ، ص ۱۱

۵۰۔ ابن حجر، فتح الباری، ۲۹/۱۳

۵۱۔ خورشید احمد، پروفیسر، روشن خیال اعتدال پسندی، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ص ۳

۵۲۔ دیکھیے القرآن، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۲۶، ۲۷، ۱۲۹، الفرقان، آیت ۴

۵۳۔ القرآن، سورۂ المائدہ، آیت ۳۲

۵۴۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ۳۹/۱

۵۵۔ مسلم، الجامع، ۳۴/۱

۵۶۔ بحوالہ خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، محولہ سابقہ ص ۴۹۱

۵۷۔ بحوالہ مجیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی تصورات، محولہ سابقہ، ص ۵۵

۵۸۔ بحوالہ مجیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات، محولہ سابقہ، ص ۵۵

۵۹۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۳۷

۶۰۔ البلاذری، فتوح البلدان، ، قاہرہ، دار النشر، ص ۲۷

۶۱۔ خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، محولہ سابقہ، ص ۴۹۱

۶۲۔ مجیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات، محولہ سابقہ، ص ۴۵

۶۳۔ ابوداؤد، السنن، ۴۳۳/۲

۶۴۔ مالک بن انس، امام، موطا، کراچی اصح المطابع

٦٥۔ نیل الاوطار، جلد ۷، ص ۱۴۳

٦٦۔ القرآن، البقرہ، ۲۵٦

٦٧۔ القرآن، الانعام، ۱۰۸

٦٨۔ تشکیل پاکستان، میاں بشیر احمد، سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ جامشورو، ص ۳۳

٦٩۔ شبلی نعمانی، الفاروق، ملتان، مکتبہ صدیقیہ، جلد دوم، ص ۴۷۵

۷۰۔ القرآن، سورۂ یونس، آیت ۹۹

۷۱۔ ابن ہشام، سیرۃ النبویہ، بیروت، دارالمعارف، ۵/۴، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے
T.W.Ronold,The Preaching of Islam New Delhi, Kitabistan, 1999

۷۲۔ البدایہ والنہایہ، بحوالہ مجیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات، محولہ سابقہ، ص ۵۲

۷۳۔ خورشید احمد پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، محولہ سابق، ص ۴۹۲

۷۴۔ القرآن، النساء، آیت ۵۸

۷۵۔ القرآن، النساء، آیت ۱۳۵

۷٦۔ القرآن، المائدہ، آیت ۸

۷۷۔ بحوالہ، مجیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات، محولہ سابقہ، ص ۴۷

۷۸۔ ابن قیم الجوزی، زادالمعاد، بیروت، مکتبہ الرسالہ، ۱۹۷۹ء، ۴۳۳/۱

۷۹۔ القرآن، سورۂ یوسف، آیت ۹۲

۸۰۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ص ۴۴۲

۸۱۔ Arther Gillaman/ The saracens, London, P. 184,185

۸۲۔ القرآن، الحجرات، آیت ۱۳

۸۳۔ القرآن، الروم، آیت ۲۲

۸۴۔ بحوالہ مجیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات، محولہ سابقہ، ص ۳۹

۸۵۔ خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، محولہ سابقہ، ص ۴۹۳

۸٦۔ یوسف قرضاوی، اسلامی بیداری، محولہ سابقہ، ص ۱۷۵

۸۷۔ یوسف قرضاوی، اسلامی بیداری، محولہ سابقہ، ص ۱۷۶

۸۸۔ خورشید احمد۔ پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، محولہ سابقہ، ص ۴۹۲

۸۹۔ القرآن، سورۃ المائدہ، آیت، آیت ۲

۹۰۔ مسند، ج ۳، ص ۲۷۶

۹۱۔ القرآن، سورۃ حجرات، آیت ۹

۹۲۔ القرآن، سورۃ الکافرون، آیت ۲

۹۳۔ حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، کراچی، فضلی سنز، ص ۵۱۷

۹۴۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت ۱۷۱

۹۵۔ القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۷۷

۹۶۔ القرآن، سورۃ لقمان، آیت ۱۱

۹۷۔ القرآن، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۱۱۰

۹۸۔ القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۱۰۵

۹۹۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، دار صادر، ۱۸۱/۲

۱۰۰۔ المنذری، الترغیب والترہیب، قاہرہ، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ

۱۰۱۔ القرآن، سورۃ الاحقاف، آیت ۳۵

۱۰۲۔ القرآن، سورۃ الشوریٰ، آیت ۴۰

۱۰۳۔ ترمذی، الجامع، ۳۷۲/۴

۱۰۴۔ القرضاوی، ڈاکٹر یوسف، اسلامی بیداری، محولہ سابقہ، ص ۲۶۳

۱۰۵۔ القرآن، سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۵

۱۰۶۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت ۲۸

۱۰۷۔ القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۶۰

۱۰۸۔ القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۱۷۸

۱۰۹۔ بحوالہ قرضاوی، اسلامی بیداری، محولہ سابقہ، ص ۲۵۴

۱۱۰۔ صحیح بخاری، بحوالہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، کراچی، دارالاشاعت، جلد ۶ ص ۲۵۵
۱۱۱۔ طبرانی، بحوالہ معدن الدقائق، عبدالرؤف منادی، لاہور، مطبع گیلانی، ص ۴۵۱
۱۱۲۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، ص ۴۴
۱۱۳۔ القرآن، سورۃ التوبہ، آیت ۱۲۲
۱۱۴۔ القرآن، سورۃ الانبیاء، آیت ۷
۱۱۵۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت ۸۳
۱۱۶۔ القرآن، سورۃ فرقان، آیت ۵۹
۱۱۷۔ القرآن، سورۃ فاطر، آیت ۱۴
۱۱۸۔ ترمذی، الجامع، ابواب البر والصلۃ، ماجاء فی الحسد
۱۱۹۔ ترمذی، الجامع، باب ماجاء فی رحمۃ الناس
۱۲۰۔ القرآن، سورۃ البقرہ، ۸۷، سورۃ المائدہ، آیت ۷۳
۱۲۱۔ القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۸۶
۱۲۲۔ القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۷۴
۱۲۳۔ القرآن، سورۃ الاعراف، آیت ۲
۱۲۴۔ ابن ہشام، ج ۱ ص ۲۷۹،
۱۲۵۔ Ameerali/The Sprit of Islam, Karachi, 1969, P.58
۱۲۶۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، جلد اول، ص ۳۷۹
۱۲۷۔ صحیح بخاری، بحوالہ سیرۃ النبی، ج ۲، ص ۳۷۰
۱۲۸۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب الوصیۃ بالجار
۱۲۹۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ۲، ص ۱۴۱
۱۳۰۔ یوسف الصالح الشامی، سبل الہدیٰ والرشاد، قاہرہ، ۱۹۷۵ء، ۸۷/۵
۱۳۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، بیروت، دار المعرفہ، ۲۵۶/۵
۱۳۲۔ محمد احمد باشمیل، صلح حدیبیہ، مترجم اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۵، ص ۲۵۶

۱۳۳۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:ابن سید الناس /عیون الاثرفی فنون المغازی ولشمائل والسیر قاہرہ ۱۹۷۰ء،الواقدی،محمد بن عمر،کتاب المغازی،بیروت،موسۃ الرسالہ محمد شیث خطاب،الرسول القائد، بغداد،مکتبہ الحیاۃ،۱۹۶۰ء

۱۳۴۔ ابن قیم،الجوزی،زادالمعاد،بیروت،مکتبہ الرسالہ،۱۹۷۹ء،۱/۴۲۳

۱۳۵۔ حاکم،المستدرک،ریاض،مکتبہ المعارف،۳،۴۷

۱۳۶۔ امیر علی،روح اسلام،ص ۱۲۹

۱۳۷۔ جی سنگھ دارا،رسول عربی،لاہور،سیرت اکیڈمی،۱۹۸۹ء،ص ۱۱۸

۱۳۸۔ حمیداللہ ڈاکٹر،خطبات بھاولپور،ادارہ تحقیقات اسلامی،ص ۲۰۷

۱۳۹۔ معین الدین ندوی،تاریخ خلفائے راشدین،ص ۵

۱۴۰۔ معین الدین ندوی،خلفائے راشدین،ص ۵۷

۱۴۱۔ یعقوبی،ج ۲،ص ۱۴۵

۱۴۲۔ معین الدین ندوی،خلفاء راشدین،ص ۶۱

۱۴۳۔ شبلی نعمانی،الفاروق،ج ۲،ص ۱۴۰

۱۴۴۔ شبلی نعمانی،الفاروق،ج ۱،ص ۱۲۰

۱۴۵۔ کتاب الخراج،باب ۱۳،فصل ۲

۱۴۶۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: T.W. Ronold, The perching of Islam New Delhi, Kitabistan, 1999

۱۴۷۔ ابن ماجہ،بحوالہ،قرضاوی،اسلامی بیداری،محولہ سابقہ،ص ۲۸۶

۱۴۸۔ القرآن،سورۃ الحجرات،آیت ۱۲

۱۴۹۔ القرآن،سورۃ بنی اسرائیل،آیت ۷۰

۱۵۰۔ القرآن،سورۃ ہود،آیت ۸۸

☆☆☆☆☆

عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل وضرورت سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

(سید شعیب اختر (کراچی)

عنوان کا تعارف

محسن انسانیت سرور کائنات خاتم الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی چودہ صدیوں سے مورخین، محققین، دانشوروں، ادباء اور شعراء کا محبوب موضوع رہی ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ وہ موضوع ہے، جس کے لیے دشمنوں اور دوستوں، مخالفین وموافقین سب ہی نے مختلف اسباب کی بنا پر وہ کشش محسوس کی جس کی مثال کے لیے کوئی اور ہستی پیش نہیں کی جاسکتی۔ انگریز مستشرق ڈی ایس ماگولیس ((D.S Margoliouth نے آنحضرت ﷺ کی سیرت پر جو کچھ بھی لکھا ہو مگر ان کی کتاب کے مقدمہ کا ابتدائی جملہ ضرب المثل اور آفاقی حقیقت رکھتا ہے۔ اپنی کتاب کا آغاز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The biographers of the prophet Muhammad from ■ long series which it is impossible to end but in which it would be honourable to find ■ place" (1)

حضرت محمد ﷺ کے سیرت نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کو ختم کرنا ناممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا باعث شرف ہے۔ اسی شرف کے حصول روشن خیال اعتدال پسندی کیلئے قلم طبع آزمائی پر آمادہ ہوا۔ برداشت کا تعلق اخلاقی احکامات سے ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بجا لکھا ہے!

اخلاقی احکام کا تعلق جہاں تک تعلیم محض سے ہے وہ کوئی ایسی متاع غریب نہیں جس کے پیش کرنے پر اسلام فخر کرے۔ اخلاقی احکام ہمیں ہر جگہ مل سکتے ہیں اور قریباً ہر مذہب نے اپنا مقصد یہی بتلایا ہے کہ انسان کو اخلاق کا وعظ سنائے اگر قرآن حکیم تعلیم دیتا ہے کہ عہد کی پابندی کرو۔ (۲)

خداوند قدوس بزرگ و برتر نے دنیا میں انسان کو خلیفہ نامزد کر کے بھیجا ہے خالق کائنات نے انسان کو اس دنیا میں کسی مقصد حیات کے تحت ہی پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی ورشد و ہدایت کے لیے وحی کا ایک سلسلہ جاری کیا ،اس وحی کے ذریعے انبیاء کرامؑ روئے زمین کے انسانیت کی فلاح کے لیے اللہ کا پیغام لے کر آتے رہے۔ حضرت محمد ﷺ ▪

خاتم النبیین، رحمت للعالمین، انبیائے کرام کے سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔(۳) حضرت محمدؐ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے اللہ کا پیغام آخری لے کر آئے۔ اور حضور اکرمؐ کے توسط سے ہی اللہ کا دین "اسلام" مکمل ہوا، اللہ کی نعمت کی تکمیل ہوئی اور سیرت نبی اکرمؐ روشنی وہدایت ورہنمائی کا وہ مینارہ ومنبر ٹھہری جو ہر دور میں انسانیت کی رہنمائی کر رہی تھی، کر رہی ہے اور کرتی رہے گی۔(۴)

انسان نے اپنے عقل وشعور سے کام لے کر آج نہ صرف سمندر، فضاؤں اور زیر زمین معدنیات کو تسخیر کر لیا ہے بلکہ اس نے اپنے قدم چاند پر پہنچا دیے ہیں۔ انسان کی عقل ودانش میں جوں جوں اضافہ ہوگا، اس پر علم وفن کے مزید دروازے کھلتے جائیں گے۔ مسلمان کی شان کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"تم وہ امت ہو جس کی یہ ذمے داری ہے کہ اس پیغام کو سارے انسانوں تک پہنچاؤ۔"(۶)

قرآن کریم جو اللہ کی آخری کتاب ہے، اس کتاب آخر نے اس بات پر زور دیا ہے کہ سارے انسانوں کی اصل ایک ہے اور تمام قوموں کو انبیاء کے لائے ہوئے دین اور دنیا پر پائے جانے والے نیک افکار کا منبع و مآخذ، ایک ہے اور ان تمام اصولوں کی بنیاد عقیدۂ توحید ہے۔ اللہ نے تمام انسانوں کو ایک آدم سے تخلیق کیا ہے۔ رنگ ونسل، زبان وقبائل کا اختلاف اعتباری ہے اور اس کا مقصد انسانی گروہوں کو ایک دوسرے سے متعارف کرانا ہے۔(۶) جس طرح تخلیق کے اعتبار سے تمام انسان برابر ہیں، اسی طرح دین ومذہب کی اصل کے لحاظ سے بھی سب انسان برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور علاقے میں انبیائے کرام کو بھیجا، ان کی بنیادی تعلیم ایک ہے سب رسول اور پیغمبر توحید اور نیکوکاری ہی پیغام لے کر آئے۔

اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ مختلف ادیان کے پیروکاروں کو توحید اور خیر کی قدر کی مشترک پر اکٹھا کیا جائے۔ قرآن کریم نے تمام انسانوں کو ایک متفقہ کلمے کی طرف دعوت دی، یہی نہیں بلکہ قرآن کریم نے حق کی طرف دعوت دینے کا طریقہ کار بتاتے ہوئے اہل ایمان پر واضح کیا کہ دعوت، حکمت اور خوش اسلوبی سے دیں، انسانوں کے ساتھ سختی کا رویہ اختیار نہ کیا کریں حتیٰ کہ ان کے باطل خداؤں کو بھی برا بھلا نہ کہیں تا کہ ان میں وہ تعصب اور ضد پیدا نہ ہو جو ٹھنڈے دل سے حق بات تسلیم کرنے مانع ہوتے ہیں، ان کو جو سمجھانا ہے اسے نرمی اور خوش اخلاقی سے سمجھایا جائے، اس لیے کہ ہم سب کی اقتداء مشترک ہیں مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ نرمی اور صبر سے کام لے کر حق کو واضح کرتے رہیں اور لوگوں کی طرف سے تھوڑی بہت ضد اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑے تو بھی ہر ممکن برداشت سے کام لے کر مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور یہی اسلام کی حقیقی روح ہے۔ صرف معاشرے اور ماحول نے اسے اسلام سے دور کر دیا ہے۔(۷)

عصر حاضر کی ضرورت وتقاضے

عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل وضرورت حیات طیبہ کی روشنی میں موضوع ہے جو ہر دور میں عالم اسلام کے لیے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ضروری اور قابل توجہ مرکز بنا رہا ہے۔ دور حاضر میں معاشرہ بے شمار معاشرتی برائیوں میں گرفتار ہو چکا ہے، اگر حقیقت پسندانہ طور پر جائزہ لیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہمارا معاشرہ سیاسی، سماجی، مذہبی، تعلیمی، اقتصادی، ہر شعبے میں مسائل کا شکار ہے اگر ہم آج کے تناظر میں امت مسلمہ کے مسائل اصل اور روشن خیال اعتدال پسند معاشرے کا جائزہ لیں تو اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ آج کے معاشرتی مسائل کا حل صرف اور صرف حیات طیبہ اور قرآن پاک میں موجود ہے کیونکہ انسان جو ایک نائب کی حیثیت سے دنیا میں بھیجا گیا ہے اور وہ روئے زمین پر اشرف المخلوقات کے درجات پر فائز ہے، جب انسان اسلام کے بتائے ہوئے دینی، مذہبی، سیاسی، تعلیمی، ثقافتی ومعاشرتی وروحانی اصولوں کی اچھی طرح پاسداری کرتا ہے تو وہ بلاشبہ معاشرے کا ایک صالح فرد بن جاتا ہے، ایسا انسان جو صالحیت کا پیکر مجسم ہو وہ معاشرے کی جان وشان ہوتا ہے، اس کی حیات زندگی بے غرضی، خوش بختی، اعلیٰ اخلاق، روشن ضمیری، رضائے الٰہی، اعتدال پسندی، قانون کی پاسداری وپابندی، عفو ودرگزر، برائی کے بدلے نیکی، اظہار صبر وشکر، خدا کے لیے دوستی، چھوٹوں سے شفقت وپیار اور بڑوں کی توقیر میں بسر ہوتی ہے۔(۸)

اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ حد سے بڑھی ہوئی انفرادیت پسندی اور اعتدال سے بڑھی ہوئی اجتماعیت کے مابین راہ اعتدال ہے، یہ نہ تو فرد کو کھلی چھٹی دیتا ہے کہ جس طرح چاہیں اجتماعی مصالح کو اپنی حرص کی بھینٹ چڑھا دیں اور نہ ہی معاشرے کو یہ حق دیتا ہے کہ فرد کو بے جان کل پرزہ سمجھ کر چھٹی دیتا ہے کہ جس طرح چاہے اس سے کام لیتا رہے۔ اسلام کی نظر میں ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ اور اسی بات کو اقبال نے یوں اشعار کے انداز میں فرمایا:

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

دین اسلام نے فرد اور معاشرے دونوں کو احکام الٰہی کا پابند بنایا ہے اور ان میں سے کسی کو من مانی کارروائیاں کرنے کے لیے آزاد نہیں چھوڑا۔ مسلمانوں کے اندر پیدا شدہ خرابیوں کو دور کرنے کے لیے ہر دور میں بزرگان دین وعلمائے کرام نے اپنا کردار ادا کیا۔ برصغیر پاک وہند میں جب سلطنت مغلیہ تمام معاشرتی برائیوں اور گروہ بندیوں میں تقسیم ہوگئی تو اس موقع پر شاہ ولی اللہ نے تحریر وتصنیف کے ذریعے مسلمانوں کے اختلاف کو چاہے ہو فقہی ہوں یا مسلکی ختم کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے ایک طرف شیعہ مکتبہ کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش فرمائی اور دوسری طرف چاروں فقہوں میں

مطابقت پیدا کرنے کی سعی کی۔ (۹)

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

"جب انسانوں کا کوئی گروہ ایک قوم یا ملت بنتا ہے تو وہ ان بنیادی اصولوں کی اساس پر بنتا ہے، جو ان میں مشترک ہوتے ہیں، آج تک دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں گزری جس کے تمام افراد اور تمام گروہ چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل میں بھی ایک ہی رائے رکھتے ہوں۔ اب اگر کوئی قوم سمجھدار اور فراخ دل ہوگی تو بنیادی امور کے اتفاق کو سمجھے گی اور فروعی اختلاف ہونے کے باوجود باہم مل کر کام کرے گی لیکن اگر وہ تنگ نظری اور تعصب کی بھینٹ چڑھ جائے تو حال یہی ہوگا کہ قوم میں بے اتفاقی اور جنگ وجدال ہوگا وہ قوم ہر لحاظ سے کمزور ہو جائے گی اور آخر کار نوبت بربادی تک آجائے گی۔ (۱۰)

سرکار دو عالم ﷺ کا سیرت طیبہ ہمیں اس بات کا درس دیتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے نرم گوشہ کی تلاش میں رہیں۔ تحمل و بردباری سے کام لیں جن اختلافات کو ہم سرعام ہوا دیتے ہیں ان کے حل کے لیے تنہائی میں مل بیٹھ کر کوشش کریں۔ اسلام کے فلسفہ اجتماعیت کو سمجھیں، راہ اعتدال سے نہ ہٹیں اور حضورؐ کے ان ارشادات پر ضرور عمل کریں تاکہ جن تعصبات میں ہم گھرے ہوئے ہیں، ان سے نکل کر خدمت اسلام اور خدمت ملک وملت کر سکیں۔ (۱۱)

خداوند تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو رحمت للعالمین کا تاج پہنا کر مبعوث فرمایا تو مشیت ایزدی کے تقاضوں کے تحت سرکار دو عالمؐ نے طبقہ انسان کو احکامات خداوندی اور اپنی حدیث وسنت کی مہربانیوں سے نواز دیا، آپؐ نے اپنی پاکیزہ تعلیمات اور روشن خیال سیرت طیبہ سے اس دنیا کو منور فرمادیا کہ قیامت تک آنے والی انسانیت آپ کی سدا بہار تعلیمات کو مشعل راہ بناتی رہے گی۔ (۱۲)

سرکار رحمت للعالمین، شاہ دنیا و دین، حامل حق مبین، سید المرسلین، حبیب رب العالمین واصحابہ وسلم نے اپنی سرمدی تعلیمات کے ذریعے جہاں کائنات کے کل طبقات کی دستگیری فرمائی انسان فطرت کا وہ انمول ہیرا ہے جس کی چمک دمک سے کائنات کا حسن دوبالا ہوتا، یہ قدرت کا حسین شاہکار ہے، جو ظاہری اور باطنی اوصاف ومحاسن کے اعتبار سے شکل وصورت اور جبلت وفطرت کے اعتبار سے احسن تقویم کہلاتا ہے مگر اس کے حسن کا بقا و ارتقا ان اصول وقوانین کی پیروی میں مضمر ہے جو ایک کامل اور جامع شریعت کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ شریعت اسے ان رفعتوں سے ہمکنار کرنا چاہتی ہے جہاں پر خدا کا قرب حاصل کر کے اس کائنات کا تخلیق وتعمیر اور تکمیل میں اپنا بھرپور کردار ادا کر سکے۔ شریعت کے عطا کردہ اصولوں کی پاسداری انسان کع ظاہری و باطنی صحت وحسن کو جلا بخشتی اور اسے احسن تقویم کے تمام مقام رفیع پر فائز کرتی اور ان سے انحراف اسے "اسفل السافلین" کی پستیوں اور کھائیوں میں گرانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ (۱۳)

دور حاضر کے تناظر میں یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ آج کا انسان مادیت پرستی کے اس دور میں مادی منافع اور نفسانی لذتوں کے حصول کی دوڑ میں سرگرداں ہے زیادہ سے زیادہ مال و دولت اس کا نصب العین بن چکا ہے۔شہرت لذت و آسائش کا حصول اس کی زندگی کا اولین مقصد بن چکا ہے اسے لذت و راحت کی کسی منزل پر قرار نہیں آتا چونکہ اس کی نظر میں چند روزہ زندگی کی منافع اور نفسانی لذتیں ہی انسان کی معراج ہیں، اس لیے دنیا طلبی کا جنون اور دنیوی محرومی کا خوف اس کے اعصاب پر بری طرح مسلط رہتا ہے چنانچہ مادیت پرستی کی اس دوڑ میں یا تو دوسروں سے پیچھے رہ جاتا ہے یا آگے بڑھ جاتا ہے دونوں صورتوں میں اس کا طرز عمل اور طرز فکر اسے سکون قلب کی دولت سے محروم کر دیتی ہے اس کی روح اضطراب و بے چینی کا شکار رہتی ہے مگر وہ نفس امارہ کے گرداب سے نکلنے کے بجائے سکون واطمینان کے حصول کے لیے ہر قسم کی معاشرتی برائیوں میں خود کو داخل کر لیتا ہے نتیجہ اس کا یہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ جس سکون واطمینان کی خاطر سب کچھ کر رہا تھا مزید اس کے اضطراب اور پریشانیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔(۱۴)

دور حاضر میں ہر طرف بے یقینی کی کیفیت پائی جاتی ہے ہر شخص زیادہ سے زیادہ مال و دولت کے حصول کار میں مصروف نظر آتا ہے اگر والدین کو دیکھیں تو ان کے پاس اپنے قیمتی متاع اشیاء یعنی اولاد کے لیے وقت ہی نہیں ہے، بچوں کے پاس "دنیاوی مصروفیات اس حد تک بڑھ چکی ہیں کہ وہ والدین کو ٹائم دینے سے قاصر ہیں۔مقابلے کی ایک ایسی بے سکونی کی فضا نے دور حاضر کے انسانوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے کہ ہر عمر اور مکتبہ کا شخص صرف آگے بڑھنے کی طرف مصروف نظر آتا ہے۔ ہر مکتبہ فکر پر مختلف قسم کے دباؤ نظر آتے ہیں۔مثال کے طور پر بہتر مستقبل کی فکر، والدین، اساتذہ، دوست واحباب اور سماج کی ان سے توقعات بے شمار ہوتی ہیں جب کہ دوسری جانب آج کے معاشرے میں بے روزگاری، غربت، اقربا پروری، سفارش ورشوت، عصبیت و بے ایمانی کے عفریت منہ پھاڑے منتظر ہیں۔ان حالات میں افراد کی بہتر طور پر تربیت نہیں ہو پاتی اور نتیجہ وہی برآمد ہوتا ہے جو آج ہمارے سامنے موجود ہے معاشرتی مسائل سے جان چھڑانے کے لیے غیر منفی سرگرمیوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور پھر معاشرتی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔(۱۵)

دور حاضر میں بے شمار مذہبی رہنماؤں اور علمائے دین کا قتل عام کیا گیا شیعہ سنی کے اختلافات کو ہوا دی گئی۔امام بارگاہوں، مساجد پر بموں کے دھماکے کیے گئے، ملک میں دہشت گردی اور افراتفری کا بازار گرم کیا گیا، معاشرہ بے یقینی کا شکار ہو کر رہ گیا، خون کی ندیاں بہنے لگیں، ہر طرف لاقانونیت کا بازار گرم دیکھنے میں آتا گیا اور حکومت کی تمام کوششوں باوجود کرائے کے قاتل گرفتار نہ ہو پائے۔

مذہبی انتہا پسندی کے اسباب ور جحان کا جائزہ

اس میں کیا شک ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کا رجحان نہ صرف یہ ہے کہ انفرادی، اجتماعی اور قومی سطح پر معاملات کو زیرو زبر کر رہا ہے بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی فی زمانہ مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اقوام وعل کو ایک دوسرے کے مد مقابل لے آیا ہے۔ گویا مذہبی انتہا پسندی مرض نہیں وبا کی صورت اختیار کیا گیا ہے۔ اس کا زہر ہماری رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے اور اس سے ہماری جسمانی و روحانی زندگی، تہذیبی و اخلاقی زندگی نحیف و نزار ہوتی جا رہی ہے اور اگر اس کے جلد علاج کی فکر نہ کی گئی تو جسد ملت کو بہت بڑا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے وزارت مذہبی امور بجا طور پر لائق تحسین ہے کہ اس نے خطرہ کا بروقت احساس کر کے صحیح موضوع کا انتخاب کیا ہے۔

مذہبی انتہا پسندی کا رجحان کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ کیوں پیدا ہوتا ہے اور کہاں رنگ دکھاتا ہے؟ اس کی کئی سطحیں، کئی درجے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ کبر و نخوت، غصہ و جال اور مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ صرف وہ لوگ کیا کرتے تھے جو واقعی کہیں کہ حاکم، بادشاہ، حکمران ہوتے، جاگیردار، نمبردار، جہانگیر و جاں دار ہوتے یا ملک وڈیرے، لوگوں کے ان داتا، غلاموں کے آقا ہوتے اور جو مال، دولت یا طاقت کے نشہ سے سرشار ہوتے جن کا دماغ عرش معلیٰ پر ہوتا اور دوسرے سب کے سب، فرش نشیں، خاک بسر روندے جانے کے قابل، ذلیل و کمتر، حقیر، ذلیل، کمینے نظر آتے۔ ان کے حکم سے سرتابی محکوموں، مملوکوں کے لیے ممکن نہ تھی۔ رعایا ان کے اشارہ چشم و ابرو کے صدقہ میں امان پاتی تھی اور عوام کالانعام، بے چون و چراں زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ کیوں کہ معمولی سی " آزادانہ حرکت " بھی گستاخی میں شمار ہو کر موجب قہر و عتاب خسروانہ ہو سکتی تھی۔

ہر عمل کا ردعمل لازمی ہے۔ زمانہ پلٹا کھاتا ہے، وقت بدل جاتا ہے، قدریں، قسمتیں بدل جاتی ہیں۔ بہت سے تاج شہی الٹ دیئے جاتے ہیں۔ اونچے جھنڈے گر جاتے ہیں اکڑی گردنیں خم ہو جاتی ہیں، جن کے در پہ نقارے بجا کرتے تھے ان کو پوچھنے، پوجنے والا کوئی نہیں رہتا، اور ادھر جو پہلے کبھی ڈرتے رہتے تھے، پسے چلے آرہے ہیں۔

☆ مذہب کا تعارف

مذہب کے لفظی معنی راستہ، طریقے کے ہوتے ہیں۔ جب کہ انگریزی زبان میں مذہب کے لفظ Religion استعمال کیا جاتا ہے۔ مذہب لاطینی زبان سے ماخوذ ہے۔ اور اس کے معنی پابندی، عقیدہ اور عبادت کا ایک نظام ہے۔ (۱۷) مذہب اسلام جو کہ ایک آفاقی مذہب ہے اس نے مذہب کے لیے لفظ دین استعمال کیا ہے قرآن و سنت میں اسلام اور دین کا

استعمال بے شمار مقامات پر کیا گیا ہے اس حوالے سے اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

ان الدین عنداللہ الاسلام

ترجمہ:۔ بے شک اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہے۔(۱۸)

☆ دین و مذہب کے معنی و مفہوم کی وضاحت

اسلام نے مذہب کے لیے دین کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ لفظ ملت اسلامیہ کے لیے مذہبی علامت کا نشان ہے جب کہ اس کے برعکس مغربی مفکرین نے بھی دین اور مذہب پر تفصیلی بحث کی ہے۔(۱۹)

امام راغب کے نزدیک دین کا تصور

امام راغب دین کے حوالے سے فرماتے ہیں:

الطاعة ولجزاء و استعیر بلشعریة والدین کالملة یقال اعتبار ا بالطاعة والانقیاد بلشعریة(۲۰)

دین کے معنی اطاعت، جزا اور فرماں برداری کے ہوتے ہیں۔

☆ عصر حاضر میں انتہا پسندی کا تصور اور اصطلاح

انتہا پسندی، عصر حاضر کی اہم موضوع بحث ہے انتہا پسندی سے مراد انتہا پسندانہ سوچ و خیالات بے اعتدال، غیر متوازن اور ایسی سوچ ہے جس میں انتہا پسندی کا حد سے زیادہ دخل ہو، انتہا پسندی کو انگریزی میں Extremism کہتے ہیں اور یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جس کو منافرت، دہشت گردی سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔(۲۱)

☆ عصر حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کا جائزہ

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام امن و سلامتی، تحمل و برداشت، رواداری اور احترام آدمیت کا سب سے عظیم مذہب ہے۔ اسلام کی نگاہ میں سب انسان بغیر کسی تفریق و امتیاز کے احترام کے مستحق ہیں، اسلام میں عدم برداشت اور انتہا پسندی کا کوئی تصور نہیں ہے۔

اسلام وہ آفاقی اور عظیم مذہب ہے جس نے ساری کائنات کو امن و سلامتی اور بنی نوع انسان کے لیے احترام کا درس دیا ہے۔ یہ اسلام کی شان اور عظمت ہے کہ اس نے اشرف المخلوقات کے لیے پرامن بقائے باہم مذہب و ملت لکم دینکم ولی دین کا عظیم تصور پیش کیا۔ اسلام ہی نے انسانی عظمت کے مینار کو بلند کرتے ہوئے اس کو غیر جانبداری، اعتدال پسندی اور امن و سلامتی کا وہ منشور و فلسفہ عطا کیا جس پر اسلام کی عمارت تعمیر ہے۔ اسلام نے ساری کائنات کے مخلوق کو یہ درس

دیا کہ ملت اسلامیہ کا رب سارے جہاں کا رب ہے، اس کی سب سے بڑی عظمت وشان یہ ہے کہ وہ رحمٰن الرحیم ہے وہ غفور الرحیم ہے۔(۲۲)

اشرف المخلوقات کے عظیم رہنما، محسن انسانیت، رحمت للعالمین، انسانیت کے ہادی اعظم، پیغمبر آخر حضرت محمدؐ کو اللہ تعالیٰ نے "رحمت للعالمین" بنا کر ساری دنیا کے لیے مبعوث فرمایا۔(۲۳)

سرور کائنات، رحمت للعالمین، فخر اعظم، احمد مجتبیٰ، احمد مصطفیٰؐ کی تمام حیات طیبہ، صبر و برداشت، رواداری، عفوو درگزر، میانہ روی، مساوات، امن وسلامتی، اعتدال پسندی اور روشن خیالی سے مزین ہے۔(۲۴)

رحمت للعالمینؐ کی تمام حیات طیبہ مذہبی انتہا پسندی، اسلام کی روح اور اسلام تعلیمات کے منافی ہے۔ عصر حاضر میں وطن عزیز میں آج اسلام اور پیغمبر اسلام رحمت للعالمین کے ماننے والوں کو جس طرح انتہا پسندی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہ انتہائی قابل مذمت ہے۔

رحمت للعالمینؐ نے ہمیں جو درس دیا تھا ہم اس کے برعکس زندگی گزار رہے ہیں آج ایک خدا، ایک کتاب اور ایک نبی کو ماننے والے جس طرح فرقہ واریت، دہشت گردی اور مذہبی انتہا پسندی کے شکار نظر آ رہے ہیں۔ اس نے دنیا بھر میں اسلام اور امت مسلمہ کو رسوائے زمانہ کیا ہوا ہے۔(۲۵) مولانا الطاف حسین حالی نے آج کے زوال اور انتہا پسند معاشرے کی عکاسی اپنے اشعار میں اپنے ہی عہد میں کر چکے تھے:

اے خاصہ خاصان رسلؐ وقت دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے۔(۲۶)

☆ غلو یا انتہا پسندی کی وضاحت

انتہا پسندی اور غلو کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ آدمی امن اور سلامتی سے دور ہلاکتوں اور خطروں سے قریب تر ہو جاتا ہے، اسی لیے اسلام کی راہ اعتدال کی راہ ہے ہر چیز میں اعتدال، تصور اور عقائد میں عبادت اور زہد میں اخلاق اور رویہ میں معاملات اور قانون سازی میں اسی راہ کا نام اللہ نے صراط مستقیم رکھا ہے۔ یہ راہ ان دینی اور فکری گروہوں کی راہ سے الگ ہے جس پر اللہ کا غضب ہو جو راہ پانے کے بعد کھو بیٹھے اور جن کی راہوں پر غلو اور افراط و تفریط کی چھاپ پڑی ہوئی ہے۔
لہٰذا اسلام عدم برداشت کی بجائے میانہ روی اور اعتدال پسندی کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وکزلک جعلنا کم امة وسطالتونوا شهداء على الناس (۲۷)

اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو امت وسط بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو۔

اسلام اعتدال کی تعلیم دیتا ہے انتہا پسندی سے خبردار کرتا ہے۔ قرآن وحدیث کے نصوص پر جن لوگوں کی نگاہ ہے وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام غلو کو انتہائی ناپسند کرتا ہے۔ نیز لوگوں کو اس سے شدت کے ساتھ خبردار کرتا ہے احادیث میں بھی غلو سے روکا گیا ہے اور اس کے خوفناک انجام سے آگاہ کیا گیا ہے۔ دین میں انتہا پسندی اور غلو سے سختی سے روکا گیا ہے اس لیے کہ یہ انتہا پسندی اور غلو اپنے ساتھ کچھ خرابیاں، عیوب اور آفتیں بھی لے کر آتا ہے۔

غلو کا رویہ طبعیتوں میں وحشت پیدا کرتا ہے اور یہ فطری طور پر انسانوں کے لیے ناپسندیدہ اور قابل برداشت ہوتا ہے تھوڑے لوگ ہی اسے برداشت کر سکتے ہیں۔ انتہا پسندی اور غلو کی عمر تھوڑی ہوتی ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غلو کی راہ پر چلنا اور اسے عادت بنالینا آسان نہیں انسان اکتانے والی مخلوق ہے اگر سختی اور دشواری پر ایک دن صبر کر بیتا ہے تو جلد ہی اس کی ساری جسمانی قوتیں تھک جاتی ہیں اور وہ آگے بڑھنے سے انکار کر دیتی ہیں اور شدت پسندی کا یہ رویہ جہاں پایا جاتا ہے وہاں ذمے داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی بھی ہوتی ہے اور دوسرے بہت سارے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ یہ ہے کہ آج کل لوگوں کی زبان پر رجعت پسندی، انتہا پسندی، جمود وتعصب کے جو الفاظ چڑھے ہوئے ہیں ان کے مفہوم کی وضاحت اور تجدید نہایت ضروری ہے۔ شدت پسندی اور سخت گیری کے سلسلے میں موقع ومحل کو نظر انداز کر دینا بھی ناپسندیدہ ہے کیونکہ شدت اور سختی کا جتنا خراب اثر دعوت وتبلیغ کے کام میں پڑتا ہے اتنا کسی اور چیز پر نہیں پڑتا۔ اسی طرح بدگمانی میں غلو اور انتہا پسندی کی علامت ہے دوسروں کے تئیں بدگمانی کا رویہ اختیار کرنا انہیں سیاہ عینک سے دیکھنا جو ان کی اچھائیوں کو چھپا دے اور ان کی برائیوں کو بڑھا کر پیش کر دے۔(۲۸)

☆ مختلف مذاہب واقوام میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان وتصور

دنیا میں اس وقت جو چند بڑے مذاہب ہیں ان میں مذہبی انتہا پسندی کا جو تصور ہے اس کو ذیل میں بیان کرتے ہیں:

ہندومت میں انتہا پسندی کا رجحان

ہندومت کی تعلیمات کا مدعا یہ ہے کہ مذہب کے مخالفین کو صفحۂ ہستی سے ختم کر دیا جائے۔ غیر مذہبوں کو آگ کے شعلے میں ڈال دیا جائے۔ اپنے مخالفین کو زیردست کرنے کے لیے ان کے کھیت وکھلیان کو نیست ونابود کر دیا جائے مال مویشی کو ہر طرح سے نقصان پہنچایا جائے تا کہ لوگ بھوک وافلاس سے مر جائیں۔(۲۹)

۱۹۴۷ء کا سال پاکستان کے قیام وآزادی کا سال تھا لیکن آزادی سے پہلے ہی ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ جو

ظلم وستم کا بازار گرم کیا وہ تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا بے گناہ لوگوں کے خون سے ہندوؤں نے ہولی کھیلی۔ عورتوں کی عصمتوں کو تار تار کیا گیا۔ بچوں کو تیروں پر اچھالا گیا۔ یہ وہ مذہبی انتہا پسندی کا شاخسانہ تھا جو آزادی کے وقت ہندوؤں نے مسلمانان ہند کے ساتھ برتاؤ کیا۔ (۳۰)

آج بھی ہندوستان میں مسلمانوں پر ظلم وستم مذہب کی بنیاد پر کیا جا رہا ہے مسجدوں اور عبادت گاہوں کے تقدس کو پامال کیا جا رہا ہے۔ سیکڑوں مساجد مقفل کر دی گئیں۔ (۳۱)

یہودیت میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان وتصور

یہودیوں کی سب سے بڑی انتہا پسندی یہ ہے کہ جہاں ان کو جس بات سے منع کیا جاتا ہے وہیں وہ اس کا اطلاق کرتے ہیں۔ انبیاء کرام کا ناحق قتل ان کا مشغلہ خاص ہے۔ یہودیوں کی اپنی مقدس کتاب ناپید ہو چکی ہے۔ یہودیوں نے اپنے ہم عصر مذہب پر ظلم وزیادتیاں کیں۔ بیت المقدس پر قبضہ اور ان کو نقصان پہنچایا گیا بے شمار مسلمان عورتوں اور بچوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ (۳۲)

توریت، انجیل اور قرآن کریم کی رو سے یہود صرف دنیا ہی میں افضل ترین قوم نہ تھی بلکہ عنداللہ بھی محبوب ترین قوم تھی، کیوں کہ اس نے توحید کی بنیاد رکھی تھی، مگر یہ لوگ نافرمان اور مغرور ہو گئے انہوں نے انبیاء کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ احکام خداوندی کو پس پشت ڈال دیا اور شرعی حدود سے آزاد ہو گئے۔ (۳۳) جس کی پاداش اور سزا میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو امارت اور حکومت سے محروم کر دیا اور ان پر ذلت مسلط کر دی گئی۔ بنی اسرائیل کو اعزاز نبوت سے محروم کر کے تاج بنی اسماعیل میں منتقل کر دی گئی جس میں سرکار دو عالم تشریف لائے، یہودی حضورؐ کی نبوت ورسالت کو برداشت نہ کر سکے اور اس کے بعد انہوں نے رسولؐ کے خلاف اور اسلام کے خلاف محاذ بنا لیا جو اب تک جاری وساری ہے۔ ۱۹۸۷ء میں انہوں نے اپنا تین نقاطی ایجنڈا اظاہر کیا

جس کے تحت:

(۱) یہودیوں کے لیے ایک قومی وطن کا قیام (۲) دنیا کے مالی نظام پر قبضہ (۳) اسلامی ممالک کو ختم کرنا (۳۴)

عیسائیت میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان وتصور

مذہب عیسائیت میں بھی مذہبی انتہا پسندی کا رجحان ابتدا سے نظر آتا ہے حالانکہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات نے عفو اور محبت کی تعلیم اس حد تک دی کہ اگر کوئی کسی کے ایک گال پر طمانچہ مارے تو اس کے سامنے دوسرا گال بھی پیش کر دیا جائے۔

عیسائیت اپنے نبی کے پیغام کی نفی کرتی ہے اور اس کا عیسائیوں نے اپنے محسنوں جن میں کوپر، نیکلس، گلیلیو اور برونو وغیرہ کے ساتھ پوپ صاحبان کا ظالمانہ سلوک تاریخ کے صفحات پر نمایاں رہے گا۔(۳۶)

عیسائیوں نے اپنے اقتدار مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ان کے مذہبی انتہا پسندی کے رویے کی نشان دہی کرتا ہے۔ سقوط غرناطہ کے بعد اندلس سے مسلمانوں کی حکومت تقریباً آٹھ سو سال سے قائم تھی ختم ہو گئی، حکومت کے ساتھ مسلمانوں کے لیے عرصہ حیات بھی تنگ کر دیا گیا۔ فرنانڈو نے مسلمانوں کے سب سے بڑے مسجد کو گرجا گھر میں تبدیل کر دیا جب عیسائیوں کو اس بات کا احساس ہوا کہ مسلمان کسی طور پر بھی مذہب کو چھوڑنے والے نہیں تو انہوں نے جبر و تشدد کا معاملہ شروع کر دیا۔ لارڈ بشپ نے سرزمین اندلس کو عربوں کے وجود سے پاک و صاف کرنے کے لیے یہ تجویز پیش کی کہ جو عرب دین مسیح اختیار نہ کریں وہ خواہ مرد ہوں یا عورت یا بچے ان سب کو قتل کر دیا جائے۔(۳۷)

عصر حاضر میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیائے عیسائیت مسلمانوں کے وجود کو برداشت تک کرنے کے لیے تیار نہیں حالانکہ مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں نہ صرف انہیں برداشت کیا بلکہ روشن خیال، اعتدال پسندی اور رواداری کا معاملہ ان کے ساتھ کیا۔

☆ بعثت نبویؐ کے وقت مذہبی انتہا پسندی کا تصور

پیغمبر آخر حضرت محمدؐ کی بعثت کے وقت دنیا مذہبی، نسلی اور طبقاتی گروہوں میں بٹی ہوئی تھی اور انتہا پسندی مذہبی تعصب ان کا وطیرہ تھا۔ نعیم صدیقی اپنی کتاب محسن انسانیتؐ میں فرماتے ہیں:

"محسن انسانیت کا ظہور ایسے وقت میں ہوا جب کہ انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ عرب معاشرہ میں کیا سارے عالم میں انسانیت کا تصور نہ ہونے کے برابر تھا ایک وحشی معاشرہ کا تصور نظر آتا تھا۔ دنیا کے بڑے بڑے ممالک و تہذیب کے علمبردار اپنی روشن روایات اور تعلیمات کو فراموش کر چکے تھے۔ انسانیت کی اخلاقی و مذہبی روح فنا ہو چکی تھی، انسانیت کے لیے راہ نجات کا کوئی تصور نہ تھا۔ انسان انسان کے خون کا پیاسا تھا انسانیت سسک سسک کر زندگی گزارنے پر مجبور تھی حتیٰ کہ معاشرہ اپنے انتہائی تباہی کے دھانے پر کھڑا تھا یعنی لوگ اپنی اولاد کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ معاشرے کی اس سے بھیانک تصویر اور کیا ہو سکتی تھی۔(۳۹)

مذہب نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ انبیاء کی تعلیمات کا غذی حیثیت بن کر رہ گئی تھیں۔ امید اور اصلاح کی روشنی کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ یہ دور خوف ناک ترین اور مذہبی انتہا پسندی کا ایک عالمگیر دور تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی

رہنمائی اور بہتری کے لیے محسن انسانیت کو دنیا میں اپنا آخری نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ حضورؐ نے اپنی کرامات و فیاضیوں سے معاشرے کو تاریکی کے غار سے نکالا۔(۴۰)

☆ اسلام میں انتہا پسندی جبر و تشدد کی ممانعت

اعتدال اور میانہ روی کا اصول اخلاقی زندگی کی روح اور انسان کو صراط مستقیم پر قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔ یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ اس نے اعتدال اور میانہ روی کی ایسی راہ دکھائی اور وہ تعلیم دی جس سے افراط و تفریط کی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔ اعتدال اور میانہ روی ہی دین و دنیا کی کامیابی کی ضمانت ہے، مذہبی انتہا پسندی کو قرآن " غـلـو فـی الـدین " اور دینی مزاج کے خلاف قرار دیتا ہے۔(۴۱)

رسول اکرم ﷺ نے تکمیل دین کے آخری مرحلے خطبہ حجۃ الوداع کے تاریخی موقع پر ارشاد فرمایا: "اور سنو غلو (انتہا پسندی) سے بچنا، کیونکہ دین میں غلو (انتہا پسندی اختیار کرنے والے) تم سے پہلے بھی ہلاک کر دیے گئے"۔(۴۲) رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: " عـن ابـن عبـاسؓ قـال، قـال رسـول الـلـه صلی الله علیه وسلم: وایاکم والغلو فی الـدیـن، فـانـمـا اهـلـك من كان قبلكم لغلو فی الدین" (۴۳) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: اور خبردار، دیکھو، دین میں غلو (انتہا پسندی) سے بچنا، کیونکہ بے شک، تم سے پہلے لوگ دین غلو (انتہا پسندانہ) رویے کی بنا پر ہلاک کر دیے گئے"۔ متعدد احادیث میں آسانی اختیار کرنے، تنگی اور کجی کی راہ اختیار نہ کرنے، بشارت سنانے اور منافرت کا پیغام عام نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

دوسری طرف یہ حقیقت بھی مخفی نہ رہے کہ اسلام ایک استدلالی مذہب ہے، اس کے تبلیغ و دعوت کے اصول، حکمت و دانش مندی، اعتدال اور میانہ روی اور وعظ و نصیحت پر مبنی ہیں۔ اسلام نے یہ تعلیم بھی دی کہ مذہب رضا، خوش دلی اور خود اختیاری جذبے کا نام ہے۔ اس کا تعلق قلب و روح سے ہے، اور قلب و روح کو بزور شمشیر تسخیر نہیں کیا جا سکتا۔ ایمان دراصل یقین کا دوسرا نام ہے، دنیا کی زبردست سے زبردست طاقت جبراً کسی کمزور سے کمزور انسان کے دل میں بھی یقین کا ایک ذرہ نہیں پیدا کر سکتی۔ قرآن کا ابدی اصول ہے: "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ"۔(۴۴) دین میں کوئی زبردستی نہیں، حقیقت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔

اسلام مذہب کے معاملے میں یہ اصول واضح کرتا ہے کہ لوگوں کو مذہب کے معاملے میں پوری آزادی حاصل ہو۔ عقل و بصیرت والے چشمہ نور سے فیض یاب ہوں اور نافہم، کج رو محروم رہیں۔ اس حوالے سے ارشاد ربانی ہے: "وَلَـوْ شَـآ

رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ "(۴۵) اور اگر تیرا پروردگار چاہتا کہ (لوگوں کو زبردستی مومن بنادے) تو زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے۔ تو کیا پیغمبر! آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔

اس طرح قرآن وسنت میں انتہا پسندی غیر مسلموں کے مذہبی معاملات میں مداخلت، جبر وتشدد کے ذریعے اسلام کا پیغام عام کرنے، انتہا پسندی اختیار کرنے اور عدم برداشت کے ہر رویے کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسے اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا گیا ہے۔

☆ بدامنی، دہشت گردی اور قتل وغارت کی ممانعت

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام سلامتی اور ایمان امن سے عبارت ہے، اس کی تعلیمات امن وسلامتی، پر امن بقائے باہم اور انسان دوستی کی یقینی ضمانت ہیں۔ اسلام امن وسلامتی کا سب سے بڑا علمبردار ہے، وہ معاشرے میں بدامنی، دہشت گری اور قتل وغارت گری کا شدید مخالف ہے۔ اس نے قیامت انسانیت کو ایک اصول عطا کیا، جو اس کی امن پسندی کا یقینی ثبوت ہے۔ "عن عبداللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ قال: من حمل علینا السلاح فلیس منا۔" (۴۶)
حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: جس نے ہم پر (اہل ایمان) پر اسلحہ اٹھایا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اسلام نے بلاتفریق مذہب وملت ایک بے گناہ انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ "مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا" ۔ (۴۷) اور اسی بناء پر ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا، (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے، یا ملک میں فساد پھیلانے کی سزا دی جائے، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "عن انس بن مالکؓ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " اکبر الکبائر الاشراك باللہ وقتل النفس وعقوق الوالدین وقول الزور" ۔(۴۸)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ (غیر اللہ) کو شریک کرنا ہے، پھر (بے گناہ) انسان کا قتل، پھر والدین کی نافرمانی، پھر جھوٹ بولنا۔

اسلام بدامنی، دہشت گردی اور قتل وغارت گری کے ذریعے انتہا پسندانہ رویے کا ارتکاب کرنے والوں اور فساد فی الارض کے

مرتکب انسانیت اور مذہب دشمن افراد کے لیے شدید ترین سزائیں تجویز کرتا ہے، ارشاد ربانی ہے: اِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِیْنَ ......عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ (۴۹) جو لوگ خدا اور اس کے رسولؐ سے لڑائی کریں، اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں، ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

فرقہ واریت اور تکفیر کا خاتمہ:

مذہبی انتہا پسندی کا لازمی نتیجہ اور بدترین شکل فرقہ واریت اور تکفیر کی مہم ہے، جس نے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے اور اسلام اور مسلمانوں کو انتہا پسند طبقے کے طور پر متعارف کرانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: "عن انسؓ انہ قال، قال رسول اللّٰہؐ من صلیٰ صلوٰتنا و الستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذٰلك المسلم الذی له ذمة اللّٰه ورسوله، فلا تخفروا اللّٰه فی ذمة" (۵۰) حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلے کی طرف رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو یہ وہ
مسلمان ہے، جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے، تو تم اللہ کے ذمے میں خیانت نہ کرو۔

ایک خدا، ایک رسولؐ اور ایک کتاب کے ماننے والے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اس درجہ انتہا پسندی کا شکار ہوئے کہ ایک دوسرے کو کافر کہنے اور ایک دوسرے کے قتل کے درپے ہوئے، نتیجے کے طور پر فرقہ واریت، شدت پسندی اور انتہا پسندی کے باعث ہزاروں بے گناہ افراد قتل ہوئے۔ مساجد اور عبادت گاہیں تک محفوظ نہ رہ سکیں۔ معاشرے کے اہم افراد، علمائے کرام، مذہبی اسکالرز، انجینیئرز، ڈاکٹرز، وکلاء، ماہرین قانون اور زندگی کے دیگر اہم شعبوں سے وابستہ افراد فرقہ واریت، اور مذہبی انتہا پسندی کی بھینٹ چڑھ گئے، انتہا پسندی اور فرقہ واریت کے نتیجے میں قتل ہونے والے بے گناہ افراد کے اعداد و شمار کا اندازہ لگانا آسان نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ (۵۱)

افسوس ناک امر یہ ہے کہ یہ سب کچھ ایک ایسی مملکت میں ہو رہا ہے، جس کا نظریہ اور بنیاد ہی " لا الٰہ " پر ہے، ایسے افراد کر رہے ہیں جن کے ہادی و پیغمبر نے یہ تعلیم دی کہ " سبابُ المسلم فسوقٌ وقتاله کفرٌ " مسلمان کو گالی دینا بدترین گناہ اور اس کا قتل (اسے قتل کرنا) کفر ہے۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: " عن انسؓ قال، قال رسول اللہ ﷺ ثلاث من اصل الایمان الکف عن من قال " لا الٰه الا اللّٰه ۔ لا تکفره بذنبٍ ولا تخرجه من الاسلام بعمل "۔ (۵۲) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ

رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں اصل ایمان ہیں، ایک یہ کہ جو شخص "لا اله الاالله" کہتا ہو۔ نہ کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر کی جائے، اور نہ کسی (برے) عمل کی وجہ سے اسے دائرہ اسلام سے خارج کیا جائے۔ چنانچہ اس بنیاد پر فقہ اسلامی کا یہ اصول ہے کہ " بما رجل قال لاخيه يا كافر، فقد باء بها احدهما" (۱۰۴) جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کافر کہے، یہ قول دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور لوٹے گا۔

یہ فقہی اصول اور قاعدہ ہے کہ "لا يرمى رجل رجلاً بالفسوق و لا يرميه بالكفر الّا ارتدّت عليه ان لم يكن صاحبه كذلك"۔ (۵۳)

جب کبھی ایک شخص دوسرے پر فسق یا کفر کی تہمت لگاتا ہے، تو وہ تہمت اس پر لوٹ آئے گی، اگر وہ شخص جس پر تہمت لگائی گئی تھی، درحقیقت کافر یا فاسق نہ ہو۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے ان تعلیمات کو عام کیا جائے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے!

منفعت ایک ہے اس قوم کی ، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی ، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلماں بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں (۱۰۶)

اتحاد و یگانگت اور وحدت امت کا تصور:

اسلام نے تمام امت مسلمہ کو جسد واحد اور ایک برادری قرار دیا ہے۔ اخوت و اجتماعیت کا یہ رنگ اسلامی عبادات کا مظہر ہے، خصوصاً حج کے موقع پر بلا تفریق رنگ و نسل امت مسلمہ کا ہر فرد مساوات کا عملی مظاہرہ کرتا نظر آتا ہے۔ نماز بھی مسلمانوں کی اخوت و اجتماعیت کا مظہر ہے، قرآن کریم نے تمام اہل ایمان کو بھائی بھائی قرار دیا ہے، اس کی وحدت، یگانگت اور اخوت و اجتماعیت کا اظہار کیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ☆ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ"۔ (۵۴)

بلاشبہ مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو اپنے بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو، اور خدا سے ڈرتے رہو، تا کہ تم پر

رحمت کی جائے۔

سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا: وَاعْتَصِمُوْ بِحَبْلِ اللّٰهِ...... لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ "۔(۵۵) اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور باہم تفرقہ نہ ڈالنا (متفرق نہ ہونا) اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، اور تم اس کی مہربانی کی سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، تو اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا، اس طرح خدا تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: "عن انعمان بن بشیرؓ قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، مثل المومنين فى تراحمهم و توادهم و تعاطفهم كمثل الجسد اذااشتكى عضوٌ له سائرالجسد بالسهروالحمىٰ"۔ (۵۶) حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا، تو ایمان داروں کو باہمی رحمت و محبت اور مہربانی میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا، جب کسی ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے (تو اس کے سبب) تمام بدن کے اعضا بیماری اور تپ کو بلاتے ہیں

رسول اکرمؐ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد جو اہم اقدام فرمایا، وہ انصار و مہاجرینؓ کے درمیان رشتۂ اخوت کا قیام تھا۔ خود دربار نبوی مختلف نسلی، نسبی و ملکی پھولوں کا گل دستہ تھا۔ اس میں عداس نینوائیؓ، صہیب رومیؓ، ذوالکلاع حمیریؓ، ابو سفیان امویؓ، کرز فہریؓ، بلال حبشیؓ، ضماد ازدیؓ، عدی طائیؓ، ابوذر غفاریؓ، ابوحارث مصطلقیؓ، سلمان فارسیؓ، طفیل دوسیؓ، ثمامہ نجدیؓ، ابوعامر اشعریؓ، سراقہ مدلجیؓ پہلو بہ پہلو بیٹھے نظر آتے تھے اور ہر فرد اپنے ملک اور قوم کی نمائندگی کرتا تھا۔ (۵۷)

عہد حاضر میں پوری مسلم امہ کے لیے بالعموم اور اسلامیان جمہوریہ پاکستان کے لیے بالخصوص یہی درس اتحاد و یگانگت اور جذبۂ اخوت و اجتماعیت کامیابی کی ضمانت اور فلاح کی نوید ہے۔ علامہ اقبال کیا خوب کہتے ہیں:

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری محبت کی فراوانی
بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر تو ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی (۵۸)

آج سے مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے، فرقہ واریت سے تجات، دینی اور ملی یگانگت کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے اخوت و مساوات اور اتحاد و یگانگت، روشن خیال اور اعتدال پسندی کے پیغام کو عام کیا جائے۔

فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا فروغ، اعتدال پسندی اور روشن خیال معاشرے کی تشکیل

اسلامی معاشرے میں امن کے قیام، مملکت کے استحکام اور پُر امن بقائے باہم کے لیے ضروری ہے کہ تحمل و برداشت، عفوودرگزر، حلم و بردباری اور رواداری، روشن خیالی اور اعتدال پسندی کو فروغ دیا جائے، یہی وہ تعلیمات ہیں جن پر عمل کر کے ہم فرقہ واریت سے نجات اور مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا فروغ بھی ضروری ہے۔ ضروری ہے کہ اپنے "عقیدے کو چھوڑو مت اور دوسروں دے عقیدے کو چھیڑو مت" بالفاظ دیگر فرقہ وارانہ مسائل اور معاملات میں غیر جانبداری کے اصول کو اپنایا جائے۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: خطبۂ حجۃ الوداع کے تاریخی موقع پر آپ نے فرمایا: "عن ابن عمرؓ انہ سمع النبی یقول: لا ترجعون بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض"۔ (۵۹) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اکرمؐ کو یہ فرماتے سنا، خبردار، میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

غلو، شدت پسندی اور مذہبی معاملات میں جذباتی پن، مذہبی انتہا پسندی کا حقیقی سبب اور بنیاد ہے۔ مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ بندی سے سوائے اسلام اور مسلمانوں کے نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دیا جائے۔ اسلام کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی کو عصر حاضر کی روشنی میں عام کیا جائے۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" (۶۰) اور سب مل کر اللہ کی رسی (ہدایت کی رسی) کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور باہم تفرقہ نہ ڈالنا۔ ایک موقع پر فرمایا گیا: "وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ" ۔ (۶۱) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو متفرق ہو گئے اور واضح احکام آنے کے بعد ایک دوسرے کے خلاف اختلاف کرنے لگے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں قیامت کے دن بڑا عذاب ہوگا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (مرحوم) رسول اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کے متعلق کیا خوب لکھتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ کو جس اعلیٰ درجے کے اخلاق اور اعلیٰ درجے کے طبعی و خلقی موزونیت سے نوازا تھا، وہ آنے والی صدیوں اور موجودہ و آئندہ نسلوں کے لیے معراج کمال ہے اور اسے ہم اعتدال فطرت (اعتدال پسندی، میانہ روی) سلامتِ ذوق، لطافتِ شعور، توازن و جامعیت اور افراط و تفریط سے پرہیز سے تعبیر کر سکتے ہیں۔" حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہؐ کو جب دو کاموں میں کسی ایک کو ترجیح دینی ہوتی تو آپؐ ہمیشہ اسے اختیار فرماتے جو زیادہ سہل ہوتا، بشرطیکہ اس میں گناہ کا شائبہ نہ ہو۔ اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپؐ اس سے سب سے زیادہ دور ہوتے۔ (۶۲)

دین میں شدت پسندی، انتہا پسندی، غلو، مبالغہ آمیزی تمام ناپسندیدہ ہیں۔ اسلام اعتدال پسندی کا دوسرا نام ہے، وہ آسانی، لوگوں کو بشارت دینے اور منافرت سے روکنے کی تعلیم دیتا، اعتدال پسندی اور میانہ روی اسلامی تعلیمات کی روح ہے۔

قرآن کریم نے امتِ محمدیہؐ کے متعلق "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا" فرما کر اس کی وضاحت کی۔ (۶۳) اور رسول اکرمؐ نے "خیر الامور اوسطھا" فرما کر امتِ مسلمہ کو اعتدال پسندی، میانہ روی اور اعتدال کی راہ اپنانے کی ہدایت فرمائی۔ قرآن کریم کی متعدد آیات مبارکہ میں اعتدال پسندی اور میانہ روی کی تعلیم دیتے ہوئے اسے امتِ مسلمہ کا خاص وصف قرار دیا گیا ہے۔ (۶۴)

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: " عن ابی ہریرۃؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ان الدین یسرٌ، ولن یشاد الدین احد الاغلبہ، فسددوا وقاربوا وابشروا، واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیئی من الدلجۃ۔ "(۶۵) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: دین آسان ہے اور جو بھی دین سے زور آزمائی کرے گا، وہ اس پر غالب آجائے گا۔ اس لیے میانہ روی (اعتدال پسندی) اختیار کرو اور اعتدال کے ساتھ چلو، قریب کے پہلوؤں کی رعایت کرو اور انبساط رکھو، اور صبح و شام اور کسی قدر تاریکیِ شب کی عبادت سے تقویت حاصل کرو۔

غیرِ مسلم اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ

قرآن کریم نے ''لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ''۔ (۶۶) کا نظریہ عطا کر کے اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کے حقوق کے تحفظ کی یقینی اور ہر ممکن ضمانت فراہم کی ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات احترام آدمیت اور احترام مذاہب پر مبنی ہیں۔ قرآن کریم نے دیگر مذاہب یا غیر مسلموں کے حوالے سے مسلمانوں کا رویہ صاف صاف بیان فرما دیا: ''وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ''۔ (۶۷) تم ان کے (باطل) معبودوں کو برا مت کہو جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔

گویا ابتدائے اسلام سے ہی یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ تمام مذاہب خواہ وہ آسمانی ہوں یا غیر آسمانی، سب کو اسلام کے ساتھ زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: **''اَلا من ظلمَ معاھداً اونتقصه او كلّفه فوق طاقته اواخذ منه شيئاً بغير طيبِ نفسه فاذا حجيجه' يوم القيامة''** (۶۸) خبردار جس کسی نے کسی معاہد (غیر مسلم / اقلیتی فرد) پر ظلم کیا، یا اس کا حق مارا، یا اس کو اس کی استطاعت سے زیادہ

تکلیف دی، یا اس سے کوئی چیز اس کی خوشی کے بغیر لی، تو میں روزِ قیامت اس کی طرف سے (مسلمان کے خلاف) جھگڑوں گا۔ اس طرح قرآن وسنت سے رواداری اور عقیدہ وعمل کی آزادی یا مذہبی آزادی، روشن خیال اور اعتدال پسندی کا اصول ملتا ہے۔

خلاصہ بحث

روشن خیال اور اعتدال پسندی عصر حاضر کا اہم حساس موضوع بحث ہے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اس کی بڑی افادیت واہمیت ہے۔ ہم اس نبی آخرالزماںؐ کے امتی ہیں جنہیں قرآن نے رحمت اللعالمین بنا کر مبعوث فرمایا۔

آپ کی سیرت طیبہ کا ہر گوشہ اور اسوۂ حسنہ کا ہر پہلو صبر و برداشت، تحمل و بردباری، عفوودرگزر، رواداری، روشن خیالی اور اعتدال پسندی سے مزین ہے۔ میثاق مدینہ، صلح حدیبیہ، فتح مکہ سیرت طیبہ کے وہ شاہ کار ہیں جن پر تاریخ اسلام کی شان دار روشن خیال اور اعتدال پسندی کی عمارت کھڑی ہے۔ یہ وہ تاریخی حقائق و واقعات ہیں جن کو دیکھ کر اسلام اور سیرت طیبہ کی روشن خیال اور اعتدال پسندی، انسان دوستی، احترام انسانیت کی جھلک نظر آتی ہے۔

بدقسمتی سے آج امت مسلمہ خصوصاً پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی، دہشت گردی اپنے عروج پر ہے عصر حاضر کا تقاضا ہے کہ مذہبی انتہا پسندی، تفرقہ، گروہی ولسانی فرقہ واریت کے خاتمے کے لیے اسوہ حسنہ پر عمل کیا جائے اور اس کے فروغ کے لیے اسلامی تعلیمات کے روشن خیال اور اعتدال پسندی کو عام کرنے کے لیے سیرت طیبہؐ پر عمل پیرا ہو جائے اور یہی آج کے مسائل کا حل ہے۔

تجاویز وسفارشات

☆ سرکار دو عالمؐ رحمت للعالمین، محسن اعظم کی سیرت طیبہ اور تعلیمات و اسوہ حسنہ تعلیمات، صبر و برداشت، عفوودرگزر، میانہ روی رواداری، مساوات و بھائی چارہ روشن خیال اور اعتدال پسندی سے عبارت ہے۔ اس لئے آج ضرورت اس بات کی ہے کہ سیرت طیبہ کی روشنی میں آج کے تمام معاشرتی وسیاسی سماجی مذہبی مسائل کا حل موجود ہے۔ اس لیے سیرت طیبہ اور اسوہ حسنہ کی تعلیم کو عام کیا جائے۔

☆ تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام اسلام کے پیغام امن وسلامتی، رواداری، روشن خیالی اور اعتدال پسندی کو عام کریں۔

☆ فرقہ وارانہ خاتمہ کے لیے تمام مالک ومکاتب کے علمائے کرام اپنے وعظ وتقریر میں روشن خیالی اور اعتدال پسندی جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے اس کو فروغ دیں۔

☆ معاشرے سے غربت، جہالت، بے روزگاری اور لاقانونیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لیے اسوہ حسنہ اور سیرت طیبہ کی روشنی میں ان مسائل کا حل تلاش کیا جائے ملک میں انصاف اور قانون کی بالادستی عام کی جائے۔

☆ اسلام کے روشن خیال اور اعتدال پسندی کو فروغ اور عام کیا جائے۔

☆ زندگی کے ہر شعبہ جات میں سیرت طیبہ پر عمل کو یقینی بنایا جائے۔اسلام کے بتائے ہوئے روشن خیالی اور اعتدال پسندی پر عمل درآمد کیا جائے۔

سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اطاعت ہی میں عالم اسلام، ملت اسلامیہ اور دنیا کے انسانوں کے مسائل کا حل موجود ہے اور اسی اسوہ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل دین ودنیا کی فلاح وکامیابی کی یقینی ضمانت ہے۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) P- 103 Encyclopedia Britinical Vol 19-Edition 1929

(۲) ابوالکلام آزاد، اسلام کا نظریہ جنگ، لاہو بساط ادب، ۱۹۸۷ء، ص ۱۲۴

(۳) ابوالحسن ندوی، نبی رحمتؐ، کراچی مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۸ء، ص ۵۵

(۴) ایضاً

(۵) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر محسن انسانیت اور انسانی حقوق، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء، ص ۲۲۹

(۶) سورۃ البقرہ، قرآن مجید

(۷) عبدالحمید، عہد نبوی کا اسلامی معاشرہ، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، اپریل ۱۹۸۷ء

(۸) زین العابدین میرٹھی، پیغمبر اسلام کا پیغام امن وسلامتی نقوش رسول نمبر، جلد سوم ۴۶۰

(۹) محمد یوسف کاندھلوی/ حیات الصحابہ/ لاہور، کتب خانہ فیضی، جلد ۳، ص ۵۸۵

(۱۰) شاہ ولی اللہ، تقویت الایمان، ۱۸۷۰، جلد دوم، انڈیا ص ۵۱۶

(۱۱) شبلی نعمان، سیرت النبیؐ، ۱۲، ص ۳۱۰

(۱۲) ایضاً

(۱۳) رشید احمد جالندھری/ مقامات سیرت، ۱۹۸۹ء، وزارت مذہبی امور، اسلام آباد، ص ۱۱۹

(۱۴) نجم الدین سیوہاروی، رسوم جاہلیت، لاہور، مکتبہ رشیدیہ، ۱۹۸۸ء، ص ۷۰

(۱۵) نجم الدین، حالات حاضرہ اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں روزنامہ نوئے وقت، لاہور، ص ۸

(۱۶) اثار احمد، ڈاکٹر، مقالات سیرت، وزارت مذہبی امور اسلام آباد، ۱۹۹۴ء، ص ۱۶۰

(۱۷) Encyclopedia of Religion and ethies new York, 1931

(۱۸) آل عمران، ۱۹، سورۃ مائدہ ۳

(۱۹) راغب الاصفہانی/ مفردات القرآن، بیروت، دار صادر (الدین)

(۲۰) Encyclopedia Britinica, Extreme Ism, Nweyork

(۲۱) سورۃ الکافرون، قرآن مجید

(۲۲) ابوالحسن ندوی، نبی رحمتؐ، کراچی مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۵ء، ص ۶۰

(۲۳) زین العابدین میرٹھی، پیغمبر اسلام کا پیغام امن وسلامتی نقوش رسول نمبر، جلد سوم ۴۶۰

(۲۴) ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، رسول اکرمؐ اور رواداری، فضلی سنز، کراچی ۱۹۸۸ء

(۲۵) خواجہ الطاف حسین حالی، درس اور جزا اسلام، دہلی ۱۹۷۸ء

(۲۶) مقالات سیرت، ۱۹۸۸ء، سیرت کانفرنس، وزارت مذہبی امور، اسلام آباد

(۲۷) ایضاً

(۲۸) ابوالحسن ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، کراچی مجلس نشریات اسلام، ص ۱۷

(۲۹) ماہنامہ فاران کراچی، سیرت نمبر، جنوری ۱۹۵۶ء

(۳۰) پنڈت گوپال کرشن، بھارت، سماچار، بمبئی، مقالہ مہا پرش محمدؐ، ۱۹۶۶ء، ص ۱۷۰۔

(۳۱) ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، تجلیات سیرت، کراچی، فضلی سنز، ص ۱۸۰

(۳۲) آل عمران: ۱۲۴ قرآن مجید

(۳۳) سورۃ النساء ۱۵۶ قرآن مجید

(۳۴) قاضی محمد سلیمان، رحمت للعالمین، لاہور، مکتبہ الدعیہ، ج ۲ ص ۲۱۳

(۳۵) سیرت مقالہ، سید عطاء اللہ / ۲۰۰۳ء، ص ۳۸۸

(۳۶) سلمان ندوی اسلامی بیداری افکار اور انتہا پسندی، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت

(۳۷) ڈاکٹر حمید اللہ خطبات بہاولپور، اسلام آباد تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۲ء، ص ۳۲۵

(۳۸) قاضی محمد سبحان، رحمت اللعالمین، لاہور، پروگریسو بک سینٹر، ج ۳، ص ۶۶ ۷

(۳۹) دیکھئے النساء، ۱۷۱/ المائدہ ۷۷۔

(۴۰) ابن سعد / الطبقات الکبریٰ ۲/ ۱۸۱۔

(۴۱) النسائی / سنن النسائی / ۲۶۸ / احمد بن حنبل / المسند / ۲۵۱

(۴۲) البقرہ / ۲۵۶

(۴۳) یونس / ۹۹۔

(۴۴) حافظ ابن حجر عسقلانی / فتح الباری / ۱۳، ۲۹

(۴۵) المائدہ/۳۲

(۴۶) مسلم/الجامع الصحیح ۱/۶۴

(۴۷) المائدہ/۳۳،۳۴

(۴۸) مشکوٰۃ المصابیح، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۳۶۸ھ/۱/۱۲، کتاب الایمان

(۴۹) The News Karachi 7,8 2002, The News Karachi 1608.2002

(۵۰) مودودی، سید ابوالاعلیٰ/ تفہیمات، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۱ء، ص ۱۸۲

(۵۱) ایضاً

(۵۲) الحجرات/۱۰

(۵۳) آل عمران/۱۰۸

(۵۴) مسلم/الجامع الصحیح ۸/۲۰ باب تراجم المومنین۔

(۵۵) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر محسن انسانیت، ۱۹۹۹ء، ص ۲۸۸

(۵۶) اقبال/ کلیات اقبال، ص ۳۸۳

(۵۷) ابن حجر/ فتح الباری ۱۳/۲۹۔

(۵۸) آل عمران/۱۰۳

(۵۹) آل عمران/۱۰۵

(۶۰) ابوالحسن ندوی، نبی رحمتؐ، کراچی مجلس نشریات اوراسلام، ۱۹۸۵ء، ص ۵۸۳

(۶۱) البقرہ/۵۲/۱۴۳۔

(۶۲) بنی اسرائیل/۲۹، الفرقان/۴ بنی اسرائیل ۲۶، ۲۷ ،

(۶۳) بخاری/الجامع الصحیح، ۱/۳۹

(۶۴) الکافرون/۶

(۶۵) الانعام/۱۰۸

(۶۶) ابوداؤد/السنن ۲/۳۳۳، مطبوعہ نامی پریس، کانپور، انڈیا

☆☆☆☆☆

عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلام معاشرے کی تشکیل و ضرورت سیرت طیبہ کی روشنی میں۔

(ڈاکٹر غلام سرور خان نیازی۔ میانوالی)

قرآن پاک انسانی سیرت کی نشو ونما کے لئے مکمل دستورِ حیات ہے اور اس کی تفسیر حیات نبی ﷺ ہے۔ چنانچہ آپ کے عمل کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔

رسول اکرام ﷺ کی ذات گرامی میں ایک عمدہ نمونہ تقلید ہے۔ اور ہر اُس شخص کیلئے ہے جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر یقین رکھتا ہے۔

(الاحزاب:۲۱)

صرف یہ ہی نہیں۔ بلکہ آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔
جو شخص آپ ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا۔ تو بے شک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔

(النساء:۸۰)

رسول اکرم ﷺ کی ذات سیرت پاک جسے قرآن پاک اسوۂ حسنہ کا نام دیتا ہے۔ تعمیر شخصیت اور فلاح انسانیت کے سلسلے میں انسانیت کو رہنما اصول دیتی ہے۔

اقوام کی ترقی و تہذیب میں خلاق کی بڑی اہمیت ہے۔ ملت کی تعمیر کا اہم جزو اخلاق کی صحیح تربیت ہے۔
آپ ﷺ نے تعمیر کردار اور تعمیر شخصیت کے لئے اخلاقیت کا ایک عظیم الشان ذخیرہ انسانوں کو عطا فرمایا ہے۔
حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا خلق قرآن تھا۔

(ابوداؤد:۲:۵۶)

آپ ﷺ نے انسانیت کو بے شمار آداب کا درس دیا ہے۔ اور بقول شاہ ولی اللہ محدثِ دہلیؒ ''ان آداب سے آپؐ نے اعتدال کی راہ دکھائی۔''

(حجتہ البالغہ:۳۶۳)

یہ آداب امت کی کردار سازی اور تعمیر شخصیت میں بڑے ممد ثابت ہوئے۔ ان آداب سے امتِ مسلمہ متمدن ہوگئی ۔ اس سے اجتماعی اور معاشرتی امور میں خوشگواری اور اعتدال پیدا ہوا۔ آج بھی ہم اتباعِ رسولؐ سے ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کر سکتے ہیں اور اپنی زندگیوں میں لطافت پیدا کر سکتے ہیں۔

آپؐ نے معاشی بہبود کے ذریعے انسانیت کی فلاح سرانجام دی۔ آج کل کی جدید فلاحی ریاستوں میں جو نمایاں خدوخال ملتے ہیں وہ تصورات ہمیں رسول اکرم ﷺ نے آج سے ۱۴۰۰ سال سے زیادہ عرصہ قبل دیئے۔ خلفائے راشدین نے آپؐ کا اتباع کیا اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس کی بنیاد خلوص و اعتدال پر رکھی گئی تھی۔ اور آج کے دور میں ایسا ہی ایک معاشرہ ترتیب دینا ہم سب کی آرزو ہے اور یہی جستجو ہے۔

آپؐ نے انسانیت کو فلاح دارین اور تعمیر اخلاق و کردار کے وہ بنیادی اصول اور عملی احکام دیئے جنہوں نے مختصر عرصے میں معاشرے کی کایا پلٹ دی۔ عرب اقوام کو انتہائی پستی سے نکال کر سیرت و کردار کی بلندیوں پر پہنچایا اور ایک ایسا روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ تشکیل فرمایا۔ جس کے واقعات پڑھ کر آج بھی وقت کے مفکرین انگشت بدندان ہیں۔

آج بھی بنی نوع انسان جس مصائب و مشکلات سے دوچار ہے اور ان کا حل صرف اور صرف اتباعِ رسولؐ اور ان کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں مضمر ہے۔

زندگی کے وسیع و عریض میدان کا کوئی کونا ایسا نہیں۔ جہاں حبیب کبریاؐ نے اپنے اسوۂ حسنہ کے حسین و جمیل نقوش نہ چھوڑے ہوں۔ اس دارالشفا میں انسانیت کے ظاہری و باطنی، سیاسی و معاشی، سماجی و اخلاقی قسم کے ناقابلِ علاج روگوں کے لئے اکسیر موجود ہے۔ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی۔ ہر دو کی کامیابی کا دارومدار سیرت طیبہ کے اتباع میں ہے اور اس کی وساطت سے آج بھی تہذیب و تمدن اور معیشت کے ارتقا کے لیے اور منفرد نظام میسر آئے گا۔ جس میں لوگوں کو ظلم و استبداد، بھوک و افلاس، لوٹ مار، قتل و غارت، حسد و نفرت، معاشی استحصال، مایوسیوں اور محرومیوں اور معاشرتی رزائل سے نجات مل سکے۔ یہی راہ حق ہے اور یہی انفرادی اور اجتماعی اصلاح و ترقی کا راز ہے۔

تعمیرِ شخصیت:

ہر معاشرہ اگرچہ مختلف عناصر سے مرکب ہوتا ہے۔ لیکن ان عناصر میں افراد کی اہمیت و حیثیت امتیازی ہوتی ہے۔ یہ وہ اکائی ہے۔ جو معاشرے کی سمت متعین کرتی ہے۔ اسی پر معاشرے کے اصلاحی اور مثالی ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر یہ اکائی ہی فساد و تضاد کا شکار ہو جائے تو پھر پورا انسانی معاشرہ ٹوٹ پھوٹ اور شکست و ریخت کے مہلک عمل سے

دوچار ہو جاتا ہے۔ اگر کسی قوم کے افراد صحیح نہیں۔ تو اُس کا اجتماع بھی صحیح نہیں ہو سکتا ہے۔

انسانی معاشرے میں افراد کی اِسی اہمیت کا ادراک کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے سب سے پہلے اپنی توجہ کا مرکز فرد ہی کو بنایا۔ اور اپنی تعلیمات اور عمل کے ذریعہ اتنا کچھ مواد رہنمائی دینے کے سامنے پیش فرما دیا کہ فرد کی تمام حیثیتوں اور صورتوں کے لئے کافی و وافی ہے اور رہتی دنیا تک وہ ہر ہر فرد کے لئے رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا۔

آپؐ کے اسوۂ حسنہ کا کمال یہ ہے کہ اِس کے مطالعہ سے تعمیر شخصیت کا ایسا پہلو سامنے آتا ہے جس میں نہ کسی قسم کا ابہام ہے نہ کہیں کمی وکوتاہی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور یہ کامل ترین شخصیت کی جانب سے ایک روشن خیال اور اعتدال پسند مثالی معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ اور اکمل ترین نمونۂ عمل ہے۔

فرد کی تعمیرِ سیرت:

فرد کی تعمیر سیرت پورے معاشرے کی اصلاح اور اجتماعی فلاح و بہبود کی روح ہے۔

اسلام کے بنیادی ارکان فرد کی اُس نہج پر تربیت کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنی ذات میں مرتکز ہو کر نہ رہ جائے۔ بلکہ دوسروں کے لئے اس کے اندر ہمدردی، تعاون اور اخوت کے جذبات موجزن ہوں۔ زکوٰۃ کے ذریعے اسلام نے معاشی عدل کے قیام کے لئے ایک واضح اور مثبت انداز اختیار کیا ہے۔ اور اجتماعی فلاح بغیر زکوٰۃ کے ناممکن ہے۔

معاشی عدل کے قیام کی خاطر اسلام فرد کی سیرت و کردار کی اصلاح پر پوری توجہ دیتا ہے۔ مال کی محبت سے سختی سے روکا گیا ہے۔ بلکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ہر طرح سے ترغیب دی گئی۔ قرآن کریم میں متعدد جگہ ذخیرہ اندوزی اور حرام مال کے حصول کی مخالفت کی گئی ہے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا ''جس شخص نے احتکار کیا۔ تو وہ گناہ گار ہے''۔

فرد کی تربیت اس طرح سے کی جاتی ہے کہ وہ ذاتی مفادات کو اجتماعی مفادات کے تابع رکھے۔ خوشحال لوگوں پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ بے سہارا لوگوں کی کفالت کریں۔ ''اُن کے مالوں میں سائل اور نادار کا حق ہے''۔

(الذاریات:۱۹)

فرد کی تعمیرِ سیرت کی خاطر اسلام ریاست پر متعدد ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔ لٰہذا ریاست کا فرض ہے کہ وہ ایسے سارے مادی وسائل اور اخلاقی نظام کو بروئے کار لائے۔ جس سے ایک حقیقی وخوشحال معاشرہ کا قیام عمل میں آسکے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ پاک ہے۔ کہ

''حکومت اس کی سرپرست ہے۔ جس کا کوئی سرپرست نہ ہو'' (ابوداؤد: ترمذی)

ریاست کی اولین ذمہ داری ہے کہ شہریوں کو خوراک، لباس اور رہائش جیسی ساری ضروریات کی فراہمی کی ضمانت دے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست نے اِس سلسلہ میں ایسا نظام قائم کیا۔ جس کی مثال اِس وقت کی کسی بھی مملکت میں موجود نہ تھی

فرد اور ریاست کا باہمی تعلق:

فرد اور ریاست کے درمیان اسلام نے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ فرد اور ریاست کے درمیان اسلام ایک ایسا توازن قائم کرنا چاہتا ہے جس میں فرد کی شخصیت اور اُس کی آزادی بھی برقرار رہے۔ لیکن وہ اسے اُس بات کی چھٹی بھی نہیں دیتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کے لئے ریاست، معاشرے اور اجتماعی مفاد کے لئے نقصان دہ ثابت ہو۔ بلکہ ہر لحاظ سے مفید ثابت ہو۔

ایک اسلامی ریست کا مقصد وجود فرد کے لئے ایسا ماحول فراہم کرنا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے عائد کردہ فرائض و ذمہ داریاں جو وہ اکیلا نہیں نبھا سکتا۔ وہ معاشرہ اور ریاست کی بدولت نبھانے کے قابل ہو جائے۔

فرد اور ریاست کے درمیان اسلام نے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ قرآن وسنت کے مطابق جو آزادی فرد کو دی گئی ہے ریاست اسے محدود نہیں کر سکتی اور ریاست کو جو اختیارات سونپے گئے ہیں۔ افراد اُن میں کمی بیشی کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

اِس اعتدال پسندی سے ہی ایک روشن خیال اسلامی حقیقی فلاحی ریاست اور ایک خالص اسلامی معاشرہ وجود میں آسکتا ہے جو ہم سب کی منزلِ مقصود ہے اور جس کی ہم سب کو دلی چاہ ہے۔

انفرادی جوابدھی:

اسلامی نقطۂ نظر سے اصل اہمیت فرد کی ہے نہ کہ جماعت کی یا معاشرہ کی۔ خدا کے سامنے جماعت یا قوم یا معاشرہ اپنی مجموعی حیثیت میں جواب دہ نہیں ہے بلکہ ایک ایک شخص فرداً فرداً اپنی ذاتی حیثیت میں ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ اور اسی ذاتی ذمہ داری و جوابدہی پر ہی انسان کی ساری اخلاقی قدر و قیمت کا دارو مدار ہے۔

جب تعمیرِ شخصیت کا کام مکمل ہو جاتا ہے۔ تو ساری انفرادی خصوصیات اجتماعی خصوصیات کا روپ دھار کر ایک روشن خیال، اعتدال پسند، مثالی اسلامی معاشرے کی تشکیل کا باعث بنتی ہے۔

فلاحِ معاشرہ:

اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ اگر افراد کی اصلاح ہو جائے تو معاشرے کے تمام منفی پہلو تبدیلی کے عمل کو قبول کرنے کی

صلاحیت سے بہرہ آور ہو جاتے ہیں۔اور پھر معاشرہ کی اصلاح کا عمل بغیر کسی رکاوٹ کے جاری ہو سکتا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے فرد کے ساتھ ساتھ پوری انسانی معاشرے کی رہنمائی کے وہ قوانین مرتب فرمائے۔جن کی بنیاد پر ایک خالص اسلامی معاشرہ وجود میں آیا۔

بہر حال اس بارے میں کوئی ابہام نہیں۔کہ انسانی فلاح و بہبود پر مبنی معاشرے کے قیام کے لئے صرف اور صرف سیرتِ طیبہ،تعلیمات نبویؐ اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہی مشعل راہ ہو سکتا ہے۔

آپ ﷺ کی تعلیمات کو اس باب میں چند ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اجتماعیت:

ہر شخص اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ اجتماعیت ہر معاشرے کی ضرورت ہے۔ہر فرد کسی نہ کسی درجے میں دوسرے فرد کا محتاج نظر آتا ہے جبکہ خود پسندی اور خود غرضی اجتماعیت کی دشمن ہیں۔ایسے شخص فلاحی معاشرے کی تشکیل میں رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں۔

یہ مرض اگرچہ انفرادی ہے مگر اس کے اثرات دوررس اور اجتماعی زندگی کے لئے نہایت نقصان دہ ہیں۔اس خود پسندی اور خود غرضی کی بیماری کا خاتمہ بھی اجتماعیت سے ممکن ہے۔

اسی لئے آپ ﷺ نے اجتماعیت پر خاص زور دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی افتراق کی بھی بھرپور مذمت فرمائی کیونکہ افتراق کی نفی اجتماعی کا احیا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

''جن لوگوں نے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور وہ بہت سے فرقے ہو گئے تو آپ کو ان کی کسی بات سے بھی کچھ سروکار نہیں ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔پھر وہ ان کو بتادے گا۔جو کچھ وہ کرتے تھے''۔

(الانعام: ۱۵۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر تفرقہ ڈالنے والوں کی مذمت کی ہے۔اسلام نے اپنی اجتماعیت کی شان کو مختلف مواقع پر نمایاں فرمایا ہے۔

ایمان کے بعد ارکانِ اسلام میں پہلا درجہ صلوٰۃ کا ہے۔اسلام کے فلسفہ اجتماعیت کو سمجھنے کے لئے نماز ایک مثال ہے۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی نہایت تاکید فرمائی۔اور جماعت کے ساتھ ادا

کی گئی نماز کو تنہا پڑھی جانے والی نماز کے مقابلے میں اجر وثواب کے اعتبار سے ۲۷ گنا زیادہ فرمایا۔

اور جمعتہ المبارک کو با جماعت نماز پڑھنا تو فرض ہی قرار دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ملت میں یک آہنگی اور برادری کی روح پیدا ہو اور ملت میں ضبط ونظم پیدا ہو۔

اخوت واتحاد:

ایک مثالی اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے اخوت واتحاد کی ضرورت واہمیت بھی مسلم ہے۔

جہالت اور اسلام کی تعلیمات سے ناواقفیت عصبیت کو فروغ دیتی ہے۔ جو اخوت واتحاد کی ضد ہے۔ عصبیت کی بنیاد علاقائیت، قبائل اور زبان وثقافت ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم نے اس کی واضح طور پر تردید کر کے اخوت کا درس دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''اے لوگو! بیشک ہم نے تمہیں ایک مرد وعورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے۔ جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے''۔

(الحجرات:۱۳)

یعنی قبائل اور برادریاں صرف باہم متعارف ہونے کے لئے قائم کی گئیں ان کو نفرت وحقارت کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ نیز قبائلی اونچ نیچ اور ذات پات کی برتری اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر عند اللہ کوئی قابل وقعت اور مقبول چیز ہے۔ تو وہ تقویٰ ہے۔

درحقیقت اخوت واتحاد ہی وہ بنیادی عنصر ہیں۔ جن سے کام لے کر کسی بھی قوم کی شیراز بندی کی جاسکتی ہے۔

اسلام نے تمام عبادات کو اتحاد واخوت کی ترویج کے لئے استعمال کیا۔ اس لئے جگہ جگہ اس کی تلقین کی گئی ہے۔

''آپؐ نے فرمایا۔ کہ تم اُس وقت تک جنت میں نہیں جاسکتے۔ جب تک کہ صاحبِ ایمان نہ ہو جاؤ۔ اور تم پورے مومن اُس وقت تک نہیں ہوسکتے جب تک تم میں باہمی محبت نہ ہو''۔

رواداری:

ایک روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کا بنیادی پتھر:۔

عصرِ حاضر کا انسان پریشان حال اور درماندہ ہے اور انسانیت کے درد کا علاج صرف اور صرف رسول اکرم ﷺ

کے دامن کرم کے ساتھ وابستگی میں ہے۔

یہ انسان اُسی عہدِ ہمایوں کی تلاش میں ہے جس میں انسانی تکریم بحال ہو۔ کوئی کسی کا استحصال نہ کرے۔ کسی کی نہ زبان دراز ہو۔ اور نہ کسی کا ہاتھ حدود آشنائی اور حق شناسی کردار کا جوہر بنے اور مظلومیت کے سارے بندھن ٹوٹ جائیں۔

آج کی بین الاقوامی سیاست کا نقشہ کچھ یوں بن چکا ہے۔ کہ ہر طرف ذوق فرمانروائی بڑھ رہا ہے۔ عصبتیں سر اٹھا رہی ہیں۔ برداشت دم توڑ رہی ہے۔ ہر ایک دوسرے کو جھکانے پر تلا ہوا نظر آرہا ہے۔ مطاہمت کی جگہ مقاومت، اپنائیت کی جگہ جارحیت، صلح کی جگہ اسلحہ اور رواداری کی جگہ خونخواری لے رہی ہے۔

یوں تو قدرت نے انسان کے لئے آج آسمان اور زمین کے خزانے اگل دیئے ہیں اور بالخصوص عالمِ اسلام پر نعمتیں بارش کی طرح برس رہی ہیں۔ مگر ایک عرصے سے ایک نعمت ہے۔ جو عالم انسانی سے عام طور پر اسلامی دنیا سے خاص طور پر قدرت نے چھین لی ہے اور وہ ہے رواداری کی نعمت۔ آج اِسی نعمت کے لئے جھولی پھیلانے کی ضرورت ہے۔ تا کہ ایک بار پھر قالبِ دنیا روحِ مصطفی ﷺ سے آشنا ہو جائے۔ رواداری کا مطلب ہے۔ ہر نوع کے نسلی، لسانی، علاقائی اور مذہبی امتیازات واخلاقیات کو ان کا جائز مقام دینا اور برداشت کرنا۔ رسول اکرم ﷺ نے ان چاروں حدود کا بطور خاص خیال رکھا اور یہ فرض اس شان سے نبھایا۔ کہ اسے خوبصورت مثال بنا دیا۔

مذہبی رواداری:

اسلام کا مادہ "سلم" ہے۔ جس کے معنی امن وسلامتی کے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہم عام طور پر یکطرفہ مطالعہ کے عادی ہیں۔ معاندین اسلام نے ہمیں یہ یقین دلا رکھا ہے کہ تاریخ اسلام سراپا امن ہے۔ جو دینا سے ظلم وزیادتی اور ہر طرح کا استحصال ختم کرنے کے درپے رہتا ہے اور امن وعافیت کی بھرپور فضا قائم کر کے ہر متنفر کے لئے رحمت بن جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے ہاں قرآن وسنت میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ جہاں اپنوں اور غیروں سے رواداری نبھانے کی تربیت دی گئی ہے۔ قرآن مجید میں جہاں امن ورواداری روایت موجود ہیں۔ وہاں فتنہ وفساد کو ختم کرنے کے لئے متعلقہ آیات کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

چونکہ اسلام اور رسولِ اسلام ﷺ کی نظر میں انسانی حرمت اور خون بہت قیمتی ہے۔ اس لئے اس امر کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی گئی۔ کہ کوئی کسی بھی بہانے سے کسی کی حرمت پامال کر دے یا اس کا خون ارزاں کر دے۔

لیکن اس روایت کو بھی دیکھا جائے اور اس حکایت کو بھی سنا جائے جس کا چرچا آج پوری دنیا میں ہے کہ پاکستان

ہیں آئے روز کلمہ پڑھنے والے اور برسوں سے ایک ساتھ رہنے والے مسلمان ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں اور بجائے شر

مسار ہونے کے اس اقدام کو اپنے لئے باعثِ افتخار سمجھ رہے ہیں۔

حالانکہ غیر مسلموں کے بارے میں بھی واضح حکم ہے۔ جو صحیح بخاری میں ہے:

''اگر کوئی مسلمان غیر مسلم معاہد کو قتل کرے گا۔ تو بہشت کی خوشبو بھی سونگھ نہیں پائے گا۔ حالانکہ بہشت کی خوشبو

چالیس سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے''۔

تو کیا مسلکی اور فقہی اختلاف رکھنے والا، غیر مسلم معاہد سے بھی زیادہ بدتر اور قابل تعزیز ہوتا ہے۔ کہ اس کا قتل عام

جائز قرار دیا جائے؟

متعدد آیاتِ قرآنی ہمہ نوعی اور بالخصوص دینی و مذہبی رواداری کو واضح کر رہی ہیں۔

''دین کے معاملہ میں کسی پر جبر نہیں۔ کیونکہ ہدایت اور گمراہی اچھی طرح ظاہر ہو چکی ہے''۔

(البقرہ:۲۵۴)

قرآن مجید نے ان الفاظ میں دوسرے ادیان کو پوری پوری آزادی کے ساتھ جینے کا بنیادی حق تسلیم کیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: کہ ''نصیحت کرتے رہو۔ کیونکہ تم ناصح و مبلغ ہو، نہ کہ داروغہ''۔

(الغاشیہ: ۲۱، ۲۲)

یعنی آپ کا کام انسانیت تک پیغامِ الٰہی پہنچانا ہے۔ آگے ان کی مرضی مانیں یا انکار کریں۔

اسلام ایک منتقم مذہب نہیں ہے

''ملوک و سلاطین کے کسی فعل کو بنیاد بنا کر تو اسلام کو منتقم مذہب اور رسول اکرم ﷺ کے شہرۂ آفاق ''عفو'' کو

ہدف اعتراض بنایا جا سکتا ہے۔

لیکن ایسا اعتراض وہ لوگ کریں گے جنہیں یہ معلوم نہیں کہ اسلام کی تاریخ، تاریخ ملوک و سلاطین نہیں بلکہ اسوۂ پیغمبر

،اصحاب رسولؐ، علمائے حق، آئمہ فقہ، اور اصحاب دعوت و عزیمت کے سبق آموز ارشادات اور ان کے حیات آفرین معمولات

ہی اصل تاریخ اسلام ہیں اور یہ تاریخ قصے کہانیوں سے معتبر نہیں۔ بلکہ احادیث و احکام سے مرتب ہوئی ہے۔ اور اس تاریخ کا

ہر پہلو رواداری کی عملی تفسیر ہے''

آج ایک مسلک کا آدمی دوسرے کی مسجد میں آ نکلے تو فوراً مسجد دھونے کا حکم صادر کر دیا جاتا ہے اور نماز میں شامل ہو جائے تو

نماز لوٹانے کا فتویٰ داغ دیا جاتا ہے۔

رواداری غیر مسلموں سے:

کیا ہم اسوۂ رسول ﷺ بالکل ہی بھول گئے ہیں کہ نجران کے عیسائیوں کا وفد نہ صرف شہر مقدس مدینہ منورہ میں وارد ہوا بلکہ مسجد نبویؐ میں داخل ہوا۔ انہیں تردّد تھا۔ مگر پیغمبر ﷺ امن و سلامتی نے انہیں مسجد کا ایک کونہ عنایت فرمایا۔ کہ یہاں ٹھہرو۔ اور اپنے طریقے کے مطابق اپنے مراسمِ عبادت بجالاؤ۔ تم پر کوئی قدغن نہیں اور روک نہیں۔

مذہبی جھگڑوں میں عام طور پر لوگ مخالفین کی قابل حرمت اشخاص واشیاء کے متعلق ناروا الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اس قسم کے غیر مہذب حملوں سے منع کیا ہے۔ حتیٰ کہ مشرکین کے چھوٹے دیوتاؤں کے متعلق بھی برے الفاظ استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس طرح ان کی طرف سے خدائے واحد کے خلاف باتیں منسوب کئے جانے کا خطرہ ہے۔

امن و آشتی کے قیام اور رواداری کی کیا اعلیٰ شان ہے سورہ الانعام میں ارشاد ہوتا ہے۔

''اور یہ (مشرکین) جس کی اللہ کے سوا (خدا سمجھ کر) عبادت کرتے ہیں انہیں تم برا مت کہو۔ ورنہ یہ لوگ بھی خدا کو بے سمجھے عداوت سے برا بھلا کہہ بیٹھیں گے''۔ (۱۰۹:۶)

ایک اسلامی ریاست اقلیتوں کی سیاسی اور مذہبی آزادی کے علاوہ جوڈیشنل آزادی بھی تسلیم کرتی ہے۔

جب ہمارے دین نے قرآن کی کل میں رسول اکرم ﷺ کی زبانی رواداری کے حوالے سے ہمیں یہ تعلیم دی ہے۔ کہ کافروں کے بتوں اور مشرکین کے جھوٹے خداؤں کو برا بھلا نہ کہو۔ تو کسی بنی آدم کو بلاوجہ اذیت دینے یا جان سے مارنے کی اجازت بھلا کیونکہ دی جا سکتی ہے؟ بلکہ اسلام کے نزدیک کسی انسان کو بلا جواز قتل کرنا پوری انسانیت کو قتل کر دینے کے مترادف ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جو شخص کسی کو نہ جان کے بدلے میں اور نہ ملک میں فساد پھیلانے کی سزا میں بلکہ ناحق قتل کر ڈالے گا۔ تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ اور جس نے ایک آدمی کو زندگی عطا کی۔ تو گویا اس نے سب کو زندگی بخشی''۔

(سورہ المائدہ ۳۲:۵)

مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں:

مذکورہ بالا فرمانِ الٰہی کا تعلق مذہبی رواداری کے حوالے سے غیر مسلموں سے تھا۔ بے شمار آیاتِ قرآنی آیات میں جب غیر مسلموں کے ساتھ اس قدر حسن سلوک اور احسان کرنے کا حکم ہے تو اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہیکہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان بھائی پر کتنا حق ثابت ہوتا ہے۔

بے شمار آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ یہ ثابت کرتی ہیں۔ کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے لہٰذا اس کی جان ، مال، عزت و آبرو اور دیگر تمام اسلام حقوق کی حفاظت کرنا دوسرے مسلمان پر لازم ہے۔

چنانچہ سورۃ الحجرات (۱۰:۴۹) میں ارشاد ہوتا ہے۔

''مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔

اس بارے میں آقائے دو عالم ﷺ فرماتے ہیں۔

''مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے ورنہ اس کو مشکل کے وقت بے آسرا چھوڑتا ہے''۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے۔

''جو مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرے گا۔ خدا خود اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ جو مسلمان بھائی کو مصیبت میں کام آئے گا۔ خداوند کریم خود اس کے مصائب قیامت دور فرمائے گا۔ اور جو مسلم بھائی کی پردہ پوشی کرے گا۔ خداوند کریم اس کی روز قیامت پردہ پوشی فرمائے گا''

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

''ایک مومن دوسرے مومن کے لئے سیسہ پلائی ہوئی پختہ دیوار کی طرح ہے۔ جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تقویت کا باعث بنتا ہے''۔

(صحیح بخاری مظالم :۵، صلاۃ:۸۸)

مسلم اور مومن:

رسول اکرم ﷺ مذہبی رواداری اور بنی نوع انسان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کے حوالے سے مختصراً مگر جامع ترین عبارت میں مسلم اور مومن کی تعریف ان الفاظ سے فرماتے ہیں۔

''مسلمان وہ ہے۔ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے تمام مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے۔ جس کی ذات

سے بنی نوع انسان کی جان و مال کو کوئی خطرہ نہ ہو"۔

(مسند احمد بن حنبل ۳، ۴۵۱)

پڑوسی سے حسنِ سلوک:

سرور کائناتؐ نے اپنے اسلام و ایمان کا اعادہ کرنے والے ایسے شخص کو دائرہ ایمان سے تین بار خارج کر دینے کی وعید سنائی۔ جس کی پارسائی کے تمام دعوؤں کے باوجود جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔

"آنحضور ﷺ نے تین بار فرمایا! تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مسلمان مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو"

(صحیح بخاری۔ کتاب الادب ۲۹)

فرقہ واریت اور دہشت گردی:

پاکستان میں فرقہ واریت کا اژدھا انسانی خون سے پیاس بجھا رہا ہے۔ اور معصوم جانیں اس کی بھینٹ چڑھ رہی ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ پولیس کی نگرانی کے بغیر ہماری مساجد میں نماز ادا نہیں کی جا سکتی۔

ہم نے اپنے قومی امور کا اس قدر ستیاناس کیا ہے۔ کہ دنیا جہاں میں جہاں بھی انتہا پسندی اور دہشت گردی کی بات ہوتی ہے۔ تو ہمارا نام سرفہرست لیا جاتا ہے۔ یہ صورت حال ایک دن میں پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ اس میں عرصہ دراز لگا ہے۔

دعا ہے کہ وطنِ عزیز میں دوبارہ امن و امان کا دور دورہ ہو۔ اور ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔

یہ ممکن ہے بلکہ یقین کی حد تک ممکن ہے۔ کہ ان دہشت گردی کے واقعات میں بیرونی ایجنسیوں کا عمل دخل ہو۔ لیکن ہمارے ہاں گمراہ نوجوانوں کی کمی نہیں۔ بلکہ ان کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ اور کی موجودگی میں ایسی منحوس کارروائیوں کے محرکات کے لئے ہمیں اپنی سرحدوں کے پار دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہم خود اپنے گھر کو آگ لگانے کے مکمل طور پر اہل ہیں۔

وطنِ عزیز کے طول و عرض میں ہزاروں مذہبی ادارے ہیں۔ جن میں سے بہت سے اداروں میں نیم خواندہ مولوی، ناخواندہ افراد کو فرقہ وارانہ تعصب اور عدم برداشت کا سبق پڑھا رہے ہیں۔ اس کا یہی نتیجہ نکل سکتا تھا۔

حالات میں بہتری صرف اسی صورت لائی جا سکتی ہے۔ جب تعلیم عام ہو۔ حتیٰ کہ تقریباً ہر شخص خواندہ ہو۔ اساتذہ اعلیٰ تعلیم یافتہ، روشن خیال اور اعتدال پسند ہوں۔ جب مکتب و مسجد کو ایسے معیاری اساتذہ میسر آ گئے۔ تو

تعلیم کا معیار بہتر ہوگا اور فرقہ واریت اور دہشت گردی اپنی موت آپ مرجائے گی۔
نیز اس کے ساتھ ساتھ فرقہ واریت اور دہشت گردی کے اسباب کے تحقیق کی حوصلہ افزائی ضروری ہے۔
اس کے علاوہ ہمارے دانشوروں کا یہ کام بھی ہے۔ کہ وہ مغربی دنیا کو بتائیں۔ کہ اسلام کوئی خوفناک شے نہیں۔ بلکہ یہ دین تو امن وسلامتی اور آشتی کا علمبردار ہے۔

حرفِ آخر:

لٰہذا وطنِ عزیز کی سالمیت واستحکام اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ قائم کرنے کے لئے اور ایک بہتر مستقبل کی خاطر دہشت گردی اور فرقہ واریت کے اس خطرناک عفریت کو کسی نہ کسی طرح قابو میں لانا ہوگا۔
اور مملکت خداداد پاکستان کے عوام کے دلوں پر دہشت گردی کے ہاتھوں لگائے گئے زخموں کو پھر سے اسلامی اخوت محبت اور رواداری اور امن وآشتی کے ان مقدس جذبوں سے سرشار کرنا ہوگا جن کی زندہ مثالیں عہدِ نبویؑ میں انصار مدینہ نے مہاجرین مکہ پر اپنا سب کچھ نچھاور کر کے اور اسلامیات برصغیر نے حضرت قائداعظمؒ کی قیادت میں قیام پاکستان کی خاطر اپنا تن من دھن قربان کر کے پیش کیں اور اس منزل مقصود کا حصول گو کہ مشکل ہے۔ ناممکن نہیں۔
اہل علم و دانش، اربابِ سیاست وصحافت اور اہل تجارت وصنعت، الغرض قوم کے ہر طبقے کے تمام افراد چھوٹے ہوں یا بڑے، مرد وزن، امیر وغریب سب پاکستانیوں کا ''من الحیث القوم'' یہ قومی اخلاقی، دینی، اور انسانی فریضہ ہے کہ وطنِ عزیز میں امن آشتی اور محبت واخوت کی فضا پیدا کر کے اس مملکت خداداد کو ایک روشن خیال اور اعتدال پسند مثالی اسلامی ملک بنادیں۔

کتابیات

۱۔ تفہیم القرآن

۲۔ معارف القرآن

۳۔ ضیاء القرآن

۴۔ تدبر قرآن

۵۔ صحیح بخاری

۶۔ صحیح مسلم

۷۔ تفسیر ابن کثیر

۸۔ تفسیر مظہری

۹۔ قرآن حکیم

۱۰۔ AL-Quran

۱۱۔ سیرۃ النبی۔علامہ شبلی نعمانی

۱۲۔ نبی رحمت۔ابوالحسن ندوی

۱۳۔ محسن انسانیت۔نعیم صدیقی

۱۴۔ سیرت رسول اکرمؐ۔مفتی محمد شفیع

۱۵۔ پیغمبر اعظم و آخر۔ڈاکٹر نصیر ناصر

۱۶۔ رحمت اللعالمین۔قاضی سلمان۔سلمان پوری

۱۷۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی۔ڈاکٹر حمید اللہ

۱۸۔ خلفائے راشدین۔شاہ معین الدین ندوی

۱۹۔ نقوش۔رسول نمبر

۲۰۔ رسول اکرم کی حکمت انقلاب۔اسعد گیلانی

۲۱۔ تاریخ اسلام۔شیخ محمد رفیق

۲۲۔ تاریخ اسلام۔عبداللہ ملک
۲۳۔ اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے۔(سیدابوالاعلیٰ مودودی)
۲۴۔ اسلام اور جدید معاشی نظریات (سیدابوالاعلیٰ مودودی)
۲۵۔ اسلامی ریاست۔سیدابوالاعلیٰ مودودی
۲۶۔ اسلام کا سیاسی نظام۔چوہدری غلام رسول
۲۷۔ اسلام کا اقتصادی نظام۔محمد حفظ الرحمٰن
۲۸۔ اسلامی نظریہ حیات
۲۹۔ اسلام کا معاشی نظام۔ڈاکٹر اسرار احمد
۳۰۔ منہاج القرآن۔ڈاکٹر برہان احمد فاروقی
۳۱۔ اسلامی فلسفہ زندگی۔ڈاکٹر اسرار احمد
۳۲۔ اسلامی دستور حیات۔غلام احمد حریری
۳۳۔ اسلامی سیاست۔مولانا گوہر رحمٰن
۳۴۔ جدید سیاسی تصورات۔پیروز بخت قاضی
۳۵۔ عوام۔پارلیمنٹ۔اسلام۔ایس ایم ظفر
۳۶۔ اسلامی معاشیات۔علامہ مناظر احسن گیلانی
۳۷۔ اسلامی مملکت وحکومت۔محمد اسد لیوپولڈ۔غلام رسول مہر
۳۸۔ ترجمان الحدیث۔محمد حسن
۳۹۔ فیروز اللغات۔اردو۔جامع۔فیروز سنز
۴۰۔ راہ عمل۔مولانا جلیل احمد ندوی
۴۱۔ تفسیر القرآن۔غلام احمد حریری
۴۲۔ رسول رحمت۔ریض احمد سید
۴۳۔ اسلام اور مسلمان۔عبدالمجید سالک
۴۴۔ حیات محمد۔محمد حسین ہیکل

۴۵۔ سود حصہ اول۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی

۴۶۔ سود حصہ دوم۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی

۴۷۔ اسلام کا جمہوری نظام۔ ڈاکٹر سید علی اسلم

۴۸۔ سیرت المصطفیٰ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی

۴۹۔ قصص القرآن۔ چہار جلد۔ محمد حفظ الرحمٰن

۵۰۔ حضور اکرم۔ پیغمبر امن وسلامتی۔ ڈاکٹر اسحاق قریشی

۵۱۔ خطبات بہاولپور۔ ڈاکٹر حمید اللہ

۵۲۔ روزنامہ جنگ لاہور

۵۳۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور

۵۴۔ A Shor History of Islam.... by A. Rahim

۵۵۔ SPIRIT OF ISLAM ..... BY Amir Ali

۵۶۔ Life of Mohammad ..... by Hafiz Ghulam Sarwar

۵۷۔ Islam And Modernism ..... by Jameela Maryam

۵۸۔ Islam and Communism ..... by Abdul Hakim

۵۹۔ Colin Concies ..... English Dictionary..... Feroze Sons



عصرِ حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت۔ سیرتِ طیّبہ کی روشنی میں

(ڈاکٹر محمد شکیل اوج (کراچی)

یہ حقیقت ہے کہ جو معاشرہ وحیٔ الٰہی کی روش میں تشکیل پاتا ہے۔ وہ ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ ہوتا ہے۔ حضور ختمیٔ مرتبت ﷺ نے اپنے کردار و عمل کے ذریعے اِتباعِ وحی میں بالفعل ایسا ہی معاشرے تشکیل دیا تھا۔ جو افراد وتفریط میں بٹے ہوئے انسانوں کے لئے انتہائی پُرکشش تھا اسلام کی تعلیمات نہ صرف انتہائی سادہ فطری اور معقول تھیں بلکہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا مظہر بھی تھیں اور آج بھی وہ ان تمام خصوصیات کی حامل ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ دنیا کے کسی بھی مذہب کے پاس ایسی تعلیمات، اسقدر جامعیت اور واضحیت کے ساتھ موجود ہی نہیں ہیں۔ ذیل کے مضمون میں ہم اسی امر کا جائزہ لیں گے، کیونکہ ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل، عصرِ حاضر کا ایک منہ زور مطالبہ اور شدید تقاضا ہے۔

قرآن مجید نے حضور نبی کریمؐ کی ذات کو اُسوۂ قرار دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو ایک رول ماڈل (Role Model) دے دیا گیا ہے اور یہ وہ رول ماڈل ہے، جو قرآن کے عین مطابق و مصداق ہے۔ لیکن جس طرح قرآن، قال ہے، اسی طرح محمدؐ کی ذات اس کا حال ہے۔ جس طرح قرآن مطالعہ کے لئے ہے، اسی طرح سیرت طیّبہ مشاہدہ کے لئے ہے۔ جو کچھ خدا کو مطلوب ہے وہ سب قرآن میں موجود ہے اور جو کچھ قرآن میں موجود ہے۔ وہ سب سیرتِ طیّبہ میں مشہود ہے۔ گویا قرآن اور صاحبِ قرآن دونوں ایک دوسرے کا اٹوٹ انگ اور جزوِ لاینفک ہیں۔ قرآن، صاحبِ قرآن کے بغیر اور صاحبِ قرآن، قرآن کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا ہے۔ دونوں کی معرفت ایک دوسرے سے وابستہ اور لازم ہے۔

دراصل حضور اکرمؐ نے قرآن کی روشنی اور رہنمائی میں ہی اسلامی معاشرہ تشکیل دیا تھا۔ جواب رہتی دنیا تک کے لئے مینارۂ نور بن گیا ہے۔ اس لئے اسلامی معاشرہ کی جُز بندی اور تشکیل پذیری کا عمل، قرآن کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ قرآن کی تعلیمات ابدی ہیں یعنی ناقابلِ تغیر و تبدل اور نسخ و تحریف سے مبرّا و منزّہ۔ وہ اپنے الفاظ میں ہر جگہ آب دار اور معنٰی و مفہوم میں تابدار ہیں۔ مُرورِ ایّام اور گزرتے ہوئے لمحات اپنے ساتھ تدریجاً ہر چیز بدلتے رہتے ہیں۔ یوں الفاظ بھی بدل جاتے ہیں اور اصطلاحات بھی اور معاشرہ کی طلب (Demand) بھی بدل جاتی ہے۔ اس کے تقاضے اور مطالبے نئے نئے الفاظ اور

اصطلاحات کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں اور تعبیر نو کا تقاضا کرتے ہیں۔

یہ جاننے کے لئے کہ اسلام ایک روشن خیال اور اعتدال پسند دین ہے۔ اسی لئے وہ اپنے ماننے والوں کے لئے ایک ایسا ہی معاشرہ قائم کرتا ہے۔ جس میں تاریک خیالی کا اور افراط وتفریط کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ ہمیں ''روشن خیال اور اعتدال پسند'' الفاظ کے معنیٰ پر غور کرنا ہوگا۔ ''روشن خیال'' فارسی زبان کا لفظ ہے۔ روشن کے معنیٰ ہیں تاباں، منور، درخشاں۔۔۔۔ نیز صاف واضح اور عیاں (علمی لغت) اور خیال کے ساتھ ''روشن'' کی اضافت کے ساتھ، اس کا مطلب ہوا۔ واضح، صاف اور منور خیال۔ یونہی اعتدال کا معنیٰ ہے۔ برابر، نہ کمی نہ زیادتی، تناسب، ٹھیک، میانہ روی اور درستی۔ اور طب کی اصطلاح میں مزاج کا معتدل ہونا بھی اسی مفہوم میں شامل ہے۔ (علمی لغت) یہ تمام معانی و مفاہیم اپنی شانِ جامعیت اور معنویت کے ساتھ، قرآن کے الفاظ میں اور صاحبِ قرآن کی ذات میں کما حقہ، موجود ہیں۔

ہر نبی اور رسول اپنی قوم کے لئے حجت ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح، جس طرح وحیٔ الٰہی حجت ہوتی ہے۔ اسی لئے تو وحیٔ الٰہی کے مفہوم کو نبی کے کردار و عمل کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے اور نبی کے کردار و عمل کو وحیٔ الٰہی کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے اور یہ دونوں حجتیں، معاشرہ کی تشکیل میں یکساں محوری کردار ادا کرتی ہیں۔ جسے ہم اپنی اصطلاح میں ''قرآن وسنت'' کہتے ہیں۔ قرآن تواتر قول سے ہم تک پہنچا ہے اور سنت تواتر عملی سے اور یہی وہ سنت ہے۔ جسے قرآن کی زبان میں اسوۂ حسنہ کہا گیا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنہ. (الاحزاب/۲۱)

روشن خیال اور اعتدال پسند کی اصطلاحات کا مصداقِ اتم، سوائے اسلام کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اسلامی تعلیمات سے بڑھ کر واضح، صاف، منور اور درخشاں وتاباں ہدایات کا مصدر اپنی حالتِ اصلی میں اب کسی مذہب کے پاس نہیں ہے۔ چونکہ اسلام دنیا کا آخری ''مذہب'' ہے۔ اس لئے کہ اس کا ان تمام خصوصیات کا حامل ہونا ضروری ہے۔ وگرنہ اس کا ''مذہبِ آخری'' ہونا غیر معقول اور غیر منطقی ہو جائے گا۔ اسلام کی تمام تعلیمات کا جوہر، اس کا معتدل ہونا ہے یہ وہ بنیادی وصف ہے، جو گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ، حقائق کی دنیا میں مشہور ہو رہا ہے۔

آیئے ذیل میں اسلام کے نظامِ معاشرت کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کس طرح اسلام کا خاصہ ہے۔

(۱) اسلام انسانوں کے مابین پیدائشی امتیازات وفضائل کو تسلیم نہیں کرتا۔ یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثٰی وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم... الخ (الحجرات/۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف شاخوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم

ایک دوسرے کو پہچانو، تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ومکرم اور شریف ومحترم وہ ہے، جو سب سے زیادہ اس کے قانون کو توڑنے سے ڈرتا ہے۔

اس آیت کے ذریعے تعلیم یہ دی گئی ہے کہ انسانوں کی اصل چونکہ ایک ہے۔ اس لئے اصولی طور پر تمام انسانوں کو یکساں اہمیت حاصل ہے۔ کسی خاندان اور قبیلہ میں ہونا چونکہ اس کے اپنے اختیار میں نہیں۔ اس لئے اس بنیاد پر کوئی کسی سے افضل واعلیٰ بھی نہیں۔ یہ تقسیم محض باہمی تعارف وشناخت کے لئے ہے نہ کہ برتری اور کمتری پیدا کرنے کے لئے اسلام کی تعلیم کا یہ اصول ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم... ایک ایسی بنیادِ فضیلت فراہم کرتا ہے، جس کا مقابلہ، دنیا کا کوئی مذہب نہیں کرسکتا۔ یعنی وہ تمام قومی تفریقات وامتیازات کو یکسر ختم کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ جھوٹے امتیازات ہیں کہ جن کی بنیاد پر لوگ نہ صرف یہ کہ فخر بے جا کرتے ہیں بلکہ دوسروں پر ظلم وزیادتی بھی کرتے ہیں۔ آج پوری دنیا میں انسانوں کے مابین نسلوں اور رنگوں، خاندانوں اور قبیلوں میں جو جھگڑے پائے جاتے ہیں۔ وہ سارے کے سارے اسلام کے اصولِ مساواتِ نسلِ انسانی کے ذریعہ حل کئے جاسکتے ہیں۔ یہ خصوصیت دین کے کسی بھی مذہب کو حاصل نہیں ہے۔

بیہقی کی ایک روایت میں حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ یا ایھا الناس الا ان ربکم واحد لا فضل العربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علیٰ عربی ولا لاسود علیٰ احمر ولا لرحمة علی اسوٗد الاّ بالتقوی۔ یعنی اے لوگو! تمہارا رب ایک ہی ہے۔ پس کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے اور اس طرح نہ کسی کالے کو، گورے پر اور نہ کسی گورے کو کالے پر کوئی فضلت حاصل ہے سوائے تقویٰ کے۔۔۔۔۔ یہ حدیث دراصل آیت مذکورہ کی تفسیر میں ہی ارشاد ہوئی ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں: ”بھارت جسے دنیا بھر میں سب سے بڑا جمہوری ملک ہونے کا دعویٰ ہے۔ وہاں آج بھی طبقاتی امتیازات جوں کے توں قائم ہیں۔ بھارت کے طول وعرض میں اس بیسویں صدی میں بھی اچھوت نہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں میں جا کر پوجا پاٹ کرسکتے ہیں اور نہ ہی ان کے کنوؤں سے پانی بھر سکتے ہیں۔ امریکہ میں بے شمار ایسے ہوٹل ہیں۔ جن کے دروازوں پر جلی حروف میں لکھا ہوتا ہے” ریڈ انڈین (وہاں کے اصلی باشندے) اور کتے داخل نہیں ہوسکتے“ سفید فام باشندوں کے اسکول اور کالج تک مخصوص ہیں۔ جہاں سیاہ فام حبشی تعلیم حاصل نہیں کرسکتے۔ اپنی قومی برتری کا یہ غرور تھا۔ جس نے جرمن قوم میں ہٹلر کا روپ اختیار کیا اور کروڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا“ [1]

(۲) اسلام نے معاشرے کی تشکیل بھی اصولِ مساوات پر کی ہے۔ اس نے آقا وغلام کی تمیز کو، جو ہزاروں سال سے انسانوں میں چلی آرہی تھی، اسے اپنی اصولی تعلیمات کے نتیجہ میں بالآخر ختم کر کے رکھ دیا اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے

نجات بخشی۔ روایت میں آتا ہے کہ آنحضرتؐ نے بنی بیاض کو حکم دیا تھا کہ ابو ہند سے اپنی ایک عورت کی شادی کر دیں تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم اپنے موالی سے شادی کر دیں۔ جس پر یہ آیت (ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم) نازل ہوئی اور آنحضرتؐ نے خود زینب جیسی اعلیٰ خاندان کی عورت کی شادی زید بن حادثہ سے کی، جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اس طرح قرآن نے الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ.... الخ (البقرہ/۱۷۸) کہکر قصاص میں آزاد اور غلام ہر دو میں برابری، یکساں نوعی تکی حامل قرار دے دی، یعنی عہد جاہلیت کی اس رسمِ قبیح کی بیخ کنی فرمادی کہ جس میں آزاد قاتل کو مقتول غلام کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ کیونکہ قاتل اور مقتول حرمتِ نفس کے پہلو سے یکساں حقوق کے حامل نہیں تھے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری روای تکرتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں جب دو قبیلے آپس میں لڑتے، ایک معزز قبیلہ ہوتا اور دوسرا پسماندہ اور پسماندہ قبیلہ کا غلام معزز قبیلہ کے غلام کو قتل کر دیتا تو معزز قبیلہ کہتا تھا کہ ہم اپنے غلام کے بدلہ میں پسماندہ قبیلہ کے آزاد شخص کو قتل کریں گے۔ اس طرح اگر پسماندہ قبیلہ کی کوئی عورت معزز قبیلہ کی کسی عورت کو قتل کر دیتی تو معزز قبیلہ کہتا تھا کہ ہم اپنی عورت کے بدلہ میں پسماندہ قبیلہ کے مرد کو قتل کریں گے تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی[۲] اور اسلام نے اس جاہلانہ رسم کو اڑا کے رکھ دیا اور لوگوں کو بتایا کہ حرمتِ نفس میں غلام و آقا میں کوئی تمیز اور تفریق نہیں ہے۔

یہ حکم دراصل افراد و تفریط کے ان رویوں کو اعتدال پر لانے کیلئے دیا گیا تھا۔ جو عربوں کی جاہلی دنیا میں رائج تھے۔ اس سے نفس مسئد میں مرد، عورت اور غلام کے مابین مساوات کا اصول بالکل واضح اور قطعی شکل میں دنیا کے سامنے آیا ہے۔ گویا معلوم ہوا کہ آزاد کا خونا، اسی طرح محترم ہے، جس طرح کسی غلام کا اور جسؑ طرح کسی عورت کا، اس آیت کی موجودگی میں آزاد کے خون کی، کسی غلام کے خون پر برتری کبھی بھی ثابت نہیں ہوسکتی۔

(۳) اسلام دنیا کے تمام مرد و عورت کو یکساں حقوق فراہم کرتا ہے۔ ولھن مثل الذی علھن بالمعروف الخ (البقرۃ/۲۲۸) اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر اس طرح حقوق ہیں۔ جیسے مردوں کے عورتوں پر۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس سے دنیا کے تمام مذاہب بے خبر معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ تہذیب جدید کے علمبرداروں کے ہاں بھی یہ اصول اپنے حقیقی رنگ میں نظر نہیں آتا۔ واضح ہو کہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے حقوق کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ بلکہ عورت، بمنزلہ شے کے جائیداد تصور کی جاتی تھی۔ اسلام نے عورت کو ''چیز'' ہونے سے نکالا اور اسے وہی مرتبہ انسانیت عطا کیا، جو مردوں کو حاصل ہے۔ اسلام میں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کے تعلق سے جس قدر ارشادات پائے جاتے ہیں۔ ان کا دسواں حصہ بھی کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا بلکہ دیگر مذاہب کی مقدس کتابوں میں عورتوں کی کمتری، کہتری اور حقیر ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

''یہود کی معتبر و مستند جیوش انسائیکلوپیڈیا کے مطابق، معصیتِ اول، چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوئی تھی۔ اس لئے اس کو شوہر کا محکوم کر کے رکھا گیا اور شوہر اس کا حاکم ہے۔ شوہر اس کا مالک و آقا ہے اور وہ اس کی مملوک ہے۔ (جلد ششم ص ۵۰۸) اور مسیحی دنیا سے متعلق مسٹر لیکی (Lecky) فرنگی مسیحی اپنی تاریخ اخلاق یورپ (History of European Morals) میں لکھتے ہیں: عقیدہ یہ تھا کہ عورت جہنم کا دروازہ ہے اور تمام آفات بشری کا باعث ہے۔ اسے اپنے کو ذلیل سمجھتے رہنے کے لئے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ عورت ہے۔ (جلد سوم ص ۱۴۲)''

قرآن نے جہاں عورتوں اور مردوں کے حقوق میں مثلیت و مماثلت بیان فرمائی، وہیں ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وللرجال علیھن درجہ۔ البتہ مردوں کو ایک درجہ ترجیح اپنی عورتوں پر حاصل ہے۔۔۔۔ واضح ہو کہ مرد و زن کے مابین یہ مثلیت و مماثلت، کیفیت و کمیت کے اعتبار سے نہیں بلکہ نفسِ وجوب کے لحاظ سے ہے (تفسیر کشاف و بیضاوی) قرآنی لفظ ''درجہ'' نگاہ میں رہے تو صاف دکھائی دے گا کہ مرد عورتوں کے مالک نہیں ہیں اور نہ ہی عورتیں، مردوں کی باندیاں ہیں۔ بلحاظ حقوق دونوں ایک سطح پر ہیں۔ مرد کو عورت پر ایک گونہ ترجیح و فضیلت کا ضرور حاصل ہے اور یہ بات اسلام کے قانون ترجیح کے پہلو سے انتہائی ضروری اور معقول ہے۔

قرآن نے مرد و زن کی مساوات حقوق کے ضمن میں، اس اصول کو بیان کر کے، خاندان میں قوامیت اور فضیلت کا مقام مرد کو دے دیا ہے تاکہ گھر کا نظم و نسق بہتر انداز میں چلایا جا سکے، بصورتِ دیگر نظم و نسق برباد ہو سکتا ہے۔ یہ فضیلت بالکل ویسی ہی ہے جیسی کسی سربراہ ریاست کو ریاست میں اور سربراہ حکومت کو، حکومت میں حاصل ہوتی ہے۔ بغیر سربراہ کے کوئی ریاست اور حکومت قائم نہیں ہوتی۔ گھر بھی ایک چھوٹی سی ریاست ہوتا ہے وہاں بھی کسی کو سربراہ ہونا چاہئے اور وہ سربراہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو بنایا ہے۔ مگر وہ مرد اپنی سربراہی کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ کیونکہ عورت کو ماں بننے کی صورت میں اپنے بچوں پر وہ مقام اور درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ جو کسی مرد کو حاصل نہیں ہوتا اور وہ ہے اس کے قدموں میں جنت کا ہونا۔ اس طرح اسلام نے ایک جگہ مرد کو فضیلت بخشی ہے تو دوسری جگہ عورت کو بھی فضیلت بخشی ہے اور یوں دونوں اصناف کو اپنی اپنی جگہ اک گونہ، فضیلت میں مساوات کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ اتنی خوبصورت اور توازن بدوش تعلیم، دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی، جن قوموں نے بالخصوص مغربی اقوام نے اس توازن بدوش اصول فضیلت کو نظر انداز کر کے مرد و زن میں مطلق برابری کا نعرہ لگایا تھا۔ آج وہ اپنے خاندانی نظام کی بربادی کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں اور دنیا کے سامنے تماشا بنے ہوئے ہیں۔

(۴) دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ لا اکراہ فی الدین.... الخ (البقرہ/۲۵۶)

یعنی اسلام کسی کو بالجبر داخل اسلام نہیں کرتا اور نہ ہی کسی کو بالجبر اسلام میں رکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ ایمان نام ہے اقرار

باللسان وتصدیق بالقلب کا اور تصدیق قلبی کا جبرو اکراہ سے کوئی تعلق نہیں بنتا۔ اسلحہ کے زور سے کسی کو زبردستی کلمہ پڑھانے والے اپنی آستینوں میں سانپ تو پال سکتے ہیں۔ کسی کو مسلمان نہیں بنا سکتے۔ اس لئے کہ مسلمان بننے کے لئے دل کا ارادہ ضروری ہے۔ نہ کہ موت کا خوف۔ جبر کا مارا انسان، اسلام میں مسلمان بن کر تو نہیں البتہ منافق بن کر ضرور رہ سکتا ہے۔ اسلام نے لا اکراہ فی الدین کا نعرہ لگا کر جس روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کی مثال بھی دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملے گی۔ گویا قرآن نے انسان اعتدال پسندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کی مثال بھی دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملے گی۔

گویا قرآن نے انسان کے ذہن وفکر پر کوئی پہرہ نہیں بٹھایا بلکہ اسے ارادہ کا اختیار دے کر، حرمیت فکر وعمل بھی عطا کی ہے۔

انسان اپنی آزاد مرضی سے اپنی زندگی کا لائحہ عمل طے کرتا ہے۔ اسے اتنا بڑا اختیار اس لئے دیا گیا ہے کہ قد تبین الرشد من الغی.... الخ (البقرہ/۲۵۶) رشد وہدایت، گمراہی کے مقابلہ میں بالکل واضح ہو چکی ہے۔ قرآن کو اپنی ہدایت کی قطعیت، واضحیت اور نتیجہ خیزی پر کس قدر اعتماد ہے؟ یہ دعویٰ وہی کر سکتا ہے جس کے پاس ہر اعتبار سے۔ ہر پہلو سے کامل ہدایت نامہ موجود ہو اور یہ کہ جس نے انسان کو عقل وادراک میں بالغ تسلیم کر کے اسے تکریم انسانیت بخشی ہو یہ آیۃ مابرکہ، دنیائے مذاہب میں انقلاب عظیم کا اعلامیہ ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں جس قدر قتل وغارت گری، مذہب کے نام پر ہوئی ہے۔ اتنی کسی بھی نام پر نہیں ہوئی۔ تاریخ اس قسم کی لڑائیوں سے بھری پڑی ہے۔ مذہب کے نام پر جنگ کرنے والوں کے خلاف قرآن کریم کا یہ اعلان دراصل بہت بڑا انقلاب قدم ہے کہ دین کے اختیار وترک میں کسی قسم کا جبر نہیں ہے۔

(۵) اسلام کی ہدایات کا مرکز ومنبع وحیٔ الٰہی اور سنتِ رسول ہے جس کا سمجھنا عقل پر موقوف ہے۔ یوں عقل تابع وحی و سنت ہو کر انسانوں کو علم فراہم کرتی ہے اور رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی ہے اور عقل چونکہ ایک ارتقاء پذیر شے ہے جو روز بروز بڑھتی ہے۔ قرآن میں انسان کے ذہنی ارتقاء کی طرف اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ وقد خلقکم اطوارا ٥ (نوح / ۱۴) اس کا مفہوم یہ ہے کہ بے شک ہم نے تمہیں بحیثیت نوع ایک حال سے دوسرے حال یا ایک درجے سے دوسرے درجے میں بتدریج ترقی کرتا ہوا انسان بنا کر پیدا کیا ہے۔ بایں مفہوم اس آیت میں انسان کے اس ارتقائی سفر کی طرف اشارہ ہے، جو صدیوں پر محیط ہے۔ دراصل یہ سفر انسان کے ذہنی، علی اور عقلی ارتقاء کا سفر ہے۔ جو بحیثیت مجموعی ہمہ دم جاری وساری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ اس لئے ہر دور کے عقلی تقاضے، قرآن وسنت کی روشنی میں دیکھے جائیں گے اور حسن وقبح، صحیح اور غلط اور ہدایت وگمراہی کے باب میں فیصلے کئے جائیں گے۔

(۶) اسلام کسی مذہب ونسل اور تعلق ووصل کے امتیاز کے بغیر عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے بدترین دشمنوں سے بھی عدل کا حکم دیتا ہے۔ ولا یجرمنکم شناٰن قوم علیٰ ان لا تعدلوا اعدلوا ھوا قرب للتقویٰ.....

الخ (المائدہ/۸) اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو، یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔
ولا یجرمنکم شنأن قوم والا فقرہ اسی سورہ کی آیت نمبر ۲ میں بھی آیا ہے۔ یہاں اس فقرہ کا اعادہ اس حکم کی خصوصی تاکید کے لئے ہے۔ دراصل کسی قوم کی دشمنی بالعموم عدل وانصاف کی راہ سے ہٹ جانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے تمام مذاہب ومسالک اور انکی مختلف جماعتیں، اس جملہ سے سبق لیں کہ جس میں دشمنِ اسلام قوم یعنی کفار تک سے عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ چہ جائیکہ وہ اپنے کلمہ گو بھائیوں کے ساتھ کوئی ظلم وزیادتی کریں اور اسے عین عدل سمجھیں۔

اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والوں کے پاس دوستوں اور دشمنوں ہر دو کے لئے یکساں باٹ اور ایک ہی ترازو ہو۔ مگر افسوس کہ ہمارے ہاں مختلف جماعتیں خواہ وہ مذہبی ہوں یا غیر مذہبی، جس بنیاد پر قائم کی جاتی ہیں۔ وہ اپنے کارکنوں میں ایسی عصبیت پیدا کر دیتی ہیں، جس کے نتیجے میں وہ ہر حال میں اپنی جماعت کے افراد کو سپورٹ (Support) کرتے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ مبنی بر صائب وصحیح ہوں یا غلط۔۔۔۔ اور یہ قرآن مجید کے صریح خلاف ہے۔

عدل وانصاف کی تاکید میں یہ آیت بھی ہیرے کی طرح جگمگا رہی ہے۔

کونو اقوامین بالقسط شھداء للّٰہ ولو علیٰ انفسکم او الوالدین والا قربین...... الخ (النساء/۱۳۵)

انصاف پر قائم ہونے والے، اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو، گو (گواہی) تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ اور قریبیوں کے خلاف ہی گواہی نہ ہو۔

اتنی واضح اور کھلی ہوئی ہدایت کے بعد بھی اگر لوگ پارٹی ورکر، پیر بھائی، ہم مسلک، ہم زبان اور ہم علاقہ ہونے کی بنیاد پر ایک دوسرے سے سپورٹ چاہیں اور سپورٹ کریں ہر چند کہ وہ غلط بھی ہوں۔ تو بتایئے کے معاشرے میں عدل وانصاف کیسے قائم ہوگا؟ مطلوب معاشرہ کی تشکیل میں یہ عنصر سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

(۷) اسلام، اہل کتاب کو برنگِ اتحاد وموافقت، قبول حق کی دعوت دیتا ہے۔

قل یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم..... الخ (آلِ عمران/۶۴)

فرمایئے اے اہلِ کتاب آؤ اس کلمہ کی طرف، جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ (یعنی مشترک بات کہ جس میں توریت، انجیل اور قرآن تینوں کا اتفاق ہے) مطلب یہ کہ کامل توحید اور ترک شرک، کیونکہ یہودیت اور مسیحیت دونوں مذہبوں کی بنیاد اسی اصل پر قائم تھی۔ جسے یا تو بھلا دیا گیا یا دبا دیا گیا۔ توریت تو خیر تاکید توحید اور ممانعت شرک سے لبریز ہے، انجیل تک میں یہ تعلیم موجود ہے۔

''یسوع نے اس سے کہا اے شیطان دور ہو، کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر''

(متی ۴: ۱۰)

''یسوع نے جواب میں اس سے کہا، لکھا ہے تو خداوند کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر'' (لوقا: ۴: ۸)

''یسوع نے جواب دیا اول یہ ہے اے بنی اسرائیل سن! خداوند ہمارا ایک ہی خداوند ہے۔'' (مرقس: ۱۲: ۳۰)۵؎

ان حوالوں سے بتانا یہ مقصود ہے کہ توحید ایک ایسی زندہ جاوید حقیقت ہے۔ جو تمام مذاہب میں بالعموم اور اہل کتاب میں بالخصوص جانی پہچانی اور معروف و مسلم تھی۔ اسی لئے قرآن مجید نے اسی مشترک کلمہ کو بنیاد بنا کر اہل کتاب کو اتحاد کی دعوت دی ہے تا کہ وہ اسی قدر مشترک کو معیار بنا کر حقیقت کا کماحقہ ادراک کر سکیں اور یہ جان سکیں کہ حق اب سوائے اسلام کے کہیں اور نہیں ہے۔ کیونکہ اس معیار پر سوائے اسلام کے، اب کوئی مذہب پورا نہیں اترتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی تبلیغ، دلائل و بصائر پر مبنی ہونی چاہیئے نہ کہ محض جذبات اور بے بصیرتی پر، یہ ہے تبلیغ و دعوت کے باب میں اسلام کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی۔ اسلام کی حدود میں پرورش پانے والے تمام مکاتب و مذاہب اور مسالک کے لئے بھی اس میں ایک عظیم سبق پنہاں ہے۔

(۸) اسلام تمام آسمانی کتابوں کا یکساں احترام کرتا ہے اور ان کے پیروؤں کو ان کی اصل تعلیمات کے نفاذ پر زور دیتا ہے۔ یہ وہ رویہ ہے جو کسی مذہب نے اس سے پیشتر اختیار نہیں کیا۔ یہ قرآن مجید کے کامل ترین اور اس کے دیگر آسمانی کتابوں کے جامع ہونے کا ثبوت ہے۔ بلاشبہ قرآن مھیمن ہے۔ (المائدہ/۴۸) یعنی تمام صحف سماوی کا محافظ و نگراں۔۔۔اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ کسی بھی معاشرہ میں قرآن کا نفاذ دراصل تمام آسمانی کتابوں کا نفاذ ہوگا، جو کہ اپنی کامل اور محفوظ ترین شکل میں دنیا کے ہر شخص کی دسترس میں ہے۔

قل یااھل الکتاب لستم علیٰ شیءٍ حتیٰ تقیموا التوراۃ والانجیل و ما انزل الیکم من ربکم..... الخ (المائدہ/۶۸)

فرمایئے اے اہلِ کتاب! تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہے۔ جب تک تم تورات، انجیل اور اس چیز کو قائم نہ کرو، جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے۔ (یعنی دیگر انبیائے بنی اسرائیل پر نازل ہونے والے احکام)

اسلام دنیا کا واحد ''مذہب'' ہے۔ جو تمام مذاہب کے ماننے والوں کو ان کی اصل کتابوں پر عمل کرنے کا درس دیتا ہے۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر اعتدال پسندی اور روشن خیالی کسی کے ذہن میں آسکتی ہے؟ تعجب ہے ان لوگوں پر، جو بالجبر اسلام پھیلانے کے حامی ہیں یا بالجبر اپنے مسلک کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ اس طرح یہ آیت بھی دیکھئے۔

ولو انھم اقاموالتوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لا کلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم منھم امۃ مقتصدہ (المائدہ/۶۶)

اور اگر وہ توریت اور انجیل کو اور جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے، قائم رکھتے تو اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے رہتے اور ان میں سے ایک گروہ میانہ رو ہے۔

یہ آیت گذشتہ آیت سے جزوا قدرے مختلف مفہوم رکھتی ہے۔ آیت گذشتہ میں وما انزل الیکم من ربکم ۶ سے مراد دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے صحائف تھے۔ جبکہ یہاں وما انزل الیھم من ربھم سے مراد قرآن مجید ہے۔ ۷ گویا اس آیت میں اہل کتاب سے ان کی کتابوں کے نفاذ کا تذکرہ قرآن مجید کے اشتراک سے کیا گیا ہے۔ یہ وہ آیات کریمہ ہیں، جو بین المذاہب مکالمہ کی بنیاد بنتی ہیں اور عصر حاضر میں اس طرح کے مکالمے کی ضرورت ایک بار پھر پیدا ہوگئی ہے۔ کیا کوئی ہے، جو سوچے اور سمجھے؟

اس مفہوم پر سورۃ المائدہ کی آیات ۴۳ تا ۴۷ بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ جن میں توریت کی بابت کہا گیا کہ ان انزلنا التوراۃ میںھا ھدی و نور.... الخ ہم نے توراۃ نازل کی، جس میں ہدایت اور روشنی ہے اور اس کتاب کے عدم نفاذ کے حوالہ سے فرمایا و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولیک ھم الکافرون o جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی کافر ہیں۔۔۔۔ مزید فرمایا و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولیک ھم الظالمون o۔ اور انجیل کی بابت فرمایا گیا۔ واتینہ الانجیل فیہ ھدی نور..... الخ اور ہم نے اس کو (عیسیٰ علیہ اسلام) انجیل عطا فرمائی، جس میں ہدای تا وروشنی ہے۔۔۔۔ اور عیسائیوں کے تعلق سے فرمایا کہ ولیحکم اھل الانجیل بما نزل اللہ فیہ ومن لم لحکم بما انزل اللہ فاولیک ھم الفاسقون o ہمارا حکم تھا کہ اہل انجیل، اس قانون کے مطابق فیصلہ کریں، جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔

(۹) اسلام کی نگاہ میں تمام مذاہب کی عبادت گاہیں یکساں محترم اور معزز ہیں۔ بشرط یہ کہ وہ واقعی عبادت گاہیں ہوں۔ مسجد ضرار (التوبہ/۱۰۷) کی طرح فتنہ پروری کی آماجگاہیں نہ ہوں۔

ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوت و مساجد یذکر میھا اسم اللّٰہ کثیرا o..... الخ (الحج/۴۰) اور اگر اللہ ان لوگوں کا زور ایک دوسرے سے نہ گھٹاتا رہتا تو درویشوں کی خانقاہیں، عیسائیوں کے گرجے یہودیوں کے معبد اور مسلمانوں کی مجدیں کہ جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے۔ (سب) منہدم ہوگئے ہوتے۔

عبدالحق حقانی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے "بعد نسخ تحریف کے بھی، ان کی عزت فی الجملہ باقی ہے۔ اس لئے کہ ان میں بھی تو اللہ ہی کی عبادت کی جاتی ہے" ۸

اور علامہ غلام رسول سعیدی نے یہود و نصاریٰ کی عبادت کے مقامات اور مسلمانوں کی عبادت کے مقام کو جمع کرنے کی متعدد توجیہات میں سے ایک توجیہہ میں لکھا ہے کہ "اس سے مراد یہ ہے کہ رسول ﷺ کے زمانہ میں بھی ان کے معابد کی حفاظت کی گئی، کیونکہ ان عبادت گاہوں میں بہر حال اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے۔" 9

واضح ہو کہ قرآن مجید میں اس مقام پر جنگ و قتال کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو اسلامی جنگ کی غرض یہ بتائی گئی کہ وہ صرف مسجدوں کے تحفظ کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کے ہر مذہب کے تعبد کی حفاظت کے لئے ہے۔ یہاں تک کہ نجی طور پر درویشوں کے بنائے گئے عبادت خانے بھی اس میں شامل کر دیئے گے۔

راقم نے اپنے ایک مطبوعہ مقالے میں لکھا ہے کہ

صحابہ کے زمانے کی جنگوں میں بھی معبدوں کے تقدس کو مدنظر رکھا جاتا تھا کہ کسی راہب کی خانقاہ اور عبادت گاہ کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ بلکہ بعض معاہدات کی رو سے کلیاؤں کی حفاظت اور ان کی تعمیراتی دیکھ بھال کا انتظام بھی اسلامی حکومت کے ذمہ تھا۔ یہ فقط اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے نہ صرف سارے مذاہب کی اصلیت کو خدا کی طرف سے نازل کردہ مانا ہے، بلکہ ان کے معبدوں کے تحفظ کو بھی مسلم ریاست کے فرائض میں داخل کر دیا ہے۔

واضح ہو کہ اس حکم میں صرف اہلِ کتاب ہی شامل نہیں۔ کیونکہ جب ایران فتح ہوا تو وہاں پر موجود مجوسیوں کے ماننے والوں کو اہل کتاب کی مثل قرار دیا گیا اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا، جو اہل کتاب کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ان کے لئے کمثل اہل کتاب کی اصطلاح وضع کی گئی اور ان کے جان و مال و آبرو کی حفاظت کے ساتھ ان کے عبادت خانوں کی بھی حفاظت کی گئی اور یہی صورت ہندوستان میں بھی پیش آئی۔ یہاں بھی بعض فقہاء نے ہندوؤں کو کمثل اہل کتاب کے زمرے میں شامل کر کے مسلم ریاست پر یہ فرض عائد کر دیا کہ وہ غیر مسلموں اور ان کی عبادت گاہوں کا تحفظ کرے۔ 10

کیا روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی اس جیسی یا اس سے کمتر کوئی مثال دنیا کا کوئی مذہب پیش کر سکتا ہے؟

اسلام بوقتِ ضرورت، غیر مسلموں کو اپنی مسجدوں میں نہ صرف آنے کی اجازت دیتا ہے بلکہ انہیں عبادت کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ مگر واضح رہے کہ اس ضمن میں اسلام نے کوئی مستقل حکم نہیں دیا ہے۔ تاہم اس کا فیصلہ حاکمِ وقت یا حاکمِ علاقہ کر سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے نجران کے عیسائیوں کو مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا تھا۔

محمد بن اسحٰق نے سیرۃ میں لکھا ہے کہ ساٹھ افراد پر مشتمل، نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے انہیں مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا اور جب ان کی نماز کا وقت ہوا تو مسجد میں ہی انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ اس واقعہ سے آنحضرت کی وسعتِ قلبی، روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ کیا یہ وسعتِ قلبی کسی مذہبی پیشوا کے

ہاں دیکھی جاسکتی ہے؟

(۱۰) اسلام غیر مسلم اقلیتوں کے جان و مال وآبرو کی حفاظت کا امین اور ذمہ دار ہے۔ مسند احمد بن حنبل، بخاری، سنائی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ قال رسول اللہ ﷺ من قتل معاهداً لم یرح رائحة الجنة. یعنی جو شخص کسی کافر معاہد کو مار دے، وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا اور یہی سزا قرآن کریم میں ایک مسلمان قاتل کی بیان کی گئی ہے۔

ومن یقتل مومناً متعمداً فجزآئہ جهنم خالداً فیها و غضب اللّٰه علیه ولعنه واعدله عذابا عظیما٥ (النساء / ۹۳)

اور جو جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے کہ مدتوں اس میں رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس کے لئے اس نے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔

خود حضور اکرم ﷺ کا عمل بھی اسی امر کی تائید میں ہے۔ ابوجعفر طحاوی اپنی کتاب شرح معانی الآثار میں لکھتے ہیں!

ان انبی ﷺ الی برجل من المسلمین قد قتل معاهداً من اهل الذمة فامر به فضرب عنقه وقال انا اولٰی من وفی بذمته. یعنی نبی کریمؐ کے پاس ایک مسلمان لایا گیا۔ جس نے ایک معاہد کافر کو، جو اسلامی حکومت کی رعایا بن چکا تھا قتل کر دیا تھا۔ آپ نے اس کے قتل کیے جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں عہد کا ایفاء کرنے والوں میں سے سب بڑھ کر عہد کو پورا کرنے والا ہوں۔

(نیل الاوطار، جلد ششم، ص ۲۸۳)

اسی طرح طبرانی نے حضرت علیؓ کی نسبت روایت کی ہے کہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا آپ نے اس مسلمان کے قتل کیے جانے کا حکم دے دیا۔ ملا احمد جیون نے تفسیرات احمدیہ میں لکھا ہے: مسلم و ذمی ہر ایک کے حق میں یہ حکم عام ہے۔ کیونکہ حدود و قصاص میں کفار بھی مخاطب ہیں لہٰذا ذمی کے عوض مسلم اور غیر مسلم کے عوض ذمی کو مارا جائے گا۔ !!

علامہ غلام رسول سعیدی رقمطراز ہیں: ''مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل نہ کیے جانے کے متعلق آئمہ ثلاثہ کی طرف سے صحیح بخاری کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کافر حربی پر محمول ہے اور امام ابوحنیفہ کی دلیل سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے'' اے ایمان والو! تم پر قتل (مقتول) میں قصاص فرض کیا ہے۔ مقتول کا لفظ عام ہے۔ مسلمان اور ذمی دونوں کو شامل ہے اور حربی کافر، قرآن مجید کی ان آیتوں سے مستثنیٰ ہے۔ جن میں کفار اور مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس طرح سورۂ مائدہ میں ہے کہ جان کا بدلہ

جان ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے۔'' [12]

(۱۱) اسلام اہل کتاب کے ذبیحہ کو جائز اور حلال قرار دیتا ہے اور مسلمانوں کے طعام کو ان کے لئے اور ان کے طعام کو مسلمانوں کے لئے حلال و جائز کرتا ہے۔ یہ حکم اسلامی معاشرہ میں باہمی رواداری اور الفت و محبت کا داعی بھی ہے اور اس کی علامت بھی۔ وطعام الذین اوتو الکتاب حل لکم و طعامکم حل لھم.... الخ (المائدہ/۵)

اور اہلِ کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔

اسی طرح اسلام اہلِ کتاب کی عورتوں کو منکوحہ بنانے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ مسلمان ہوں یا اپنے مذہب پر رہیں۔ کیا اس سے زیادہ کشادہ دلی اور روشن خیالی، کس کے حاشیہ خیال میں بھی آسکتی ہے۔ واضح ہو کہ بیویاں بجوائے قرآن کریم، اپنے شوہروں کی محبت و غمگساری کا مورد ہوتی ہیں۔ وجعل بینکم مودة ورحمة (روم/۲۱) اور تمہارے اس رشتہ کے مابین اس نے محبت و ہمدردی پیدا کی۔ گویا مسلمان، جب اہل کتاب عورت سے نکاح کرے گا تو لامحالہ اس سے محبت بھی کرے گا، جو قرآن کو مطلوب ہے اور اس طرح یہ نکاح دشمن اقوام سے اتحاد و محبت کا ذریعہ بن جائے گا۔

(۱۳) یہ امر بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اسلام، سال کے چار مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور رجب المرجب) میں جنگ کو حرام قرار دیتا ہے۔ [13] یہ وصف و خصوصیت صرف اسلام کو حاصل ہے۔ باقی مذاہب اس اصول کی مثال اپنے ہاں سے پیش نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ دکھی انسانیت کی خدمت اور انسانوں سے پیار کے دعویداروں کے ہاں بھی یہ اصول امن پسندی نہیں ملے گا۔

(۱۴) اسلام سائنسی تحقیقات کو نہ صرف پسند کرتا ہے بلکہ اس پر لوگوں کو ابھارتا ہے۔ تسخیر کائنات کو انسانی دلچسپی کا موضوع قرار دیتا ہے۔ جبکہ دیگر مذاہب، سائنسی تحقیقات کو، اسلام کے سینکڑوں سال بعد تک، خلاف مذہب سمجھتے رہے ہیں۔

یہ سب وہ امور ہیں، جن سے اسلام کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی نمایاں ہے۔ ان خصوصیات پر مشتمل معاشرہ کی تشکیل بلاشبہ ہم سب کی ضرورت ہے۔۔۔۔ افسوس کہ یہ ساری باتیں، آج مسلمانوں کے ہاں بھی اجنبی بن چکی ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔۔۔ اس لئے مسلمانوں کو قرآن کریم اور سیرت طیبہ کی روشنی میں اپنے رویوں اور کردار و عمل کا جائزہ لینے کی سخت ضرورت ہے تاکہ کسی سرزمین پر تو ایسا مثالی معاشرہ بالفعل قائم ہو، جسے دوسروں کے لئے آئیڈیل بنایا جاسکے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ضیاء القرآن، جلد چہارم ص ۵۹۹۔۶۰۰۔ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور ۱۳۹۹ھ

۲۔ جامع البیان، جلد دوم ص ۶۱، مطبوعہ دار المعرفتہ، بیروت ۱۴۱۰ھ بحوالہ بیان القرآن، جلد اول، ص ۶۸۵، غلام رسول سعیدی، فرید بک اسٹال، ۳۸۔اردو بازار، لاہور طبع ثالث ۱۹۹۹ء

۳۔ تفسیر ماجدی، جلد اول، ص ۹۱، حاشیہ نمبر ۸۴۸، عبدالماجد دریابادی، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، سنہ اشاعت درج نہیں

۴۔ ''انسان کا ذہنی ارتقاء'' کے عنوان سے راقم نے ایک مضمون لکھا ہے، جس میں **وقد خلقکم اطوارا**.... (نوح/۱۴) کا تفصیلی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ جو انگریزی ماہنامہ دی منارٹ کراچی میں جولائی ۲۰۰۴ء کی شاعت میں شامل ہے تفصیل کے طالبین اسے ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

۵۔ کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہدنامہ۔ بائیبل سوسائیٹی، انارکلی، لاہور، ۱۹۹۵ء

۶۔ اس سے مراد یہاں توریت اور انجیل کے علاوہ انبیائے بنی اسرائیل کے صحائف وکتب ہیں۔ جو بائیبل میں شامل ہیں۔اس لئے اس آیت میں آگے آرہا ہے''**ما انزل الیک**''۔۔۔۔اور اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ چونکہ ہمارے مترجمین ومفسرین نے اس آیت میں بالعموم **ما انزل الیکم** اور **ما انزل الیک** دونوں سے مراد قرآن مجید کو لے لیا ہے۔اس لئے وضاحت کرنی پڑی کہ دونوں کا محل الگ الگ ہے۔ جو بنظرِ تدبر بہ آسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔

۷۔ اس تفسیر کی سند کے لئے آیت ماقبل (المائدہ/۶۵) دیکھ لیجئے۔

ولو ان اھل الکتاب امنوا واتقوا لکفرنا عنھم سیاتھم ولا دخلنھم جنت النعیم ۝ اور اگر اہل کتاب ایمان لائے، خدا کے قوانین کو توڑنے سے ڈرتے تو ہم ضرور ان سے ان کی برائیاں دور کر دیتے اور ان کو نعمت کے باغات میں داخل کرتے۔۔۔۔اس مفہوم کو کماحقہ سمجھنے کیلئے آیات ۶۵۔۶۶ کا اکٹھا پڑھنا ضروری ہے۔

۸۔ تفسیر فتح المنان المشھور بہ تفسیر حقانی، جلد پنجم، ص ۱۸۷۔الفیصل ناشران وتاجران کتب، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور، سنہ اشاعت درج نہیں۔

۹۔ بیان القرآن جلد ہفتم، ص ۶۴۷، فرید بک اسٹال، ۳۸۔اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۳ء

۱۰۔ نبی کریمؐ بحیثیت پیغمبر امن وسلامی، ص ۱۰، مجلس تفسیر، کراچی، یونیورسٹی کیمپس، جامعہ کراچی، ۲۰۰۴ء

۱۱ے تفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات شرعیہ، جلد اوّل ص ۸۳، اردو ترجمہ قاری محمد عادل خان، مولینا محمد فاضل خان۔ قرآن کمپنی لمیٹڈ، ۳۸۔اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۹ء طبع سوم

۱۳ے المائدہ/۲۔التوبہ/۳۶۔۔۔تفسیراتِ احمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ، جلد اول، ص ۳۸۲، البقرہ/۲۱۷۔ بخاری، باب ۵۔۷،رقم ۷۷۳ا، تفسیر جلالین ص ۱۵۸، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی



عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال۔ اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل وضرورت۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں

(عثمان احمد (اسلام آباد)

وتَعَاوَنُوا علی البرّ وَالتقوىٰ ولا تَعَاونُوا علی الاثم و العُدوانِ واتَّقُوا اللّٰہ شدِیدُ العِقابَ .

(المائدہ)

اور تم باہم تعاون کرو خیر اور تقویٰ کیلئے اور ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو گناہ اور زیادتی کیلئے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

عصرِ حاضر اور اس کے مسائل:۔

اللہ تعالیٰ ساری کائنات کے خالق اور مالک ہیں۔ اور جس کی ربوبیت پر نہ کسی عیسائی کو شک ہے نہ یہودی کو اور نہ ہی کسی مسلمان کو۔ اس خالق کی تخلیق کردہ زمین اس کی مخلوق کی چیرہ دستیوں سے لہولہو ہے۔ چند شیطانی ذہین رکھنے والے لوگ جو مختلف مذاہب، معاشروں اور عقیدوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ زمین کے امن کو تباہ کرر ہے ہیں۔ اور شر پھیلا رہے ہیں۔

انسان بنیادی اور فطری طور پر امن کا خواہشمند ہے۔ براعظم امریکہ سے لے کر ایشیا تک، آسٹریلیا سے لے کر یورپ تک، افریقہ سے لے کر انٹارکٹیکا تک جہاں بھی انسان آباد ہے۔ وہ امن چاہتا ہے۔ اور ہر اس کام سے نفرت کرتا ہے جو بدامنی اور ظلم کا سبب بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی معاشرتی تعلیمات کی بنیاد تمام انسانوں کی مساوات اور انسانی شرافت پر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام **ولَقَدْ کرمنَا** بنی آدم انسان کو عزت کی نوید سناتا ہے۔ اور یہ نوید ایک گروہ یا جماعت کیلئے نہیں۔ ساری انسانیت کیلئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قبیلوں اور قوموں میں شناخت کی غرض سے تقسیم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مذہب کو دنیا میں امن اور سکون کا منبع بنایا۔ ہم نے تشدد اور بے اعتدالی کا رویہ اپنا کر تصادم کی فضا پیدا کر دی ہے۔

یہ کتنے دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ وہ ابن آدم جو تخلیق کائنات کا متحرک بنا۔ جس کی خاطر شمس وقمر کی بزم آراستہ

کی گئی۔ جس کے دل کو ربّ العالمین نے اپنا تجلی کا مرکز بنایا۔ اور جس کے سامنے فرشتے سجدہ ریز ہو گئے۔ وہ حضرت انسان آج اپنے مقام کو پس پشت ڈال کر حیوانیت اور درندگی پر اتر آیا ہے۔

وہ انسان جس کو ربِ کریم نے فرشتوں پر فوقیت دی اور دشت وجبل بلکہ ساری مخلوقات سے زیادہ طاقتور بنایا۔ اور اس کے سر پر خلافت کا تاج رکھا۔ کیا یہ بات اسے زیب دیتی ہے کہ وہ انسانیت کا قتل عام کرے اور پوری دنیا کے امن اور سکون کو تباہ کرے۔

حضور ﷺ کی آمد سے قبل اولادِ آدم طبقاتی کشمکش اور نسلی عدم برداشت کا شکار تھی۔ عرب نہیں پوری دنیا **اَنَا ولا غیری** کے گرداب میں پھنسی ہوئی تھی۔ خواہشات بے لگام تھیں اور برتری کے عفریت نے قتل وغارت اور انتقام کی راہ دکھائی تھی۔ ایران کی وسیع تر قلمرد پر حکمرانی کے باوجود ایرانی تاجداروں کی نظریں روم پر تھیں۔ اور قیصر روم اپنی تمام تر سطوت کے باوجود ایران پر قابض ہونے کی سازش کرتا تھا۔ اسلام کی اشاعت سے قبل انسانی معاشرت تقسیم در تقسیم کے عمل سے گزر کر برتر اور کم تر کے دائروں میں بٹ چکی تھی۔ آج بھی دنیا اسی حرص اور آز کی راہ پر بے لگام دوڑے جا رہی ہے۔ اور سب کچھ ہوتے ہوئے بھی **ھل من مزید** کی جہنمی آواز سنائی دے رہی ہے۔ اعتدال پسندی اور برداشت کرنے کی اعلیٰ انسانی روایت منقود ہوتی جا رہی ہے۔ آج کا انسان اسی طرح مضطرب ہے۔ جس طرح ساڑھے چودہ سو سال پہلے تھا۔ اور اس حل کیلئے بے چین ہے۔ جس میں انسانی عزت وقدر جان ومال اور شرف وعظمت کی ضمانت مل سکے۔

اس وقت دنیا جن بڑے مسائل سے دوچار ہے۔ ان کو مختصراً انداز میں یوں پیش کیا جا سکتا ہے۔ پوری دنیا کو ان مسائل کے حل کیلئے کوشش کرنا ہوگی۔ ان مسائل میں بے اعتدالی نہ شامل ہو حالات کو مزید سنگین بنا دیا ہے۔

☆ بین الاقوامی تعلقات میں عدل کا فقدان

☆ معاشی مسئلہ

☆ جہالت

☆ فرقہ وارانہ انتہا پسندی

☆ دہشت گردی

بین الاقوامی تعلقات میں عدل کا فقدان:۔

آج جو ممالک خود کو امن کا داعی ظاہر کر رہے ہیں۔ اور پوری دنیا پر حکمرانی کے دعویدار ہیں۔ ان کا رویہ تمام ممالک کے ساتھ ایک جیسا نہیں ہے۔ جب تعلقات میں اعتدال اور انصاف نہیں ہوگا تو پھر بدامنی کا پیدا ہونا یقینی ہوتا ہے۔

ایک وقت تھا جب امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان سرد جنگ جاری تھی۔ لیکن اس وقت بھی ان دونوں ممالک کے درمیان ''اسرائیل'' نقطۂ اتحاد تھا۔

جب سوویت یونین روس افغانستان میں قابض ہوا۔ تو امریکہ نے مسلمانوں کی مدد سے روس کو شکست دینے کا فیصلہ کیا۔ افغانستان کی جنگ میں براہ راست مسلمان ملوث تھے۔ جانوں کی قربانی مسلمان دے رہے تھے۔ 1985ء تک 7 سالہ جنگ میں بہنے والا لہو مسلمانوں کو کمزور کرنے کے بجائے ان کی نظریاتی بنیادوں اور فکری استعداد کو مضبوطی فراہم کرنے لگا۔ محض امریکہ کا آلہ کار بننے والا عالم اسلام اپنے پیروں پر کھڑا ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ سوویت یونین کی شکست کا سہرا عالم اسلام اور مسلمانوں کو ملتا نظر آرہا تھا۔ جب امریکی استعمار نے یہ محسوس کیا تو انہوں نے اسلام کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کا سوچنا شروع کیا اور شکست خوردہ سوویت کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا کڑوا گھونٹ پینے پر آمادہ ہو گئے۔

یہ بات تاریخ میں محفوظ ہے کہ امریکی سابق صدر رچرڈ نکسن نے 1985ء میں امریکی صدر رونالڈ ریگن اور روسی صدر برژنیف کو ایک کھلا خط لکھا۔ اس میں لکھا کہ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت اب ایک دوسرے کیلئے خطرہ نہیں۔ اب دونوں کو خطرہ اسلام سے ہے۔ اور دونوں صدور کو کہا کہ ایک دوسرے سے دست وگریبان ہو کر اسلام کی راہ ہموار نہ کریں۔ جب روس نے محسوس کیا کہ وہ جنگ ہار چکا ہے۔ اور اس نے فیصلہ کیا کی افغانستان سے رازداری سے واپسی کی جائے۔ پھر جب سربراہی اجلاس ہوا تو امریکہ کا دل پسیجا اور روس کو شکست فاش سے بچاتے ہوئے یہ طے ہوا:۔

☆ افغانستان سے سوویت یونین کی واپسی میں امریکہ روس کی مدد کرے گا۔

☆ افغانستان میں خالصتاً اسلامی حکومت نہیں بننے دی جائے گی۔

☆ جہاد کی ابھرتی ہوئی لہروں کے آگے بند باندھا جائے گا۔

اس طرح امریکہ نے ایک حکمت عملی کے تحت روس کو بچالیا جو تباہی کے دھانے پر کھڑا تھا۔ اس کے بعد چیچنیا کا معاملہ آیا تو امریکہ نے بھرپور طریقہ سے روس کا ساتھ دیا اور اس کی معاونت بھی کی جب عالمی سطح پر تعلقات کی بنیاد انصاف اور اعتدال پر نہ ہو تو روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کیسے تشکیل پا سکتا ہے؟

ایک امریکی رپورٹ کے مطابق اسرائیل کے پاس 400 سے زائد ایٹم بم ہیں بلکہ وہ 1995ء میں نیوٹران اور ہائیڈروجن بم بھی بنا چکا ہے۔ ہائیڈروجن بم ایٹم بم کی نسبت 100 سے 1000 گنا زیادہ تباہ کن ہے۔ ایٹم بم کا استعمال کرنے کیلئے اس کے پاس میزائلوں کی بڑی کھیپ اور ایف سیریز کے طیاروں کے علاوہ جرمنی کی ساختہ ڈولفن آبدوز بھی ہے۔ امریکہ نے حال ہی میں اسرائیل کو سپر کمپیوٹر Gray-2 کے دس جدید ترین پروگرام فراہم کئے ہیں۔ جن کے استعمال

سے ایٹمی اسلحہ بنانے کے اخراجات برائے نام رہ جاتے ہیں۔ اسرائیل کے پاس 118 اقسام کے مختلف کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیار ہیں

اگر امریکہ دنیا میں امن، روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کا خواہشمند ہے تو اسے تمام ممالک کو ایک نظر سے دیکھنا ہوگا۔

بڑی طاقتوں کے ایسے رویوں سے بھی چھوٹے ممالک کے عوام میں احساس محرومی پیدا ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں عوام ہر چہ بادا باد کا نعرہ لگا کر اپنی قربانی دے دیتے ہیں۔

معاشی مسئلہ:۔

جب کسی معاشرہ میں معاشی ناانصافی کی اور معاشرہ طبقات میں تقسیم ہوگا وہاں لازمی طور پر نچلے طبقات جو معاشی محرومیوں کا شکار ہوں گے وہ بالا دست طبقے سے شدید نفرت کریں گے۔

اس وقت دنیا بھر میں ایک ارب سے زائد لوگ غربت کی انتہائی سطح پر ہیں اور ان میں بروز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

ہمارے اپنے ملک میں بھی غریب اور خطِ غربت سے نیچے عوام کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور ملکی سطح پر وسائل چند گنے چنے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اس وجہ سے معاشی عدم مساوات کا مسئلہ سنگین صورت حال اختیار کر رہا ہے۔ اگر ہم سب نے مل جل کر اس مسئلے کی طرف سنجیدگی سے توجہ نہ دی تو امن کا ماحول مزید خراب ہوگا۔

جہالت:۔

بلاشبہ دنیا ایک گلوبل ویلج بن چکی ہے۔ لیکن سب سہولیات اور ترقی کے باوجود تعلیمی پس ماندگی اپنی جگہ موجود ہے۔

اسلامی دنیا کی مجموعی تعلیمی صورت حال کا جائزہ O/C کی سائنس اور ٹیکنالوجی کمیٹی COMSTECH نے یوں پیش کیا ہے۔ کہ مسلم دنیا کے ممالک کی اسطاً شرح خواندگی 20 سے 30 فیصد ہے۔ افریقی ملک نائجیریا کی شرح خواندگی 19 فیصد ہے۔

عالم اسلام میں 10 لاکھ افراد میں صرف ایک سائنس دان ملتا ہے۔ عالم اسلام کے امیر اور خلیجی ممالک تعلیم پر اپنی آمدن 0.25 فیصد خرچ کرتے ہیں۔ ہمارے ملک پاکستان میں تعلیم پر بہت کم اخراجات کئے جا رہے ہیں۔ جب تک ملک میں تعلیم اور شرح خواندگی بہتر نہیں ہوتی۔ روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کیسے وجود میں آ سکتا ہے۔

فرقہ وارانہ انتہا پسندی:۔

مذہب نبی نوع انسان کی اہم ضرورت ہے۔مذہب اخلاقی اصول، عدل، راست بازی، دیانت داری، مساوات، رواداری اور اعتدال پسندی کے قوانین مہیا کرتا ہے۔

مذہب انسان میں مصائب برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا کرتا ہے۔مایوسی اور ناامیدی کا خاتمہ کرتا ہے۔

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ جن لوگوں کو صبر اور برداشت کا مینار ہونا چاہیے تھا۔انہوں نے مذہبی اور فرقہ وارانہ انتہا پسندی کا رجحان پیدا کر کے معاشرہ کی ترقی اور اعتدال پسندی کو روک دیا۔

فرقہ وارانہ انتہا پسندی یہ ہے کہ نہ صرف اپنے نظریات اور خیالات کو صحیح اور سچا سمجھنا بلکہ ان کے علاوہ جملہ نظریات کو غلط اور باطل سمجھنا اور ان نظریات کے ماننے والے افراد کو جائز حقوق سے محروم کرنا۔

روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کو تشکیل دینے کیلئے فرقہ واریت کو جڑ سے اکھیڑنا ہوگا۔

دہشت گردی:۔

ہمارے معاشرہ میں اس بین الاقوامی سطح پر بھی اور ملکی سطح پر بھی ہر جگہ دہشت گردی ہو رہی ہے۔سیاسی میدان ہو یا مذہبی کہیں بھی امن اور سکون نہیں ہے۔جس کی بہت وجوہات ہیں اور ان میں اکثر و بیشتر اپنی جگہ درست اور صحیح ہیں۔مگر کسی ایک فرد کے جرم کی سزا ان لوگوں کو دینا جو بے گناہ ہیں اور کسی جرم میں شریک نہیں۔کتنی بڑی زیادتی ہے۔

ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل کیلئے دہشت گردی کے محرکات کا خاتمہ ضروری ہے۔

روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل وضرورت (سیرت طیبہ کی روشنی میں)

حضور ﷺ نے معاشرے کے افراد کی اصلاح کا عمل داخل سے شروع کیا۔اور انسانی شرف کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی تعلیمات کی اساس اعتدال پسندی کے انسانی رویوں کو بنایا۔نظریہ حیات طاقت سے نہیں منوائے جاتے کہ یہ بہیمانہ طرزِ عمل ہے۔قوت اور طاقت کا اندھا پن ہے۔نبی رحمت ﷺ نے کسی حال میں بھی جبر و استبداد کا سہارا نہیں لیا۔مخالف کو رام کرنے کیلئے کبھی تشدد نہیں اپنایا۔آپؐ نے مخالفت کا جواب علم و بردباری جاہلانہ انا کا جواب بے نفسی و متانت اور ظلم و جور کا جواب بے پناہ حوصلے سے دیا۔مکہ مکرمہ کی سرزمین پر ظلم کا ہر حربہ آزمایا گیا۔گزرگاہوں کو خون آشام بنا دیا گیا۔راستوں کو آزاد بے درماں کے کانٹوں سے بھر دیا گیا۔نہ عظمت انسانیت کا لحاظ رہا نہ ہم نسبی و ہم وطنی کا پاس رہا۔مگر نبی رحمت ﷺ ان رویوں کو جہالت بے اعتدالی، عدم برداشت کا مظہر گردانتے ہوئے رد کر دیا۔ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی

تشکیل کیلئے آپؐ نے ثابت کر دیا کہ مسلمان ظلم کا بدلہ ظلم سے نہیں بلکہ ظلم کا ہاتھ روک کر لیتا ہے۔ وہ نہ زبان داز ہوتا ہے۔ نہ دست دراز۔ وہ اختلاف تو کر سکتا ہے عداوت نہیں۔ یہ اختلاف کیا ہوا جو گردن مارنے کی تحریک دے یہ تو بے حوصلگی ہوئی، بے صبری ہوئی۔ سیرت طیبہؐ کا تقاضا ہے کہ مومن برداشت کا کوہ جمال بنے کہ اسی جمال سے ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

سیرت طیبہ کی روشنی میں ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل کیلئے درج ذیل امور کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

☆ رواداری اور تکریم انسانیت

☆ عدل اور باہمی تعاون

☆ تعلیم

☆ معاشی حالت

رواداری اور تکریم انسانیت:۔

ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کیلئے ہمیں آپؐ کی سیرت سے جو سبق ملتا ہے اس میں رواداری اور تکریم انسانیت سب سے نمایاں نظر آتا ہے۔

حضور ﷺ جب مدینہ تشریف لے گئے تو مدینہ کے یہود بنو قینقاع، بنو قریظہ اور بنو نصیر سے معاہدہ کیا۔ اس کے بعد اطراف میں بسنے والے غیر مسلم قبائل سے معاہدے کئے۔ جن علاقوں کو فتح کیا وہاں کی گیر مسلم آبادی سے بھی امن کے معاہدے کئے۔ اور مخالف حکومتوں کو بھی دعوت دی کہ باہمی تعاون، رواداری سے ہی ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔ حضور ﷺ نے کبھی یہود یا عیسائیوں سے ظلم یا تعصب کا مظاہرہ نہیں کیا۔

صلح حدیبیہ کی ایک شرط یہ بھی ہے جو نصف سطر ہے۔

لا اسلال ولا اغلال [1] نہ ہتھیار کو یہاں سے نکالا جائے گا اور نہ ہی دھوکہ بازی کی جائے گی۔

یعنی اس معاہدہ میں ایک مشترکہ بات یہ تھی کہ باہم لڑائی نہیں ہوگی اور ایک دوسرے کو دھوکہ بھی نہیں دیا جائے گا۔ اس روشن خیال معاہدہ کو دیکھ کر بنو کنعانہ جو مکہ والوں کا حلیف تھا شریک معاہدہ ہو گیا اور قبیلہ قضاعہ حضور ﷺ کی طرف سے شریک معاہدہ ہو گیا۔ حالانکہ ان ہر دو قبائل کی دشمنی بڑی قدیم تھی۔ حضور ﷺ کی رواداری اور معتدل رویہ کی وجہ ان دو قبائل میں صلح

ہوگئی ڈاکٹر حمید اللہ خطابات بہاولپور میں رقمطراز ہیں کہ آپ ﷺ کا قول تھا کہ میں صلح کیلئے آیا ہوں۔اس لئے مکہ والے مجھ سے جو بھی مانگیں گے میں دینے کیلئے تیار ہوں 1

عیسائیوں اور یہودیوں کے متعلق جو رویہ آپ ﷺ کا رہا اس سے متعلق دو واقعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آپؐ نے مدینہ کے یہود سے جو معاہدہ کیا اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:۔

''بنی عوف کے یہود مسلمانوں کی طرح ایک ملت شمار ہوں گے۔ ہر قسم کے حملے کے خلاف دفاع مسلمانوں کے ذمہ ہوگا۔ان دونوں کے تعلقات خیر سگالی اور باہمی مشترکہ مفاد پر مبنی ہوں گے۔ یہود کے حلیف مسلمانوں کے حلیف شمار ہوں گے اور ہر مظلوم کی حمایت کی جائے گی خواہ وہ کسی گروہ سے ہو 2

نجران کے عیسائی خدا اور رسول کی حفاظت میں ہوں گے۔ان کے جان و مال عقائد اور علاقوں کی حفاظت کی جائے گی'' 3

اس طرح آپؐ نے ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کیلئے یہود کے ساتھ انتہائی رواداری کا مظاہرہ کیا۔اور اس سے مدینہ میں ایک پُر امن اور اعتدال پسند ریاست کی بنیاد ڈالی گئی۔

ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کیلئے ضروری ہے کہ اس میں انسانیت کا احترام ہو۔قطع نظر اس کے کہ وہ مسلمان ہے یا نہیں اسلام قطع نظر رنگ و نسل، مذہب انسان کی تکریم کرنا سکھاتا ہے۔حضور ﷺ نے سب لوگوں کی عزت انسان ہونے کی وجہ سے کی۔قطع نظر اس کے کہ وہ مشرک یا مسلمان دوست ہے یا دشمن۔اور اسی کا درس ساری امت مسلمہ کو دیا۔

ثمامہ بن اثالؓ ایمان لاتے ہیں۔انہوں نے ایمان لانے کے بعد نجد سے غلے کی ترسیل بند کردی۔ غلے کی بندش کی وجہ سے مکہ کی معاشی حالت مزید خراب ہوگئی آخر مکہ والے مجبور ہوگئے۔ ذلت کا احساس لئے ادب کے ساتھ ایک وفد مدینہ بھیجتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ اے محمد ﷺ تم ہمیشہ نیکی، مہربانی اور محبت کی تعلیم دیتے رہے ہو۔اپنے عزیز اور ہم وطنوں پر رحم کھاؤ۔ہم بھوک سے مرے جارہے ہیں۔رسول اکرمؐ نے فوری ثمامہ بن اثالؓ کو غلہ کی بندش اٹھانے کا حکم دیا۔اور ساتھ پانچ سو اشرفیاں جو اس دور میں بڑی رقم تھی مکے کے فقرا اور غربا کیلئے بھی بھیجی۔ یہ آپ ؐ کا ان لوگوں سے برتاؤ ہے جنہوں نے آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا۔

اسلام نے منقوحہ علاقوں اور ممالک میں اپنے انسانی مقاصد برائے روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کو پوری طرح عملی جامہ پہنایا۔اسلام لانے کی صورت میں ان باشندوں کو تمام امور میں عرب والوں کے برابر حقوق دیئے۔

فارسی النسل بازان کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یمن کا حاکم باقی رکھا۔اسی طرح صنعاء کے حاکم فیروز کو بھی اس کے

عہدے پر برقرار رکھا۔

حضرت عمرؓ ایک مقام سے گزر رہے تھے۔ آپ نے ایک یہودی کو دیکھا جو بھیک مانگ رہا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تمہیں اس بات پر کس نے مجبور کیا۔ اس نے کہا بوڑھا ہوں، ضرورت مند ہوں اور جزیہ بھی دینا ہے۔ حضرت عمرؓ اس کو گھر لائے اس کو اپنے پاس سے بھی کچھ دیا۔ اور بیت المال کے خازن کو حکم دیا کہ اس کا اور اس جیسے دوسرے لوگوں کا خیال رکھو۔ اور ان سے جزیہ لینا موقوف کردو۔ یہ کوئی انصاف نہیں کہ ہم ان کی جوانی میں ان سے جزیہ وصول کریں اور بڑھاپے میں ان کو اس طرح رسوا کریں 1

اس طرح یہ بات بالکل عیاں ہے کہ حضور ﷺ کا برتاؤ مسلموں اور غیر مسلموں سے انتہائی مشفقانہ تھا۔ اور آپؐ نے کبھی بھی کسی سے بے اعتدالی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

اگر ہم نے ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کو تشکیل دینا ہے تو ہمیں حضور ﷺ کے اسوہ مبارکہ کے مطابق انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح رواداری اور تکریم انسانیت کے اصول کو اپنانا ہوگا۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

عدل اور باہمی تعاون :۔

اسلام ایک روشن خیال اور اعتدال پسند عالمی معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے وہ عالمی طور پر ایک عادلانہ نظام قائم کرنے کا مدعی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ان اللہ یامر بالعدل 2

اللہ تعالیٰ تم کو عدل کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

واذا حکمتُم بین الناس اَنْ تحکمُوْ ا بالعَدل 3

اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔

ولا یجرِ منکُمْ شنانُ قوم علی الاتعدِلوا . اعدلو ھو اقرابُ للتقویٰ 4

اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو وہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔

اسلام نے معاشرہ کو عدل کا وہ معیار دیا ہے۔ جس کو بغض اور محبت ٹیڑھا نہیں کر سکتے۔ اسلام ایک روشن خیال اور اعتدال پسند

معاشرے کی تشکیل کیلئے عدل کا وہ نظام پیش کرتا ہے جو افراد کی باہمی قرابت یا قوموں کے باہمی بغض وعناد کسی سے بھی متاثر نہیں ہوتا۔ اور اس سے سب اقوام عالم مستفید ہوتی ہیں اگر چہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان دشمنی ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عمر فاروقؓ جابیہ کے مقام پر تھے۔ ایک ذمی بھاگتا ہوا آیا اور اس نے بتلایا کہ مسلمان اس کے باغ میں گھس کر انگور کھا رہے ہیں۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی مسلمانوں نے اس کے باغ سے انگور بلا اجازت کھائے ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ باغ والے کو انگوروں کی قیمت ادا کی جائے [1]

عمر فاروقؓ نے یہ نہیں سوچا کہ مسلمان بھوکے تھے۔ ذمی کے باغ سے اگر انگور کھا لئے تو کیا فرق پڑتا ہے۔

اس طرح اسلام نے تمام بنی نوع انسان سے عدل اور انصاف کا حکم دیا ہے۔ تاکہ عالمی طور پر ایک اعتدال پسند اور پر امن معاشرہ تشکیل پا سکے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

تعاونوا علی البرّ والتقویٰ ولا تَعاونو علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ اِنَّ اللہ شدیدُ العقا ب [2]

اور تم ایک دوسرے سے باہم خیر اور تقویٰ پر تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کیلئے ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں۔

قرآن میں صرف مسلمانوں سے تعاون کا حکم نہیں۔ بلکہ مسلم، غیر مسلم سب کے ساتھ تعاون کرنے اور باہمی تعاون کی بنیاد پر نیکی اور خدا ترسی قرار دی۔ یعنی اگر مسلمان بھی حق پر نہیں تو اس سے بھی تعاون نہ کرو بلکہ اس کو ظلم سے روک دو۔

حضور ﷺ مدینہ تشریف لے گئے۔ وہاں فوری طور پر مختلف غیر مسلم قبائل سے باہمی تعاون کے معاہدے کئے۔ ان میں سے ایک معاہدہ بنی ضمرہ کے ساتھ مداوی حلیفی کا ہے۔ جس میں باہمی تعاون بری باتوں اور عہد شکنی سے بچنے کی شرائط موجود ہیں۔ ابن سعد نے بنی ضمرہ کے معاہدے کے الفاظ اس طرح لکھے ہیں۔

لایَغزوا بنی حمزة ولا یغزونہٗ ولا یکثر واعلیہ عدوًا [1]

قبیلہ جہنیہ کی دوشاخوں سے کئے ہوئے معاہدے کا متن بھی ابن سعد میں محفوظ ہے۔ اور اس کی شرائط کا خلاصہ بھی تعاون برائے خیر اور دفع شر ہے۔

انہیں ان کے جان اور مال پر امان ہے۔ ان کو ہرا لیے گروہ خلاف مدد دی جائے گی جو ان پر ظلم کرے یا ان سے جنگ کرے۔ اور ان کے خانہ بدوشوں کو بھی جو معاہدے کی تعمیل اور عہد معاہدے سے اجتناب کریں وہی حقوق ہوں گے جو ان کی بستیوں میں رہنے والوں کے ہیں اور اللہ ہی سے مدد اور نصرت چاہی جاتی ہے۔ [2]

حضور ﷺ نے ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کیلئے تمام مذاہب کے لوگوں سے اپنائیت

اور تعاون علی الخیر کا رویہ رکھا۔ آج بھی اگر ہم اس طریقہ کو اپنائیں تو یقینی طور پر ایک خوبصورت معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔

تعلیم ۔۔۔۔۔۔اور روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ

اسلام ایک ایسا آفاقی اور عالمگیر مذہب ہے جو حیات انسانی کے ہر پہلو کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور اسلام نے وہ رہنما اصول مہیا کئے ہیں جو آج تک غلط ثابت نہیں ہوسکے۔ ان میں ایک رہنما اصول تعلیم اور نظام تعلیم ہے۔

مسلمانان عالم نے جب تک تعلیم کو اس کے بنیادی فلسفہ حیات کے تحت حاصل کیا وہ دنیا میں کامیاب وکامران بھی رہے اور ایک بڑے حصہ پر حکمرانی بھی کی۔

عصر حاضر کا تقاضہ فنی اور سائنسی تعلیم ہے۔ اس واضح مثال مغربی دنیا کی ظاہری ترقی ہے۔ لیکن اسلام دنیا تمام تر وسائل کے باوجود تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بہت پیچھے ہے۔ ترقی کے طے شدہ اصول کے اعتبار سے ہم ابھی اس مقام کو نہیں پہنچ سکے ہیں۔ جو بیسویں صدی میں موجودہ دور کی ترقی یافتہ اقوام نے حاصل کرلیا تھا۔

امت مسلمہ انسانی وسائل کے لحاظ سے دنیا کی چھ ارب آبادی کا تقریباً چوتھائی حصہ ہیں۔ مسلم دنیا جغرافیائی اعتبار سے ایشیا افریقا اور یورپ تک پھیلی ہوئی ہے۔ مسلم دنیا کا کل رقبہ 11 کروڑ 96 لاکھ مربع میل ہے۔ جو دنیا کے کل رقبے کا 20 فیصد ہے۔

اسلامی ممالک قدرتی وسائل اور معدنی دولت سے مالا مال ہے۔ تیل جیسی دولت کے 70 فیصد ذخائر صرف عرب ممالک کے پاس ہیں۔ لیکن یہ حقیقت نہایت افسوس ناک ہے کہ مسلم دنیا کے حکمران قدرتی وسائل کو نہ اپنے ملک کے کیلئے کام میں لائے اور نہ ہی امت مسلمہ کے اجتماعی مفادات کیلئے۔

اسلامی ممالک میں تعلیمی اداروں کے ضمن میں اعداد وشمار سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ پوری اسلامی دنیا میں تحقیق اور اعلیٰ تعلیم دینے والے ایک ہزار (تقریباً) ادارے اور جامعات ہیں۔ اس کے مقابلے میں صرف جاپان میں ایک ہزار اعلیٰ پائے کے تحقیقی ادارے موجود ہیں۔ دنیا میں ایک ارب سے زائد مسلمان ہونے کے باوجود سالانہ ایک لاکھ سائنسی کتب اور بیس لاکھ تحقیقی مقالوں میں مسلمانوں کا حصہ فقط ایک ہزار ہے جو کل تحقیق سے ایک فیصد سے بھی کم ہے۔

اسلامی ممالک تعلیم پر زیادہ رقم بوجوہ خرچ نہیں کرتے۔ لیکن عصری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ جدید تعلیم اور اطلاعاتی ٹیکنالوجی کا دائرہ وسیع کیا جائے۔ اور نوجوان سائنس دانوں کو اپنے ملک میں سہولتیں مہیا کی جائیں تاکہ وہ بیرون ملک اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کے بجائے اپنی صلاحتیں اپنے ممالک میں بروئے کار لائیں۔

حضور ﷺ نے ایک تعلیمی حکمت عملی کی بنیاد رکھی۔ آپ پر جو پہلی وحی اتری وہ علم سے ہی تعلق رکھتی ہے۔

اقراء باسم رَبّکَ الَّذِی خَلَقَ .خَلَقَ الانسان من عَلَق 1

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔ انسان کو ایک لوتھڑے سے۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر بزرگی والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔

اس آیت میں اگر پڑھنے کی طرف توجہ دلائی ہے تو لکھنے کی طرف بھی توجہ دلائی ہے علم کی ترقی سے ہوتی ہے اور علم کی ترقی اس وقت شروع ہوئی جب انسان نے قلم کا استعمال شروع کیا۔

اقرا باسم رَبّک کے الفاظ میں تعلیم کی بنیادی حکمت بیان کر دی ہے کہ علم کا حصول اور اشاعت کا مقصد انسانی فلاح و بہبود ہونا چاہیے۔

قرآن مجید انسان کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ اور اپنے نفس اور دل و جان کے جھروکوں میں نظر ڈالنے کی دعوت دیتا ہے۔

وفی انفُسِکُمْ افلا تبصرون .

قرآن مجید نے آج سے چودہ سو سال پہلے انسان کو کائنات میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی۔

یتفکرُونَ فی السّمٰوٰتِ والارض۔۔۔ 1

فطرت اور کائنات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کسی جگہ متقی، کسی جگہ صاحب ایمان و یقین، اور کہیں اصحاب فکر و دانش قرار دیا ہے۔

اَیاتٍ لِقومٍ یعْقِلُونَ   **اَیاتٍ لِقُومٍ یو قِنُوْن**

لَایٰتٍ لِقومٍ یتفکرُونَ   **لایاتٍ لَقومٍ یتذکرون**

اگر چہ اس دور میں باضابطہ بجٹ سازی نہیں تھی۔ مگر تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ ہر فرد اپنے مال کا تقریباً نصف علم و تعلیم پر خرچ کرتا تھا۔ بلکہ بعض صحابہ تو دن بھر مزدوری کرتے اور دوسرے دن کیلئے گزارہ موافق خوراک جمع کرتے اور جب تک ان کا گزارہ ہوتا وہ تعلیم و تعلم میں مصروف رہتے۔

اکثر صحابہ فاقہ کشی کرتے مگر تعلیم سے منہ نہیں موڑتے تھے۔ لہٰذا یہ بات ثابت ہو چکی کہ تعلیم پر نصف بجٹ خرچ کیا جائے۔ اور اگر ہم روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل چاہتے ہیں تو ہمیں تعلیم کو عام کرنا ہوگا تا کہ علم کی روشنی سب کو میسر آئے اور وہ جہالت کی تاریکیوں سے باہر نکلیں۔

معاشی حالت ۔۔۔اور ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ:

ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کیلئے ضروری ہے کہ عوام کی معاشی حالت بہتر ہو اس وقت پوری دنیا غربت اور کس مپرسی کا شکار ہے۔کل آبادی کا نصف غربت میں مبتلا ہے۔

ایک تجزیہ کے مطابق غربت کی وجہ سے 20% بیماریاں بڑھ رہی ہیں سانس کی بیماریوں کا تناسب 13% اور غیر مصفیٰ جراثیم آلود پانی کی بیماریوں کا تناسب 11% ہے۔

پاکستان بھی معاشی عدم استحکام کا شکار ہے۔ایک آدمی بہت غریب ہے تو دوسرا بہت امیر۔

پاکستان میں معاشی طور پر درج ذیل درجہ بندی فیڈرل بیورو آف سٹیٹکس نے کی ہے۔

1500 روپے ماہوار آمدن والے	46.5 فیصد
1500 روپے سے 4000 روپے تک آمدن والے	44.5 فیصد
4000 روپے سے اوپر والے	9 فیصد

جس معاشرہ میں مال دار طبقہ کے کتے اور گھوڑے مکھن اور پنیر کھائیں اور غریب فاقوں مر رہا ہو وہاں روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کیسے تشکیل پا سکتا ہے۔

حضور ﷺ نے انسان کا مرتبہ اور اس کی حاجت برآری کی اہمیت اتنی زیادہ بلند کی کہ اس سے بلند کسی اور معیار کا تصور ہی ناممکن ہے۔اور اس میں کوتاہی کرنے والا ایسا ہے جس طرح خاص خدا کی نافرمانی اور کوتاہی کرنے والا۔

انسان خارج میں ایسی قوت اور قانون کا شدت سے محتاج ہے جو اسے غلط روی سے باز رکھ سکے اور اسے مجبور کرے کہ اپنے مال سے اپنے مسلمان بھائی کی ضرور مدد کرے۔حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں۔

یزع اللہ بالسلطانِ اکثر ممایزع بالقران 1۔

اللہ تعالیٰ صاحب امر کے ذریعہ اس سے زیادہ اصلاح اور درستگی کر دیتا ہے۔جتنی قرآن کے ذریعہ کرتا ہے۔

آپ ﷺ کا محروم افراد کی ضروریات کا خیال رکھنے کے بارے میں فرمان ہے۔

میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا ہے کہ جسے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا ہے اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھ رہا۔اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔راوی کہتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر ایک آدمی کو عوام کی ضروریات پوری کرنے کیلئے مامور کیا۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

سلمان سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرے اور رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل وعیال پر شفقت کرتا ہے۔

بخاری کتاب الاحکام میں ہے

جس بندہ کو خدا نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا

شریعت نے اسلامی ریاست کو تمام شہریوں کا والی قرار دیا ہے۔ سرپرستی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ان افراد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔

اللّٰہ و رسولہ مولیٰ من لامولیٰ لہ 1۔

السلطان ولی من لا ولی لہ 2۔

حدیث میں آتا ہے

کا دالفقرُان یکُونَ کفراً 3۔

تنگدستی انسان کو بعض اوقات کافر بنا سکتی ہے۔

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ حکومت ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ تشکیل دینے کیلئے لوگوں کو معاشی طور پر بہتر کرے۔

غالباً آج تک کسی حکومت نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ایک عام آدمی کا ذریعہ معاش کیا ہے اور اس کے گھر کے کتنے افراد ہیں۔ آیا کہ وہ اپنے کنبے کی ضروریات زندگی بہتر طریقے سے پوری کر رہا ہے کہ نہیں اور ایک عام آدمی کا بجٹ کیسے بنتا ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ قومی دولت لوٹنے والوں خواہ ان کا تعلق کسی بھی جماعت سے ہو ان سے دولت کی واپسی کیلئے ٹھوس اقدامات کرے اور معاشرے سے کرپشن کا خاتمہ کرے۔

خلاصۃ الکلام۔

ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کیلئے درج بالا امور کی طرف توجہ دینا ہوگی۔

ہمارا مذہب اسلام ہے۔ اسلام کے معنی امن کے ہیں اور ایک مسلمان کا گھر دارالامن ہونا چاہئے۔ کوئی عنصر جو اس

سکون میں دخل انداز ہوتو اس کا اخراج ضروری ہے۔ جہاں دوا اور غذا نفع بخش نہیں ہوتی وہاں انسان عمل جراحی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ پھر ہیئت اجتماعیہ کے امراض میں عمل جراحی کو کیوں ممنوع قرار دیا جائے؟

لہٰذا جو لوگ روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل میں رکاوٹ بنیں ان کی جراحی ضرور ہونی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے اربابِ اختیار کو خوبصورت، پرامن روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ تشکیل دینے کی توفیق دیں۔ (امین)

کتابیات

القرآن

ابن تیمیہ۔الامام تقی الدین احمد السیاسۃ الشرعیہ فی اصلاح الرعی عالرعیۃ بیروت 1390

ابن حجر العسقلانی فتح الباری شرح بخاری الریاض جامعۃ الامام

ابن خلدون۔العلامہ عبدالرحمان مقدمہ ابن خلدون بیروت

ابن قیم الجوزیہ شمس الدین زادالمعاد مصر 1980

ابن کثیر عماد الدین اسمائیل تفسیر ابن کثیر لاہور

ابن کثیر عماد الدین اسمائیل البدایہ والنہایۃ القاہرہ

ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم کتاب الخراج مصر

البخاری ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل صحیح بخاری بیروت

حسن ابراہیم ڈاکٹر مسلمانوں کا نظام مملکت کراچی

عبدالرزاق عبدالرزاق مصنف بیروت

علی المتقی الشیخ علامہ کنز العمال بیروت

الاھلوی شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغۃ لاہور

قطب سید محمد اسلام میں عدل اجتماعی لاہور

عودہ عبدالقادر اسلام کا خوابداری نظام لاہور

مووار دی ابوالحسن الاحکام السلطانیہ لاہور

الھاشمی ڈاکٹر طفیل محمد امام ابوحنیفہ کی مجلس تدوین فقہ اسلام آباد

الھاشمی ڈاکٹر طفیل محمد تدوین طبقات لاہور

مودودی ابوالاعلیٰ معاشیات اسلام لاہور

ندوی ابوالحسن ارکان اربعہ کراچی

صدیقی نجات اللہ ڈاکٹر اسلام کا نظریہ مملکت لاہور

سیوہاروی محمد حفظ الرحمٰن اسلام کا اقتصادی نظام لاہور

عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اِعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں۔

(مولنا قاری عبدالرشید الازھری (کوئٹہ)

اَمَّا بَعدُ.

فَاعُوذُ باللهِ مِنَ الشیطن الرجیم ۔

وَمَا اَرسَلنٰکَ اِلَّ رَحْمَتَه لِلعٰلمِنه

آپؐ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر روشن خیالی، اعتدال پسندی کو انسانی زندگی کا ایک اہم پہلو قرار دیا ہے۔ جس کے بغیر بقائے زندگی اور استحکام ممکن نہیں ہے۔ اعتدال پسندی دراصل انسانی شخصیت کی وُسعت بلکہ انسانیت کی توسیع ہے۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے اعتدال پسندی۔ بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ اگر روشن خیالی اور اعتدال و علم نہ ہو تو انسانیت ختم ہو جاتی ہے۔

اور ہر طرف، حیوانیت، بربریت اور خوانخواری، کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اور آدمی مغلوب الحال ہو کر، گویا کہ خودکشی کرتا ہے اور اس تنگ نظری میں دوسرے کی، جان، مال، آبرو، کے درپے ہوتا ہے۔

اور اس کے اندر حیوانیت والی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے حوالہ سے خاتم النبینؐ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین کو متوجہ کرتے ہوئے۔ ارشاد فرمایا۔ کہ اے لوگو۔ تمھاری، جان، مال، آبرو سب ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہیں۔

اور پھر تنگ نظری کے نقصانات کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا۔ **رُبَمَا غضبَ الْمُومِنُ غَضبَۃَتَقمۃُ** : یعنی بسا اوقات آدمی غضب ناک ہو جاتا ہے۔ اور یہ اس کی غضب نا کی و تنگ نظری، اس کے لئے، بڑے بڑے گناہوں کا سبب بن جاتی ہے۔ اور پھر تنگ نظری کا۔ نتیجہ خون ریزی، دشمنی، عدم سکون، اور بے شمار مصائب و آلام، کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اس لیے اعتدال پسندی کا ملکہ پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اعتدال ہی حُسن اخلاق ہے۔

اسلامی معاشرہ میں روشن خیالی واعتدال پسندی کی ضرورت واہمیت اور فوائد

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِدْفَعْ باالّتحدِ حصی اَحسَنُ ٥

یعنی برائی کا بدلہ نیکی سے دو اس کا فائدہ یہ ہے کہ دشمن بھی دوست بن جائے گا اور جو یہ کرتا ہے وہ بڑی ہمت کا کام کرتا ہے۔ گویا کہ برائی کا بدلہ نیکی سے دینا حقیقتاً روشن خیالی واعتدال پسندی ہی ہے۔ اور پھر یہ ہی ایک مسلمان کے شایانِ شان ہے قرآن مجید میں اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ٥

اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ وہ غصہ کو پینے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔ یعنی تنگ نظری۔ اہل ایمان کا شیوہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ اعلیٰ صفت۔ جسے عفو کہا جاتا ہے۔ اس کے مالک ہیں۔ اور یہ صفت (عفو) اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت ہی مقبول ہے۔ برائی کے بدلہ برائی کرنا۔ غصہ کے بدلہ غصہ کرنا۔ آسانی ہے۔ لیکن غصہ پر قابو پا کر برداشت کرنا۔ اور اعتدال کو لازم پکڑنا۔ مشکل عمل ہے۔

اسی لیئے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ:

لِيْسَ الشدِيْدُ باالقُرعَةِ اِنّمَا الشدِيْدُ الّذِی يَملِک نَفْسَهُ عِندَالفَضَبِ ٥

آپؐ نے فرمایا کہ بہادر آدمی وُہ نہیں جو دوسرے کو جلدی زمین پر پچھاڑ دے۔ بلکہ بہادر تو وہ ہے۔ جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

پھر آپ نے اشج عبدالقیس سے فرمایا۔ کہ تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے **اَلحِلْمُ وَالْاَنَاۃُ** حلم برداشت، بردباری اور رشتہ داروں اور اعزیز واقارب سے صلہ رحمی۔

تنگ نظری، وعدم روشن خیالی سے حِلم ختم ہو جاتا ہے جو اعلیٰ درجہ تک پہنچانے والے ہیں اور عدم اعتدال پسندی کا ایک درجہ غضب ہے۔ ایک صحابیؓ نے آپؐ سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول کہ مجھے کسی ایسی بات کی تعلیم دیں کہ میں اس پر عمل کروں اور کمی وزیادتی کی ضرورت نہ پڑھے اور میں سیدھا جنت میں چلا جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا کہ **لَا تَغْضِبْ** غصہ نہ کر۔ یعنی برداشت کا مادہ پیدا کر اور سختی اور غضب کو چھوڑ دے۔

پھر اس نے یہ ہی سوال کیا۔ آپؐ نے یہ ہی جواب دیا۔ اور یہ تعلیم نبویؐ، گویا کہ فکری تنگی، اور تنگ نظری کے خاتمہ

کے لئے نسخہ کیمیا ہے۔ اور قرآن مجید کی کئی آیات کی تفسیر بھی ہے۔

اور پھر رب کریم (جَلّ جَلالہُ) جو اپنے علم محیط اور قدرت کاملا کی بنا پر مخلوق کو بغاوت اور گناہوں پر سزا دے سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات بھی اُسے برداشت کرتی ہے۔ اور عفو ودرگزر سے کام لیتی ہے اور اعتدال سے کام لیتے ہوئے ۔اس ذات کے عفو وکرم نے کاروبار حیات کو وسعت دی اور زندگی کی سرگرمیوں کو برکت بخشی اور اگر اس کا عفو وکرم نہ ہوتا۔ اعتدال نہ ہوتا۔ تو لوگ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے جل رہے ہوتے۔ مصیبتوں اور غفلتوں کی سزا بھگت رہے ہوتے۔

یہ اس کا کرم وبرداشت ہے کہ خطا کار کو فوری طور پر پکڑا نہیں جاتا۔ اور یہ اس کا حِلم ہے کہ بڑے بڑے گناہ کرنے پر بھی مصیبت کار کو اس کی ندامت پر معافی مل جاتی ہے۔

اسلامی معاشرے میں تنگ نظری اور عدم روشن خیالی کے نقصانات

عدم اعتدال پسندی بڑے بڑے گناہوں کا سبب بن جاتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ اور اختیار عدم سکون، دشمنی خون ریزی۔ اور بے شمار پریشانیوں کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اس لیئے۔ ان نقصانات کو جاننا اور ان کا سد باب مسلم اُمہ کا ذمہ ہے۔ اور اس سے اُمہ کی وحدت ختم ہوجاتی ہے۔ اور اتحاد پارہ پارہ ہوجاتا ہے۔ میرے خیال میں اس وقت مسلم اُمہ کو اس طرف توجہ دینی چاہیے اور انتہا پسندی کو چھوڑ کر اعتدال کا راستہ اختیار کرنا چاہئے اور اپنے آپ کو ہر طرف سے مضبوط کرنا چاہیے۔

عدم اعتدال پسندی۔ ہی روئے زمین پر پہلے قتل کا ذریعہ ہے۔

قرآن مجید سورۃ مائدہ ع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں نمبرا ہابیل نمبر۲ قابیل کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہابیل کی قربانی قبول فرمالی تو قابیل اس پر مشتعل ہوا اور قتل کی دھمکی دے دی اور کہا کہ **لَاَقْتُلَنَّکَ** ۔یعنی میں تمہیں ضرور قتل کروں گا۔ یہ ہے عدم اعتدال پسندی جب کہ قربانی کی قبولیت اور عدم قبولیت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔ وہ جس کی چاہے تو قربانی قبول فرمائے یا نہ۔ اور آخر کار قابیل نے اس پر عمل بھی کیا۔ ہابیل نے اس کے جواب میں صاف کہہ دیا تھا کہ میں اس تنگ نظری کا **قولاً و عملاً** کوئی جواب نہ دوں گا۔

آخر کار اس نے موت کو تو قبول کرلیا لیکن مردانگی کے اعلیٰ مقام کو اپنی قوت اور اعتدال پسندی سے زندہ رکھا اور پھر رسول خداؐ کا وہ ارشاد کہ آپؐ نے فرمایا۔

کہ ہر وہ شخص جو قتل کیا جاتا ہے اس کے خون کا ایک حصہ آدمؑ کے اس بیٹے۔ قابیل ہی کی گردن پر ہوتا ہے۔ جس نے خون

ریزی اور عدم روشن خیالی کی بنیاد رکھی۔ اور پھر یہ واضح کر دیا کہ برائی کی بنیاد رکھنے والا بھی اس برائی کرنے والے کے ساتھ گناہ میں شریک ہوتا ہے۔

روشن خیالی اور اعتدال پسندی پیدا کرنے کا طریقہ سیرت طیبہ کی روشنی میں۔

مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ذکر ہیں کہ **اِذَا غَضَبَ اَحَدُ کُمْ فَلیسْلُکْ** یعنی جب غصہ آئے تو فلیسکُت خاموشی اختیار کرو۔ اس لیے کہ جب غصہ آئے گا تو ممکن ہے کہ منہ سے غلط بات نکل آئے اور مزید شر و فساد کا موجب بنے ایک اور روایت میں فرمایا گیا جو اعتدال کیلئے نسخہ کیمیا ہے آپؐ نے فرمایا۔

اذاغضب اَحَدُ کُمْ وَھُوَ قَائم" فلیجلس ہ یعنی جب غصہ آئے۔ تو اس کا دوسرا علاج یہ ہے کہ اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اگر بیٹھا ہے تو لیٹ جائے گویا کہ اس طرح سے برداشت و اعتدال کا ملکہ پیدا کرنے کا نفسیاتی علاج بتایا گیا۔ کہ جسمانی ہیئت کے تبدیل کرنے سے اعضا کا تناؤ ختم ہو جاتا ہے۔ اور غصہ قابو ہوتا ہے۔ نبی کریمؐ میں یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی۔ جس کی وجہ سے آپؐ عالم گیر دائمی۔ نمونہ عمل قرار دیے گئے۔ جس کا اعتراف غیروں نے بھی کیا۔ اعتدال پسندی ایک اعلیٰ مقام ہے۔ اور اس کے پیدا کرنے کے لئے ایک خصوصی ملکہ کی ضرورت ہے جو عملی طور پر اس اعلیٰ صفت کو پیدا کر دے۔ اس لئے کہ اسلام احکام کے ساتھ اس کا فلسفہ اور مسائل کے ساتھ اس کا حل بھی بتاتا ہے۔ تاکہ ان پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ جبرائیل امین نے یہ بیان کیا۔

یامحمدِ اِنَّاللہَ یَامُروکَ اَنْ تُصَلَّ مَنْ قَطَعَلکَ وَتُعْطِی مَنْ حَرمَکَ وَتَعْفُوْ اعَمَنْ ظَلَمَکَ ہ

اے اللہ کے رسولؐ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے جو آپؐ سے قطع رحمی کرے آپؐ اس سے صلہ رحمی کریں جو آپؐ کو محروم رکھے۔ اس کو آپؐ عطا کریں۔

اور جو آپؐ پر ظلم کرے اس سے آپ عفوو درگزر کریں۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں اور ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے ہے۔ ان باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

صحیحین کی ہدایت ہے کہ جنگ اُحد میں جب حضورؐ کے دندان مبارک شہید کر دیئے گئے اور چہرہ انور کو زخمی کر دیا گیا۔ تو صحابہ کرام کو از حد تکلیف ہوئی۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہؐ ان بدکاروں اور موذیوں کے لیے اگر بد دُعا کر دیتے تو غضب خداوندی ان کو ملیامیٹ کر دیتی۔

آپؐ نے اپنے جانثاروں سے فرمایا کہ اے میرے صحابہ میں لعنت بھیجنے کے لئے نہیں مبعوث کیا گیا یعنی بد دُعا کے لیے نہیں

بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حق کا داعی اور سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے اس ارشاد کے بعد حضورؐ نے اپنے مبارک ہاتھ دُعا کے لیے بارگاہ رب العلمین میں پھیلا دیئے۔

اوران ظالموں کے لیئے تباہی کے بجائے۔ یہ التجا کی کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے دے۔

اسی طرح آپؐ کی اعتدال پسندی کا کمال مظاہرہ مکہ مکرمہ میں بھی رہا۔ قریش مکہ نے آپؐ کے ساتھ۔ جو انسانیت سوز سلوک کیا اور آپؐ کے معاملہ میں تمام انسانی اخلاق کی دھجیاں اڑائیں۔ وہ تاریخ انسانی کا ایک تاریک ترین باب ہے۔

اہل مکہ نے آپ کو تنگ کرنے اور اشتعال دلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مگر تاریخ گواہ ہے۔ کہ ان کی ان اشتعال انگیز حرکات پر آپؐ نے کبھی برہمی کا اظہار نہ فرمایا اور نہ ہی کبھی تنگ نظری کو اختیار کیا۔ مکہ مکرمہ میں یہ برداشت اور اعتدال آپ کا بصورت مجبوری نہ تھا۔ بلکہ یہ اپنی امت جو قیامت تک آنے والی ہے کہ لئے درس تعلیم اور سبق تھا۔

کہ اُمت بھی اعتدال، صبر، توازن اختیار کرے اور تنگ نظری کے راستہ سے دور ہو جائے اور پھر طائف کا واقعہ بھی اُمت کے لیے مشعل راہ ہے کہ باوجود اس قدر ستانے کے ہدایت کی دعا مانگی۔

نبی کریمؐ کی روشن خیالی اور اعتدال کی مثالوں میں

ابن کثیر۔ حافظ ابن کثیر البدایہ والنہمایہ میں فرمایں کہ رحمت عالمؐ ۸ھ میں دس ہزار مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ میں دائر ہوئے۔ تو مشرکین مکہ کو اپنا ظلم وستم یاد تھا اور انتقام کا ڈر تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔

یامَعشر قَریش مَا مَّرونَ انّی فَا عِل فِیکُم ۔ قَالُوا خَیراً آخُ کَرِیم وَابْنُ اَخ کَرِیمِ قَالَ اِذھَبُوا اَنتُمُ الطّالُقَاء

اے قریش کی جماعت تم کیا سمجھتے ہو میں تمہارے متعلق کیا حکم کرنے والا ہوں۔ وہ بولے سب سے بہتر آپ کریم بھائی ہیں۔ (جس میں شرافت و کرامت اور رحمت کی تمام خوبیاں موجود ہیں) اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ اس موقع پر آپؐ نے پانچ باتوں کی منادی فرمائی۔

نمبر۱۔ جو مسجد حرام میں داخل ہو۔ اُسے امان حاصل ہے۔

نمبر۲۔ جو کعبۃ اللہ کے پردے سے لپٹا ہو گا وہ مامون ہے۔

نمبر۳۔ جس نے ہتھیار پھینک دیئے وہ بھی مامون ہے۔

نمبر۴۔ جو ابوسفیان کے گھر داخل ہوا۔ اُسے بھی امان حاصل ہے۔

نمبر۵۔ جو گھر میں رہا اور دروازہ بند رکھا اسے بھی امان حاصل ہے۔ گویا کہ بہانے بہانے سے معاف کر دیا۔

اسلام سے پہلے یعنی اسلامی معاشرے کی تشکیل سے قبل اقوام میں عدم اعتدال پسندی کا مختصر جائزہ۔

تعلیمات نبوی کا مطالعہ سے قبل تقابلی جائزے کے طور پر اسلام سے پہلے۔اقوام وملت میں رائج تنگ نظری کا مختصر جائزہ پیش کرنا ضروری ہے۔جس سے اندازہ ہوگا۔کہ اسلام سے قبل جو ماحول تھا۔وہ آج پھر زندہ ہو رہا ہے۔

اسلام سے قبل مختلف اقوام وملت تنگ نظری کا مظاہرہ کررہی تھیں۔آج بھی اس کا عملی مظاہرہ ہو رہا ہے۔قبل از اسلامی معاشرے کی تنگ نظری بقول علامہ فرید وجدی۔اس طرح تھی فرماتے ہیں کہ مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرنے میں بے رحمی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جو لوگ انکار کرتے تھے۔وہ بھڑکتی ہوئی آگ کے حوالہ کیے جاتے اور چیرنے پھاڑنے والے حیوانات کے آگے ڈالے جاتے تھے۔یا ان کی دونوں ٹانگیں گھوڑوں کے پاؤں میں باندھ کر ان کو تو مختلف سمتوں میں چھوڑ دیتے تھے۔تانبہ پگھلا کر ان پر ڈالتے تھے۔یا ان کو مدہم آگ پر کئی کئی روز تک لٹکائے رکھتے تھے۔اور ان کے شور وفریاد کی بالکل پروہ نہیں کرتے تھے۔ان کا گوشت کٹ کٹ کر گر جاتا اور چربی پگل کر بہہ جاتی۔

قرآن مجید کے سورۃ بروج میں ارشاد فرمایا گیا۔

قُتِلَاَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِہ النَّارِ ذاتِ الوَقُوہ. اِذْهُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ٭. وَهُمْ عَلٰى مَايَفْعَلُوْن با المؤمنين شُهُوْدٌ ٭

مارے گئے اور غارت ہوئے خندق والے یعنی ایندھن والی آگ پر بیٹھتے تھے اور وہ کافر جو کرتے تھے اس پر ایمان والوں کے ساتھ گواہ تھے۔

مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں قبل از اسلامی معاشرہ کے مظالم وعدم اعتدال پسندی کا تذکرہ کیا ہے۔جو اہل حق پر کئے جاتے تھے

ان ایات کی تفصیل کتب تفاسیر میں دیکھی جاسکتی ہے اور پھر اسلامی معاشرہ سے قبل دنیا میں مقاصد جنگ کی طرح جنگ کے طریقے بھی وحشیانہ تھے۔جنگ کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہولناک غیض وغضب کا مظہر ہوتی تھی۔

مقاتلین اور غیر مقاتلین کا کوئی فرق نہیں تھا۔جنگ کا اثر سوسائٹی کے ہر طبقہ پر پڑتا تھا۔اور ہر شخص یکساں طور پر تہ تیغ کیا جاتا تھا۔

بالخصوص خواتین تختہ مشق بنائی جاتی تھیں۔جنگی قیدیوں کو تکلیف دے کر مار ڈالنا۔آگ میں دھکیل دینا ان کے اعضاء کو قطع کرنا لاشوں کے اعضاء کو کاٹ لیا جاتا ان کی کھوپڑی کو بطور جام شراب استعمال کرنا۔بغیر اعلان کے جنگ کرنا اور عہد وپیمان کو توڑ

دینا اس زمانے کی جنگوں میں معمولی سی بات تھی مگر یہ کہ یہ زمانہ عدم اعتدال کا تھا۔

سیرت طیبہ کی روشنی میں تنگ نظری وانتہا پسندی کے رجحان کا خاتمہ۔

حضرت نبی کریمؐ کا قول وفعل قرآن مجید کے تابع تھا۔ جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا۔ کَانَ خُلُقُهُ القُرآن.

انتہا پسندی وتنگ نظری کے تناظر میں جب ہم سیرت طیبہ اور اسلامی معاشرہ کا مطالعہ کرتے ہیں اور اعتدال پسندی کا جائزہ لیتے ہیں تو اسلام کی اعتدال پسندی اور روشن خیالی پوری قوت کے ساتھ نمایاں ہوکر آتی ہیں۔
جس کی نظیریں نہ تو اسلام سے پہلے پیش کی جا سکتی ہے۔ اور نہ ہی اسلام کے بعد پیش کی جا سکتی ہے۔ آپؐ کی تعلیمات اور سیرت جو کہ مکمل طور پر تنگ نظری سے خالی تھی۔ کا یہ اثر ہوا کہ عرب کے چرواہوں کو جو ظلم وستم کے عادی تھے۔ انسان کامل بنا دیا۔ اور ان کے اندر رحم وکرم حلم وتواضع پیدا کر دی اور ان میں محبت کے جذبات پیدا کر دیئے۔
یہ لوگ جاہل اور وحشی تھے۔ مگر تعلیمات اور سیرت نبیؐ کے بدولت چند ہی وقت میں ان کو حکمرانوں کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا۔ اسلامی معاشرہ سے قبل وہ لوگ جو اپنے بھائی کا خون بہانا، ایک معمولی بات سمجھتے تھے۔ مگر حضرت محمدؐ کی تعلیمات سے وہ ایسے رحم دل ہو گئے کہ دنیا کا کھویا ہوا امن، دوبارہ بحال ہو گیا۔ اور خود بھی آپؐ امن کے محافظ بن گئے اور آپؐ کی تعلیمات نے ان کے قلوب کو، میانہ روی، اعتدال پسندی، اور توازن سے پاکیزہ کر دیا۔ اور دنیا میں عدل وانصاف کی مثال قائم کر دی۔ اور معاشرہ کو اس آیت اعتدلوا هوَ اقربُ للتقویٰ ہ کا مصداق بنا دیا۔ آپؐ عرب کے فاتح اعظم تھے۔ مگر مفتوح اقوام کے لئے۔ پیغام رحم وکرم تھے۔ اور آپؐ کی تنگ نظری اور انتہا پسندی سے بےزاری کا یہ عالم تھا کہ جن لوگوں نے آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں پر ظلم کیا تھا۔

اگر آپؐ چاہتے تو ان کو سولی پر چڑھا دیتے۔ لیکن آپؐ نے ان کی تمام برائیاں معاف کر دیں۔ اور ان سے باوجود قدرت کے انتقام نہیں لیا۔ یہ ایسا تاریخی واقعہ ہے۔ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپؐ کی سیرت طیبہ میں یہ عجیب بات بھی نظر آتی ہے۔ کہ امن وشانتی کے دشمن کو آپؐ نے کبھی معاف نہیں کیا۔ مگر آپؐ کا جو ذاتی دشمن تھا۔ اس سے کبھی بدلہ نہیں لیا اور آپ نے اپنی ذات کی حد تک عفو ودرگزر کے اصول پر پابند رہے۔ آپؐ کی رحم عطا اور کرم کی یہ کیفیت تھی کہ آپؐ سے کوئی بات کہہ جاتا۔ تو آپؐ بڑے سکون سے سن لیتے اور آپؐ کی زندگی مبارک میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ آپؐ نے کسی دشمن کو ویسا ہی جواب دیا ہو۔

سیرت طیبہ اور تعلیمات نبویؐ پر مشرق کا اعتراف۔

مستشرق آرتھر گلمن کہتے ہیں کہ محمدؐ بہت زیادہ ستائش کے قابل ہیں کیونکہ فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے اپنے مخالفوں کی سابقہ بدسلوکی اور قدرتی طور پر اس سے پیدا ہونے والی انتقام خیز ناراضگی، کو چھوڑ کر اپنی فوج کو ہر قسم کا خون بہانے سے روکا۔

اور ہر طرح سے عجز و انکسار کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا شکر ادا کر دیا۔

اور یہ رحمت کے کاموں میں سے ہے گویا کہ نبی کریمؐ نے اعتدال کا راستہ کبھی بھی نہ چھوڑا آخر میں ہم اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں۔ کہ وہ ہمیں سیرت طیبہ پر چلتے ہوئے فکری تنگی اور تنگ نظری سے نجات عطا فرمائے۔ آمین۔

اور پھر اس مملکت خداداد پاکستان کو بھی اس تنگ نظری سے بچائے او آپس میں اتفاق و اتحاد قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سبحانک اللّٰھُمَّ وَبِحمدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوبُ اِلَیْہِ

حوالہ جات

۱۔ مشکوٰۃ المصابیح ۔باب الرفق والحیاء حسین الخلق

۲۔ ریاض الصالحین ۔باب الحم، والدناءۃ والرفق ص ۲۸۷ تا ۲۷۶ طبع مکتبہ رحمانیہ لاہور

۳۔ المفردات فی غریب القرآن ۔امام راغب اصفہانی، ص ۱۲۹ طبع مصر

۴۔ احیاء علوم الدین ۔امام غزالی، ۲۱۸ تا طبع قاہرہ، مصر ۱۳۸۷ مو

۵۔ ابن ابی الدنیا، مکارم الدخلدق، مح مکارم اخلاق، للطبرانی من ۲۶ تا ۳۲ طبع بیروت لبنان

۶۔ صحیح مسلم ۔(باب فضل الرفق) ج ص ۳۲۲ طبع کراچی

۷۔ کتب لغت، مثلاً لسان العرب، القاموس، محیط، اور منجد وغیرہ تحت مادہ حلم

۸۔ صحیح بخاری ۔باب الحذر من الفضب ج ص ۲۹۶ طبع کراچی

۹۔ جامع تدملی، ابواب البتر واالصلتہ باب ماجاء فی کثرۃ الغضب ص ۲۹۶ طبع کراچی

۱۰۔ سورۃ احزاب ع پ ۲۲

۱۱۔ سورۃ ال عمران، ع پ ۳

۱۲۔ سورۃ انعام ع ۳۱ آیت ۱۰۷ تا ۱۰۸ پ ۷

۱۳۔ سورۃ مائدہ، ع ۵ آیت ۲۷ تا ۳۲ پ ۶

۱۴۔ مطالعہ سیرت، ڈاکٹر لیاقت علی خان پروگریس پبلشرز میانوالی ۱۹۹۳ء/۱۱۶

۱۵۔ المدینہ والاسلام ۔علامہ فرید وجدلی ص ۳۲

۱۶۔ رسول اللہ کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

۱۷۔ خطبہ مدراس ۔علامہ سید سلیمان ندوی

۱۸۔ سورۃ البروج ع ۱ پ ۳۰

۱۹۔ اہل کتاب، صحابہ وتابعین، مجیب اللہ ندوی، معارف پریس اعظم انڈیا

۲۰۔ سنت ابی داوٗد، (کتاب الادب باب من نظم غیظا) ج ۲ ص ۶۵۹ طبع کراچی

۲۱۔ الطبقات الکبتر الی، ابن سعد ص ۳۳۵ طبع بیروت

۲۲۔ اعواحب الدمینیہ، القسطلانی ۳٦۵ طبع المکتب الاسلامی، بیروت
۲۳۔ تاریخ الاسلام ایمشا حیرد الاعلدم (السیرۃ النبویہ) شمس الدین ذھبی طبع بیروت
۲۴۔ سیرت النبی، علامہ شبلی نعمانی ج ۴ ص ۱۷٦ مکتبہ مدینہ لاہور
۲۵۔ سیرت ابن ھشام، ج ۱ ص ۳۱۷
۲٦۔ اسلام میں مذہبی رواداری، صباح الدین عبدالرحمٰن، مطبع معارف انڈیا
۲۷۔ نقوش رسول نمبر محمد طفیل ایڈیٹر، ادارہ فروغ اردو لاہور ج ۳ ص ۵۱۹
۲۸۔ سبل الھدی والرشاد، محمد یوسف الصالحی، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۷۲ء ج ۷
۲۹۔ پیغمبر اخلاق، ساجد الرحمٰن ص ۱۵٦
۳۰۔ دائرہ اعراف آیت ۱۵۸ پ ۹
۳۱۔ دائرہ معاف اسلامیہ اردو ج ۹ ص ۲۲۳
۳۲۔ رحمۃ للعلمین، قاضی محمد سلیمان منصور پوری ج ۳ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۳۳۔ شرح فقیہ البر محمد علی قاری، حنفی ص ۱۹۹ طبع مجسبائی، دھلی
۳۴۔ جامع ترمذی، اجواب البر والصلتہ باب ماجاء فی کثرۃ الغضب ص ۲۹٦ طبع کراچی
۳۵۔ مشکواۃ المصابیح، (باب فی اخلاقہ وشمائلہؐ) ص ۵۱۹، طبع سعید کمپنی کراچی
۳٦۔ الشفاء، تعریف حقوق المصطفی، قاضی عیاذ، طبع مصر
۳۷۔ دلائل النبوۃ، ابونعیم اصفیانی، طبع حیدر آباد دکن ۱۳۲۰ھ
۳۸۔ عہد نبویؐ میں، نظام حکمرانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، طبع ۱۹۸۱
۳۹۔ تفسیر ابن کثیر، تحت آیت وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین پ ۱۷
۴۰۔ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، طبع مصر
۴۱۔ اخلاق النبیؐ وادابہ، ابوالشیخ ابن حیان، اصبھانی، ص ۸۲ طبع قاہرہ
۴۲۔ الوفا باحال المصطفی، ابن جوزی، طبع بیروت، لبنان ۱۴۰۸ھ
۴۳۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال ۱۹۹۳ء پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق لاہور
۴۴۔ ہم اور ہمارے رسولؐ، مولانا ظفر علی خان

۴۵۔ تاریخ اسلام، شاہ معین الدین ندوی ج ۱ ص ۶۵
۴۶۔ تفسیر کبیر، تفسیر، روح المعانی، تفسیر، معارف القرآن تفسیر تفہیم القرآن تفسیر ضیاء القرآن
۴۷۔ ضیاء النبیؐ، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۴۱۸ھ
۴۸۔ دلائل النبوۃ، بیہقی، طبع بیروت پ ۳۰
۴۹۔ کتاب الادب، باب العلم واخلاق النبیؐ سنن ابوداؤد
۵۰۔ تفسیر ماجدی تحت آیت سورۂ بروج طبع کراچی



سیرت طیبہ کی روشنی میں عصرِ حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت

(محمد اعجاز تبسم۔ فیصل آباد)

ہجوم یا گروہ جو بغیر کسی مقصد کے اکٹھا ہو گیا ہو وہ معاشرہ کے ضمن میں نہیں آتا ہے کسی اجتماعی مقصد کے پیش نظر مل جل کر زندگی گزارنے کو معاشرہ کہتے ہیں۔ لہٰذا معاشرے کے مقصد کے بارے میں اس وقت دو متضاد آرا دنیا میں موجود ہیں ایک رائے تو یہ ہے کہ معاشرہ کا مقصد اجتماعی بہبود ہے دوسرا نظریہ بتاتا ہے کہ معاشرہ محض ایک بنیادی چیز ہے جس کا اصل مقصد فرد کی بہبود ہے۔ ایک نظریہ فرد کا طرف دار ہے۔ اور دوسرا معاشرہ کا۔ دونوں نظریات کے حامی اس وقت نہ صرف زبان وقلم کی جنگ کر رہے ہیں بلکہ جنگ کے لیے بھی دست وگریبان ہیں۔

اسلامی معاشرے کی فطرت

اسلام ان دونوں نظریات میں سے کسی کا بھی روادار نہیں۔۔۔۔۔وہ کہتا ہے کہ معاشرہ کا مقصد نہ تو خود معاشرہ ہے اور نہ ہی اس کا مطلوب فرد ہے۔ بلکہ اس کا مقصود اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے۔ جس کا محرک سورۃ الذاریات سے لیا جا سکتا ہے کہ ''میں نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا''۔

لہٰذا معاشرہ فقط یہ ہے کہ انسان اپنے رب ذوالجلال کے ارضی خلیفہ کی حیثیت میں اس کے احکام بجالائے معاشرہ میں یہ فرد کی محض ثانوی حیثیت ہے۔ رب العلمین جل جلالہ اور رحمۃ للعلمین ﷺ نے جو احکامات صادر فرمائے ہیں ان سے فرد اور معاشرہ کے باہمی تعلق کا از خود فیصلہ ہو جاتا ہے۔ ان احکام پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام فرد یا معاشرہ میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتا بلکہ دونوں میں اعتدال اور توازن قائم کرتا ہے۔ یعنی کبھی فرد معاشرہ پر اپنی زندگی نثار کرتا ہے۔ زمان ومکان خواہ ہڑپہ ہو یا 14 صدیاں قبل کا دور ہو یا پھر دور عصر ہی کیوں نہ ہو اسلامی معاشرے کی یہ فطرت ہے کہ زمان ومکان کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لیے وہ خود کو ہمہ وقت تیار رکھتا ہے۔ اسی سے اسلامی معاشرہ کے روشن خیال اور اعتدال پسندی کا ثبوت عیاں ہوتا ہے۔ اور جس کی ضرورت آج کے دور میں شاید اسی لیے بڑھ گئی ہے کہ دہشت گردی کی آڑ

میں ایک طرف مغربی معاشرہ جہاں اسلام کو بدنام کرنے بلکہ جڑ سے اُکھاڑنے پر تُلا ہوا ہے تو دوسری جانب بعض نام نہاد افراد اسلام کی اسی روشن خیالی اور اعتدال پسندی سے عدم واقفیت کی بنا پر اسلام کے تشخص کو ایک انتہا پسندی کے روپ اجاگر کرنے کے جتن کر رہے ہیں۔

روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی ضرورت

لہٰذا مختلف خیال قوموں کے مابین اسی تناظر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے اسی پہلو کو۔۔۔۔۔اسلام کے اسی نظریہ کو۔۔۔۔اسلام کیا اسی فکر کو جلا بخشی جائے جو ربِ ازل عزوجل نے اس کی فطرت میں رچا یا بسایا ہوا ہے۔

اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنے والی مملکت کے موجودہ حکمران بشمول صدرِ پاکستان جنرل پرویز مشرف ہم پاکستانیوں کے لیے طمانیت کا باعث ہیں جو قسّامِ ازل عزوجل کی طرف سے اسلام کو ودیعت کی گئی اس فطرت سے شناسائی لے کر عصر حاضر کے تقاضوں سے فہم لے کر وطن پاکستان کو روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کی تشکیل وضرورت کے لیے ہمہ وقت مصروف عمل ہیں۔

برائے نام سی جمہوریت

کیونکہ نہ صرف پاکستان میں بلکہ پوری دنیا میں اسلام کہ متعلق خیالات اور تصورات میں ایک بحرانی کیفیت پیدا ہو چکی ہے۔ دنیا کے ہر کونے میں یہ تصور، یقین میں بدلتا جارہا ہے۔ کہ اسلام ایک انتہا پسند مذہب ہے۔ اسلام میں انسانی حقوق اور خصوصاً خواتین کے حقوق کی حفاظت نہیں ہوسکتی اور اسلامی ممالک میں جمہوریت اور جمہوری نظام کا قیام خال خال نظر آتا ہے۔ کیونکہ 56 اسلامی ممالک میں صرف چند ایک ایسے ممالک اس وقت دنیا میں موجود ہیں، جہاں برائے نام سی جمہوریت چل رہی ہے۔ باقی تمام مسلم ممالک میں ملوکیت اور آمریت کا دور دورہ ہے۔

بین الاقوامی منصوبہ

اسی ضمن میں دہشت گردی کا مسئلہ اور اس کا بین الاقوامی تصور اب اسلام سے مکمل طور پر وابستہ ہو گیا ہے۔ 1920ء کی دہائی میں زیادہ تر دہشت گردوں کو فلسطینی دہشت گرد کہا جاتا تھا۔ 1980 میں (Arab terrorist) کی اصطلاح عام ہوئی۔ اور 1990 میں تمام دہشت گرد اسلامی دہشت گرد کہلانے لگے۔ اور اب یعنی نائن الیون (9/11) کے بعد تو مسلمانوں پر گویا آسمان ٹوٹ پڑا، ہر ائرپورٹ پر مسلمان مشکوک سمجھا جانے لگا تمام مغربی ممالک میں مسلمان کے لیے ملازمت اور کاروبار کے دروازے بند ہونے لگے جیسے ایک عظیم بین الاقوامی منصوبے کے تحت یہ سازش شروع ہو چکی ہے کہ

زیادہ تر مسلمان ممالک کو یا تو مغربی دائرہ اختیار میں لایا جائے اور جو ممالک اپنی خود مختاری پر اصرار کریں ان پر فوجی قوت سے قبضہ کر لیا جائے۔

یہ منصوبہ تاریخ کا رُخ موڑنے کے مترادف ہے کیونکہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے دنیا میں صرف 4 اسلامی ممالک آزاد تھے اور آج اللہ عزوجل کے فضل سے 56 ممالک آزاد ہیں۔ اب تاریخ کو دوبارہ Role back کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ کیونکہ اسلامی ممالک کی اتنے بڑے پیمانے پر آزادی۔۔۔ مغربی ممالک کے لیے جغرافیائی اور سیاسی لحاظ سے نہ صرف خطرناک نظر آتی ہے۔ بلکہ ان کے لیے Clash of Civilizaiton کا پیش خیمہ بھی بن چکی ہے۔

مستقبل کا لائحہ عمل

عصر حاضر میں مغربی دنیا میں یہ عقیدہ پھیلتا جا رہا ہے کہ اسلام کا مذہب ہی سارے فساد کی جڑ ہے اس لیے لبرل جمہوریت کی بنیاد صرف سیکولرزم پر ہی رکھی جا سکتی ہے۔ اسلامی ممالک اگر برائے نام مسلمان رہنا چاہتے ہیں تو رہیں لیکن درحقیقت سیکولر ملک بن جائیں اب سوال یہ ہے کہ کیا انتہا پسندی اور سیکولرزم کے درمیان کوئی ایسا راستہ ہے جسے اپنا کر ہم یہ ثابت کر سکیں کہ اسلام انتہا پسند مذہب نہیں ہے اور اسلامی اصول حقیقتاً انسانی مساوات اور جمہوریت کے عین مطابق ہے۔ اس لیے مستقبل کا لائحہ عمل یہ نہیں کہ مذہب سے ہٹ کر سیکولرزم کو اپنایا جائے جس پر Moderate Islam کا لیبل لگا دیا جائے بلکہ اسلامی معاشرہ کیلئے ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جو حقیقی اسلامی ممالک کے لئے بھی مشعل راہ ثابت ہو۔

برنارڈ شا کا پیغمبر امن ﷺ پر تبصرہ

دنیا کی اکلوتی اسلامی مملکت۔۔۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے کوئی 5 سال قبل کی بات ہے جب پوری دنیا ایٹم بم کی حقیقتوں سے عملی طور پر آگاہ ہو رہی تھی۔ انسانوں کے پیکر میں درندے سا گئے تھے اور آنکھوں میں پانی کی جگہ خون تیر رہا تھا، ہر فرد سہما ہوا اور ہر شخص سکڑا ہوا تھا۔ جنگ تھی کہ بند ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی اور مدِ مقابل کوئی بات سننے کے لئے آمادہ نہ تھا، آدمیت کی اس بے بسی اور آدمی کی اس بے حسی کو دیکھ کر ایک مشہور فلسفی اور ڈرامہ نگار برنارڈ شا نے کہا تھا۔

آج اگر پیغمبر امن و رحمت محمد مصطفی ﷺ کو حاکم مان لیا جائے تو دنیا بھر میں امن قائم ہو سکتا ہے۔

روحانی فاصلے

آج۔۔۔۔

آج ایک بار پھر وہی نقشہ ہے۔۔۔۔ ذوق فرماں روائی بڑھ رہا ہے۔۔۔ برداشت دم توڑ رہی ہے۔۔۔ ہر دوسرے کو

جھکانے پر تلا ہوا نظر آ رہا ہے۔۔۔۔ مفاہمت کی جگہ مقاومت، اپنائیت، صلح کی جگہ اسلحہ اور رواداری کی جگہ خونخواری لے رہی ہے۔ گو کہ دنیا نے زمانی و مکانی فاصلے گھٹا دیئے ہیں۔ لیکن روحانی فاصلے بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ کوئی دل کے تار ہلانے والا نہیں ملتا۔ جو بھی ہے توپ اور بارود برسانے والا ملتا ہے۔ ایسے میں پھر سے رُوحِ محمد مصطفی ﷺ طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے۔ وہی محمد مصطفی ﷺ، جو پیغمبر امن ﷺ، نبی رحمت ﷺ، رسول اسلام ﷺ پیکر شفقت ﷺ، مجسمہ مروت ﷺ، سرچشمہ محبت ﷺ، دریائے عفو و کرم اور مسیحائے کشتگانِ ستم ﷺ ہے۔

عفو عام کی سوچ

آپ ﷺ نے اس وقت روشن خیال، اور اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی جب قبائلِ عرب صد سالہ جنگ کی تھکن سے چور چور تھے۔ آپ ﷺ نے اس وقت رواداری کی ریت ڈالی، جب دنیا تعصب، امتیاز اور جھوٹے پندار کی چار دیواری میں مقید تھی، آپ ﷺ نے اس وقت زیرِ دستوں کا ساتھ دیا جب ان میں فریاد کی سکت نہ تھی، آپ ﷺ نے اس وقت اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کا علَم اٹھایا جب جذبہ ترحم دفن ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے اس وقت عفو درگزر کا پرچار کیا جب صحرائے عرب اپنی پیاس بجھانے کے لیے اپنے ہی فرزندوں کے تازہ خون کا طلب گار تھا جب دنیا رزم گاہ بنی ہوئی تھی آپ ﷺ کی ذات سب کے لیے پناہ گاہ ثابت ہوئی اور جب لوگ ایک دوسرے کا گوشت نوچ رہے تھے۔ آپ ﷺ اس وقت ساکنانِ ارض کو عفو عام کی سوچ دے رہے تھے۔

دین اسلام کی اساس

اقرء بسم ربک الذی خلق کا حکم لیکر جبرئیل امین جب نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے تو اس وقت سے لے کر 13 برس تک رسول اکرم ﷺ مکہ اور طائف کی وادیوں میں آفتاب جہاں تاب کی طرح گردش کرتے رہے اور پتھروں کے جواب میں ہدایت و سعادت کے پھول پھینکتے رہے۔ مکہ میں پہلے ان عقائد و حقائق کو ذہنوں میں راسخ کیا جاتا رہا جو پورے دین اسلام کی اساس اور بنیاد ٹھہرے: توحید، رسالت اور آخرت ہی وہ محور ہے جس کے چاروں طرف دین اسلام گردش کرتا ہے۔ زندگی کا کوئی بھی مسئلہ ہو، اس کی بنیاد وہ عقائد ہی ہیں جن کی تعلیم اللہ عزوجل اور رسول امن و رحمت ﷺ نے دی ہے۔ خواہ مسائل زندگی کا تعلق معاشرہ سے ہو یا معیشت سے، تہذیب و تمدن سے ہو یا سیاست سے یہ بنیاد جس قدر مضبوط و محکم ہوگی، عمارت اسی قدر مضبوط و مستحکم ہوگی۔

خطبہ جمعہ میں اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تعمیر و تشکیل کے بنیادی اصول کا تذکرہ

اسلامی معاشرے کے روشن خیال اور اعتدال پسندی کے سائبان تلے مکہ مکرمہ میں دو بڑے کام کیے گئے، ایک اساس دین کی تعمیر اور اس کا استحکام اور دوسرا، زندگی کے تمام شعبوں کے لیے رہنما اصول ---۔ مکہ مکرمہ میں 13 سال تک جو کچھ نازل ہوتا رہا، مدنیہ منورا سی کے مطابق ریاست کی تشکیل اور معاشرے کی انفرادی اور اجتماعی تعمیر کی گئی اسلامی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کے تمام بنیادی اصول مکہ ہی میں نازل ہو گئے تھے ان بنیادی اصول نما آیتوں کو جمع کر کے ان کی تشریح کرنے کی بجائے یہاں صرف سورۃ النحل کی آیات 90 کی روشنی سے رہنمائی لیتے ہیں۔ اور جسے ہر جمعہ کے خطبہ میں پڑھا جاتا ہے۔

''اللہ عدل، احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی، بدی اور ظلم و سرکشی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم دھیان دو'' خیر و شر، اخلاق حسنہ اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر تشکیل کے مثبت و منفی بنیادی اصولوں کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی جامع ترین آیات ہیں۔ یوں تو ان آیات نے عقائد تک کو اپنے دائرے میں لے لیا ہے۔ لیکن اس کا براہ راست تعلق محاسن اخلاق ورزائل خلاق سے ہے۔ اچھے اخلاق کو عدل، احسان اور صلہ رحمی اور برے اخلاق کو فحشا، منکر اور بغی میں جمع کیا گیا ہے۔ یہی چھ چیزیں میانہ روی اور روشن خیال اسلامی معاشرہ کی مثبت و منفی بنیاد ہیں۔

ایک دفعہ اکثم سیفی کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی اطلاع ملی تو انہوں نے آپ ﷺ کے پاس جانا چاہا لیکن ان سے پہلے اسی قوم کے دو افراد حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچ گے اور کہا ہم اکثم کے قاصد ہیں وہ آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کے آپ ﷺ کون ہیں اور کیا لائے ہیں نبی آخر الزمان ﷺ نے فرمایا میں محمد ﷺ بن عبداللہ ہوں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ﷺ ہوں پھر نبی ﷺ نے مذکورہ بالا آیات تلاوت فرمائیں ان لوگوں نے پھر اپنا سوال دہرایا اور آپ ﷺ نے پھر یہی آیات تلاوت فرمائیں یہاں تک کہ انہوں نے سُن کے یاد کر لیں اور پھر واپس جا کر اکثم کو تمام باتیں بتائیں۔ اور اکثم نے آیات سُن کر کہا میں دیکھتا ہوں کے وہ مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور بُرے اخلاق سے منع کرتے ہیں پھر اکثم نے اپنی قوم سے کہا اس معاملے میں تمہیں دوسروں سے پیچھے نہ رہنا چاہیے۔ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابو جہل نے جب یہ آیات سُنیں تو کہا تھا۔ محمد ﷺ کا خدا مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے۔

مکارمِ اخلاق

ابن ماجہ میں رقم ہے کہ جب اللہ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اپنے آپ کو قبائل عرب کے سامنے پیش کریں تو آپ ﷺ اس مقصد میں نکلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ یہ سب

قوم عرب کی ایک مجلس میں پہنچے۔ اہل مجلس پر سکون وقار چھایا ہوا تھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا آپ لوگوں کا تعلق کس قبیلے سے ہے۔ انہوں نے جواب دیا: شیبان بن ثعلب سے۔ نبی رحمت ﷺ نے ان سے کہا کہ وہ قریش کے مقابلے میں آپ ﷺ کی مدد کریں کیونکہ قریش نے آپ ﷺ کی تکذیب کی ہے۔

مقرون بن عمرو نے کہا آپ ﷺ ہمیں کس امر کی طرف بلاتے ہیں!

نبی ﷺ نے مذکورہ بالا آیات تلاوت فرمائیں۔ یہ سُن کر مقرون بن عمرو بولا، خدا کی قسم! آپ کی دعوت مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی دعوت ہے وہ قوم جھوٹی ہے جو آپ ﷺ کی تکذیب کرتی ہے۔

انتہا پسندوں سے کنارہ کشی

اس مقابلہ میں ان آیات کریمہ کی تفصیل 3 وجوہ کی بناء پر پیش کی گئیں۔ ایک یہ کہ اس میں پیش کیے ہوئے بنیادی اصول کی جامعیت کا ایک اندازہ ہو دوسری یہ کہ مکہ معظّمہ میں دعوت اسلامی کی جدوجہد کی ایک جھلکی نظر آ جائے۔ اور تیسری یہ کہ اس میں اصول بیان کیے گیے ہیں وہ عالم گیر ہیں اور کوئی معاشرہ ان اصولوں کے بغیر انسانی معاشرہ بھی نہیں بن سکتا، چہ جائیکہ وہ اسلامی معاشرہ بن سکے۔

سیرت پاک کی روشنی میں موجودہ دور کے تقاضوں کے تناظر میں اسلامی معاشرہ کیا اہمیت کے پیش نظر اس کی تعمیر و تشکیل کے لیے بنیادی اصولوں میں سے پہلا عدل ہے۔ عدل، صرف اسلامی معاشرہ ہی کا بنیادی اصول نہیں بلکہ اس اصول پر پوری کائنات قائم ہے۔ عدل ہی پر آسمانوں اور زمین کا نظم قائم ہے۔ تو پھر عدل ہے کیا!

پیارے مذہب کی تحریم

عدل کا مطلب یہ ہے کے ہر شے کو وہ مقام دینا اور اس کے ساتھ افراط وتفریط سے بچتے ہوئے وہ معاملہ کرنا، جس کی وہ مستحق ہو، اس تعریف میں عدل کی تمام اقسام موجود ہیں یعنی انسان کے اپنے نفس سے لے کر کائنات کی تمام حقیقتیں اور تمام اشیاء اس تعریف کے دائرے میں ہیں عدل کی اس تعریف کی رو سے افراط وتفریط سے بچنے کی بہت زیادہ اہمیت ہے افراط وتفریط دراصل انتہا پسندی کی نشاندہی کرتی ہے یعنی عصر حاضر کا تقاضہ یہ ہے کہ اسامہ بن لادن اور ملا عمر جیسے انتہا پسندوں سے ہر صورت کنارا کشی نہ صرف ضروری ہے بلکہ ایسے لوگوں کو اسلامی معاشرے کے بنیادی اصول عدل کی روشنی میں فہم دلانے کی سعی جمیلہ بھی کرنا بہت ضروری ہے تا کہ ہمارے پیارے مذہب اسلام کی تحریم غیروں کی نظر میں بھی محفوظ رہ سکے۔

پہلا بنیادی اصول۔۔۔۔۔عدل

رحمت کائنات ﷺ نے اسلامی معاشرہ کو عدل پر تعمیر کرنے کا جو حکم دیا اس کی حیثیت محض اتنی ہیں کہ کبھی کبھی دعل اختیار کرلیا جائے اور نہ یہ ہے کہ عدل کی کوئی خاص قسم پسند کرلی جائے بلکہ یہ ہے کہ معاشرے کا ہر فرد اور ہر خاندان اس کو اپنی صفت اور اپنا اخلاق بنالے۔ اور عدل کے کلی اور جامع مفہوم کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔۔وہ کانٹے کی تول، اللہ کے حقوق، بندوں کے حقوق، اپنے نفس کے حقوق اور کائنات کی دیگر اشیا کے حقوق، ادا کرے اور اس کا کوئی قول وفعل اس ترازوں میں تلے بغیر باہر نہ آئے اس کی وجہ یہ ہے کہ خلق کا اطلاق ہوتا ہی اس صفت پر ہے جو ملکہ یعنی نفس کی کیفیت راسخہ بن جائے مثلاً سخاوت جب کسی انسان کا اخلاق بن جاتی ہے۔ تو اُس کو بخل سے بیزاری ہو جاتی ہے اس کے لیے سخاوت آسان اور بخل دشوار ہو جاتا ہے۔ پھر اس سے کوئی شبہ نہیں رہتا کہ خلق حسن سے محرومی ہر خیر سے محرومی اور اس کی یافت ہر خیر کی یافت ہے۔

یعنی آدمی کے تمام عقائد اعمال، اخلاق، جذبات اعتدال وانصاف کی ترازو میں تلے ہوں افراط وتفریط سے کوئی پلہ جھکنے یا اٹھنے نہ پائے سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، جو بات اپنے لیے پسند نہ کرتا ہو، اپنے بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے۔ دنیا کے انتہا پسند مسلمان یا مسلم حکمران کو یہ بات ضرور ذہین نشین رکھنا ہوگی تبھی جا کر ایک روشن خیال اور ایک اعتدال پسند اسلامی معاشر کی تشکیل ہو سکے گی۔

دوسرا بنیادی اصول۔۔۔۔احسان

روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے دوسرا بنیادی اصول احسان ہے۔ احسان کی حقیقت سمجھنے کے لیے سفت عدل کی تشریح مدنظر رہنی چاہیے اس لیے کہ احسان، عدل پر ایک اضافہ ہے۔ یہ صرف حق کی ادائیگی کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ مزید برآں یہ تقاضا بھی کرتا ہے کہ دوسرے کے ساتھ ہمارا معاملہ کریمانہ اور فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ، رواداری، خوش خلقی، درگزر، باہمی مراعات، ایک دوسرے کا پاس ولحاظ رکھنا، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا۔ یہ عدل سے زائد ایک چیز ہے جس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے اگر معاشرہ کی اساس عدل ہے تو احسان اس کا جمال اور اس کا کمال ہے عدل اگر معاشرے کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوش گواریاں اور شیرینیاں پیدا کرتا ہے، کوئی معاشرہ صرف اس بنیاد پر کھڑا نہیں رہ سکتا کہ اس کا ہر فرد، ہر وقت ناپ تول کر دیکھتا رہے کہ اس کا کیا حق ہے اور اسے وصول کر کے چھوٹے اور دوسرے کا کتنا حق ہے اور اسے بس اتنا ہی رہنے دے۔ ایسے میں ایک ٹھنڈے اور کھرے معاشرے میں کش مکش تو نہ ہوگی مگر محبت اور شکر گزاری اور عالی ظرفی اور

اخلاق وخیر خواہی کی قدروں سے وہ محروم رہے گا جو دراصل زندگی میں لطف وحلاوت پیدا کرنے والی اور اجتماعی محاسن کونشو ونما دینے والی قدریں ہیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ عہد طیبہ ﷺ میں کن بنیادوں پر اسلامی معاشرے کی تعمیر وتشکیل کی گئی تھی اور آج من حیث القوم یامن حیث الملّت ہمارا حال کیا ہے احسان پر عمل کرنے والا تو شاید ہزاروں میں ایک ہو، یہاں تو عدل بھی غائب ہے اور ظلم کا اثر دکھائی نہ دے لیکن آخرت میں یہ ضرور دکھا یہ دے گا کہ دوسروں پر ظلم کر کے اس نے خود اپنے اوپر کتنا بڑا ظلم کیا تھا۔ کفار مکہ کا کون سا ایسا ظالمانہ برتاؤ تھا جو پیغمبر امن ورحمت ﷺ کے ساتھ نہ کیا۔ مگر فتح مکہ کے دن یہ سب سرداران قریش مسلمان انصار ومہاجرین کے لشکروں میں گھرے مجبور ومحصور حرم کعبہ میں خوف زدہ اور بے بس کھڑے تھے۔ تو حضور محسن اعظم ﷺ نے ان کو یہ کہتے ہوئے معاف کر دیا کہ آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

اسی طرح جنگ بدر کے موقع پر حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کفار مکہ کی طرف سے لڑتے ہوئے اس حالت میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے کہ ان کے گلے میں قمیض نہ تھی۔ عبداللہ بن ابی منافق نے اپنی قمیض حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دے دی حضور ﷺ نے عبداللہ ابن ابی کی منافقت کے باوجود اس کے مرنے پر اپنی قمیض مبارک اس کے کفن کیلئے عطا فرمائی۔ احسان کے ضمن میں اعتدال پسند معاشرہ کی سیرت طیبہ کے حوالے سے یہ روشن مثالیں ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

اسی طرح رسول پاک ﷺ کا سب سے زیادہ سخت صبر کا مظاہرہ غزوہ احد میں تھا کہ کفار نے آپ کے ساتھ مقابلہ کیا اور آپ کو شدید ترین رنج والم پہنچایا۔ مگر آپ نے صرف صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا بلکہ ان کی ہدایت کیلئے دعا بھی فرمائی۔ اسی ایک اور طرح کے واقعہ کا ذکر ہے کہ توحید کی تبلیغ کے لئے حضرت زید بن حارثؓ کے ہمراہ پاپیادہ جب رسول پاک ﷺ طائف پہنچے اور وہاں کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب آپ ﷺ پر سخت خفا ہوئے بلکہ وہاں کے سرداروں نے تو اپنے علاقے کے شرارتی لڑکوں کو سکھا دیا کہ وہ لوگ وعظ کے دوران آپ ﷺ پر اتنے پتھر پھینکیں کہ آپ ﷺ تربتر ہو جائیں، خون بہہ بہہ کر آپ ﷺ کے نعلین مبارک میں جم گیا۔ اور وضو کے دوران پاؤں جوتے سے نکالنے مشکل ہو گئے ایک دفعہ ان اوباشوں نے رسول پاک ﷺ کو اس قدر گالیاں دیں تالیاں بجائیں اور چیخیں ماریں کہ رسول پاک ﷺ ایک مکان کے احاطے میں جانے پر مجبور ہو گئے اسی مقام پر ایک دفعہ وعظ فرماتے ہوئے رسول پاک ﷺ کو اتنی چوٹیں آئیں کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے حضرت زید بن حارثؓ نے اپنی پیٹھ پر اٹھایا اور آبادی کے باہر لے گئے۔ پانی کے چھینٹے دینے سے ہوش آیا۔ تو بھی آپ نے انہیں بددعا تک نہ دی۔ بلکہ ارشاد فرمایا میں ان کی تباہی کیلئے کیوں دعا کروں اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا امید

ہے کہ ان کی آئندہ کی نسلیں ضرور ایمان لائیں گی۔

مندرجہ بالا سیرت طیبہ کے ایمان افروز واقعات روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کیلئے ضروری ہیں جسے ہمیں ہر حال میں اپنانے کی ضرورت ہے تاکہ ہم پر دہشت گردی کا جو لیبل لگ چکا ہے اس سے چھٹکارا مل سکے۔

تیسرا بنیادی اصول۔۔۔۔صلہ رحمی

سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں اعتدال پسند، روشن خیال اسلامی معاشرہ کا تیسرا بنیادی اصول صلہ رحمی ہے۔ صلہ رحمی رشتے داروں کے معاملہ میں احسان کی ایک خاص صورت متعین کرتی ہے اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اپنے رشتے داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور خوشی و غمی میں ان کا شریکِ حال ہو اور جائز حدود کے اندر ان کا حامی و مددگار بنے بلکہ اس کے معنی یہ بھی ہیں۔ کہ ہر صاحب استطاعت شخص اپنے مال پر صرف اپنی ذات اور اپنے بال بچوں ہی کے حقوق نہ سمجھے بلکہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی تسلیم کرے۔ سیرت مطہرہ ہر خاندان کے خوش حال افراد کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑیں۔ اس کی نگاہ میں ایک معاشرے کی اس سے بدتر کوئی حالت نہیں ہے کہ اس کے اندر ایک شخص عیش کر رہا ہو اور اس کے خاندان میں، اس کے اپنے بھائی بند روٹی کپڑے تک کو محتاج ہوں۔

یہی بات ہے کہ جس کو نبی رحمت ﷺ نے اپنے مختلف ارشادات مبارکہ میں وضاحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ آدمی کے اولین حق دار اس کے والدین، اس کے بیوی بچے اور اس کے بھائی بہن ہیں پھر وہ جو ان کے بعد قریب تر ہوں۔ یہی اصول ہے جس کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک یتیم بچے کے چچازاد بھائیوں کو مجبور کیا کہ وہ اس کی پرورش کے ذمہ دار ہوں اور ایک دوسرے یتیم کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اس کا کوئی بعید ترین رشتے دار بھی موجود ہوتا تو میں اس پر اس کی پرورش لازم کر دیتا۔

روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کی تین منفی چیزیں

مقام تفکر ہے کہ جس معاشرے کا واحد (Unit) اس طرح اپنے اپنے افراد کو سنبھال لے تو اس میں معاشی حیثیت سے کتنی خوشحالی، معاشرتی حیثیت سے کتنی حلاوت اور اخلاقی حیثیت سے کتنی پاکیزگی و بلندی پیدا ہو جائے گی۔ عصر حاضر میں روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں مندرجہ بالا جو مثبت بنیادی اصول ہیں اور اس کے مقابلے میں تین منفی چیزیں ہیں جن سے اسلامی معاشرہ کو اپنی تطہیر کرتے رہنا چاہیے۔ ان تین منفی چیزوں میں پہلی فحشاء، دوسری منکر اور

تیسری بغی ہے۔

فحشاء کا اطلاق تمام بیہودہ اور شرمناک افعال پر ہوتا ہے۔ ہر وہ برائی جو اپنی ذات میں نہایت قبیح ہو، فحش ہے مثلاً بخل ،زناء، برہنگی وعریانی، عمل قومِ لوط، محرمات سے نکاح کرنا، چوری، شراب نوشی بھیک مانگنا، گالیاں بکنا اور بدکلامی کرنا وغیرہ اسی طرح علی الاعلان برے کام کرنا، برائیوں کا پھیلانا بھی فحش ہے مثلاً جھوٹا پراپیگنڈا یا تہمت تراشی پوشیدہ جرائم کی تشہیر، بدکاریوں پر ابھارنے والے افسانے، ڈرامے اور فلم، عریاں تصاویر، عورتوں کا بن سنور کر منظرعام پر آنا علی الاعلان مردوں اور عورتوں کے درمیان اختلاط ہونا۔ اسٹیج پر عورتوں کا ناچنا اور تھرکنا اور ناز وادا کی نمائش کرنا وغیرہ۔

دوسری چیز منکر ہے، جو معروف کا ضد ہے، معروف ان اچھی باتوں کو کہتے ہیں جن کا ہر اچھی سوسائٹی میں چلن ہو مثلاً مہمانداری مسافر نوازی اور اس قبیل کی دوسری نیکیاں۔۔۔۔ منکر اس کا ضد ہے تو اس سے مراد ہر وہ برائی ہے۔ جسے انسان بالعموم برا جانتے ہیں۔ ہمیشہ سے برا کہتے رہے ہیں تیسری چیز بغی ہے۔ جس کے معنی افراط وتفریط ہے یعنی اپنی حد سے تجاوز کرنا اور دوسرے کے حقوق پر دست درازی کرنا، خواہ وہ حقوق خالق کے ہوں یا مخلوق کے۔

دراصل یہی بغی ایک ایسی چیز ہے جس نے دہشت گردی کو جنم دے رکھا ہے اور اگر اس میں کوئی مسلمان ملوث ہو جائے تو اس پر انتہا پسندی کا لقب لگ جانے کی وجہ سے اسلام مذہب کو خواہ مخواہ اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔

روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کا نقشہ

ہمارے اردگرد کی دنیا تیزی سے بدل رہی ہے۔ ہم اس تبدیلی کے عمل کو روک نہیں سکتے۔ اور نہ اسے کوئی آج تک روک پایا ہے۔ اسلام جو کہ دین فطرت ہے اور وہ شریعت مطہرہ جو ہر زمانے کے لیے خاتم النبیین ﷺ امام المتقین ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔ یہ زمانہ خواہ 14 صدیاں قبل کا زمانہ ہو، عصرِ حاضر کا جدید زمانہ یا پھر آنے والا کوئی اور جدید ترین دور، جس کا تقاضہ سیرت طیبہ کے تناظر میں دین فطرت میں موجود ہے اور موجود رہے گا۔ اور جو روشن خیالی اور اعتدال پسندی اسلامی معاشرے کی ترویج پر منتج ہو گا یعنی جس معاشرے میں عدل واحسان اور صلہ رحمی کی نسیم جاں نواز چل رہی ہو اور وہ فحشا و منکر اور زیادتی وتعدی کی باد سموم سے محفوظ ہو، وہی روشن خیال اور معتدل اسلامی معاشرہ ہے جسے وجود میں لانے کے لیے ہم سب کو وہ سب کچھ کرنا چاہیے جو ہم کر سکتے ہیں۔ یہ ہے روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرے کا وہ نقشہ جس کے مطابق اس کی عمارت بنتی ہے۔ یہ خاکہ مکہ مکرمہ میں نازل ہو گیا تھا، مدینہ منورہ میں اسی خاکے میں رنگ بھرا گیا تھا۔ اور اس معاشرے کی تشکیل ہوئی تھی جس کی نظیر سے انسانی تاریخ خالی ہے اور جس کی تمنا ہر مخلص مسلمان کے دل میں آج بھی ہے۔ ہماری

کوششیں بھی ایسا معتدل پسند اور روشن خیال اسلامی معاشرہ تعمیر کرنے کے لیے وقف ہیں۔

بنیاد پرستی

ساری دنیا میں یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اسلام سب سے زیادہ تیزی بڑھتا ہوا دین ہے۔ ہر روز اس میں ہزاروں لوگ شامل ہو رہے ہیں۔ یہی غیر مسلموں کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ ہے جسے روکنے کے لیے کبھی وہ ایک چیز کا نام لیتے ہیں تو کبھی دوسری چیز کا۔

لیکن بقول غیروں کے کہ انہیں سب سے بڑا خطرہ فنڈامینٹلزم سے ہے جب ان سے پوچھا گیا کہ بنیاد پرستی آپ کس چیز کو کہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ دو چیزیں ہم سمجھتے ہیں کہ وہ بنیاد پرستی میں آتی ہیں۔

پہلی چیز قرآن کریم کو حرف بحرف درست سمجھنا، کیونکہ دنیا میں کوئی اور کتاب نہیں ہے۔ جسے حرف بحرف درست سمجھا گیا ہو۔ نہ عیسائیوں کے پاس اور نہ یہودیوں کے پاس۔ اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ نہ تو اس میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے اور نہ ہی ہو سکتی ہے۔ یہی اس کا اعجاز ہے۔ یہی ہماری سب سے مضبوط بنیاد ہے اور دوسرا وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے لیے عام مسلمان کا ایک پاگل پن ہے کہ ان کی ذات پر کٹ مرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ عمل کرنے والا انسان ہے یا نہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ جذباتیت، یہ محبت اور یہ عشق کی کیفیت، یہی بنیاد پرستی ہے کہ دنیا بھر میں ایک ارب 25 کروڑ سے زیادہ مسلمان ہیں۔ کوئی دیہات میں رہتا ہے یا شہر میں۔ بچہ ہے یا جوان، غریب ہے یا امیر، پڑھا ہوا ہے یا ان پڑھ ان سب کے ایک ہی جذبات ہیں۔ کہ خدا کے بعد اگر کوئی ہستی ہے تو وہ یہ ﷺ ہے، اگر کوئی پیروی کے لائق ہے تو یہی ذات اقدس ﷺ ہے اگر کوئی قربانی دی جا سکتی ہے صحیح انداز میں، تو اسی ذاتِ اقدس ﷺ کے لیے دی جا سکتی ہے۔

یہ جو کچھ عرصہ سے تشدد کی راہ چل نکلی ہے میں سمجھتا ہوں کہ دور حاضر کا سب سے اہم تقاضہ یہی ہے کہ اگر اسی ذات اقدس ﷺ کی حیات طیبہ کی صحیح تعلیمات (پچھلے اوراق میں جو درج کی گئی ہیں) لوگوں تک لے آئیں تو ایک روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل ممکن ہو سکتی ہے۔

اہم تقاضہ

اس ضمن میں روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کی تشکیل کا سب سے اہم تقاضہ یہ ہے کہ اُمہ کے نوجوان طبقے کو دینی، سائنسی، زرعی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، سماجی، فلاحی اور اخلاقی علوم سے بہرہ مند کیا جائے۔ کیونکہ پیغمبر علوم کائنات ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ علم حاصل کرو خواہ تجھے چین تک ہی کیوں نہ جانے پڑے ایک اور حدیث نبوی ﷺ کے

مطابق علم ہر مرد و زن ضرور حاصل کرے اس کے ساتھ ساتھ اک یہ بھی حدیث شریف ہے کہ گود سے لے کر گور تک علم حاصل کرو نبی رحمت ﷺ کے ان ارشادات مبارکہ کا اگر آج کے دور میں جائزہ لیں تو ہم اسلامی معاشرے کے لیے علم کا حصول بہت زیادہ ضروری ہو جاتا ہے علم ہی بندے کو سوجھ بوجھ کے ساتھ اعتدال پسندی کی طرف راغب کرتا ہے کیونکہ نبی رحمت کائنات ﷺ ہی کا فرمان ہے کہ ہر کام میں میانہ روی اختیار کرو جس کی تصدیق قرآن پاک کی اس آیات مبارکہ سے ہوتی ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں۔ پھر ہمارے اسلامی معاشرہ میں انتہا پسندی کہاں سے آن ٹپکی!!!

لہذا علم کی بہتر ترویج و اشاعت سے میانہ روی اور روشن خیالی عود کر آ سکتی ہے۔ آج اگر دنیاوی سپر پاور آنکھیں دکھا رہی ہے تو فقط علم کی بنیاد پر۔ اس علم کی وجہ سے اس نے ایسی ٹیکنالوجی وضع کر ڈالی ہے کہ وہ واشنگٹن ڈی سی میں بیٹھے بیٹھے ہماری مقدس ترین جگہیں حرمین شریفین کو سیٹلائیٹ کے ذریعے مانیٹر کر رہا ہے، اگر ہمارے پاس علم ہوگا۔۔۔۔۔ اگر ہم اپنے قومی بجٹ میں سے تعلیم کا بجٹ کم از کم 20 گنا کر دیں۔۔۔۔ تو یہ ممکن ہے۔ ہم بھی تحقیق کے ذریعے کل کلاں وائٹ ہاؤس میں ہونے والی ایک ایک گفتگو ریکارڈ کر کے اپنے مستقبل کا پیش خیمہ متعین کر سکیں۔

ہمارے ہاں ایک استاد 60 سال کی عمر میں ریٹائرڈ کر دیا جاتا ہے لیکن علم سے عقیدت، اور وارفتگی کی اس سے بہتر کیا مثال دی جا سکتی ہے کہ ترقی یافتہ اقوام بشمول برطانیہ میں اُستاد کو کبھی ریٹائرڈ نہیں کیا جاتا ہے لہٰذا عصرِ حاضر میں اعتدال پسند ہونے کے لیے سب سے اہم تقاضا یہ ہے کہ علمی تحقیق کی جستجو لوگوں میں بڑھائی جائے۔

جہاد کے لیے صحیح وقت اور صحیح مقام کا انتظار

آج اگر اسلامی معاشرہ زوال پذیر ہے۔۔۔ آج اگر اسلامی معاشرے میں بنیاد پرستی کے عناصر موجود ہیں۔۔۔ آج اگر جہاد کی تشریح لوگوں میں غلط اور منفی انداز میں پیوست ہو رہی ہے۔ جس کی بنیاد پر کہ آج انتہا پسند افراد کوئی پرانی نسل اپنے ہیرو کے طور پر لے رہی ہے تو اس کی فقط ایک یہی وجہ ہے کہ اسلام کے نام نہاد ٹھیکہ داروں نے جہاد کو اس کے صحیح فہم و ادارک کے مطابق نہیں لیا۔

اگر جہاد کے متعلق ان ٹھیکہ داروں کی بات مان لی جائے تو کیا ہم نیویارک میں بیٹھ کر امریکہ کے خلاف جہاد کر سکتے ہیں!!! حالانکہ جہاد سے افضل چیز دعوت و تبلیغ ہے۔ کیونکہ جہاد۔۔۔ توکل کے بغیر پیدا نہیں ہوتا۔ اور توکل کا پیدا ہونا دعوت کے بغیر ممکن نہیں۔

کیا ہم دوسری ٹرم کے لیے منتخب ہو جانے والے صدر بش سے دست و گریبان ہو سکتے ہیں!!! آیئے ذرا نظر

دوڑائیں نبی رحمت، شفیع اُمت ﷺ کی ذات اقدس پر۔۔۔کہ اُنہوں نے کس مصلحت تحت صلح حدیبیہ کی۔۔۔ حالانکہ صلح حدیبیہ کی بظاہر نا موافق اور غیر منصفانہ شرائط تھیں جسے نبی پاک ﷺ نے بڑی وسیع القلبی اور فراخدلی سے قبول فرمایا اور بالآخر آپ ﷺ کی یہی امن پسندی فتح مکہ جیسی فتح مبین کا سبب بنی جو کہ سراسر امن کی فتح ثابت ہوئی۔ فاتحین کی قتل و غارت اور انتقام کی روایات کے برعکس فاتح مکہ نے اپنے بدترین دشمنوں کو غیر مشروط، عام معافی، عطا کر کے اپنے بے پناہ عفو و کرم سے ان کے دلوں کو بھی فتح کر لیا۔

۔۔۔جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتحِ زمانہ!

آج اگر دگرگوں ہوتے ہوئے معاشرہ کو روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں سب سے اہم ضرورت و تقاضہ ہے تو وہ فقط نبی اعظم و رحمت ﷺ کی اسی مصلحت منصوبہ بندی و ترکیب کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ وہ ترکیب و مصلحت یہ ہے کہ صحیح وقت اور صحیح مقام پر جہاد کیا جائے۔ جس کا فائدہ یہ ہوا تھا کہ صلح حدیبیہ کے بعد اخلاق سے نہ صرف امن کا پرچار ہوا بلکہ مسلمانوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا حکومت پاکستان خصوصاً صدر جنرل پرویز مشرف نے اگر نائن الیون کے بعد امریکہ کی ہاں میں ہاں ملائی تو وہ فقط نبی رحمت اور کریم اُمت ﷺ کی اسی مصلحت و منصوبہ بندی کو اپنانے کی ایک اعلیٰ روشن تھی جسے اسلام کے نام نہاد ٹھیکیداران کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ کیونکہ نائن الیون کے بعد نہ تو صحیح وقت تھا اور نہ ہی صحیح مقام تھا کہ جہاد کی باتیں کی جائیں بلکہ صدر جنرل پرویز مشرف کی بصری دوربین نے اس کا ادراک کرتے ہوئے صلح حدیبیہ کی صحیح معنوں میں سُنت اپنانے کی سعیٔ جمیلہ کی۔ جس سے بعد از صلح حدیبیہ کے اثرات کو واضح طور پر اپنے معاشرے میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔



عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل وضرورت

سید حیدر شاہ۔ شعبہ اسلامیات
بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ

تعلیمات نبوی کی روشنی میں

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں سے ایک مبارک نام النور ہے۔ "**اللہ نور السمٰوات والارض** [1] اللہ تعالیٰ کے فیض سے ساری کائنات میں نور کا ظہور ہے۔ سورج چاند ستارے وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے روشن ہیں ۔ جسے اللہ تعالیٰ روشنی نہ دینا چاہیں۔ تو اس کے لئے کہیں اور سے روشنی کا حصول ممکن ہی نہیں۔ جسطرح ظاہری روشنی کے بغیر راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ منزل تک رسائی نہیں ہوسکتی۔ اچھے بُرے میں تمیز اور دوست و دشمن کی پہچان نہیں ہوسکتی۔ بعینہ علم کی روشنی کے بغیر انسان اس دنیا میں مہذب و پرسکون زندگی نہیں گزار سکتا۔ بلکہ جہالت و بے خبری کی ظلمتوں میں سرگرداں رہ کر درندوں سے بدتر حالت اختیار کر لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ظاہری روشنی کی فراہمی کے ساتھ ساتھ بنی نوع انسان کے لئے علم ومعرفت کی روشنی کا بندوبست بھی فرمادیا۔ جو شخص اس خدائی روشنی میں زندگی گزارے گا۔ اسکے لئے پھر کسی گمراہی و پریشانی کا خدشہ باقی نہ رہے گا۔ ارشاد ربانی ہے۔ **فامّا یأتینکم منی ھدًی فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ہ**" [2] پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو چلا میری ہدایت پر نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ انسانوں میں سے جس نے اس آسمانی ہدایت کی قدرشناسی کی اور اس پر گامزن ہوا تو اللہ تعالیٰ نے سے جہالت وضلالت کی ظلمتوں سے نکال کر علم وعرفان کا ایسا نور عطا فرمایا جس سے انہوں نے فلاح دارین حاصل کر لی۔ اور جن لوگوں نے اس منبع رشد وہدایت سے روگردانی کر کے اس کی ناقدری کی تو ان کا انجام دینا وآخرت کی رسوائی وخسران کے علاوہ کیا ہوسکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمات الی النور والذین کفروا اولیاء ھمہ الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمات . اُولٰک اصحٰب النار ھم فیھا خالدون** [3] اللہ تعالیٰ مددگار رہے ایمان والوں کا۔ نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے

روشنی کی طرف اور جو لگ کافر ہوئے ان کے رفیق ہیں شیطین نکالتے ہیں ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ ہیں دوزخ میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے''۔

بنی نوع انسان کی فوز و فلاح کی خاطر اس سلسلہ رشد و ہدایت کو اللہ تعالیٰ نے خود بھی نور کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جس کے باعث انسان اپنے خالق و مالک کو پہچان کر اسکے اور سر ونواہی کی پابندی کر کے دونوں جہانوں کی خیر و خوبی سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ ارشاد عز و جل ہے۔ **قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین** " ۴ بے شک تمہارے پاس آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی۔ پھر آگے ارشاد فرماتے ہیں۔ ''**یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سل السلام ویخرجھم من الظلمات اِلی النور باذنہٖ ویھدیھم اِلی صراط مستقیم** ہ ۵ جس سے ہدایت کرتا ہے اللہ اس کو جو تابع ہوا اس کی رضا کا۔ سلامتی کی راہیں اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے اور ان کو چلاتا ہے سیدھی راہ''

انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کی خاطر جو آسمانی کتب نازل ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی نور کی حامل کتب قرار دیا ہے۔ جن سے اُن اُمتوں کو دنیا و عقبیٰ میں سلامتی کے لئے رہنمائی ملتی رہی ارشاد خداوندی ہے۔ **انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدًی ونور** ۶ ہم نے نازل کی ہے تورات کو اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ کچھ آگے ارشاد ہوتا ہے۔ **واٰتیناہ الانجیل فیہ ھدی و نور**،، ۷ اور اسکو دی ہم نے انجیل جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ یعنی اسلام سے پہلے یہودیوں اور نصاریٰ کی رہنمائی کے لئے جو کتابیں نازل ہوئیں وہ بھی ہدایت و روشنی کی حاصل تھیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سرخ رو ہو سکتے تھے۔ مگر انہوں نے اس خدائی احسان کی ناقدری کی حتیٰ کہ خود ان کتب ہی میں تحریر کر کے اس نور معرفت سے محروم ہو گئے۔ اسکے متعلق ارشاد ربانی ہے۔ **یحرفون الکلمہ عن مواضعہٖ ونسوا خطاً مماذ کروبہٖ** ،، ۸ پھیرتے ہیں کلام کو ٹھکانے سے اسکے اور بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت کا جو ان کو کی گئی تھی۔

آخر میں ساری اولاد آدم کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا جس کا مقصد بھی یہی تھا کہ اس کے ذریعے انسانیت کو کفر و ضلالت سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لایا جائے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے''۔ **الرٰ کتٰب انزلناہُ الیک لِتخرج الناس من الظلمٰت الی النور باذن ربھم اِلی صراط متقیم** ہ ۹ یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے اتاری تیری طرف کہ تو نکالے لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف ان کے رب کے حکم سے راستہ پر اس زبردست خوبیوں والے'' انبیاء علیہم السلام کے مقدس سلسلے کے آخر میں حضور اقدس ﷺ کو قیامت تک ساری انسانیت کے لئے ہادی بنا کر مبعوث فرمایا۔ اور آپ کے وجود پاک کو بھی سراپا نور قرار دیا۔ قرآن پاک میں آتا ہے۔ **یٰایھا النبی اِنا ارسلنک**

شاھداً و مبشراونذیراًہ و داعیاًالی اللہ باذنہٖ وسراجاًمنیراً ہ ۱۰ اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا بتلانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور چمکتا ہوا چراغ'' حضور اقدس ﷺ کی کامل اتباع سے انسان کفر وشرک اور بدعات و معاصی کی ظلمتوں سے نکل کر جادہ رشد وہدایت پر گامزن ہو کر ہر دو جہاں کی فوز وفلاح کا مستحق بن جاتا ہے۔ جس طرح موسلا دھار باران رحمت سے مردہ زمین میں جان پڑ جاتی ہے اور سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح موت کے سائے میں پڑے ہوئے لاکھوں انسانوں میں سے جس خوش نصیب پر اسلام کی ضیا پاشی ہوتی ہے۔ تو اس میں حیات معنوی کی رمق دوڑ جاتی ہے۔ وہ نہ صرف خود حیات جاودانی سے معمور ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کے نور ایمان سے باقی لوگوں کے لئے بھی ضلالت سے بچنے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی خوش قسمت لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ ''اومن کان مَیتاً فاحیینٰہُ و جعلنالہ' نور یمشی بہٖ فی الناس کمن مثلہٗ فی الظلمٰت لیس بخارج منھا۔ کذالگزین للکفرٰین ماکانو یعملون ہ ۱۱ بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا اور ہم نے اس کو دی روشنی کہ لئے پھرتا ہے اس کو لوگوں میں برابر ہو سکتا ہے اس کے جس کا حال یہ ہے کہ پڑا ہے اندھیروں میں وہاں سے نکل نہیں سکتا۔ اسی طرح مزین کر دیئے کافروں کی نگاہ میں ان کے کام۔

بعثت نبوی ﷺ کے وقت انسانیت کے عقائد و عبادات اور اخلاق و افعال میں عالمگیر فساد برپا تھا۔ ہر طرف بربریت اور کشت وخون کا دور دورہ تھا۔ شرافت انسانی ناپید ہو چکی تھی۔ اس حالت کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔ ''ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملو العلھم یرجعون ہ ۱۲ خرابی پھیل گئی ہے خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے نتیجے میں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھا دے اور وہ باز آ جائیں،، حضور اقدس ﷺ کی بعثت سے انسانیت کو نئی زندگی نئی روشنی طاقت نئی حرارت نیا ایمان نئی نسل نیا تمدن نیا معاشرہ ملا۔ آپ کی آمد سے دنیا کی نئی تاریخ شروع ہوتی ہے کہ خود فراموشی و خودکشی میں جو زمانہ گزرا وہ اعتبار کے قابل نہیں۔ اور بینا و نابینا اور زندہ و مردہ ایک پلڑے میں نہیں رکھے جا سکتے،، ومایستوی الاعمیٰ والبصیر ولا الظلمٰت ولا النور ولا الظل ولا الحرور ہ ومایستوی الاحیاء ولا الاموات،، ۱۳ اندھا اور آنکھوں والا برابر ہیں اور نہ تاریکی اور روشنی اور نہ چھاؤں اور دھوپ اور زندہ اور مردہ آدمی برابر نہیں ہو سکتے،، میں محمد ﷺ نے نبوت کی کنجی انسانی فطرت کے قفل پر رکھ دی تھی بس وہ کھل گیا اور اس کے تمام خزانے، عجائبات۔ طاقتیں اور کمالات دنیا کے سامنے آ گئے۔ آپؐ نے جاہلیت کی شہ رگ کاٹ دی اور اس کے طلسم کو پاش پاش کر دیا۔ آپؐ نے سرکش اور ضدی دنیا کو خدا کی طاقت سے مجبور کر دیا کہ زندگی کی ایک نئی شاہراہ پر گامزن ہو۔ اور تاریخ میں انسانیت کے ایک بالکل نئے دور کا آغاز کرے۔ یہ وہ اسلامی دور ہے جو تاریخ کی پیشانی پر ہمیشہ

دمکتا رہے گا،، [14]

آپ کے فیض محبت سے ایک مختصر مدت میں ایسا صالح معاشرہ تیار ہوا۔ جس کی نظیر تاریخ انسانی میں ملنا محال ہے۔ اس کا ہر فرد اعلیٰ اوصاف و کردار کا ایک مرقع تھا جو قیامت تک آنے والی نسلوں کی رہنمائی کے لئے روشنی کا مینار بن گیا تھا اور اس کی شہادت خود بانی رسالتؐ سے دی گئی ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے۔ **اصحابی کا لنجوم بایھم اقتدیتم اھتد یتم ٥** [15] میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ جس کی بھی اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے،، نور حق کی یہ رعنائی صرف صحابہ کرامؓ کی جماعت تک محدود نہ تھی بلکہ قیامت تک جب بھی کوئی حضورﷺ کی غلامی اختیار کرے گا اس کا ظاہر و باطن اسی نور حق سے مزین ہوگا۔ ارشاد نبویﷺ ہے کہ مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور میں سے دیکھتا ہے۔ [19] اس کے برعکس جب کوئی شخص احکامات خداوندی اور فرمودات نبویﷺ سے روگردانی کرتا ہے تو گناہوں کی نحوست سے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا۔ مومن جب گناہ کرتا ہے۔ اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ ہو جاتا ہے پھر اگر توبہ و استغفار کر لیا تو اس کا قلب صاف ہو جاتا ہے۔ اور اگر (گناہ میں) زیادتی کی تو وہ (سیاہ دھبہ) اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ سو یہی ہے وہ رنگ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہرگز ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال (بد) کا زنگ بیٹھ گیا ہے،، [12] جب دل ہی سیاہ ہو جائے۔ خدا و رسولؐ کی مخالفت سے جب قلب پر ظلمت چھا جائے تو ایسی حالت میں روشن خیالات کہاں سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور اعمال صالحہ کیسے وجود پذیر ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ خلوص نیت کے ساتھ رسول اکرمﷺ کی پیروی کی جائے۔ تاکہ حقیقی فلاح و کامرانی کا حصول ممکن ہو۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ **یاایھاالذین امنوا استجیبوا اللہ والرسول اذا ء دعاکم لم یحییکم ٥** [18] اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور رسولؐ کا جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے۔ یعنی قرآن و سنت کی کامل اتباع ہی میں مسلم امہ کی زندگانی ہے۔ اس دنیا میں بھی زندہ و معزز قوم بن کر رہیں گے اور آخرت میں بھی سرخ روئی نصیب ہوگی۔

اس کے برعکس جو لوگ خدا اور رسولﷺ سے بیزاری و انکار کا رویہ اپناتے ہیں۔ ان کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔ **والذین کذبوا باٰیٰتنا صمٌ و بکمٌ فی الظلمٰت ''** ،، [19] اور جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتوں کو وہ بہرے اور گونگے ہیں'' انسانی جب دعویٰ اسلام کے باوجود خدا اور رسولﷺ سے بے تعلق ہو جائے تو اس کے لئے تاریکی میں بھٹکنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں رہ جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد عزوجل ہے۔ **ومن لحہ یجعل اللہ لہٗ نورا فمالہٗ من نورہ ٥** [20] اور جس کو اللہ نے روشنی نہ دی اس کے واسطے کہیں نہیں روشنی،، اور لوگ گویا اس شعر کی مصداق ہوتے ہیں۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے — مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہے۔

نبی کریم ﷺ نے دلوں کا زنگ (ظلمت) دور کرنے کے لئے دو کام بتائے ہیں۔ موت کی یاد اور تلاوت کلام اللہ شریف۔ ۲۱ موت کی یاد سے مراد اس دنیا کے مال و جاہ کی محبت و حرص سے احتراز کرنا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے ہم امر مال حرام مثلاً سود۔ رشوت اور جوا وغیرہ سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ سب کام علی الاعلان ہو رہے ہیں۔ جس کے سبب ہم اخلاقی طور پر زوال کا شکار ہیں حتیٰ کہ اقوام عالم میں ہمارا معاشرہ بدعنوانی میں شاید سرفہرست شمار ہوتا ہے اس لئے ترجیحی بنیاد پر ضرورت ہے کہ حکومتی سطح پر ان حرام ذرائع آمدنی کا انسداد کیا جائے۔ اور عوامی سطح پر لوگوں میں ان کی حرمت و معزرت کا شعور پیدا کیا جائے۔ حرص دنیا کا وبال صرف آخرت میں نہیں بلکہ مُخبر صادق ﷺ نے اس دنیا میں ذلت و رسوائی کی خبر دی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے "عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ تمھیں کھا جانے کے واسطے ایک دوسرے کو اس اس طرح دعوت دیں گے۔ جیسا کہ دستر خوان پر بیٹھنے والا دوسرے کی تواضع کرتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ گیا اس وقت ہماری تعداد بہت ہی کم ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ تمہاری تعداد اس زمانے میں بہت زیادہ ہوگی۔ لیکن تم لوگ اس زمانے میں سیلاب کی جھاگ کی طرح (بالکل بے جان) ہوگے۔ اور تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا خوف جاتا رہے گا۔ اور تمہارے اپنے دلوں میں وھن پیدا ہو جائیگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ وھن کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ دنیا کی محبت اور موت کا خوف۔ ۲۲ لہٰذا اس دنیا میں بھی اپنے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے ضروری ہے کہ ان حرام ذرائع آمدنی سے مکمل احتراز کیا جائے۔

دلوں کی صفائی کے لئے دوسرا کام جو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ تلاوت قرآن مجید ہے۔ قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ نے دلوں کے روگ کی شفا قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے۔ **یٰٓا ایھا الناس قد جآء تکم موعظۃ من ربکم وشفآءٌ لما فی الصدور وھُدی ورحمۃ للمئومنین** ۲۳ اے لوگو تمہارے پاس آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے اور شفا دلوں کے روگ کی اور ہدایت اور رحمت مسلمانوں کے واسطے۔ وطن عزیز میں مسلمانوں کی کثیر تعداد ناظرہ قرآن کی تعلیم سے بھی نابلد ہے۔ ایسی حالت میں روشن خیال معاشرے کا قیام کب ممکن ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ابتدائی طور پر اس امر کی ضرورت ہے کہ عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ قوم کو اس طرف راغب کیا جائے۔ اسکولوں میں پرائمری کی سطح پر ناظرہ قرات قرآن کی تکمیل کو لازمی قرار دیا جائے۔ اس کے علاوہ سول اور فوج میں ہر سطح کی ملازمت کے حصول کے لئے ناظرہ قرات قرآن کا سرٹیفیکیٹ اور ٹیسٹ ضروری قرار دیا جائے۔ انشاء اللہ حکومت کی اس ذراسی کوشش سے قوم کی زندگی میں قرآنی تعلیم کی برکات کا ظہور ہو گا۔ اس کے فکر و اخلاق میں رفعت و وسعت پیدا ہوگی اور دنیا و آخرت میں خوز و فلاح کی راہیں کھلیں گی۔ اس کے علاوہ معاشرے میں خواندگی کی شرح و معیار بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ دینی فہم و ادراک کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے تقاضوں کی

مناسبت سے سائنسی علوم وفنون میں اس درجہ کی مہارت چاہیے تا کہ ہم اس میدان میں خود کفیل ہو سکیں۔ زندگی کی دوڑ میں پسماندگی جاہل قوموں کا ہی مقدار بنتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مسلم معاشرے میں خواندگی کی شرح بڑھانے کے لئے خصوصی توجہ فرمائی۔ جنگ بدر کے بعض خواندہ قیدیوں کا فدیہ اس بات کو قرار دیا کہ وہ چند مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں ۲۴ حضور اقدس ﷺ کو جو خطوط یہود کے پاس بھیجنے ہوتے تھے وہ یہود ہی لکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہود کی جو خطوو کتابت ہوتی ہے۔ اس پر مجھ کو اطمینان نہیں کہ گڑ بڑ نہ کر دیتے ہوں۔ اس لئے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم فرمایا کہ وہ یہود کی زبان سیکھ لے۔ زیدؓ کہتے ہیں کہ میں پندرہ دن میں ان کی زبان میں کامل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے جو تحریر ان کو جاتی وہ میں ہی لکھتا اور جو تحریر یہود کے پاس سے آتی وہ میں پڑھتا۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بعض لوگوں کو سریانی زبان میں خطوط لکھنا پڑتے ہیں۔ اس لئے مجھ کو سریانی زبان سیکھنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ میں نے سترہ دن میں سریانی زبان سیکھ لی تھی۔ ۲۵ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خالص دین علوم کے علاوہ ضرورت کے دیگر علوم وفنون کا حصول بھی ایک احسن کام ہے۔ اس معاملے میں صحابہ کرامؓ کا شوق وستعدی بھی قابل دید ہے کہ صرف چند روز میں عبرانی وسریانی زبانوں میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ زبانیں غیر مسلم لوگوں سے سیکھی ہوں گی۔ اور مسلمان بچوں کو تعلیم دینے والے بدر کے قیدی بھی غیر مسلم ہی تھے۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ اپنی ضرورت کے لئے علوم فنون کے حصول میں غیر مسلم ماہرین علم وفن سے رہنمائی حاصل کرنے میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے۔ بلکہ اس کی تائید میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے۔ الکلمة ضالة المومن فحیث وجدھا فھواحق بھا ۲۶ یعنی حکمت کا کلمہ مسلمان کی کوئی ہوئی چیز ہے۔ سو وہ جہاں پائے اس کو وہ اس کا زیادہ مستحق ہے (کہ اسے حاصل کر لے) لہٰذا مسلم امہ کو تنگ نظری۔ پست خیالی رجعت پسندی اور مفاد پرستی کی ظلمتوں سے نکل کر اس میں اعلیٰ قدریں مثلاً رواداری وایثار اور اعتدال پسندی وغیرہ پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دینی وعصری دونوں طرح کے علوم سے اسے آراستہ کیا جائے۔ تا کہ وہ عصر حاضر کے تقاضوں کا بطریق احسن ساتھ دے سکے۔

حضور اقدس ﷺ نے جس اسلامی معاشرے کی تشکیل فرمائی اس کے اوصاف حمیدہ میں سے ایک اہم وصف اعتدال تھا۔ قرآن مجید میں امت مسلمہ کو امت وسط قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ **وکذلک جعلنکم امة وسطاً لتکونوا شھدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا** ۲۷ اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل تا کہ ہو تم گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا۔ امت وسط سے مراد ایسی امت ہے۔ جو ہر اعتبار اور ہر معیار سے غایت اعتدال پر ہو۔ ہر کجی اور ہر افراط وتفریط سے پاک۔ ۲۸ مسلم امہ کو زندگی کے ہر پہلو میں اعتدال پر رہنے کی تعلیم دی گئی

ہے۔نماز جیسی اہم عبادت میں بھی راہ اعتدال اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **ولا تجہر بصلاتک ولاتخافت بھا وابتغ بین ذالک سبیلا ٥** ۲۹ اور پکار کر مت پڑھ اپنی نماز اور نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈ لے اسکے بیچ میں راہ۔یعنی نماز میں بھی افراط وتفریط چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرنے کا حکم ہے۔اس سے اپنا قلب متاثر ہوتا ہے اور لوگوں کو تشویش نہیں ہوتی۔شریعت کے اس حکم کے پیش نظر مساجد کے لاوڈ اسپیکرز کے بے جا استعمال کو روکا جائے تو بے اعتدالی میں کمی کا امکان ہوسکتا ہے۔

مسلم امہ کو عدالتی معاملات میں بھی راہ اعتدال یعنی جادہ عدل وانصاف پر قائم رہنے کا حکم ہے۔ارشاد عز اسمہ ہے۔ **واذاحکمتم بین الناس انتھکموا بالعدل .اِنّ اللہ رعما یعظکم بہ . اِنّ اللہ کان سمیعاً بصیراً ٥** ۳۰ اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے۔اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو بیشک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا ۔یعنی کافر، مسلم کسی کا معاملہ ہو تمہارا قدم راہ اعتدال سے نہیں ہٹنا چاہیے۔ایک اور مقام پر مزید وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے۔ **یٰایھاالذین امنو کونوا قوامین للہ شھدآء بالقسط ولا یجرمنکم شنان وقوم علی الاتعدلوا اعدلوا ھو اقربُ للتقویٰ واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون ٥** ۳۱ اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑ دو۔عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو۔یعنی کسی کی دشمنی وعداوت تمھیں راہ اعتدال سے نہ ہٹانے پائے اور نہ ہی کسی کی محبت وہمدردی تمہارے قدموں کو ڈگمگا سکے۔اسی سے متعلق ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے۔ **یٰاایھاالذین امنو کونو اقوامین بالقسط شھدآء للہِ ولو علیٰ انفسکم اوالوالدین والا قربین اِن یکن غنیاً اوفقیراً اللہ اولیٰ بھما. فلا تشبعوا الھویٰ ان تعدلوا. وان تلو اوتعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا ٥** ۳۲ اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگر چہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا۔اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج تو اللہ ان کا خیر خواہ تم سے زیادہ ہے۔سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی انصاف کرنے میں۔اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔یعنی ہر حال میں جب اللہ تعالیٰ کا حکم پیش نظر رہے گا اور اپنے جذبات ومفادات کی رعایت نہیں کی جائے گی تو تب راہ اعتدال پر قائم رہنا ممکن ہوگا۔

انسان کے اعضا میں سے زبان کی بڑی اہمیت ہے۔اس کے مہلکات کے سبب کہا جاتا ہے کہ زبان کی لغزش پاؤں کی لغزش سے زیادہ سخت ہے۔انسان کے اخلاق وکردار میں اسکا حصہ زیادہ ہوتا ہے۔اس لئے شریعت میں اسے قابو میں رکھنے کا حکم ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذاقربیٰ وبعھداللہ اَوفُوا**

ذالکم وصّٰکم بہٖ لعلکم تذکرون ٥ ۳۳ اور جب بات کہو تو حق کی کہو اگر چہ وہ اپنا قریب ہی ہو۔ اور اللہ کا عہد پورا کرو۔ تم کو یہ حکم کر دیا ہے تا کہ تم نصیحت پکڑو۔ یعنی جب کسی معاملہ یا مقدمہ میں زبان چلاؤ تو حق و انصاف کا پہلو تمہارے پیش نظر رہے۔ اور عدل و انصاف پر قائم رہنا گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہوا عہد ہے۔ جسے پورا کرنا تمہاری اسلامی ذمہ داری ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ظلم و تعدی اس قدر ناپسند ہے۔ کہ مسلمانوں کو دشمن سے انتقام لینے میں اس پر زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ بلکہ ہر حال میں جادہ اعتدال پر قائم رہنا ہی مسلم امہ کی شان بتلایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ "ولا یجرمنکم شنئانُ قوم ان صدو کم عن المسجد الحرام تعتدوا وتعاونو اعلی البر و التقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان. واتقوا اللہ شدید العقاب ٥ ۳۴ اور باعث نہ ہو تم کو اس قوم کی دشمنی جو تم کو روکتی تھی حرمت والی مسجد سے اس پر کہ زیادتی کرنے لگو اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیز گاری پر اور نہ مدد کرو گنا پر اور ظلم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے" دشمن سے انتقام لینے کی اجازت بھی صرف اسی قدر ہے جتنی اس کی طرف سے زیادتی ہوئی ہے۔ اور کفار کے ساتھ جنگ میں صرف ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے جو تم سے برسرِ پیکار ہیں۔ کفار کے بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور معذورین وغیرہ کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدواء اِن اللہ لایحب المعتدین ٥ ۳۵ اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں نے جو لڑتے ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی مت کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنے والوں کو،،

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ سے ہمیں اعتدال ہی کا درس ملتا ہے۔ جب معاشرے میں اعتدال نہ رہے۔ تو افراط و تفریط کی وجہ سے فساد اور بے راہ روی پیدا ہوتی ہے۔ دنیاوی معاملات ہوں یا عبادات کسی صورت میں انسان کو مقام اعتدال سے انحراف نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ ایک دن رسول ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ عبداللہ کیا مجھے اطلاع نہیں ملی کہ تم روزانہ دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات بھر اللہ کی عبادت اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے ہو۔ میں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ایسا ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ بلکہ روزہ بھی رکھو اور بغیر روزہ بھی رہو۔ رات میں اللہ کی عبادت بھی کرو اور سویا بھی کرو۔ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے۔ (لہٰذا اپنے بدن کو زیادہ مشقت اور ریاضت میں نہ ڈالو تاکہ بیماری یا ہلاکت میں نہ پڑ جاؤ) تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے۔ (اس لئے رات میں سویا بھی کرو تاکہ تمہاری آنکھیں آرام و سکون پائیں) تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ (اس لئے اس کے ساتھ شب باشی و مباشرت بھی کرو اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے،، ۳۶ اس حدیث میں مسلمانوں کو اعتدال، میانہ روی اور توازن کا درس دیا گیا ہے۔

حُب رسول ﷺ دین و ایمان کی بنیاد ہے۔ اس کے بغیر ایمان قابل قبول نہیں۔ حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ حضور

ﷺ کے ساتھ محبت کرنے کا مطالبہ ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے۔ **لایومن ادر کم حتیٰ اکون احب الیه من والدہ والناس اجمعین ہ** ۳۷ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (پورا) مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کو میری محبت اپنے باپ اور اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو،، ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنی جان کے سوا اور سب چیزوں سے آپؐ زیادہ محبوب ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی کہ کوئی شخص مومن اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک اس کو میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا **الاٰن یا عمرؓ** (اس وقت اے عمرؓ) ۳۸ یعنی اب تمہارا ایمان کامل ہوا۔ اس والہانہ محبت کے باعث صحابہ کرامؓ نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ عجمی لوگ اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ آپؐ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں۔ حضور ﷺ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کا حکم کرتا تو عورتوں کو حکم کرتا کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔ ۳۹ سجدہ چونکہ صرف اللہ تعالیٰ کے حضور ﷺ اظہار عبدیت وتذلل کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے ایسی ہیت اختیار کرنے سے منع فرمایا۔ اظہار محبت میں غلو کے سبب گزشتہ امتیں شرک کی مرتکب ہوئیں۔ اسلام میں سجدہ تعظیمی وعبدیت سب غیر اللہ کے لئے ممنوع ہوئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی اس بیماری میں جس میں وفات ہوئی یہ فرمایا۔ اللہ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے۔ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ حضرت عائشہ نے کہا اگر یہ ڈر نہ ہوتا تو آپؐ کی قبر کھلی رہتی میں یہی ڈرتی ہوں کہیں آپ کی قبر کو مسجد نہ بنائیں۔ ۴۰ یعنی امت کو بے اعتدالی سے بچانے کی خاطر حضور اقدس ﷺ کی قبر اطہر کو کھلا نہیں رکھا گیا۔

حضور اقدس ﷺ کے کے فیض محبت سے آپ کے صحابہ کرام کی زندگیاں بھی اعتدال سے مزین تھیں۔ فتح خیبر میں آپؐ نے یہود کی درخواست پر وہاں کے کھیت ونخلستان اس شرط پر ان کے حوالے کردیئے کہ آدھی پیداوار ان کی ہوگی اور آدھی رسول ﷺ کی۔ ہر سال جب کٹائی کا وقت آتا تو عبداللہ بن رواحؓ پھلوں کا تخمینہ کرنے خیبر جاتے اور ان کا نصف حصہ مقرر کر دیتے۔ ایک دفعہ یہود نے عبداللہ بن رواحؓ کے تخمینہ کی شکایت کی اور پھر عبداللہؓ کو رشوت دینی چاہی۔ انہوں نے فرمایا اے خدا کے دشمنو! کیا تم مجھے حرام خوری کا لالچ دیتے ہو خدا کی قسم میں تمہارے پاس اس شخص کی طرف سے آیا ہوں۔ جسے میں دنیا میں سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ اور تم سے مجھے بندروں اور سوروں سے بھی زیادہ نفرت ہے۔ تاہم مجھے اس بات پر نہ تمہاری دشمنی نے آمادہ کیا ہے۔ اور نہ ان کی محبت نے کہ میں تم سے دعدل کا برتاؤ نہ کروں گا،، یہود نے (انکار یہ جواب سن کر کہا) زمین اور آسمان اسی عدل پر قائم ہیں،، ۴۱ یعنی یہود سے اس قدر نفرت کے باوجود کسی ظلم وزیادتی کا ارتکاب نہیں کیا۔

ابو برزہ اسلمی کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ ایک شخص پر غصہ ہوئے اور نہایت غصہ ہوئے۔ (شاید اس نے کوئی بری بات ان کو کہی ہوگی) میں نے کہا اے رسول اللہ کے خلیفہ آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اس کی گردن ماردوں۔ یہ کہنے سے ان کا غصہ رہا اور کھڑے ہو کر اندر چلے گئے۔ پھر مجھ کو بلا کر کہا۔ تو نے کیا کہا تھا؟ میں نے کہا آپ مجھے اجازت دیجیئے تو میں اس کی گردن ماردوں۔ ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ اگر میں تجھے حکم کرتا تو تو اسکی گردن مار ہی دیتا۔ میں نے کہا بیشک مار دیتا۔ ابوبکرؓ نے فرمایا۔ یہ درجہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ ۴۲؎ یعنی یہ رسول اللہ ﷺ ہی کا منصب تھا کہ جو کوئی ان کی مخالفت کرے یا ان کو برا کہے اس کی گردن ماردی جائے۔ کسی اور کا یہ درجہ نہیں ہے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طبیعت کا اعتدال ہی تو تھا کہ عین غصہ کی حالت میں جب کوئی نامناسب بات سنی تو فوراً غصہ ترک کر کے اس کی اصلاح فرمادی۔ آپؓ کے دور خلافت میں یمن کے والی حضرت مہاجرؓ کے سامنے دو گانے والی عورتوں کے مقدمات پیش ہوئے۔ ایک نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گالیوں کے اشعار گائے تھے، مہاجرؓ نے اس کی سزا میں اس کا ایک ہاتھ کٹوا دیا اور سامنے کے دو دانت تڑوا دیئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس کی اطلاع ملی تو آپؓ نے مہاجرؓ کو لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گالیوں کے اشعار گانے والی عورت کو جو سزا تم نے دی ہے مجھے اس کا حال معلوم ہوا۔ اگر مجھے پہلے علم ہوتا تو میں اس کے قتل کرنے کا حکم دیتا۔ کیونکہ حد انبیاء علیہم السلام عام لوگوں کی حدود کے مثل نہیں۔ پس اگر کسی مسلمان سے یہ گستاخی سرزد ہو تو وہ مرتد ہے۔ اور ذمی اس کا ارتکاب کرے تو وہ باغی محارب ہے۔ اور جس عورت نے مسلمانوں کی ہجو میں اشعار گائے تھے اسکے متعلق آپؓ نے مہاجرؓ کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اس کو ہاتھ کاٹنے اور دو دانت توڑنے کی سزا دی ہے۔ اگر وہ عورت اسلام کا دعویٰ کرتی تھی تو اس کو تنبیہ کرنا کافی تھا نہ کہ اس کے اعضاء کاٹنا اور اگر ذمی تھی تو اللہ کی قسم اس کے جرم (کفر و شرک) سے اب تک تم نے درگزر کیا۔ حالانکہ وہ اس جرم سے کہیں زیادہ بڑا تھا۔ اگر میں اس قسم کی باتوں پر تمہاری گرفت کروں تو ممکن ہے کوئی ناگوار صورت پیش آجائے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے۔ کہ ایسا طرز عمل اختیار کرو جس میں امن رہے۔ کبھی کسی کو اعضاء کاٹنے کی سزا نہ دو کیونکہ نہ گناہ ہے اور اس سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ البتہ قصاص کی صورت اور بات ہے،، ۴۳؎ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنے کی بجائے جرائم کی سزاؤں میں اعتدال پر قائم رہنے کا حکم فرمایا۔ اسی اعتدال کے متعلق حضرت عمرؓ بن خطاب حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ''تیرا دوستی کرنا دیوانگی کی حد تک نہ ہو۔ اور تیرا بغض رکھنا تلف کرنے کی حد تک نہ ہو راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے تو فرمایا کہ جیسے بچہ کسی چیز سے محبت کرتا ہے۔ تو ایسی محبت نہ کر (کہ سب کچھ اسی کو سمجھ لے) اور جب تو بغض رکھے تو جس سے بغض ہوا سے تو ہلاک ہی کرنے کا جذبہ رکھتا ہو،، ۴۴؎

یعنی شہویہ اور غضبیہ دونوں طرح کے جذبات میں اعتدال وتوازن ضروری ہے۔

حضرت عمرؓ پر آپکے دور خلافت میں ایک مجوسی غلام ابولولو فیروز نے فجر کی نماز کے وقت مسجد میں قاتلانہ حملہ کیا۔ جس سے آپ کو مہلک زخم آئے۔ آپؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کو بلا کر فرمایا۔ دیکھو تو میرا قاتل کون ہے؟ وہ ایک گھڑی تک گھومے (خبر لیتے رہے) پھر آ کر کہنے لگے۔ مغیرؓ کا غلام (ابولولو فیروز) ہے۔ آپؓ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس کہ اس نے مجھ کو ایسے شخص کے ہاتھ سے قتل نہیں کرایا جو اپنے تئیں مسلمان کہتا ہو۔ اے ابن عباس! تم اور تمہارے والد یہ چاہتے تھے کہ یہ پارسی غلمٹے مدینہ میں خوب آباد ہوں۔ (جس کا نتیجہ یہ ہوا) ابن عباسؓ نے عرض کیا۔ اگر آپ کہیں تو میں ان سب غلمٹوں کو قتل کرادوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ کیا لغو بات ہے؟ جب انہوں نے تمہاری زبان بولی۔ اور تمہارے قبلے کی طرف نماز پڑھی اور تمہاری طرح حج کیا،، ۴۵ (یعنی ان بے گناہ لوگوں کو قتل کرنے کی کیا وجہ جبکہ ان میں سے بعض لوگ مسلمان بھی ہو چکے ہیں)۔

یہ امتیاز صرف اسلامی نظام انصاف کو حاصل ہے کہ سربراہ مملکت کے قتل جیسے سنگین جرم میں اصل قاتل کے علاوہ صرف شک وشبہ کی بنا پر یا اصل محرک کی تلاش کے بہانے کسی اور کا خون نہیں بہایا گیا۔ تاریخ اسلام میں یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں۔ بلکہ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں آپؓ پر ایک خارجی عبداللہ بن ملجم نے قاتلانہ حملہ کیا جس سے جانبر ہونے کی امید نہ رہی تو آپ نے وصیت فرمائی: ''اے بنی عبدالمطلب۔ مسلمانوں کی خون ریزی کی ترغیب لوگوں کو نہ دینا اور بہانا مت بنانا کہ امیر المومنینؓ شہید ہوگئے ہیں۔ بلکہ سوائے میرے قاتل کے کسی اور کو مت مارنا۔ اے حسنؓ! اگر میں اس زخم سے مرجاؤں تو تو بھی اسے اس کی تلوار سے ایسا ہی ایک وار مارنا اور مثلہ ہرگز نہ کرنا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ **ایاکم والمثلہ**،، ۴۶ یعنی لوگوں کو مثلہ (اعضا کاٹنے) کرنے سے بچو۔

یہ تھا اعتدال وتوازن حضور اقدس ﷺ کی تربیت یافتہ جماعت کا جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور انھیں کامیاب قرار دیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ **رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ واعدلھم جنٰت تجری تحتھا الانھار خالدین فیھا ابداً ذٰلک الفوز العظیم ہ** ۴۷ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے (ان کے اعلیٰ اوصاف وکردار کے کے انعام میں) ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

حضور اقدس ﷺ اور آپؐ کے جانثار صحابہ کرامؓ کی سیرت قیامت تک کے لئے رشد وہدایت کا بہترین معیار ہے۔ عصر حاضر میں مسلم امہ کی نشاۃ ثانیہ ان ہی پاک نفوس کی اتباع میں مضمر ہے۔ یہ مقدس جماعت خداشناسی۔ حق پرستی۔ تقویٰ و

ایثار اور اعتدال و توازن جیسی اعلیٰ اقدار سے مزین تھی وطن عزیز میں تعلیمی اداروں ۔ تربیت گاہوں اور ابلاغ عامہ کے تمام ذرائع سے اگر عوام میں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوہ صحابہؓ سے روشناس کرایا جائے تو انشاء اللہ قوی امید ہے کہ قوم سے تنگ نظری، پست خیالی ۔ انتہا پسندی اور عدم برداشت جیسے عوارض کا ازالہ ہوگا ۔ اور وہ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اپنی اسلامی تشخص کے اظہار کے قابل ہو سکے گی ۔

حوالہ جات

١ القرآن سورۃ النور آیت نمبر ٣٥

٢ القرآن سورۃ البقرہ آیت نمبر ٣٨

٣ القرآن سورۃ البقرہ آیت نمبر ٢٥٧

٤ القرآن سورۃ المائدہ آیت نمبر ١٥

٥ القرآن سورۃ المائدہ آیت نمبر ١٦

٦ القرآن سورۃ المائدہ آیت نمبر ٤٤

٧ القرآن سورۃ المائدہ آیت نمبر ٤٦

٨ القرآن سورۃ المائدہ آیت نمبر ١٣

٩ القرآن سورۃ ابراہیم آیت نمبر ١

١٠ القرآن سورۃ الاحزاب آیت نمبر ٤٥۔٤٦

١١ القرآن سورۃ الانعام آیت نمبر ١٢٢

١٢ القرآن سورۃ الروم آیت نمبر ٤١

١٣ القرآن سورۃ الفاطر آیت نمبر ١٩۔٢٢

١٤ القرآن ابوالحسن علی ندوی۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر مجلس نشریات اسلام کراچی ۔1992 صفحہ نمبر ١٣١

١٥ محمد بن محمد سلیمان مغربی۔ جمع الفوائد المجلس العلمی کراچی ۔٢٠٠٠۔ جلد نمبر ٤ صفحہ نمبر ٤٩٢

١٦ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی۔ حلیۃ الاولیاء۔ دارالفکر بیروت۔ جلد چہارم صفحہ نمبر ٩٢

١٧ محمد بن یزید بن ماجہ سنن ابن ماجہ۔ ترجمہ علامہ وحید الزمان۔ مہتاب کمپنی لاہور۔ جلد نمبر ٣۔ صفحہ نمبر ٥٦٧

١٨ القرآن سورۃ الانفال آیت نمبر ٢٤

١٩ القرآن سورۃ الانعام آیت نمبر ٣٩

۲۰ القرآن سورۃ النور آیت نمبر ۴۰
۲۱ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ ان ھذہ القلوب تصدأ کما یصدأ الحدید اذا اصابہ الماء قیل یا رسول اللہ وما جلاء ھا قال کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن ۔ بیہقی، شعب الایمان بحوالہ ۔ فضائل قرآن از محمد زکریا کاندھلوی صفحہ نمبر ۳۴
۲۲ امام احمد بن حنبل مسند احمد دار الفکر بیروت ۔ جلد نمبر ۵ صفحہ نمبر ۲۷۸
۲۳ القرآن سورۃ یونس آیت نمبر ۵۷
۲۴ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری الرحیق المختوم مکتبہ سلفیہ لاہور ۲۰۰۱ ۔ صفحہ نمبر ۳۱۴
۲۵ محمد زکریا کاندھلوی ۔ حکایات صحابہؓ کتب خانہ فیضی لاہور صفحہ نمبر ۱۷۷
۲۶ محمد بن عیسیٰ ترمذی جامع ترمذی، ترجمہ علامہ وحید الزمان ۔ نعمانی کتب خانہ لاہور ۔ ۱۹۸۸ ۔ جلد نمبر ۴ ۔ صفحہ نمبر ۲۲۴
۲۷ القرآن سورۃ البقرہ ۔ آیت نمبر ۱۴۳
۲۸ مولانا عبد الماجد دریابادی ۔ تفسیر ماجدی ۔ تاج کمپنی کراچی ۔ صفحہ نمبر ۵۵
۲۹ القرآن سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۱۰
۳۰ القرآن سورۃ النسآء آیت نمبر ۵۸
۳۱ القرآن سورۃ المائدہ آیت نمبر ۸
۳۲ القرآن سورۃ النسآء آیت نمبر ۱۳۵
۳۳ القرآن سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۵۲
۳۴ القرآن سورۃ المائدہ آیت نمبر ۲
۳۵ القرآن سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۹۰
۳۶ القرآن نواب محمد قطب الدین خان مظاہر حق ۔ جدید ۔ دار الاشاعت کراچی ۔ ۱۹۹۴ ۔ جلد نمبر ۲ ۔ صفحہ نمبر ۳۵۷
۳۷ محمد بن اسماعیل بخاری صحیح بخاری ۔ کتاب الایمان ۔ ترجمہ علامہ وحید الزمان ۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور ۱۹۸۵ء جلد اول صفحہ ۱۱۳
۳۸ عماد الدین ابن کثیر ۔ تفسیر ابن کثیر ترجمہ محمد صمین جونا گڑھی ۔ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۔ جلد دوم صفحہ نمبر ۳۴۰
۳۹ محمد زکریا کاندھلوی ۔ حکایات صحابہؓ فیضی کتب خانہ لاہور ۔ صفحہ نمبر ۱۳۹
۴۰ امام بخاری صحیح بخاری ۔ کتاب الجنائز ۔ ترجمہ علامہ وحید الزمان ۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور ۱۹۸۵ ۔ جلد اول صفحہ ۵۷۶

۴۱ احمد بن یحییٰ بلاذری۔فتوح البلدان۔ترجمہ ابوالخیر مودودی۔نفیس اکیڈمی کراچی سن ۱۹۷۰ء صفحہ نمبر ۵۰

۴۲ سلیمان بن اشعث ۔ سنن ابوداؤد۔کتاب الحدود۔ترجمہ علامہ وحید الزمان۔اسلامی اکیڈمی لاہور۔۱۹۸۳ء۔
جلد سوئم صفحہ نمبر ۳۵۶

۴۳ محمد بن جریر طبری۔تاریخ طبری۔ترجمہ سید محمد ابراہیم ندوی۔دارالاشاعت کراچی سن ۲۰۰۳ء جلد دوئم صفحہ نمبر ۵۵۲

۴۴ محمد بن اسماعیل بخاری الادب المفرد ترجمہ مولانا محمد خالد۔دارالاشاعت کراچی سن ۱۹۹۷ء صفحہ نمبر ۷۶۷

۴۵ امام بخاری صحیح بخاری۔کتاب المناقب۔مکتبہ رحمانیہ لاہور۔۱۹۸۵ء جلد دوم صفحہ نمبر ۴۴۳

۴۶ عبدالرحمٰن بن خلدون ۔ تاریخ ابن خلدون ۔ ترجمہ مولانا عبدالرحمٰن دہلوی۔ دارالاشاعت کراچی سن ۲۰۰۳ء
جلد سوئم صفحہ نمبر ۵۱۲

۴۷ القرآن سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۰۰



حکومت پاکستان۔ وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ و عشر۔ اسلام آباد

(محمد یوسف شاہد سندھو (گوجرانوالہ)

مقابلہ مقالہ سیرت (قومی سیرت کانفرنس) برائے سال 1426ھ، 2005ء

بعنوان:۔ عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں

از قلم:۔ پروفیسر محمد یوسف شاہد سندھو۔ گورنمنٹ کالج سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

عنوانات مقالہ

اعلیٰ اخلاقی اقدار کی پاسبانی۔ آسمانی ہدایت پر عمل پیرائی۔ خرمن اسلام سے خوشہ چینی

عصر حاضر کے تقاضے

خالق و مالک کی شعوری معرفت۔ یقین راسخ کی نمو۔ محبوب کائنات کی متابعت۔ ایمان کا دارومدار۔ معاشرے کی ضوفشانی و تابناکی۔ استحضار آخرت اور تصور جوابدہی۔ جبلت انسانی کی نشاندہی۔ قلب و جگر میں جاں گزینی۔

اتحاد ملت کی شیرازہ بندی

افتراق و انتشار کی ممانعت۔ بلوغ و ارتقاء کے خواب کی پریشانی۔ اتفاق و اتحاد اور ارشاد پیغمبرؐ۔ باہمی الفتوں کا فروغ۔ آنگنوں میں روشنیاں بکھیر دیں۔ ارشادات الفت و محبت۔ ذریعہ الفت و محبت۔ مومنین کی مثال۔ مومن مجسم پیکر محبت۔

جان مسلم کی قدر افزائی

قتل مسلم سے احتراز۔ قتل مسلم کی سنگینی۔ حضورؐ کی حدیث مبارکہ۔

عبادت گاہوں کی حرمت

مذاہب و مالک میں رواداری۔ عصبیت و انتہا پسندی سے اغماض۔ حضورؐ کی راہنمائی۔

اعتدال ومیانہ روی کی تعلیمات

میانہ روی اور نبوی رہنمائی

روشن خیالی اور سیرت طیبہ

مشرکین مکہ سے عدم تعرض۔ منافقین کے ساتھ سیر چشمی۔ معزورین کے ساتھ عالی ظرفی۔ مذہبی رواداری اور کشادہ قلبی۔ غیروں کا مسجد نبوی میں قیام۔ فتح مکہ پر عفو عام۔ درخشاں اور فروزاں مشعل راہ۔ صنف نازک کی قدر افزائی۔ حسن بیان کی دلآویزی۔ تحرت بفضلہ وکرمہ ومنہ تعالیٰ۔ اتوار ۱۵، شوال المکرم ۱۴۲۵ھ

بمطابق ۲۸، نومبر ۲۰۰۴ء۔ صبح دس بجے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

عنوان مقالہ

عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال۔ اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں۔

بقلم: محمد یوسف شاہد سندھو

گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ

اعلیٰ اخلاقی اقدار کی پاسبانی

دورِ حاضر اپنے مزاج میں مدح پرستانہ اقدار کا خوگر ہو چکا ہے۔ مادی وسائل کو کام میں لا کر اعلیٰ اخلاقی اقدار کی پاسبانی بے حد ضروری ہے۔ جب تک ہمارے پاؤں زمین پر ہیں۔ مادی وسائل و ذرائع سے بے نیازی ممکن نہیں۔ مگر مشکل اُس وقت آن پڑتی ہے اُنہی وسائل حیات کو غایت و مدعائے حیات قرار دے لیا جائے۔

آسمانی ہدایت پر عمل پیرائی

یوں ضروری ہے۔ وسائل استعمال تو کیے جائیں مگر ان کے استعمال کے طریقے آسمانی ہدایت سے اخذ کیے جائیں۔ جب تک اہل زمین آسمانی ہدایت پر عمل پیرا نہیں ہوں گے یعنی عقل و دانش کے گھوڑے کو وحی کی لگام نہ دیں گے، مادہ پرستی اور زر پرستی کے جہنم زار سے نکل نہ پائیں گے۔ اسی دوزخ سے نکلنے کے لئے اسلام نے بنی نوع انسان کو وہ زریں اصول دیے ہیں جن کو اپنا کر ہر دور جادہ صلاح و فلاح پر کامزن ہو سکتا ہے۔

خرمنِ اسلام سے خوشہ چینی

ہر دور اپنے مخصوص تقاضے اور مطالبے رکھتا ہے۔ اسلام ان کی نشاندہی کرتا آیا ہے۔ آج بھی اس کے خرمن سے خوشہ چینی کر کے معاشرے کو جنت کا معاشرہ بنایا جا سکتا ہے۔ آج کے دور کے تقاضے بڑے شدید اور سنگین ہو گئے ہیں۔ ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہمیں چودہ سو سال پیچھے ہٹ کر اس آسمانی ہدایت سے استفادہ کرنا ہو گا جس سے مستفیض ہو کر

نہایت خوبصورت، متوازن اور ہموار معاشرہ وجود میں آیا تھا اور چشم فلک نے شاید کبھی ایسا رعنائی آمیز اور سکینت افروز معاشرہ نہیں دیکھا۔

دور حاضر کے یہ تقاضے جن کا ذکر آئندہ سطور میں آرہا ہے ان کے پورے کرنے پر ایک روشن خیال، اعتدال پسند اور روشنی پھیلانے والا ہم آہنگیوں سے لبریز معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔

عصر حاضر کے تقاضے۔خالق و مالک کی شعوری معرفت

عصر حاضر کا اور تمام زمانوں کا، قیامت تک کے لیے یہ اہم ترین تقاضا ہے کہ انسان اس کائنات میں، تخلیق کائنات میں اور نظام کائنات میں میں غور وفکر کر کے اپنے خالق و مالک کی شعوری معرفت حاصل کرے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ .الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔(آل عمران:۱۹۰۔۱۹۱)

ترجمہ:۔ بے شک زمین و آسمان کی تخلیق اور دن ورات کے اختلاف میں اہل دانش کے لیے نشانیاں ہیں۔وہ لوگ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور زمین و آسمان کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں۔

یقینِ راسخ کی نمو

اسی غور وفکر کے نتیجہ میں یہ یقین راسخ پیدا ہوتا ہے کہ اس کائنات کے نظام کو چلانے والی کوئی ماوراذات ہے۔ آفتاب عالمتاب کی روشنی وتمازت، ماہتاب درخشاں کی ضوفشانی، انجم فروزاں کی تابانی یہ کرہ فلکی کی گردش، یہ باد وباراں کے ہنگامے۔یہ سبزہ زاروں کی دلکشی۔ یہ خوشگوار و معطر فضا، یہ فرحت بخش ہوا، یہ دلآویز مناظر فطرت، یہ حسین موسموں کی دلفریبیاں اور یہ مرغانِ سحر کی نغمہ طرازیاں قائم رکھنے والی کوئی نہ کوئی ہستی تو ہے۔ ارشاد مبارک ہے۔

هُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْم. الحدید:۳

ترجمہ:۔ وہ ذات اول و آخر اور ظاہر اور پوشیدہ ہے اور وہ تمام چیزوں کو جاننے والی ہے۔

اور ارشاد پاک ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرة:۲۲)

ترجمہ:۔ اسی ذات نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس کے ساتھ تمھارے

لیے پھلوں کا رزق نکالا۔ پس تم اللہ تعالیٰ شانہ کے شریک قرار نہ دو اور تم جانتے بھی ہو۔

اور ارشاد مبارک ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ؀ (الکھف:۱۱۱)

ترجمہ:۔ اور آپ فرمادیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کا کوئی بیٹا نہیں ہے اور نہ اس کی بادشاہت میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ ناتوانی کی وجہ سے اس کا کوئی مدد کرنے والا ہے اور ہر وقت اس کی بڑائی بیان کرتے رہو۔

محبوبِ کائنات کی متابعت

عصر حاضر کا دوسرا اہم تقاضا حضرت رسول پاک ﷺ کی اتباع ہے۔ اس کے بغیر روشن فکر اور اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل تو کجا، معاشروں کے مٹ جانے ہی کا قوی اندیشہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ خلاصہ کائنات ہیں اور مجموعہ کائنات سے بھی افضل۔ آپؐ نہ صرف محبوب کائنات ہیں بلکہ محبوب رب کائنات ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی شانِ محبوبیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جو شخص بھی آنحضور ﷺ کی اتباع کرے گا وہ بھی رب کائنات کا محبوب اور پیارا بن جائے گا۔ ارشاد ربانی ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفر لکم ذنوبکم ط واللّٰہ غفور رحیم ہ (آل عمران :۳۱)

ترجمہ:۔ اے محبوبؐ! آپ فرمادیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تمھیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمھارے گناہوں کو بھی بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

حضور اکرم ﷺ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا گیا اور آپ کی اطاعت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دی گئی۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ (النساء:۸۰)

ایمان کا دارومدار صرف اطاعت کا حکم ہی نہیں بلکہ صاف صاف فرمادیا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فی انفسہم حرجا مماقضیت ویسلموا تسلیما ہ (النساء :۶۵)

معاشرے کی ضوفشانی و تابناکی

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی اشکال وابہام نہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی بے پناہ جدوجہد کے

بعد جو معاشرہ تشکیل دیا تھا وہ روشن خیال اور اعتدال پسندی تھا۔ اگر بالفرض ایسا نہ ہوتا تو اس معاشرے کی ضوفشانی اور تابناکی سارے جہان کے معاشروں کو روشن نہ کرسکتی اور اس معاشرے کو قیامت تک کے لیے مثال اور ماڈل کے طور پر پیش نہ کیا جاسکتا۔

استحضار آخرت اور تصور جوابدہی

روشن خیال معاشرہ اس وقت تک معرض وجود میں نہیں آسکتا جب تک افراد معاشرہ ایثار و قربانی، تحمل و بردباری و سیر چشمی، صبر و ثبات، دیانت و امانت، اخوت و مودّت، شگفتگی و شیریں کلامی، قدردانی و عزت افزائی، تواضع و خاکساری، عاجزی و فروتنی جیسے اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل نہ ہوں۔

اب اگر افراد معاشرہ ایک دوسرے کے لیے جان و مال کی قربانی کے لیے تیار تو ہوں لیکن اس کا صلہ اسی دنیا میں چاہتے ہوں تو ایسا معاشرہ خودغرض اور مفاد پرست کہلائے گا۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے مومنین کو استحضار آخرت اور تصور جوابدہی سے متصف کیا کہ یہ دنیا عارضی ہے اور آخرت دائمی اور باقی ہے۔

یہ تصور آخرت عصر حاضر کا تیسرا اہم تقاضا ہے کہ یہ بات ذہنوں میں سمو جائے اور قلب وجگر میں پیوست ہو جائے کہ یہاں کے اعمال صالحہ کا بدلہ آخرت میں بے حد و حساب ملنے والا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب ۔ (الزمر: ۱۰)

ترجمہ:۔ بے شک صبر کرنے والوں کو ان (کے اعمال) کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

من کان یرید حرث الاخرة نزدله فی حرثه ومن کان یرید حرث الدنیا نو ته منهاوماله فی الاخرة من نصیب۔ (الشوریٰ :۲۰)

ترجمہ:۔ جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو صرف دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس کو کچھ دنیا دے دیں گے اور اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہوگا۔

جبلت انسانی کی نشاندہی

قرآن پاک میں اللہ کریم انسانی فطرت کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

قدا فلح من تزکی و ذکر اسم ربه فصلی بل تو ثرون الحیوة الدنیا والاخرة وابقی ۔

(اعلیٰ :۱۴۔۱۷)

ترجمہ:۔ تحقیق وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے خود کو (برائیوں سے) پاک کر لیا اور اپنے رب کا نام اور نماز پڑھتا رہا۔ بلکہ تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

قلب وجگر میں جان گزینی

اس لیے حضور اکرم ﷺ نے افراد معاشرہ کی تربیت کر کے تصور آخرت ان کے قلب وجگر میں جان گزیں کیا۔ روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کے لوازمات ان کی زندگیوں میں ایسے سمو گئے جیسے پھولوں میں خوشبو۔

اٰوَوْ اوَّنَصَرُوْا

رُحَمَآ ءُ بَیْنَھُمْ

اور وَیُؤ ثِرُوْنَ عَلیٰٓ اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَا صَۃٌ

والے ارشادات قرآنی اس پر شاہد عدل ہیں۔

اتحاد ملت کی شیرازہ بندی

عصر حاضر کا ایک نہایت ضروری تقاضا اتحاد ملت کی شیرازہ بندی ہے۔ قرآن وسنت کی ہدایات ہمارے لیے اس بارے میں مشعل راہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاعْتَصِمُوْ ابِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَّلَا تَفَرَّ قُوْ ا۔ (آل عمران:۱۰۳)

ترجمہ:۔ اور تم سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط تھام لو۔

اس آیت کی روشنی میں ہر انسان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظام حیات یعنی قرآن پاک پر مضبوطی سے عامل ہو اور تمام مسلمان بھی مل کر اس پر عمل پیرا ہوں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سب مسلمان باہم متفق و متحد اور منظم ہو جائیں جیسے ایک جماعت کسی رسی کو پکڑے ہوئے ہو تو پوری جماعت ایک جسم واحد بن جاتی ہے۔ قرآن پاک نے ایک دوسری آیت میں اس کو زیادہ وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔

ان الذین امنوا وعملوا الصلحت سیجعل لھم الرحمن ودا ۔ (مریم :۹۶)

ترجمہ:۔ بے شک جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اللہ تعالیٰ ان کے آپس میں دوستی اور محبت پیدا فرما دیتے ہیں۔

افتراق وانتشار کی ممانعت

قرآن پاک جہاں یہ حکم دیتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظام حیات کو مضبوطی سے تھام لو تا کہ ملت اسلامی کا

شیرازہ خود بخود منظم ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی ولا تفرقوا کے حکیمانہ انداز سے افتراق وانتشار کی ممانعت بھی کرتا ہے۔ چنانچہ ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا۔

وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ولا تبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله ۔ (الانعام : ۱۵۳)

ترجمہ:۔ اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس تم اس کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمھیں متفرق و پراگندہ کر دیں گے۔

بلوغ وارتقاء کے خواب کی پریشانی

جادہ حق سے ہٹتے ہی انسان کے سامنے بے شمار پگڈنڈیاں آجاتی ہیں جن میں بھٹک کر پوری نوع انسانی پراگندہ ہو جاتی ہے اور اس پراگندگی کے ساتھ ہی اس کے بلوغ وارتقا کا خواب بھی پریشان ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید بار بار مختلف اسالیب میں اس کی ممانعت ارشاد فرماتا ہے۔ ارشاد مبارک ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَکَانُوْا شِیَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ۔ (الانعام :۱۵۹)

ترجمہ:۔ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقے ڈالے اور مختلف پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق اور کوئی واسطہ نہیں۔

اتفاق واتحاد اور ارشاد پیغمبرؐ

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزوں کو پسند فرمایا ہے اور تین چیزوں کو ناپسند۔ پسندیدہ چیزیں یہ ہیں۔

اول یہ کہ تم عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامو اور نا اتفاقی سے بچو۔

سوم یہ کہ اپنے حکام اور اولوالامر کے حق میں خیر خواہی کا جذبہ رکھو۔

اور وہ تین چیزیں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔

(۱) بے ضرورت قیل وقال اور بحث مباحثہ (۲) بلا ضرورت سوال کرنا۔ (۳) اضاعتِ مال

(ابن کثیر عن ابی هریرة۔ ماخوذ معارف القرآن۔ ۱۴۳/۲)

باہمی الفتوں کا فروغ

عصر حاضر کا ایک نہایت ضروری تقاضا یہ ہے کہ ہم آپس کی رنجشوں اور نفرتوں کو ختم کر کے باہمی الفتوں کو فروغ دیں۔ زمانہ جاہلیت میں کدورتیں، نفرتیں اور عداوتیں عروج پر تھیں۔ اسلام کی روشن خیالی نے ان کی تاریک خیالی کے آنگنوں میں روشنیاں بکھیر دیں۔

ارشادی باری تعالیٰ ہے۔

واذکروانعمت اللّٰہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلو بکم فاصبحتم بنعمته اخوانا۔

(ال عمران :۱۰۳)

ترجمہ:۔ اور تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اس نے تمھارے دلوں کی جوڑ دیا۔ پس تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔

ایام جاہلت میں بیٹیاں زندہ درگور کر دی جاتی تھیں۔ آج ہماری بیٹیاں معاشرہ کی کج روی کی وجہ سے ساری زندگی درگور رہتی ہیں۔ گھوڑا آگے بڑھانے پر جھگڑا جہالت ہے تو کیا گاڑی اوورٹیک کرنے پر جھگڑا تہذیب وشائستگی ہے؟

ارشادات الفت ومحبت۔ ذریعہ الفت ومحبت

ترجمہ:۔ تم جنت میں داخل نہیں ہوگے جب تک ایمان نہ لاؤ اور تم ایمان نہ لاؤ گے جب تک آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتادوں کہ تم اس پر عمل کرو تو تم آپس میں محبت کرنے لگو اپنے درمیان سلام کہنے کو رواج دو۔ [1]

مومنین کی مثال

ترجمہ:۔ تم ایمان والوں کو آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے، ایک دوسرے کے ساتھ محبت رکھنے اور ہمدردی کرنے میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا۔ جب اس کا کوئی عضو شکایت کرتا ہے تو بے خوابی اور بخار میں سارا جسم اس کا شریک ہو جاتا ہے۔ [2]

مومن مجسم پیکر محبت

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

ترجمہ:۔ بے شک صاحب ایمان تو وہ شخص ہے جو مجسم پیکر محبت ہو۔ جو شخص کسی سے الفت نہ رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے اس میں تو بھلائی کی بو بھی نہیں۔ [3]

جانِ مسلم کی قدر افزائی

ایک روشن خیال، اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کیلئے عصر حاضر کا نہایت ضروری تقاضا جان مسلم کی قدر افزائی ہے۔اس کائنات میں انسان قیمتی ترین چیز ہے اس لیے کہ ساری کائنات کی وجہ تخلیق انسان ہے۔اگر انسان نہ ہوتو پھر زمین و آسمان، چاند، سورج، ستاروں، ہواؤں، بادلوں کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ شانہ نے انسان کو تعظیم و تکریم سے نوازا ہے۔ارشاد ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم . (التین :۴)

ولقد کرمنابنی ادم و حملنھم فی البروالجو۔(اسراء :۷۰)

قتل مسلم سے احتراز

ایک غزوہ میں اسامہ بن زیدؓ نے اپنے مدمقابل کو قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی تو اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔حضرت اُسامہؓ نے اس کو پھر بھی قتل کر دیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے حضرت اُسامہؓ سے پُرسش کی۔عرض کیا کہ اس نے تو صرف جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔دل سے تو نہیں پڑھا تھا ارشاد فرمایا۔کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔اے اسامہؓ! تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو اس کے کلمے کا کیا جواب دو گے۔حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو اتنی مرتبہ دہرایا کہ مجھے یہ تمنا ہونے لگی کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔[1]

اب وہ لوگ جو ایک ایک واردات میں بیسیوں نہیں اپنے سینکڑوں مسلمان بھائیوں کے جسموں کے ٹکڑے اور ان کے پرخچے اڑا رہے ہیں وہ سوچ لیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو اس کا کیا جواب دیں گے؟

قتل مسلم کی سنگینی

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:۔ جو شخص کسی ایک انسان کو (مسلمان کی شرط نہیں) ناحق قتل کر دے یا زمین میں فساد ڈالے گویا اُس نے تمام انسانیت کو قتل کر دیا اور جس نے ایک شخص کو سامان زندگی فراہم کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔ (المائد : ۳۲)

ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاوہ جھنم ۔ الخ(انساء :۹۳)

ترجمہ:۔ جو شخص کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے۔وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور لعنت ہوگی اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا گیا ہے۔

حضورؐ کی حدیث مبارکہ

ترجمہ:۔ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا۔اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے۔اگر ایک مومن کے قتل پر ساتوں آسمان اور زمین کے رہنے والے جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو بغیر شمار کیے دوزخ میں ڈال دے گا۔ ۲

عبادت گاہوں کی عزت وحرمت

عصر حاضر میں ایک روشن فکر اسلامی معاشرے کی تشکیل کیلئے عبادت گاہوں کی عزت وحرمت نہایت ضروری ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:۔ اور اگر خدا تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو راہبوں کے صومعے، عیسائیوں کے گرجے، یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں خدا کا بہت ساذکر کیا جاتا ہے۔ویران ہو چکی ہوتیں۔ (الحج : ۴۰)

تو گویا لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے ہٹانے کا ایک بڑا مقصد مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت وبقا ہے۔اس لیے تمام مسالک وادیان کی عبادت گاہیں قابل احترام ہیں اور ان کی حمایت و مدافعت بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح مسلمانوں کی عبادت گاہ، مسجد کی واجب ہے۔

مذاہب ومسالک میں رواداری

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فقہ میں ایک نہایت معتدل مسلک پیش کیا ہے جس میں ایک مذہب کی پاسداری اور دوسرے مذہب پر نکتہ چینی نہیں پائی جاتی۔آپ نے ایک محقق کی طرح تمام مذاہب کے اصول اور طریق استنباط کا مطالعہ کیا ہے اور بالکل آزادانہ رائے قائم کی ہے۔کسی بھی مذہب کے کسی مسئلہ کے حق میں دلیل پائی تو اس کی تائید کی۔

شاہ صاحبؒ نے ان لوگوں سے اختلاف کیا ہے جو ایک مذہب کی پیروی کا قلاوہ اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں اور قسم کھا لیتے ہیں کہ تمام مسائل میں اسی کی اتباع کریں گے اور اسی طرح آپ ان لوگوں سے بھی سخت اختلاف کرتے ہیں جنہوں نے آئمہ مذاہب میں سے کسی کی مخالفت کا عہد کر لیا ہے۔ان دونوں کے بین بین آپ ایسے معتدل راستے پر چلتے ہیں جس میں ہر غیر متعصب طالب حق کو اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ (سید ابوالاعلیٰ مودودی۔تجدید واحیائے دین۔ص:۱۰۶)

مذاہب و مالک میں رواداری عصر حاضر کا اہم ترین تقاضا اور ایک روشن خیال اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کی بنیادی کلید ہے۔عمل کر کے دیکھ لیجیے چشم ماروشن دلِ ماشاد۔

عصبیت وانتہا پسندی سے اغماض

قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے۔

یاایھالناس انا خلقنکم من ذکروانشی وجعلنکم شعوباوقبائل لتعارفواط ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقسکم
(الحجرات : ۱۳)

ترجمہ:۔ اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ صاحب تقویٰ ہے۔

اسلام سیدھا سادھا اور آسان دین ہے جس میں کسی قسم کی تنگی اور بوجھ نہیں۔ اسلامی تعلیمات عصبیت، انتہا پسندی اور افراط تفریط سے کاملاً مبرا ہیں۔

حضورؐ کی راہنمائی

حضرت ابوذرؓ نے حضرت بلال کو ''ابن السودا'' کالی ماں کے بیٹے سے خطاب کیا۔ حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو حضرت ابوذرؓ کو آپؐ کی سخت سرزنش کا سامنا کرنا پڑا۔ [1]

ارشاد فرمایا۔ ترجمہ:۔ اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی کرے۔ پس بے شک ایک گروہ نے یہی تشدد اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں سخت پکڑا۔ پس تم ان کے باقی راہب خانوں اور کینساؤں کو دیکھ لو۔ [2]

خاندانوں، قبیلوں، ذاتوں، مذاہب و مالک میں تقابل و تفاخر میں مبتلا لوگ عصبیت اور انتہا پسندی کو ہوا دیتے ہیں۔ اگر ہم خود کو اللہ تعالیٰ کا غلام کہتے ہیں اور حضورؐ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہمیں عصر حاضر کے اس نازک ترین تقاضے کا احساس ضروری ہے۔

اعتدال و میانہ روی کی تعلیمات

ایک روشن خیال، اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل و ضرورت کو صرف چاہ لینے سے مقصد حاصل نہیں ہو جائے گا جب تک افراد معاشرہ میں ان تعلیمات کی ترویج و اشاعت ہنگامی بنیادوں پر نہ کی جائے اور لوگوں میں ان تعلیمات پر عمل پیرائی کی سچی لگن پیدا نہ کردی جائے۔

اس امت کا تو لقب ہی ''امت وسط'' ہے یعنی ایسی امت جو ہر اعتبار سے میانہ رو ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:۔ اور جب (عبادالرحمان) خرچ کرتے ہیں تو وہ فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ ہی تنگی کرتے ہیں بلکہ ان کا انداز خرچ میانہ رو ہوتا ہے۔ (الفرقان : ٦٧)

ترجمہ:۔ اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست رکھو۔ (لقمان :۱۹)

ترجمہ:۔ اور اپنی نماز میں نہ تو بہت اونچی آواز سے پڑھو اور نہ ہی بہت آہستہ بلکہ پڑھنے میں ان دونوں کے درمیان ایک انداز اپنا لیجئے۔ (الکھف : ۱۱۰)

میانہ روی اور نبوی رہنمائی

صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا۔ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گا اور عورت سے کبھی کوئی واسطہ نہ رکھوں گا۔ رسول پاک ﷺ نے ان کی باتیں سنیں تو ارشاد فرمایا۔ تم میں سے کون میرے مثال ہو سکتا ہے۔ میں تو اپنی راتیں اپنے رب کے حضور گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔ خدا کی قسم۔ میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں لیکن میں راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کیے ہیں۔ جو شخص میرے طریقے سے منہ موڑے اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔ ۱

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ اور اپنی زوجہ حضرت زینبؓ کو بھی عبادات و معاملات میں انتہا پسندی اور تشدد سے منع کر کے میانہ روی کی ہدایت فرمائی۔ ۲

روشن خیالی اور سیرۃ طیبہ

مشرکین مکہ سے عدم تعرض

حضور اکرم ﷺ کو راہ خدا میں کن کن مصائب سے دوچار کیا گیا۔ دعوت و تبلیغ میں ہر قسم کی رکاوٹیں کھڑی کی گیئں ۔آپؐ کے اہل خانہ اور اصحاب کو بے انتہا تعذیب و تشدید کا نشانہ بنایا گیا۔ آپ کو شاعر، ساحر، مسحور، مفتری، کذاب، معلم، مجنون، کاہن اور نہ جانے کیا کیا کہا گیا۔ آپ کی پیاری بیٹیوں کو رخصتی سے پہلے طلاق دی گئی۔ آپ کو بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے روکا گیا لیکن ان تمام مصائب و شدائد کو صبر و استقامت سے برداشت کرنا اور مشرکین مکہ سے عدم تعرض آپ کی روشن خیالی کی زندہ جاوید مثال ہے۔

منافقین کے ساتھ سیر چشمی

حضور اکرم ﷺ کا قبائل یہود کے ساتھ میثاق مدینہ اور منافقین کے ساتھ سیر چشمی کے معاملات میں روشن خیال

معاشرے کی تشکیل کے فکر مندوں کے لیے بڑا اسبق ہے۔ مندرجہ ذیل واقعات سیرت کی تمام کتب میں تفصیلاً و اختصاراً موجود ہے۔

میدان احد سے قبل از جنگ عبداللہ بن ابی کی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپسی۔

غزوہ بنی مصطلق میں مہاجرین وانصار کو لڑانے کی بھرپور کوشش۔

مشرکین مکہ کو مدینہ پر حملہ کے لیے اکسانا اور اپنی بھرپور معاونت کی یقین دہانی۔

غزوہ خندق کے دوران مسلمان عورتوں کے قلعہ پر حملہ کی ناپاک جسارت۔

رئیس المنافقین کی تمام ایذا رسانیوں کے باوجود جب وہ فوت ہوا تو حضور ﷺ نے اس کے کفن کے لیے اپنا کرتہ مبارک عنایت فرمایا۔ اس کے جنازے کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لیے ایسے لوگوں (مشرکین ومنافقین) کے لیے دعائے مغفرت منع فرمادی۔ [1]

معذورین کیساتھ عالی ظرفی

حضور اکرم ﷺ کی روشن خیالی کی ایک روشن مثال اس میں بھی موجود ہے کہ آپ جہاد کے مواقع پر معذورین کو نہایت فراخ دلی اور عالی ظرفی کے ساتھ رخصت عنایت فرمادیا کرتے تھے۔ آپ لوگوں کی معذرت کو قبول فرماتے اور اس بارے میں کسی قسم کی سختی روا نہیں رکھتے تھے۔

جنگ تبوک کے موقع پر تین مخلص مومن پیچھے رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور پھر حضورؐ نے بھی ان کے ساتھ نہایت شفقت کا معاملہ فرمایا۔ [2]

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا مشرکین مکہ کی طرف تحریر کردہ خط پکڑا گیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کی کہ مجھے اس منافق کی گردن مارنے کی اجازت دی جائے۔ ارشاد فرمایا۔ اے عمرؓ! تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں شامل ہونے والوں کی مغفرت فرمادی ہے۔ [3]

مذہبی رواداری اور کشادہ قلبی

ایک اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل چاہتے ہو تو اپنے محبوبؐ کی روشن خیالی کو اپنایئے۔ غزوہ خیبر میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا اس میں تورات کے متعدد نسخے بھی تھے۔ یہود نے درخواست کی کہ وہ ان کو عطا کر دیے جائیں۔

(فتوح البلدان از بلاذری۔ ص ۳۴)

ڈاکٹر ولفنسون کا تبصرہ۔ اس واقعہ سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ان مذہبی صحیفوں کا حضور اکرم ﷺ کے دل میں کسی درجہ احترام تھا۔ آپ ﷺ کی اس رواداری اور فراخ دلی کا یہود پر بڑا اثر ہوا۔ وہ آپ ؐ کے اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے کہ حضور ﷺ نے ان کے مقدس صحیفوں کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں کیا جن سے ان کی بے حرمتی لازم آتی ہو۔

(تاریخ الیہود فی بلاد العرب۔ ص: ۱۷۰)

غیروں کا مسجد نبوی میں قیام

نجران کے کلیسا کا لاٹ پادری اسقف ابوالحارث اہم علاقہ کا جج، گورنر عاقب عبدالمسیح، چوبیس سردار، کل ساٹھ سوار عصر کے وقت مسجد نبوی میں پہنچتے ہیں۔ وہ ان کی نماز کا وقت تھا۔ بعض مسلمانوں نے انہیں عیسائی نماز پڑھنے سے روکنے کا ارادہ کیا لیکن حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو منع فرما دیا اور وفد نجران کو اپنی مسجد میں انہیں ان کے طریقے پر نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی دانشوران عالم، بانیان تہذیب وتمدن اور ہادیان اقوام کو چیلنج ہے کہ وہ روشن خیالی اور علی ظرفی کی ایسی مثال پیش کر کے دکھائیں کہ مسجد نبوی میں نصاریٰ مشرق کی طرف اور حضور ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ مغرب کی طرف رخ کر کے اپنی اپنی نمازیں ادا فرما رہے ہیں۔ (قاضی محمد سلیمان منصور پوری)

رحمۃ للعالمین۔ ۱/۱۸۷۔ ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

فتح مکہ پر عفو عام

ایک روشن فکر، اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کے لیے نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنے قلب وجگر میں وسعتیں پیدا کریں۔ ہم سیر چشم، عالی ظرف اور کشادہ رو ہوں ہم اپنے دوستوں بلکہ دشمنوں سے بھی درگزر کرنا سیکھیں۔ یہ رواداری اور کشادہ قلبی منظم ومستحکم اور جنت نظیر معاشرے کی اساس وبنیاد ہے۔

درخشاں اور فروزاں مشعل راہ۔

حضور اکرم ﷺ کی سیرۃ طیبہ نہ صرف ہمارے لیے بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے اور قیامت تک کے زمانوں کے لیے درخشاں اور فروزاں مشعل راہ ہے۔

رئیس خزرج حضرت سعد بن عبادہ ؓ نے فتح مکہ کے دن ابوسفیان کے پاس سے گزرتے ہوئے کہا۔ الیوم یوم الملحمۃ، الیوم تستحل الکعبۃ الیوم اذل اللہ قریشا ۔ آج گھمسان کا رن اور خونریزی کا دن ہے۔ آج کعبہ میں سب (قتل وخون ریزی) جائز ہوگا۔ آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل کیا ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت سعد کی یہ بات سنی تو

ارشاد فرمایا۔

الیوم یوم المرحمۃ .الیوم یعز اللہ قریشا و یعظم اللہ الکعبۃ ۔آج (خون ریزی کا نہیں بلکہ) رحم اور معافی کا دن ہے۔آج اللہ تعالیٰ قریش کی عزت بڑھائے گا اور کعبہ کی عظمت کو زیادہ کرے گا۔

(ابوالحسن علی ندوی۔ نبی رحمت حصہ دوم/۸٦)

قبل از ہجرت ایک دن عثمان بن طلحہ (کلید بردار کعبہ) نے حضور ﷺ کے لیے بیت اللہ کا دروازہ کھولنے سے انکار کیا اور آپؐ سے اہانت آمیز گفتگو کی۔ارشاد فرمایا۔عثمان، ایک وقت آئے گا جب بیت اللہ کی چابی میرے ہاتھ میں ہوگی۔اُس وقت میں جسے چاہوں گا اُسے یہ چابی دُوں گا۔مکہ فتح ہوگیا۔چابی حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک میں ہے۔آپؐ نے عثمان بن طلحہ سے کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ چابی اُسی کے ہاتھ میں تھمادی۔اور فرمایا کہ اب یہ چابی تمھارے ہی خاندان میں رہے گی۔

(ابوالحسن علی ندوی، نبی رحمت حصہ دوم/۷۰)

حضور اکرم ﷺ نے اسلام اور اہل اسلام کے تمام دشمنوں کو معاف کرتے ہوئے اعلان فرمایا۔

لاتشریب علیکم الیوم، ادھبوا فانتم الطقاء (زادالمعاد:۱/۴۲۴)

ترجمہ:۔آج تم پر کچھ سرزنش نہیں۔جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو۔

بلکہ جن لوگوں کے بارے میں اولاً یہ حکم تھا کہ اگر وہ کعبہ کے پردوں میں بھی ملیں تو ان کو قتل کر دیا جائے مثلاً عکرمہ بن ابی جہل، ہبار بن الاسود اور قاتلِ حمزہؓ، وحشی بن حرب وغیرہم کو بھی حضور ﷺ کی ذات گرامی نے پروانہ عفو عطا فرمادیا۔

(ماخوذ از سید ابوالحسن علی ندوی۔ نبی رحمت حصہ دوم/۷۴)

صنف نازک کی قدر افزائی۔

معاشرے میں صنف نازک کی قدر افزائی کے بغیر اسلامی معاشرے کی مثبت قدریں کبھی پنپ نہیں سکتیں۔حضور اکرم ﷺ نے ماں کے قدموں تلے جنت بتلائی۔بیٹیوں کے ساتھ محبت اور ان کی اچھی تعلیم و تربیت کرنے والے کو روز قیامت اپنے قریب کی بشارت دی۔بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ اچھا ہو اور تم میں، میں خود اپنے گھر والوں کے ساتھ بہترین سلوک کرنے والا ہوں۔حنین کے موقع پر اپنی بہن شیما کی عزت افزائی سے بہنوں کے وقار کو بلند کیا۔غرض ہر اعتبار سے عورت کی عظمت ذہنوں میں اجاگر کی۔عورت کو نظر انداز کرنے کی بجائے اس کی حیثیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

حُسن بیان کی دلآویزی۔

دنیا اگر پھول ہے تو عورت اسکی خوشبو، کائنات اگر دل ہے تو یہ اسکی آرزو، جہانِ رنگ و بو اگر منزل ہے تو یہ اسکی جستجو۔ عورت آئینے کا عکس اور پھولوں کا رس ہے۔ یہ بہار کا جوبن اور گھٹا کی پھبن ہے۔ قوس وقزح کا حُسن اور ساز کی دھن ہے ۔ چنگ مرمر کی معصومیت اور رگِ گل کی نزاکت ہے ۔ عورت سیماب کے اضطراب اور مدوجزر کے انتساب کی مثل ہے ۔ عورت خورشید کے سلگاؤ، شاخوں کے جھکاؤ، چشمے کے بہاؤ اور موسم کے پگھلاؤ کی مانند ہے۔ عورت کہکشاں کے حسن بیکراں اور خلوص ومحبت کی داستان کا نام ہے۔ عورت نبی کی محبوب، مومن کی مطلوب اور زندگی کا اسلوب ہے۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

حضرات! آخر میں نہایت صمیم قلب اور سوز جگر سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ ہمیں عصر حاجر کے تقاضوں کو سمجھنے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند معاشرے کی تعمیر وتشکیل کیلئے اپنا بھرپور اور پر خلوص کردار ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العلمین ۔

پروفیسر محمد یوسف شاہد سندھو

گورنمنٹ کالج سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

ہفتہ۔ ۱۴، شوال المکرم ۱۴۲۵ھ بمطابق ۲۷، نومبر ۲۰۰۴ء۔ (بفضلہ تعالیٰ)



عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں۔

(محمد عبدالرحمٰن (قصور)

اسلام میں انتہا پسندی کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ یہ دین اعتدال و میانہ روی کا دین ہے۔ ہمارے پیارے وطن پاکستان میں بم دھماکے مساجد پر حملے اور علماء اسلام کا شہید کیا جانا اس بات کی گواہی ہے کہ پاکستان میں کچھ عناصر ایسے ہیں جو اس وطن عزیز پاکستان، اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مذہبی گروہوں کو انتہا پسند او دہشت گرد ثابت کر کے اسلام کو بدنام کریں اور پاکستان میں اسلام کے مکمل نفاذ کے مطالبے کو ہمیشہ کے لیے دبا کر سیکولرزم کے دروازے کھل دیے جائیں مزید برآں حکومتی اداروں کو بھی مجبور کر دیا جائے کہ وہ دہشت گردی کے جواز پر مذہبی جماعتوں پر پابندی عاید کر دیں اس طرح سیکولرزم کو قدم جمانے کا موقع مل سکے۔

ان حالات میں پاکستان میں ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی ضرورت بڑھ گئی ہے۔ اب اہل پاکستان کا یہ فرض ہے کہ وہ پاکستان کی نظریاتی بنیاد پر یقین رکھیں اور دشمن کی چال کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اسے ناکام بنانے کے لیے درج ذیل تقاضے پورے کریں تا کہ ایک اعتدال پسند روشن خیال اور پر امن اسلامی معاشرے کا قیام ممکن ہو سکے

عصرِ حاضر کے تقاضے

۱۔ علماء کرام اپنی ذمہ داریاں پورا کریں۔

۲۔ مغربی تہذیبی یلغار کا مقابلہ کرنا۔

۳۔ رواداری کو اپنانا۔

۴۔ امر بالمعروف ونہی المنکر کا قیام۔

۵۔ اہل معاشرہ کا میانہ روی اپنانا۔

۶۔ عورتوں کی بے جا آزادی اور تبرج الجاھلیۃ کا خاتمہ۔

۷۔ حکومت کا کردار۔

ا۔ علماء اسلام کی ذمہ داریاں۔

آج مغرب کی بلادست قوموں کی یہ کوشش ہے کہ کسی نہ کسی طرح مذہب کے دائرہ کو محدود کر دیا جائے اور ریاستی و حکومتی، اجتماعی اور اقتصادی وتہذیبی معاملات میں دین ودنیا کو نکال کر مذہب واخلاق کا دائرہ مسجد اور عبادت گاہ تک محدود کر دیا جائے۔مغرب کے اس بڑھتے ہوئے سیکولرزم کے مقابلے میں علماء اسلام کی ذمہ داریاں بہت زیادہ نازک ہوگئی ہیں۔ چنانچہ علما کو درج ذیل امور پر توجہ دینا ہوگی۔

ا۔دین ودنیا کی تفریق کا خاتمہ کرنا۔

علماء کرام کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس بات کی وضاحت کریں کہ اسلام میں دین ودنیا کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔جب معاملات دنیا دین کی راہنمائی سے آزاد ہوں گے تو پھر انسانی خواہشات اور انسانی شہوات ہی کی بالادستی ہو گی جس کو علامہ اقبال نے یوں فرمایا۔

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی

ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری

ب۔ علماء کرام اپنے اپنے مسلک کی بجائے قرآن وسنت کی تعلیم عام کریں۔

علماء کرام اپنے اپنے مسلک کی تعلیم دینے کی بجائے قرآن وسُنت کی تعلیم عام کریں۔امام غزالیؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور دیگر آئمہ کرام کی آرا سارے احترام کے باوجود دوام نہیں رکھتیں جو دوام قرآن اور رسول ﷺ کی حدیث وسُنت کو حاصل ہے۔

علماء کرام کیوں فقہ شافعی یا فقہ اہل حدیث کو نئی نسل پر مسلط کر رہے ہیں مثلاً یہ ہوتا ہے کہ تم ہاتھ یہاں یا وہاں باندھ کر نماز پڑھو۔اپنے بزرگ کی پیروی میں پگڑی باندھ کر کہہ دینا کہ دین کا تقاضا ہے کہ پگڑی باندھو یہ غلط بات ہوگی۔

علماء نئی نسل کو صرف نماز کا صحیح طریقہ سکھائیں انہیں مسائل نماز بتائیں فقیہ اختلافات میں نہ الجھائیں۔اس طرح نئی نسل کی نماز ایک ہو سکتی ہے اور فروعی اختلافات کم ہو سکتے ہیں۔

ج۔ اسلام میں انتہا پسندی کی گنجائش نہیں۔

علماء کرام اسلام دشمن قوتوں کے سامنے واضح کریں کہ اسلام میں انتہا پسندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

انتہا پسندی کا مطلب ایسا رویہ ہے جو معمول کے مطابق نہ ہو۔ بلکہ افراط و تفریط پر مشتمل ہو۔ کسی معاشرے کی فکر و عمل پیمانوں سے باہر اور تہذیبی حدود سے خارج ایسا رویہ جس میں دلیل اور افہام و تفہیم کی کوئی گنجائش نہ ہو انتہا پسندی کہلاتا ہے۔

اسلام اعتدال کا نام ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو اُمتِ وسط قرار دیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطاً لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً ۔ (البقرة. ۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تمھیں ایک معتدل امت بنایا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہی دیں گے''۔

قرآن مجید میں انتہا پسندی کے لیے جو اصطلاح آئی ہے وہ غلو ہے جس کے معنی میں بڑھانا اور متجاوز ہونا کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہ لفظ دین کے تعلق سے آئے تو اس کا مفہوم ہے کہ دین میں کسی چیز کو جو درجہ مرتبہ یا مقام حاصل ہے اس کو بڑھا کر کچھ سے کچھ کر دیا جائے۔ اہل کتاب اپنے عقائد و رویوں میں اعتدال کی راہ سے ہٹے ہوئے تھے اس لیے قرآن مجید نے ان کے رویے کو انتہا پسندی سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ٥ (انساء . ۱۷۱)

''اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو''

دین میں مشکل پسندی بھی ایک طرح کی انتہا پسندی ہے۔ مختلف مذہبی حلقوں میں یہ مشکل پسندی مرغوب رہی اور ایسی ایسی مشکل ریاضتیں اپنائیں گئیں جو انسانی جسم کی طاقت سے باہر تھیں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو ایسی انتہا پسندی سے نجات دلانے کے لیے حضورؐ کی ذات گرامی کو بھیجا جن کے بارے میں قرآن میں آتا ہے۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِى كَانَتْ عَلَيْكُمْ ٥ (الاعراف ۱۵۷)

''اور ان پر سے وہ بوجھ اتارنا ہے جو ان پر لادے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے''۔

حضرت عبداللہ بن سرجیس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''حسن سیرت بردباری اور میانہ روی نبوت کے اجزاء میں سے چوبیسواں حصہ ہے'' میانہ روی کی صورت یہ ہے کہ زندگی کے معاملات میں افراط و تفریط سے بچا جائے۔ (مشکوٰۃ)

مسلم شریف میں حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز میں طوالت اور خطبہ میں اختصار انسان کے فقیہ ہونے کی نشانی ہے نماز لمبی کرو اور خطبہ میں کم سے کم وقت لگاؤ بلاشبہ بعض خطبے جادو کا سا اثر رکھتے ہیں''۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نہ خشک مزاج تھے اور نہ مُردوں کی سی چال چلتے تھے وہ اپنی مجالس میں شعر پڑھ لیا کرتے تھے اور دور جاہلیت کی باتوں کا بھی ذکر چھڑ جاتا تھا (لیکن) جب اللہ کے حکم کے خلاف کوئی چیز ان میں سے کسی سے چاہی جاتی تو اس کی آنکھوں کی پتلیاں گھوم جاتیں گویا وہ مجنون ہے''۔

یعنی حضورؐ کے احکامات کی پیروی میں صحابہ کرامؓ کا مزاج معتدل ہوتا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وہی اہل کتاب اب اس اعتدال پسند امت مسلمہ کو انتہا پسند کہتے ہیں حالانکہ مسلمان کبھی انتہا پسند نہیں ہوسکتا ہمارے ہاں اگر کہیں انتہا پسند انہ رجحانات پائے گئے ہیں تو وہ منحرف گروہوں میں پائے گئے ہیں محبتیں امت کے اجتماعی ضمیر نے ہمیشہ ٹھکرایا ہے گویا یہ حالات کی ستم ظریفی ہے کہ مسلمانوں کی جس بات کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جانا چاہیے تھا وہی قابل مذمت ہوگئی۔

د۔ اسلام کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں۔

علمائے کرام اس بات کی وضاحت فرمائیں کہ اسلام کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان ظلم برداشت کریں اور دہشت گردوں کے مقابلے میں جان سپرد کردیں بلکہ اسلام کے امن وسلامتی کا دین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ظلم نہیں کرنا چاہئے کسی کا ناحق خون نہیں بہانا چاہیے۔ بے گناہ انسانوں کی جان ومال کو نقصان نہیں پہنچانا چاہئے۔

جیسا کہ حضور ﷺ نے اپنے آخری خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا۔ ''لوگو! تمھارے خون تمھارے مال اور تمھاری عزتیں تمھارے رب سے ملنے تک یعنی قیامت تک ایک دوسرے پر ایسی حرام ہیں جیسا کہ تمھاری آج کے دن کی، اس مہینے کی اور اس شہر کی حرمت ہے۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے رہو۔ اور عنقریب تم اپنے رب سے ملوگے پس وہ تم سے تمھارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔''

لیکن جہاں تک ظالم کے ہاتھ کو روکنا ہے اور کفار کی دہشت گردی کا مقابلہ کرنا ہے تو امن وسلامتی کا یہ دین اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ظالم کا ہاتھ روک دیا جائے اور دہشت گردی کو روکنے کے لیے جہاد وقتال کی اجازت ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

اِذُنَ لِلَّذِینَ یُقَاتَلونَ بِاَنَّھُم ظُلِمُو وَاِنَّ اللّٰہ عَلٰی نَصرِھِمْ لَقَدِیرہ (الحج۔ ۳۹)

''اجازت دی گئی ہے ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ جاری ہے کیونکہ وہ مظلوم ہے اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے''۔

حضرت سعید بن زیدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے جو شخص اپنی ذات کو بچاتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے عیال کا دفاع کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے''

(ترمذی کتاب ادویات)

حضور ﷺ نے مقاصد جہاد کی بہترین توضیحات فرمائی ہیں۔ مثلاً حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لڑائیاں دو قسم کی ہیں جس نے خالص اللہ کی رضا کے لیے لڑائی کی اور اس میں امام کی اطاعت کی اپنا بہترین مال خرچ کیا اور فساد سے پرہیز کیا تو اس کا سونا جاگنا سب اجر کا مستحق ہے اور جس نے دنیا کو دکھانے اور شہرت و ناموری کے لیے جنگ کی اور اس میں امام کی نافرمانی کی اور زمین پر فساد پھیلا تو وہ برابر بھی نہ چھٹے گا یعنی الٹا عذاب ہوگا''۔

(ابوداؤد۔ کتاب اطہاد)

عبداللہ بن یزید الانصاریؓ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے لوٹ کھسوٹ اور مثلہ سے منع فرمایا'' (مسند احمد)

(حضور ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں حضرت ابوبکرؓ نے لشکر جہاد کو یوں ہدایات فرمائیں۔

۱۔ عورتیں بچے بوڑھے قتل نہ کیے جائیں۔

۲۔ جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے۔

۳۔ آبادیاں ویران نہ کی جائیں۔

۴۔ راہبوں عابدوں اور پجاریوں کو نہ ستایا جائے۔

۵۔ پھل دار درخت اور کھیتیاں تباہ نہ کی جائیں۔) غیرہ

اسلام کی اس حکمت عملی کے مقابلے میں دور حاضر کی جنگوں کو دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ جہاد کتنا پاکیزہ طرز عمل ہے۔ اجتماعی تباہ کاری انسانیت کشی اور جلاؤ گھیراؤ کا ظالمانہ طریقہ دور حاضر کا مسلمہ اصول ہے۔ اس وقت عراق اور افغانستان میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے کون سی انسانی اور تہذیبی قدر قرار دیا جا سکتا ہے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تعصب رکھنے والے لوگ ذرا غیر جانبدار رہ کر دیکھیں تو انہیں حقیقت کا علم ہو جائے۔ (۱)

اسلام دراصل امن و سلامتی کا دین ہے اور جہاد فساد ختم کرنے کے لیے ایک تعمیری اور مثبت حکمت عملی ہے۔ جبکہ کفر یہ ہے کہ نہتے بے بس اور کمزور مسلمانوں کو ظلم کا نشانہ بنایا جائے۔ غرض کہ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے لیکن اپنے ماننے والوں کو دنیا کے دہشت گردوں کے خلاف جہاد کی اجازت دیتا ہے۔

ر۔ اتحاد بین المسلمین کا درس دینا۔

علماء کا فرض ہے کہ وہ فروعی مسائل کو اپنی تقریروں اور خطبات میں لانے کی بجائے وَاعْتَصِمُو بِحَبْلِ اللّٰہ جمیعاً کو اپنا موضوع بنائیں اور عوام کو تفرقہ بازی سے باز رکھیں۔ رواداری وسیع النظری اور تحمل کو اپنائیں ایک دوسرے کے قریب آکر فرقہ پرستی کے داغ سے نجات پائیں۔

اتحاد قوم کے لیے اخوت ومحبت اور ایثار بنیادی شرائط ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی مہر ومحبت اور ان کے باہمی روابط کو جسم انسانی سے تشبیہ دی۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "تم ایمان والوں کو آپس میں رحم دلی اور آپس کی محبت شفقت میں ایک جسم کے مانند دیکھو گے۔ جب جسم کا ایک عضو کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو تمام جسم بے خوابی اور بخار میں اس کے ساتھ شریک ہوتا ہے۔ (متفق علیہ)

اس حدیث مبارکہ میں اسلامی اخوت اور رواداری کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ پہنچ کر جس اخوت کی بنیاد رکھی وہ آج تک بے مثل ہے۔

اخوت و یکجہتی کا تقاضا ہے کہ ایثار سے کام لیا جائے جیسا کہ قرآن میں ہے۔

"(مومنین) ایک دوسرے کے لیے ایثار کرتے ہیں اگر چہ انھیں خود اس کے لیے تکلیف اٹھانی پڑے اور جو اپنے نفس کی بخیلی سے بچ گیا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پانے والے ہیں"۔ (الحشر آیت ۹)

حضور ﷺ نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی بندہ ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے"۔ (متفق علیہ)

اب اگر کسی گروہ کے پر تشدد مقررین محض جلسوں کو گرمانے کے لیے دوسرے رہنماؤں پر کیچڑ اچھال کر فضا کو خراب کرتے ہیں

تو اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی اخلاق وشرافت اسے گوارا کرتے ہیں۔

س۔ اجتہاد کے ذریعے عوام الناس کو اعتدال پسندی کی طرف راغب کرنا۔

اجتہاد کے بارے میں علم رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ ایک طرف تو کچھ امور میں اجتہاد کا دروازہ مکمل طور پر بند ہو چکا ہے اور ایسا اس لیے ہے کہ نصوص شرعیہ کے بارے میں جتنے ممکنہ اجتہادات ہو سکتے تھے وہ سب کے سب ظاہر ہو چکے

ہیں اور ان نصوص پر مزید اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے مثلاً طلاق یافتہ عورتوں کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا کہ ایک مخصوص مدت تک اپنے آپ کو دوسرے نکاح سے روکے رکھیں اس کے لیے قرآن مجید میں ''ثلثہ قروٗ'' کے الفاظ آئے ہیں شافعی مکتب فکر نے اس لفظ کے معنی ''طہر'' لیے اور احناف نے ''قروٗ'' سے مراد حیض کا مفہوم لیا۔ دونوں کی گنجائش قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس لیے اس حد تک اس پر اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ (۲)

البتہ اجتہاد کا عمل رک نہیں سکتا علماء اُمت بذریعہ اجتہاد مسلمانوں کی فکری راہنمائی کرتے رہے ہیں۔ تاہم دورِ حاضر میں اجتہاد کی اشد ضرورت ہے کیونکہ زندگی کے تمام شعبوں اور میدانوں سے تعلق رکھنے والے علوم وفنون اس قدر ترقی کر چکے ہیں کہ عہد رسالتؐ کے علوم وفنون اور دور جدید کے علوم وفنون میں زمین وآسمان کا فرق پیدا ہو چکا ہے۔

عبادات ہی کو لیجیے اب زمین کے بعض ایسے علاقوں میں مسلمان آباد ہیں جہاں اٹھارہ گھنٹے سے لے کر چھ ماہ تک دنوں اور راتوں کا سلسلہ چلتا ہے۔ ایسے ماحول میں نمازوں کے اوقات روزوں کے دورانیے ہوائی جہازوں میں نماز کے مسائل اجتہادی فیصلوں کے منتظر ہیں۔

مثلاً مختلف علاقوں کے اوقات کی اوسط نکالی جائے اور یہ اوسط وقت روزے کے لیے ایسے علاقوں میں نافذ کر دیا جائے جہاں رات دن میں چھ ماہ تک طوالت ہو تو یہ اعتدال پسندی ہے۔

اسی طرح خون کی بیع تو حرام ہے مگر کسی مریض کی جان بچانے کی خاطر خون خریدا جانا جائز ہے۔ معاشرتی زندگی کو لیجیے تو ازدواجی مسائل المناک ہو چکے ہیں۔ طلاق کی وجوہ اور شرح بڑھ چکی ہے خواتین اور مردوں کے اوقات کار اور فرائض بدل چکے ہیں خواتین کی ملازمت پردے کی حدود ریڈیو، ٹی وی میں مردوں عورتوں کی مخلوط مجالس اور عریاں مناظر جیسے مسائل اجتہادی فیصلوں کے منتظر ہیں۔ گویا معاشرتی زندگی میں اعتدال وتوازن لانے کے لیے اور معاشرتی مسائل کے خاتمہ کے لیے اجتہاد کی اشد ضرورت ہے۔

۲۔ مغربی تہذیبی یلغار کا مقابلہ کرنا۔

دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر مسلمانوں پر عسکری حملوں کے ساتھ ساتھ اہل مغرب نے اسلامی انقلاب کی روک تھام کے لیے مسلمانان عالم کے خلاف ہمہ گیر ثقافتی وتہذیبی یلغار شروع کر دی ہے۔

مغربی تہذیب کو مقبول عام بنانے کے لیے بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اخلاق تباہ کرنے والا لٹریچر مسلمان ممالک میں درآمد کیا جاتا ہے۔ آج کا نوجوان موسیقی آرٹ اور رقص وسرور وغیرہ کے بارے میں اس انداز سے سوچنے لگا ہے جس انداز

سے اہل مغرب سوچتے ہیں۔(۳)

ہمارے ملک میں بھی بے ہودہ اور انسانیت سوز عریاں مناظر سے بھری ہوئی ویڈیو فلمیں بے مقصد رقص وموسیقی کی کیسٹیں قابل گرفت مواد اور تصویروں سے بھرے رسائل وجرائم کا پھیلاؤ ہے اور دوسری طرف سٹیلائٹ ٹی وی پروگرام ہیں جن کی عریانیت سے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کی بنیادیں ہل گئی ہیں اور معاشرتی زندگی عدم توازن کا شکار ہوگئی ہے۔

اس گھمبیر دل آزار اور دلسوز حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں آپس میں اتحاد یگانگت، نظم وضبط اور یکجہتی کی اشد ضرورت ہے۔اس لیے ہمیں اپنے اختلافات بھلا کر اپنے اندر اتحاد پیدا کرنا چاہیے اور اس اتحاد کے لیے ارکان اسلام پر عمل پیرا ہونا ہوگا یا جماعت نماز کا اہتمام کرنا ہوگا۔نماز اطاعت امیر کے ساتھ ساتھ اتحاد ویگانگت کا باعث بنتی ہے روزہ انفرادی عبادت کے ساتھ ساتھ اجتماعیت کا رنگ رکھتا ہے۔زکوٰۃ امیر اور غریب میں تعاون بڑھاتی ہے اور ارتکاز زر کی روک تھام کرتی ہے۔بغیر کسی رنگ ونسل کے امتیاز کے ہر غریب مسلمان کی مالی مدد اتحاد ویکجہتی کا عملی مظاہرہ ہے۔حج عالمی اتحاد اور یک جہتی کا سب سے بڑا عملی مظاہرہ ہے۔

مغربی تہذیبی یلغار کے مقابلے کے لیے اسلامی تعلیمات اور اقدار پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔مردوں کو اپنے کام کرنا ہوں گے اور عورتوں کو گھریلو ذمہ داریاں سنبھالنا ہوں گی۔

۳۔ رواداری کو اپنانا۔

دور حاضر میں باہمی اختلافات اور انتہا پسندی کے خاتمہ کے لیے رواداری سنہری اصُول ہے۔رواداری کا مطلب ہے ایک انسان یا ایک گروہ یا حکومت ان افکار وخیالات کو جنھیں وہ اپنے طور پر چاہے غلط سمجھے لیکن دوسروں کے جذبات و احساسات کا لحاظ کرتے ہوئے انھیں برداشت کرے۔دوسرے ادیان نظریات مسالک عقائد اور ان کے ماننے والوں کو اپنے طور پر ناپسند کرنے کے باوجود برداشت کرے اور ان کے حقوق تسلیم کرے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام بنی نوع انسان کا ایک نقطہ نظر پر متحد ہو جانا ممکن نہیں ہے اس لیے افراد واقوام کی طبعیتوں کے اختلافات کو مدنظر رکھتے ہوئے عالی ظرفی اور خندہ پیشانی سے دوسروں کے جذبات کا احترام کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّين (بقرہ۔آیت ۲۵۶)

تاریخ عالم میں حضورﷺ جیسی رواداری، متحمل مزاجی اور وسعت قلبی کی کہیں کوئی مثال نہیں ملتی۔ہجرت مدینہ کے بعد آپؐ نے پہلے پہل جو چند اقدامات کیے ان میں یہودیوں کے عقائد کا احترام کرتے ہوئے ان کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے

''اسلامی حکومت کے لیے یہ ضروری قرار پایا کہ یہودیوں کے عقائد کا احترام کیا جائے گا اور انھیں ہر قسم کی ایذا سے بچایا جائے گا اور یہ کہ مدینہ پر حملہ آور کے خلاف وہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔'' (سیرت ابن ہشام) (۴)

گویا اس معاہدے کے ذریعے سے آپ ﷺ نے مذہبی رواداری کے اصولوں کو اسلامی تہذیب کے ضمیر میں پہلے دن ہی داخل کر دیا۔

آپؐ یہودیوں کی ایذا رسانیوں پر محض درگزر ہی پر اکتفا نہیں فرماتے بلکہ اکثر معاشرت کی باتوں میں یہود کے ساتھ اتفاق فرماتے اور ان کی مذہبی توقیر قائم رکھنا چاہتے تھے۔ بخاری شریف میں آتا ہے۔

آپؐ نے دیکھا کہ مدینے کے یہودی عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ تو آپؐ نے بھی حکم دیا کہ لوگ عاشورہ کا روزہ رکھیں۔

''کسی یہودی کا جنازہ گزرتا تو آپؐ تعظیماً کھڑے ہو جاتے'' (بخاری شریف ج ۱)

مختصر یہ کہ اسلام میں مذہبی رواداری کے بارے میں قرآن و سنت کی وہ ہدایات ہیں جن پر ہماری تہذیب ثقافت کی عمارت قائم ہے اب ہر مسلمان پر لازم آتا ہے کہ وہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی حفاظت و احترام کرے ان کے عقائد میں مداخلت نہ کرے اور ان کے حقوق و فرائض کا احترام کرے اور ایک متوازن و پر امن معاشرہ کی تشکیل میں وسعت قلبی اور رواداری کا مظاہرہ کر کے مددگار ثابت ہو۔

۴۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا قیام۔

شریعت اسلامیہ کی تعلیمات کی روشنی میں جو اسلامی معاشرہ تشکیل پاتا ہے وہ ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ ہی ہوتا ہے۔ جو خیر و شر نیکی و بدی کی پہچان رکھنے والا معاشرہ ہوتا ہے۔ اس معاشرے کے افراد نیکی سے رغبت رکھنے والے اور برائی سے نفرت رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اس امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والی ایک جماعت اس معاشرے میں موجود رہتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

وَلْتَكُنْ مِنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۝

(آل عمران: آیت ۱۰۴)

''اور چاہیے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو جو بھلائی کی طرف بلائے نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے''

انفرادی طور پر ہر ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ جہاں بھی برائی دیکھے تو اسے دور کرنے کی کوشش کرے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَ

ذٰلِکَ اَضعَفُ الِاْ یمَانِ ٥ (ابوداؤد سنن ج اص ۲۹۷) (۷)

''تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے قوت کے ذریعے ختم کر دے برائی کو طاقت کے ذریعے ختم کرنے پر قادر نہ ہو تو زبان کے ذریعے اسے ختم کرے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو برائی کو دل سے بُرا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''۔ (۵)

گویا اسلام نے معاشرے میں برائی کے مکمل خاتمہ کے لیے ایک ہم گیر اصول دیا ہے کہ ہر شخص اپنے اختیار اور حیثیت کے مطابق برائی کو روک کر معاشرتی زندگی کو عدم توازن کا شکار ہونے سے بچائے۔ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا

اَلاَ کُلُّکُم رَاعٍ و. کُلُّکُم مَسْئُولٌ عَن رَعِیَّتِہِ (ترمذی)

جان لو تم میں سے ہر کوئی راعی (نگران) ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا قیام دراصل حکمران وقت کی ذمہ داری ہے جیسا کہ اَلَّذِینَ اِنْ مَکَّنّٰھُم فِي الْاَرضِ اَقَا مُوالصّلوٰۃَ وَاٰتُوا الزَّکوٰۃَ وَاَمَرُ وْ بِالمَعرُوفِ وَنَھَوامِنَ الْمُنکَرِ ٥ (سورۃ الحج آیت ۴۱)

''ان لوگوں کو اگر زمین پر ہمارا عطا کردہ اقتدار حاصل ہو تو وہ نماز قائم کرتے ہیں ذکوٰۃ ادا کرتے نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔''

اس طرح حکومت کی ذمہ داری ہیکہ وہ اہل علم وعمل حضرات پر مشتمل ایک مستقل ادارہ قائم کرے جو عوام کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی پابندی پر مائل ومجبور کریں اور غیر اسلامی اقدار کا معاشرے سے قلع قمع کریں۔ اس طرح احتسابی عمل سے معاشرہ اعتدال پسندی کی طرف مائل ہوگا۔

۵۔ اہل معاشرہ کا میانہ روی اپنانا۔

ایک اعتدال پسند معاشرہ کے لیے ضروری ہے کہ اس کے افراد بھی اپنے معاملات میں میانہ روی اور اعتدال پسندی کو اپناتے ہوں۔

قرآن پاک میں مسلمان کو اعتدال پسند کہا گیا ہے۔

وَالَّذِینَ اِذَ اَنفَقُو لَمہ یَسرِ فُو وَلَم یَقتُرُو کَانَ بَینَ ذَالِکَ قوَاماً ٥

''اور جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں بلکہ میانہ روی کے ساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم''۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا (الاعراف۔۳۱)

''کھاؤ پیو اور فضول خرچی مت کرو''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ (مسند احمد)

''وہ محتاج نہیں جس نے میانہ روی اختیار کی''

یعنی اعتدال کی راہ اختیار کرنے والا کبھی محتاجی کا شکار نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کو اعتدال کی راہ پر لانے کے لیے قرآن پاک نے بخل سے روکا۔

وَمَنْ یُّوقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہ (الحشر ا ۹)

''حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں''۔

گویا اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ اس معاشرہ کے افراد فضول رسموں آتش بازی پتنگ بازی اور نمود و نمائش میں مال اڑانے والے نہ ہوں اسی طرح مال سے بے جا محبت کرنے والے بھی نہ ہوں کہ غربا کا حق ادا نہ کرتے ہوں اور نہ زکوٰۃ کے منکر ہوں۔

۶۔ عورتوں کی بے جا آزادی اور تبرج الجاھلیۃ کا خاتمہ۔

اعتدال پسندی میں یہ بھی داخل ہے کہ مرد اور عورتیں اپنے اپنے دائرہ کار میں رہیں اور فطرت نے جو انھیں صلاحیتیں اور کام سونپیں ہیں اُن کی بجا آوری سے منکر نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کی جسمانی حالت مزاج اور عادات کے اعتبار سے اسے گھریلو ذمہ داریوں پر مقرر فرمایا اور مرد کی جسمانی قوت اور مزاج کے مطابق اسے بیرون خانہ بھاری کام سونپے ہیں۔

اب تہذیب مغرب کی اندھی تقلید میں عورتیں گھر چھوڑ کر بازار دفاتر فیکٹری عدالت بنک پولیس فوج غرض کہ زندگی کے تمام شعبوں میں مردوں کا مقابلہ کر رہی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ خاندانی و مسائلی زندگی تباہ ہو رہی ہے بچوں کی پرورش اور تعلیم اور تربیت صحیح خطوط پر نہیں ہو سکتی۔

یوں سکولوں کالجوں میں طلباء کی شرح فیل شدگان بڑھ گئی ہے۔ طلاق کے معاملات کی شرح اب پہلے سے بڑھ گئی ہے۔ یہ گویا معاشرتی عدم توازن کی علامت اور آئندہ نسل کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔

عورتوں کا بے پردہ بازاروں میں گھومنا یا دفاتر میں مردوں کے ساتھ ساتھ کام کرنا اور شوبز اور فن کے نام پر عورتوں کی عریاں و متحرک تصاویر فتنہ ہے۔ قرآن مجید نے اس کو سختی سے روکا۔

وَقَرْنَ فِي بُيُو تِكُنَّ وَلَا تَبدَّ جْنَ تَبدَّ جَ الْجَاهَلِةِ الْاُولیٰ ۔ (الاحزاب آیت ۳۳)

اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور اگلے زمانہ جاہلیت کے بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرتی پھرو"

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل مطلوب یہ ہے کہ عورتیں گھروں سے باہر نہ نکلیں ان کی تخلیق گھریلو کاموں کے لیے ہوئی ہے ان میں مشغول رہیں لیکن اگر کبھی عورت کو گھر سے نکلنا ہی پڑے تو زینت کے اظہار کے ساتھ نہ نکلے۔ (معارف القرآن ۱۳۳/۷) (۶)

حضرت ابن مسعودؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت بیان کی ہے۔

"عورت گویا ستر ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیاطین اس کو تاکتے اور اپنی نظروں کا نشانہ بناتے ہیں۔" (بخاری)

عورتوں کی عصمت دری اغوا اور قتل کے واقعات سے جو معاشرتی بے اعتدالی نظر آتی ہے اس کی وجہ عورتوں کا حجاب ترک کر کے مردوں کو اپنے اوپر مسلط کرنا ہے۔

۷۔ حکومت کا کردار۔

اس دور کی شدت پسندی اور پُر آشوب نفسا نفسی کے پیش نظر ایک روشن خیال، اعتدال پسند اور پُر امن اسلامی معاشرہ کا قیام قابلِ تحسین بات ہے۔ مگر اس کے لیے حکومت کو ایک طرف اسلامی قوانین اور اجتہادی فیصلے نافذ کرنا ہوں گے تو دوسری طرف عوام کو باشعور فرض شناس اور اسلامی اقدار و شعار کے حامل محب وطن بننا ہوگا۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ اسلام اور دہشت گردی ڈاکٹر خالد علوی مقالہ ماہنامہ دعوۃ ستمبر ۲۰۰۱ء دعوۃ اکیڈمی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

۲۔ اجتہاد۔ایک تعارف شہزادا قبال شام شریعہ اکیڈمی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

۳۔ اسلام کے کارہائے نمایاں چوھدری غلام رسول ایم اے علمی کتاب خانہ لاہور

۴۔ سیرت النبی کامل (ترجمہ) عبدالجلیل صدیقی شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

۵۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر ڈاکٹر محمد طفیل دعوۃ اکیڈمی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

۶۔ تفسیر معارف القرآن مولانا محمد شفیع مفتی ادارۃ المعارف کراچی

۷۔ کتاب الجہاد ابوداؤد سنن امام ابی داؤد سلیمان بن اشعث



عصر حاضر کے تقاضے اور ایک اعتدال پسند روشن خیال معاشرے کی تشکیل و ضرورت اسوۂ حسنہ ﷺ کی روشنی میں۔

(محمد اکرام اشرف (سیالکوٹ)

حضور ﷺ کی مبارک زندگی جسے قرآن حکیم اسوۂ حسنہ کا نام دیتا ہے۔عصر حاضر کے تمام مسائل کا حل پیش کرتی ہے۔آپ کی ذات اقدس آج کے پرآشوب دور میں ہدایت وراہنمائی کا واحد معیار ہے۔آپ کا ارشاد پاک ہے۔

''میں تو اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں'' (کنز الاعمال جلد دوم، صفحہ ۵)

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

''البتہ تمہارے لئے آپ کی ذات اقدس میں عمدہ نمونہ موجود ہے۔'' (الاحزاب:۲۱)

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ

''جو شخص آپ کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی'' (النساء ۸۰)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا۔

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔''

(بخاری شریف)

عصر حاضر کے تقاضے۔

دور حاضر کا مرکز و محور انسان ہے لیکن اگر بنظر غائر لیا جائے تو وہی سب سے زیادہ مظلوم اور یکہ و تنہا ہے۔دور جدید کی تہذیب کے تھپیڑے کھا کھا کر سراسیمگی کے عالم میں ادھر ادھر بھٹک رہا ہے۔محبت و آشتی کا طلبگار انسان امن کی موہوم سی خواہش لئے نفرتوں اور کدورتوں کے سمندر میں غرق ہے۔خدا کی اس وسیع زمین پر اسے کہیں بھی زندگی کا نشان امن و محبت، صلح جوئی، اخوت، مروت، رواداری، بردباری اور انسانیت کا سراغ نہیں مل رہا۔انسانوں کے اس جہاں میں انسان ہی اس

قدر باغی، سرکش اور طاغی ہو چکے ہیں۔ کہ ان کی بربریت و بہیمیت سے ہر شخص لرزہ براندام ہے۔

من حیث القوم اندرونی طور پر اور بیرونی دنیا میں ہمارا عمومی تاثر کیا ہے۔ آیئے اس کا سرسری جائزہ لیتے ہیں۔

ہم نے اسلامی تعلیمات کی روح کے مطابق عمل کرنے کی بجائے بے راہ روی کی روش اپنا رکھی ہے۔ حضور اکرمؐ کی پیاری پیاری سنتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ طاغوتی قوتیں اسلام کو ایک شدت پسند، انتہا پسند، دہشت پسند مذہب اور مسلمانوں کو جنگجو یا نہ ذہن رکھنے والی قوم سمجھنے لگے ہیں۔ مغربی دنیا اسلام کو ایک متعصب اور انسانی حقوق سے عاری مذہب خیال کرتی ہے۔ جس میں غیر مسلموں کے لیے کوئی حقوق نہیں۔ جہاد کے معنی کو غلط رنگ دیا جا رہا ہے اور ہر انتہا پسند تحریک کو اسلام اور مسلمانوں سے منسوب کی جانے لگا ہے اس بھیانک صورت حال کی ذمہ دار وہ انتہا پسند قوتیں بھی ہیں جنہوں نے فرقہ واریت اور مذہبی انتہا پسندی کو ہوا دی ہے اور مثبت سوچ اپنانے کی بجائے منفی سوچ اور پروپیگنڈہ کو اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے۔

فرقہ واریت، شخصیت پرستی کی اندھی تقلید اور ہیرو ازم نے ہماری ملی اساس کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ بیرونی محاذ پر طاغوتی اور لادینی قوتوں اور اندرونی طور پر نام نہاد مذہبی تنظیموں نے ہماری اسلامی ساکھ کو پامال کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ہمارے نوجوان طبقہ کو بالخصوص اور عوام الناس کو بالعموم ایک اشتعال پسند، پر تشدد اور جذباتی قوم بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انتہا پسندانہ سوچ ایک اعتدال پسند اور روشن خیال معاشرے کی تشکیل میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ اسلام کی مسلمہ روشن تعلیمات کو پس پشت ڈال کر قوم کو ایک دقیانوسی اور پسماندہ ذہین والی قوم بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔

ہمارے ہاں ملی وحدت کا تصور مفقود ہے۔ افتراق وانتشار کا فساد برپا ہے؛

''ایک طرف ہم نے مذہبی امور میں فروعات کے اختلاف کو انتہائی شدت سے پیش کرنے کا طرز عمل اپنایا ہے جس کے نتیجے میں جب مذہبی مسائل میں اختلاف رونما ہوتا ہے تو مذمت اور مخالفت کے لیے بھی مذہبی اصطلاحات ہی استعمال ہوتی ہیں اور بلا دریغ ایک دوسرے کو خارج از اسلام، کافر، زندیق اور گمراہ قرار دیا جاتا ہے۔'' (۱)

ہمارے اندر اتحاد، اتفاق، رواداری، اعتدال پسندی اور روشن خیالی کی روایات دم توڑ چکی ہیں۔ نفرت، بغض، رویوں میں اشتعال اور تشدد کا عنصر، کینسر کی طرح پورے معاشرے میں پھیلتا جا رہا ہے۔ ہماری سیاسی، معاشی اور اخلاقی سوچ ناگفتہ بہ ہے۔ اجتماعی سوچ کی بجائے انفرادی سوچ غالب ہے۔ مخصوص مفادات کے حامل لوگ قوم کو چھوٹے اور دلفریب نعروں سے بہلا رہے ہیں

سب لوگ ہی انتہا پسندانہ باتیں کرتے ہیں۔ اعتدال وانصاف اور متوازن و معتدل بات کہنے کا رواج ہی ختم ہو گیا ہے۔

''ہم دنیا کی ایک ایسی بیمار قوم بن گئے ہیں جو روشنی میں سوتی اور اندھیرے میں چلتی ہے اور اپنے رہنماؤں کے

''چہرے'' دیکھنے کی بجائے صرف ان کی دلفریب آوازیں اور نعرے سنتی اور انسانوں کی بجائے آوازوں کے پیچھے دوڑتی ہے۔''

قوم کو جہاں دین وایمان کے تقاضے ہمیشہ قربانیاں دینے پر آمادہ کرتے ہیں وہاں روزمرہ کی ضروریات اور مادی مسائل بھی انہیں پریشان کرتے ہیں اور ایک حد درجہ بوسیدہ نو آبادیاتی نظام کے تحت' جسے بدلنے کا ہر حکمران وعدہ کرتا ہے اور کوئی بھی بدلنے پر قادر نظر نہیں آتا' ان مشکلات میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس بدترین نو آبادیاتی باطل نظام نے مسلمانوں میں طبقات پیدا کر دیئے ہیں۔ مسلمانوں میں طبقاتی احساس کا زہر پھیل رہا ہے۔ لوگ دین اور ملی اخوت کی بجائے باہمی طبقاتی اور علاقائی احساس کے تحت سوچتے اور فیصلے کرتے ہیں اور جب کسی قوم میں قومی جذبہ ہو جائے' باہمی مشترک قدریں پسپا ہو جائیں اور علاقائی طبقاتی احساس بڑھ جائے تو وہ قوم کسی بھاری خون خرابے کے لیے بالکل تیار ہو جاتی ہے۔

گزشتہ ایام میں ہماری قوم گھسٹ گھسٹ کر اسلامی بھائی چارے کے مقام اخوت سے گر کر طبقاتی نفرت کے قریب آ پہنچی ہے۔ یہ ایک خطرناک متعفن دلدل ہے جس میں اگر کوئی قوم پھنس جائے تو پھر بھائی کو بھائی ذبح کرتا ہے اور بہن کو بھائی بے آبرو کرتا ہے اور قتل وخون سینکڑوں سے گزر کر ہزاروں اور لاکھوں تک جا پہنچتا ہے اور اسی کا نام عذاب الٰہی ہے ہمارے دیکھتے دیکھتے کئی قومیں اس عذاب کا شکار ہو گئی ہیں۔'' (۲)

ڈاکٹر شاہد مسعود خٹک کا ایک مقالہ ''پاکستانی معاشرہ ایک سماجی ونفسیاتی جائزہ'' کے عنوان سے ''جنگ سنڈے میگزین لاہور بتاریخ ۲۱ نومبر ۲۰۰۴ کو شائع ہوا۔ جس میں فاضل مقالہ نگار نے مذہبی منافرت کو بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''موجودہ پاکستانی معاشرے کو لاحق ایک شدید خطرہ عصبیت اور مذہبی فرقہ واریت کی دن بدن بڑھتی ہوئی شدت ہے۔ اس تقسیم در تقسیم اور کمزور معاشرے میں اس عنصر کے شدت اختیار کرنے سے پہلے سے موجود سماجی اور نفسیاتی خلیج مزید گہری ہوتی جا رہی ہے۔ بنیادی مذہبی فرائض اور اہم قومی مسائل سے توجہ ہٹا کر معاشرہ فروعات اور اختلافات میں الجھ کر رہ گیا ہے اور قوم کا اہم فکری سرمایہ ان مہمل اور فضول باتوں کی نذر ہو رہا ہے۔ اس مذہبی شدت پسندی کی وجہ سے معاشرے میں معاشی نقصان کے علاوہ مختلف فقہی گروہوں کے درمیان ذہنی دوری اور بعد پیدا ہو رہا ہے اور ان کی ایک دوسرے سے نفرت اور معاشرتی سطح پر آپس میں تقسیم ایک تکلیف دہ حقیقت ہے جس سے معاشرے کے صحت مندانہ ارتقا اور اس میں مثبت رجحانات کے فروغ پر اثر پڑ رہا ہے۔'' (بحوالہ: جنگ سنڈے میگزین ۲۱ نومبر ۲۰۰۴ لاہور)

مولانا مودودی صاحب کا تجزیہ ہمارے فروعی اختلافات پر ایک چوٹ ہے ایسے لگتا ہے ہمیں سوائے اختلاف کرنے کے اور

کوئی کام ہی نہیں ہے وہ اسے تعمیر وطن میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیتے ہیں۔

''ہمارے ہاں اختلافات کی فصل بہار آئی ہوئی ہے فکر و نظر کے اختلافات' اغراض و خواہشات کے اختلافات' گروہوں اور ٹولیوں کے اختلافات' علاقوں اور صوبوں کے اختلافات نت نئی شان سے ابھرتے رہتے ہیں اور ابھرتے چلے آرہے ہیں۔ جو کچھ ایک بنانا چاہتا ہے دوسرا اس میں مزاحم ہو جاتا ہے اور دوسرا جو کچھ بنانا چاہتا ہے کوئی تیسرا اس کو بگاڑنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ کوئی کچھ بھی نہیں بنا سکتا۔ اس صورت حال نے ہر پہلو میں تعمیر روک رکھی ہے اور تخریب آپ سے آپ اپنا کام کر رہی ہے خواہ ہم میں سے کوئی بھی اس کا دل سے خواہاں نہ ہو۔'' (۳)

محاذ آرائی' مذہبی منافرت، اور رویوں میں انتہا پسند یعام ہے ہر شخص اپنی بات کو ہی حرف آخر سمجھے بیٹھا ہے کیا یہ مثبت سوچ اور اعتدال پسند رویے کے برعکس نہیں؟ ہم اپنے نظریے کو عقل کل کیوں سمجھ بیٹھتے ہیں؟ اس سلسلے میں جناب عبدالمجید ساجد صاحب روزنامہ جنگ لاہور کے ۱۹ مارچ ۲۰۰۴ کے ملی ایڈیشن میں رقم طراز ہیں۔

''عملی طور پر ہم بے اعتدالی کا شکار ہو چکے ہیں۔ اپنے اپنے نظریئے پر پوری شدت کے ساتھ جمے ہوئے ہیں کسی دوسرے کی تنقید برداشت کرنے کا یارا نہیں۔ اپنے مکتبہ فکر کے لوگوں کو ہی درست پاتے ہیں اور دوسرے مکاتب فکر کو نہ صرف پسند نہیں کرتے بلکہ انہیں غلط بھی قرار دیتے ہیں کسی معمولی سے اختلافی مسئلے کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خلاف محاذ کھڑا کر لینا ہمارا وطیرہ بن چکا ہے اپنے نظریے اور فکر کو ہی حرف آخر سمجھنا عقل مندی کی علامت بن چکی ہے۔ اسکو انتہا اور تشدد قرار دیا جاتا ہے اور یہ بے اعتدالی کا ہی نتیجہ ہے۔''

(بحوالہ: عبدالمجید ساجد۔ ملی ایڈیشن روزنامہ جنگ ۱۹ مارچ ۲۰۰۴)

کیا ہم واقعی ایسی قوم بن چکے ہیں جن حقائق کا اوپر تذکرہ ہوا ہے؟ کیا ہم ازل سے ہی ایسی قوم رہی ہیں یا حالات کے بے رحم تھپیڑوں نے ہمیں ایسا بنا دیا ہے؟ یقیناً حالات اور کچھ اپنوں کی ناعاقبت اندیشی نے ہمیں اس نہج پر پہنچا دیا ہے۔ یہ قوم تو ''ماہ کامل کا ایک ٹوٹا ہوا تارا ہے'' اہل مغرب آج اپنے سماجی اور معاشرتی نظام پر فخر کرتے ہیں لیکن انہیں تہذیب و تمدن اور شائستگی کے زریں اصول کس نے سکھائے؟ آیئے اس سلسلے میں ایک مغربی مفکر کی رائے دیکھتے ہیں۔

رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) اپنی کتاب "The Making of Humanity" میں لکھتے ہیں۔

''یورپ کے حقیقی نشاۃ الثانیہ پندرھویں صدی میں نہیں بلکہ عربوں اور موروں کی احیائے ثقافت کے زیر اثر وجود میں آئی۔ یورپ کی نئی پیدائش کا گہوارہ اٹلی نہیں ہسپانیہ تھا۔''

(بحوالہ: "The Making of Humanity by Rober Briffault" تشکیل انسانیت از رابرٹ

بریفالٹ، مترجمہ عبدالمجید سالک مجلس ترقی ادب لاہور ص۔۲۵۴)

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کا گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

اعتدال پسندی اور روشن خیالی:

''اعتدال'' کا مطلب ہے ''نہ کمی نہ زیادتی''۔ درمیانی درجہ۔ میانہ روی

''اعتدال پسند'' کا مطلب ہے ''میانہ روی پسند کرنے والا (بحوالہ: فیروز اللغات اردو فیروز سنز لاہور)

انگلش میں اس کے لیے ''Moderate'' کا لفظ بولا جاتا ہے جس کا مطلب ہے ''With in bounds'' حدود کے اندر'' ''روشن خیال'' کا مطلب ہے ''مثبت سوچ والا'' ''روشن ضمیر''

''روشن خیال'' کو انگریزی میں "Enlightend" کہتے ہیں۔ یعنی اعتدال پسند اور روشن خیال سے مراد ''میانہ رو مثبت کردار و سوچ کا حامل'' ہے۔

دوسرے لفظوں میں ''اپنی حدود کے اندر رہنے والا'' کسی کو نقصان پہنچانے والا تکلیف دینے والا اپنے نفس کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ضمیر کی آواز پر عمل کرنے والا۔ دوسروں کو سکھ دینے والا یعنی اعتدال پسندی اور روشن خیالی ''مثبت رویہ و سلوک'' اور اچھے ''برتاؤ'' کا نام ہے۔ مذہبی اصطلاح میں اس کو اخلاق حسنہ کہتے ہیں۔ تعمیر شخصیت میں ''رویہ و سلوک'' کو بڑی اہمیت ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین اپنی تالیف ''تعلیم کے اولین اصول (Principles of Education First) میں لکھتے ہیں۔ کہ

''تعلیم کے مقاصد تعمیر کردار، مکمل زندگی کے لیے تیار رہنا اور اچھے ذہن کی نشو و نما ہیں''

علامہ سید سلیمان ندوی اور علامہ شبلی نعمانی ''سیرت النبیؐ (جلد ششم ص۔۶) میں رقم طراز ہیں۔

''اقوام کی ترقی و تہذیب میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے۔۔۔۔۔۔ ملت کی تعمیر کا اہم جزو اخلاق کی صحیح تربیت ہے۔''

''تعمیر شخصیت کے متعدد عوامل و عناصر اور اظہار شخصیت کی مختلف النوع صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہم ایک ایسا بنیادی نقطہ و مرکزہ (Nucleus) تلاش کرنا چاہیں جو (شخصیت کی) تعمیر و اظہار کے دونوں حوالوں سے یکساں اہم ہو تو وہ رویہ و سلوک (Attitude) ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ رویہ و سلوک ہی آدمی کو ظاہری و باطنی خصوصیات کا آئینہ دار، اس کے مزاج و فناد کا مظہر، اس کے صلبی و نسبی تعلق کا بین ثبوت اور اس کے انفرادی اجتماعی تجربات سے ماخوذ طرز عمل پر مبنی ہوتا ہے۔''

''رویہ و سلوک اور برتاؤ کی دو سطحیں واضح ہیں ایک انفرادی یعنی انسان ہوتے ہوئے۔ اپنے آپ سے برتاؤ۔ اور دوسرے اجتماعی یعنی رکن معاشرہ ہوتے ہوئے دوسرے لوگوں (ابنائے جنس و دیگر اجسام) سے رویہ و سلوک۔ اجتماعی رویہ و سلوک کے کئی رخ ہیں۔ دوسروں میں اس کے اپنے گھر خاندان والے شامل ہیں جن سے اس کے اپنے مفادات بھی وابستہ ہیں۔ ایک دائرہ اس سے اور بڑا ہے جو اہل شہر اور اہل وطن پر محیط ہر سکتا ہے جبکہ ایک درجہ سب سے بلند ہے جبکہ اس کے رویہ سلوک کے مستحق زمان و مکان سے ماورا سب انسان، سب جگہ کے لوگ، سارے اوطان و ممالک میں بسنے والے بھی ہیں۔'' (۴)

ہمارے ''رویوں'' میں تشدد اور انتہا پسندی کا عنصر غالب ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اشتعال میں آجاتے ہیں۔ محبت و آشتی کے جذبات ختم ہوتے جارہے ہیں۔ کیا کبھی ہم نے اپنے اس انتہا پسندانہ رویہ سلوک پر غور کیا ہے؟ کیا کبھی ہم نے اس بات پر سوچنے کی زحمت گوارا کی ہے کہ ہماری اخلاقی گراوٹ کی وجہ کیا ہے؟ اور رویوں میں اس بے اعتدالی کی وجہ سے ہم نے صرف خود بلکہ دوسرے لوگ بھی ذہنی و جسمانی ہیجان کا شکار ہیں۔ ہم ایسی ہستی کے پیروکار ہیں جو امن و محبت کے پیامبر ہیں جنہوں نے اپنے حسن خلق سے غیروں کو بھی اپنا گرویدہ بنالیا۔ آپؐ اعتدال پسندی اور روشن خیالی کی عملی تصویر تھے۔ آیئے اس سیرت طیبہ سے مستفید ہوتے ہیں۔

اعتدال پسند، روشن خیال معاشرے کی تشکیل وضرورت اسوہ حسنہ کی روشنی میں:

حضور اکرمؐ نے تہذیب و تمدن کے مرجھائے ہوئے ریگستانوں کو عظمت و رفعت کے نخلستانوں میں تبدیل کر دیا۔ نفرتوں کے سمندر کو پاٹ دیا۔ انسانوں کو نئی زندگی، اور زندگی کو نئے ولولے عطا کیے عظمت کے سرے معیار آپ کے سامنے ہیچ اور پست ہیں۔ آپؐ نے اپنے اخلاق حسنہ سے نفرت کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا۔ معروف دانشور اور محقق جارج برنارڈ شا George Bernard Shaw لکھتا ہے۔

''از منہ وسطیٰ میں عیسائی راہبوں نے جہالت وتعصب کی وجہ سے اسلام کی نہایت بھیانک تصویر پیش کی۔ انہوں نے محمد ﷺ اور دین اسلام کے خلاف منظم تحریک چلائی یہ سب راہب اور منصف غلط کار تھے۔ کیونکہ محمد ﷺ ایک عظیم ہستی اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ تھے۔'' (بحوالہ: جارج برنارڈ شا۔ مجلّہ مہک ص۔۳۹۲ گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ)

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اے نبی ﷺ، نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو تو دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا۔'' (حم السجدہ۔۳۴)

''ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان دوستی پیدا کر دے اور اللہ قدرت والا ہے۔''

(القرآن۔ الممتحنہ۔۸)

حضور ﷺ کی ذات مرقع صفات، اعتدال پسندی اور روشن خیالی کا عمل جامع نمونہ تھی۔ آپ کی تعلیمات دور جدید کے تقاضوں کو کماحقہ پورا کرتی ہیں۔ عہد جاہلیت میں بھی آپ رواداری امن، صلح جوئی اور اعتدال پسندی کے قائل تھے۔

''حرب مجاز'' کے خاتمہ کے کچھ عرصہ بعد قریش کے تمام قبائل نے آپس میں عہد کیا کہ آئندہ جنگ نہ کریں گے چاہے وہ کسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے بھی اس تاریخی معاہدے میں شرکت کی اور اس کو اس قدر پسند فرمایا کہ عہد نبوت میں بھی آپ ﷺ اس معاہدے پر فخر کیا کرتے تھے۔ درحقیقت عرب کی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا معاہدہ امن وسلامتی تھا جس کی رو سے برسوں کے دشمن مل کر کام کرنے لگے۔

ایک حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ اگر اس معاہدے کے بدلے مجھے سرخ اونٹ دیئے جاتے تو بھی نہ لیتا اور آج بھی اس قسم کا کوئی معاہدہ ہو تو اس میں شرکت کے لیے میں تیار ہوں'' (۵)

حضور ﷺ نے مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی جس کی بنیادیں امن اتحاد، باہمی تعاون اور صلح وآشتی پر استوار کی گئیں۔ آپ ﷺ نے اسلام کے ابتدائی ایام میں مدینہ کے قبائل، عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جسے ''میثاق مدینہ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ امن، صلح جوئی، باہمی تعلقات، اتحاد، اعتدال پسند رویے اور روشن خیالی کے حوالے سے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی ایک شق کے الفاظ یہ تھے ''شرکائے معاہدہ کے؟ آپس میں تعلقات خیر خواہی، خیر سگالی اور نیکی پر مبنی ہوں گے''۔ یہ معاہدہ دشمنی، دعاوت اور بغض وعناد کے بتوں کو پاش پاش کرتا ہے۔ اسی طرح کا ایک معاہدہ ''نجران'' کے عیسائیوں اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان بھی ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہدوں میں ''اہل اعانات'' ''اہل حیرہ'' اور ''اہل ایلیاء'' سے معاہدات امن ہوئے۔

اسلام مذہبی رواداری کا درس دیتا ہے کسی دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرتا۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے ''اسکندریہ شہر'' فتح کیا تو اہل سے معاہدہ ہوا جو اپنے اندر محبت و امن اور بھائی چارے کا بحر بیکراں لئے ہوئے ہے اس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے۔ ''تمہاری جان، مال، مذہب، گرجا، صلیب، عزت، بحر و بر غرض ہر چیز کی امان دیتا ہوں ان چیزوں میں کسی قسم کی مداخلت اور کمی بیشی نہ کی جائے گی۔''

آپ ﷺ تبلیغ اسلام کے سلسلے میں طائف تشریف لے گئے وہاں کے سرداروں نے آپ کی بات سننے کی بجائے شرارتی اوباش لڑکوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ ان کے پتھروں سے آپ لہولہان ہو گئے لیکن پیشانی مبارک پر شکن تک نہ آئی۔ حضرت جبرائیلؑ حاضر خدمت ہوئے اور کہا اگر آپ حکم دیں تو اس بستی کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ لیکن آپؐ نے فرمایا ''نہیں مجھے امید ہے اللہ ان سے ایسی نسل پیدا فرمائے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے گی۔''

''کفار ثقیف جنہوں نے طائف کے سفر میں آپؐ کے پائے مبارک کو زخمی کر دیا تھا۔ ۹ ہجری میں وفد لے کر آئے تو آپؐ نے ان کو مسجد نبوی میں اتارا اور بہ نفس نفیس ان کی میزبانی کے فرائض انجام دیئے۔'' (٦)

آج کے دور کا کوئی انسان ہوتا تو جذبہ انتقام سے مغلوب ہو کر کچھ بھی کر سکتا تھا۔ لیکن حضور اکرم ﷺ نے عفو درگزر، وسیع النظری اور وسعت قلب کا مظاہرہ کیا۔

''آپؐ اپنے یہودی ہمسائیوں سے حسن سلوک سے پیش آتے ان کے ہدیے قبول فرماتے۔

حبشہ سے آنے والے عیسائیوں کو نبی کریم ﷺ نے مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا۔ خود ان کی خدمت کی۔ یہی رویہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ بھی کیا۔ انہوں نے مسجد نبوی میں عبادت بھی کی جب ان لوگوں نے حضور ﷺ سے اپنے عقائد کے بارے میں بحث کی تو حضور ﷺ نے بڑی بردباری اور اخلاق سے جواب دیئے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مصر میں ایک مسجد کو وسعت دینے کے لیے ایک عورت کے مکان کو مسجد میں شامل کیا گیا اس نے شکایت کی۔ مسلمانوں نے مسجد کو مسمار کر کے اس عورت کو اس کا گھر واپس کر دیا کیونکہ وہ قیمتاً بھی یہ جگہ دینے کے لیے تیار نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کے گرجے میں اس لئے نماز ادا نہ کی کہ عیسائی یہ نہ سمجھیں کہ آپ وہاں نماز پڑھ کر اپنی ملکیت ظاہر کر رہے ہیں۔ (۷)

''حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ جناب سرور کائنات ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ میں تمہیں بتاؤں کہ اہل دنیا اور عقبی کے اخلاق میں کونسا خلق افضل ہے؟ فرمایا کہ جو تم سے قطع تعلق کرے اس سے ملنا جو تمہیں محروم رکھے اس کو دنیا اور جو ظلم کرے اسے معاف کرنا افضل ترین اخلاق میں سے ہے اور آپؐ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ نے اللہ کے حضور عرض کیا کہ آپ کے بندوں میں سے آپ کا سب سے زیادہ مقرب کون ہے؟ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ وہ بندہ جو بدلہ لینے کی طاقت

رکھنے کے باوجود معاف کر دے اور فرمایا کہ جس نے ظالم کے واسطے بددعا کی اس نے اپنا حق چکا لیا''۔(۸)

فاتح جب کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو خون کی ندیاں بہا دیتے ہیں۔ انسانی کھوپڑیوں کی مینار بنا کر جذبہ انتقام کی تسکین کرتے ہیں لیکن دنیا نے فاتح مکہ کا بھی نظارہ کیا جس نے اعتدال، رواداری اور عفو در گذر کی نا قابل یقین مثالیں قائم کیں۔ دشمنان اسلام جب مفتوح و مغلوب ہو کر حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے فاتح لشکر کے سامنے کھڑے تھے حضور ﷺ نے ان سے پوچھا کہ آپ کو مجھ سے کس سلوک کی توقع ہے۔

مفتوح دشمن نے کہا' آپ کریم ابن کریم ہیں۔

لیکن یہ کون لوگ تھے؟ یہ وہ لوگ تھے جو حضور اکرم ﷺ کی جان کے دشمن تھے یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلامی تحریک کے سارے دور میں صرف مزاحمت اور مخالفت کا کردار ہی ادا کیا تھا۔ آپؐ کے راستے میں قدم قدم پر کانٹے بچھائے تھے۔ آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو اذیتیں دی تھیں۔ مدینے میں ہجرت کے بعد بھی چین سے آپ کو بیٹھنے نہیں دیا تھا۔ مدینے پر حملہ آور ہوئے تھے۔ جنگ احد اور جنگ احزاب برپا کی تھیں۔ ہجرت حبشہ تک میں پیچھا کیا اور آپؐ کے ساتھیوں کو پریشان کیا تھا۔ اب وہ سارے آپؐ کے سامنے مغلوب ہو کر کھڑے تھے ان میں ہندہ جگر خوار بھی تھی جس نے حجرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا۔ ان میں قاتل وحشی بھی تھا جس نے اپنے نیزے سے آپؐ کے چچا کو شہید کیا تھا۔ ان میں سینکڑوں ہی دشمنان اسلام موجود تھے جن کی گذشتہ بیس سال کی دشمنی کی خونچکاں تاریخ سامنے تھے اور آپؐ سب سے بدلہ چکانے پر قادر تھے۔ لیکن آپؐ تو رحمت اللعالمین تھے آپؐ نے ہی فتح مکہ کے وقت مختلف راستوں سے شہر میں داخل ہونے والے اپنے فوجی دستوں کو یہ ہدایات دی تھیں کہ

۱۔ جو شخص ہتھیار پھینک دے اسے قتل نہ کیا جائے۔
۲۔ جو شخص خانہ کعبہ کے اندر چلا جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔
۳۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔
۴۔ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہے اسے قتل نہ کیا جائے۔
۵۔ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہے اسے قتل نہ کیا جائے۔
۶۔ جو شخص بھاگ جائے اس کا تعاقب نہ کیا جائے۔
۷۔ جو شخص زخمی ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔

ان ساری فیاضیوں کے بعد جب قریش کا مجمع حضور اکرم ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا تو آپ نے ان سے مخاطب ہو کر

فرمایا جاؤ آج میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی۔

لاتشریب علیکم الیوم ۔۔۔۔۔۔آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔آج تم سب آزاد ہو۔بالآخر آپ کا یہ فیاضانہ طرز عمل اسلام کے جنگی قانون کی اہم دفعہ بن گیا۔مسلمانوں نے ہمیشہ جنگ وجدل میں بے جا اور بے محابا خون ریزی سے گریز کیا اور انسانی جان کا احترام ہمیشہ آخری دم تک کیا۔''(۹)

حضورﷺ نے ایک موقع پر فرمایا!

''کسی مسلمان کے قتل کے مقابلے میں پوری دنیا کا زوال بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا''۔

ارشاد پاک ہے کہ جس نے ایک انسان کو بھی ناحق قتل کیا گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کیا۔

آپﷺ کا خطبہ حجتہ الوداع انسانی معاشرہ کے لیے سنگِ میل کا درجہ رکھتا ہے آپﷺ نے اس خطبہ میں حسب نسب کے سارے غرور خاک میں ملا دیئے اور خون کے بدلے خون جیسے انتقام کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔اصل میں ''بدلہ لینا'' ہی تشدد پسندانہ رویے کو پروان چڑھاتا ہے۔انتقام کا جذبہ انتہا پسندانہ سوچ کا عکاس ہوتا ہے آپؐ نے اعتدال اور روشن خیال راستہ کا انتخاب کر کے معاشرے کو تباہی و بربادی سے بچا کر امن اور محبت کے راستے پر گامزن کیا۔

''زمانہ جاہلیت کے سارے خون اب کالعدم ہیں ۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں وہ میرے اپنے خاندان کا ہے۔ربعیہ بن حارث کے دودھ پیتے بچے کا خون ہے جسے بنی ہذیل نے مار ڈالا تھا۔میں وہ خون معاف کرتا ہوں ۔حسب نسب پر فخر ایک تنگ نظر خیال ہے لیکن آج ہمارا معاشرہ کلی طور پر اس کی لپیٹ میں نظر آتا ہے۔''اللہ نے تمہاری (دور) جاہلیت کی عصبیت اور فخر ونسب کو مٹا دیا،تم سب بنی آدم ہو اور مٹی سے پیدا ہوا ہے۔

حضور اکرمﷺ نے آج سے صدیوں پہلے اس عصبیت اور تعصب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

لوگو!(سنو) تم سب کا خدا ایک ہے اور تم سب ایک ہی باپ (آدمؑ) کی اولاد ہو (اس لئے) کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی کالے رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر اور کسی سرخ رنگ والے کو کالے رنگ والے پر کوئی بزرگی' کوئی فضیلت نہیں (یعنی رنگ اور نسل کے امتیازات لاشے ہیں) لیکن بزرگی کا دارومدار صرف خوف خدا اور تقویٰ پر ہے۔

(مجمع الزوائد)

آپؐ کا ارشاد پاک ہے۔مسلمان کا گوشت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔مسلمان کی غیبت کرنا اس کا گوشت کھانا ہے۔مسلمان کی عزت بھی حرام ہے اس پر ظلم کرنا اس کی آبروریزی ہے۔مسلمان کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔اس کو دھکا دینا بھی اسے ایذا دینا ہے۔(طبرانی کبیر)

کنگ جان کا میکنا کارٹا (شہری آزادیوں کا منشور) ۱۹۴۵ء کا اٹلانٹک چارٹر اور اقوام متحدہ کا حقیقت میں حضور ﷺ کے خطبہ الوداع سے ماخوذ ہیں۔

ایک بار آپؐ نے کسی جنگ کے بعد مشرکین کے چند بچوں کی لاشیں دیکھیں۔ آپ کو سخت رنج ہوا۔ آپؐ بار بار کہتے تھے یہ تو جنگ میں شریک نہ تھے۔ صحابہ نے آپ کو رنج میں دیکھ کر عرض کیا۔

''یارسول اللہ یہ مشرک بچے تھے'' آپؐ نے فرمایا۔ ''مشرک بچے بھی تم سے بہتر ہیں۔ خبردار بچوں کو قتل نہ کرو۔ خبردار بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔''

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ سے عرض کیا گیا کہ حضور ﷺ آپ مشرکین اور کفار کے حق میں بد دعا فرمائیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ میں لعنت اور بد دعا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اعتدال پسندی اور روشن خیالی کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں ہو سکتی کہ کفار کے لیے بھی آپؐ باعث رحمت ہیں۔ کفار کے بچوں کی معصوم لاشیں دیکھ کر آپؐ رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے انسانیت کا وہ آفاقی جذبہ جو صرف اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جب ابو موسیٰؓ اور معاذ بن جبلؓ کو یمن میں والی بنا کر بھیجا تو انہیں فرمایا۔

ادعو الناس و بشرا ولا تنفر اویسرا ولا تعسرا

''تم (دونوں) لوگوں کو بلانا انہیں بشارت دینا (دین سے) متنفر نہ کرنا۔ انہیں سہولت دینا اور تنگی نہ دینا۔''

(المسلم ، الصیح المسلم ج ۲، ص ۱۴۷ کتاب الشریتہ)

ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا لوگ اسے سزا دینے کے لیے ادھر دوڑے تو حضور ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا۔

فانمابعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین

تم آسانی مہیا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو۔ سختی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

(الصحیح البخاری ج ۲، ص ۹۰۵ کتاب الادب)

مومن کبھی تنگ نظر اور محدود سوچ والا نہیں ہوتا۔ وہ وسیع القلب اور کھلے ذہن کا مالک ہوتا ہے۔ اس کی محبت، ہمدردی اور خدمت کسی محدود دائرے کی پابند نہیں ہوتی۔ وہ ایک صفاتی انسان ہوتا ہے۔ خوش اخلاقی، خوش گفتاری اور طبیعت میں اعتدال اس کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔ اس کی یہی خوبیاں اس کو معاشرے کا ایک مفید شہری بناتی ہیں جبکہ ایک بدمزاج، غصہ ور، انتہا پسند، چڑچڑا اور آتش مزاج آدمی معاشرہ میں نفوذ پذیر نہیں ہوتا۔ دلنوازی ایک اعتدال پسند مسلمان کی شان ہے۔ ملت کے

اتحاد و اتفاق کے لیے ضروری ہے کہ ہم مذہبی اختلافات میں رواداری کا مظاہرہ کریں۔ تعصب سے اجتناب کریں۔

اسلام میں کسی مذہبی گروہ خاص گروپ یا تنظیم کی کوئی اجارہ داری نہیں ہے۔ اس کے علاوہ علما کی اندھی تقلید بھی جائز نہیں ہر چیز کو پرکھنے اور ہر حکم کو جانچنے کے لیے کتاب و سنت کا معیار موجود ہے جو کچھ اس کے مطابق ہے وہ صحیح اور قابل قبول ہے اور لائق اتباع ہے اور جو کچھ اس معیار کے خلاف ہے وہ غلط ہے اور رد کر دینے کے قابل ہے۔

دنیا کی سب سے زیادہ متوازن شخصیت اور معتدل ترین ہستی کا ارشاد پاک ہے۔

''اے لوگو! اعتدال اختیار کرو اللہ کسی کو تکلیف میں نہیں ڈالتا جب تک تم خود مشقت میں نہ پڑو (یاد رکھو) تمام کاموں میں اعتدال سب سے بہتر ہے۔''

ہم مسلمان ہیں ایک اسلامی معاشرے میں رہتے ہیں مگر ہم نبی کریمؐ کا یہ ارشاد نظر انداز کر چکے ہیں کہ

"خیر الامورا وسطها"

ہمیں کسی بھی حالت میں بردباری، اعتدال اور رواداری کو ترک نہیں کرنا چاہیے کسی کا دل نہیں دکھانا چاہیے ناگوار باتوں کو بھی حوصلہ مندی اور خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا۔

☆ ''کیا میں تمہیں ایسے شخص کے بارے میں بتاؤں جو دوزخ کی آگ پر حرام ہو اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو تند خو نہ ہو، نرم خو ہو اور لوگوں کے قریب آنے والا ہو۔''

☆ اسی طرح آپؐ کا ارشاد ہے۔ ''پہلوان وہ نہیں جو مخالف کو پچھاڑ دے'' بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔''

☆ ''جو شخص اپنا غصہ نکال لینے کی طاقت رکھتا ہو اور پھر ضبط کر جائے اس کے دل کو خدا ایمان اور اطمینان سے لبریز کر دیتا ہے۔''

☆ یس المومن امنه الناس علی دما لهم و اموالهم .

''مومن وہ ہے جس سے لوگوں کو اپنی جان و مال کا کوئی خطرہ نہ ہو۔''

آپؐ کی تعلیمات انسان کو روایتی انتہا پسندی اور فرقہ واریت سے نجات دلانے کا واحد ذریعہ ہیں ۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

☆ الایمان الصبرو السماحة

''ایمان تحمل اور فراخ دلی کا نام ہے۔''

آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

☆ ''بے شک دین (اسلام) آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی کرے گا وہ (سختی) اس پر غالب آجائے گی۔تم لوگ میانہ روی اختیار کرو اور اعتدال کے قریب رہو اور خوش ہو جاؤ۔اور مدد چاہو صبح کے وقت اور پچھلے پہر اور تاریکی میں۔''

(البخاری الصحیح ج ا ص ۱۰ کتاب الایمان)

حضرت انسؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے جا رہے تھے، میں بھی آپؐ کے ساتھ چل رہا تھا۔آپ ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کے کنارے موٹے تھے (چلتے چلتے) حضرت محمد ﷺ کو ایک گنوار بدو نے پکڑ لیا اور آپؐ کی چادر پکڑ کے اس زور سے کھینچا کہ آپؐ اس بدو کے سینے سے آلگے اور میں نے دیکھا کہ اس بدو کے زور سے چادر کھینچنے کی وجہ سے آپؐ کی گردن مبارک کے ایک طرف نشان پڑ گیا۔پھر اس گنوار بدو نے کہا کہ اے محمد ﷺ تمہارے پاس جو اللہ کا مال ہے تم (اپنے آدمیوں کو) حکم دو کہ اس میں سے مجھ کو دیں۔(حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس گنوار بدو کی طرف دیکھا (اور بجائے غصہ فرمانے کے) آپؐ اس کی حرکت پر ہنسے اور اس کو کچھ دینے کا حکم فرمایا۔

یہ ہے اعتدال پسندی اور روشن خیالی کی زندہ جاوید مثال۔یہ ہیں وہ تعلیمات جن پر اگر عمل کیا جائے تو دنیا اُمن و سکون کی آماجگاہ بن سکتی ہے۔عصبیت، مذہبی فرقہ واریت اور جنونی رویوں سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔اتحاد و اتفاق کا وہ جذبہ جو سرد پڑ چکا ہے اس کو نئے سرے سے رواں دواں کیا جا سکتا ہے۔

(حضور ﷺ کی انقلاب آفرین تعلیمات، خود ساختہ مذہبی اصطلاحات کی نفی کر کے انسان کو ایک روشن خیال معاشرہ کا کارآمد فرد بناتی ہیں۔نفرتوں اور شدت پسندی کی روایات کو ترک کر کے ایک معتدل اور پرسکون معاشرہ کی تشکیل کرتی ہیں۔ محبت، امن، انصاف صلح جوئی، اعتدال پسندی، روشن خیالی، رواداری، بردباری، اسلامی بھائی چارہ، عدل وانصاف، فرقہ واریت کی نفی، غیر مسلموں سے بھی اچھا برتاؤ، مذہبی فروعات، رویوں میں انتہا پسندی کی بجائے اعتدال پسندی اور فکر و نظر میں روشن خیالی جیسے سنہری اصولوں کا درست ہمیں سیرت طیبہ ﷺ سے ملتا ہے۔

ممتاز محقق جارج برنارڈ شا George Bernard Shaw لکھتا ہے۔

''محمد ﷺ کے مذہب کو میں نے ہمیشہ اس کی حیران کن قوت اور صداقت کی وجہ سے اعلیٰ ترین مقام دیا ہے۔ میرے خیال میں محمد ﷺ کا مذہب دنیا کا واحد مذہب ہے جو دنیا کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے لیے کشش رکھتا ہے۔میرا

ایمان ہے کہ اگر اس جیسا شخص دنیا کا حکمران ہوتا تو ہماری اس دنیا کے سارے مسائل حل ہو چکے ہوتے اور یہ دنیا خوشیوں اور امن کا گہوارہ بن جاتی۔

(بحوالہ۔ مجلہ مہک ص۔ ۴۲۹، گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ)

اس بات سے ہر ذی شعور اتفاق کرتا ہے کہ پر آشوب دور میں راہنمائی کا واحد معیار حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے جب کبھی دنیا کے کسی بھی ملک میں انتہا پسند قوتیں سر اٹھائیں گی، وحشت و بربریت کا بازار گرم ہوگا۔ نفرتیں اور کدورتیں بڑھیں گی۔ جنگ وجدل کے بعد سسکتی ہوئی لاشیں امن کے لیے آہ و بکا کریں گی۔ انسانوں کے اس جہاں سے انسانیت دم توڑ جائے گی۔ بموں کے دھماکے کر کے انسانوں کے پرخچے اڑا کر بھی انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوگی، جب مذہبی فرقہ پرستی او مذہبی رواداری ختم ہو جائے گی۔ جب قوم اسلام اور اتحاد اتفاق سے بے بہرہ ہو جائے گی، جب رواداری برداشت اور بردباری کا جذبہ ختم ہو جائے، جب رویوں میں اشتعال اور شدت پسندی عروج پر ہوگی، محبت، امن، صلح جوئی، پیار اور آتشی ختم ہو جائے گی تو پھر بھی ایک ''پیغام'' انسانی زندگی کی تاریک راہوں کو بقعہ نور بنا تا رہے گا۔ تڑپتی ہوئی انسانیت کے دکھوں کا مداوا کرتا رہے گا اور وہ پیغام، ''پیغام محمدی ﷺ'' ہے۔ جس نے اپنی اعتدال پسندی اور روشن خیالی سے نفرتوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا۔ پیار، امن اور محبت کا ایسا درس دیا جس نے غیروں کو بھی یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ آپ ﷺ ''صادق اور امین'' اور دشمنوں کے لیے ''رحمت اللعالمین'' ہیں۔ ذہنی طور پر پراگندہ قوم اور انتشار و اضطراب کی عجیب وغریب کیفیت سے دوچار معاشرے کو انتہا پسندی، وحشت و بربریت اور ذاتی انتقام جیسے منفی رجحانات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکال کر ایک اعتدال پسند مثبت سوچ کی حامل اور روشن خیال قوم بنا دیا۔ اس ''پیغام محمدی ﷺ'' پر جتنا عمل پیرا ہونے کی ضرورت آج ہے شاید اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف

وما علینا الا لبلغ

حوالہ جات کتب

۱۔ (بحوالہ: اسلام طرز حیات۔ ''وحدت ملت'' از سید اسعد گیلانی۔ص ۱۵۳ فیروز سنز لاہور)

۲۔ (بحوالہ: اسلامی طرز حیات از سید اسعد گیلانی۔ص ۱۴۸، ۱۴۷ مطبوعہ فیروز سنز لاہور)

۳۔ (بحوالہ: مولانا مودودی۔ اسلامی طرز حیات از دسید اسعد گیلانی۔ص ۱۵۹)

۴۔ (بحوالہ: پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد۔ مقالات سیرت۔ ''تعمیر شخصیت وفلاح انسانیت اطاعت رسولؐ اور سیرت طیبہ کی روشنی میں''۔ شعبہ تحقیق ومراجع۔ وزارت مذہبی امور۔ حکومت پاکستان اسلام آباد ص۔ ۵۵۔ ۵۶)

۵۔ (بحوالہ۔ص ۱۸۵ (''اسلامیات'' از ڈاکٹر حافظ محمود اختر)

۶۔ (بحوالہ: اسلامی طرز حیات از سید اسعد گیلانی ص۔ ٦٦)

۷۔ (بحوالہ: اسلامیات از ڈاکٹر حافظ محمود اختر ص۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱)

۸۔ (بحوالہ: حجتہ الاسلام امام ابوحامد محمد الغزالی ترجمہ محمد سعید الرحمٰن علوی۔ص۔ ۳۹۷ مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

۹۔ (بحوالہ اسلامی طرز حیات از سید اسعد گیلانی۔ص: ۱۲۱)

استفادہ کتب

(اس مقالے کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتب۔ لٹریچر سے استفادہ کیا گیا)

۱۔ القرآن۔

۲۔ بخاری شریف' محمد بن اسماعیل بخاری

۳۔ امام مالک' موطا۔ اردو ترجمہ پروفیسر محمد رحیم الدین' محمد اشرف ناشران لاہور ۱۹۸۰ء۔

۴۔ اسلامی طرز حیات' سید اسعد گیلانی' فیروز سنز لاہور۔

۵۔ سیرت سرور عالم' سید ابوالاعلیٰ مودودی، جلد دوم، ادارہ ترجمان القرآن لاہور۔

۶۔ جنگ سنڈے میگزین لاہور، ۲۱ نومبر ۲۰۰۴ء۔

۷۔ رابرٹ بریفالٹ "The Making of Humanity" Robert Briffault ترجمہ ''تشکیل انسانیت'' عبدالمجید سالک' ترقی ادب لاہور۔

۸۔ فیروز اللغات اردو فیروز سنز لاہور۔

۹۔ مقالات سیرت، تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت اطاعت رسولؐ اور سیرت طیبہ کی روشنی میں ۔ ڈاکٹر نثار احمد ص۔۵۵۔۶۵ شعبہ تحقیق و مراجع۔ وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد۔

۱۰۔ ''سیرت النبیؐ'' از علامہ سید سلیمان ندوی، علامہ شبلی نعمانی جلد ششم ص۔۶ الفیصل ناشران لاہور۔

۱۱۔ اردو مجلّہ ''مہک'' گورنمنٹ کالج، گوجرانوالہ۔

۱۲۔ عبدالمجید ساجد۔ روزنامہ جنگ لاہور۔ ۱۹ مارچ ۲۰۰۴ء۔

۱۳۔ اسلامیات از ڈاکٹر حافظ محمود اختر۔ ص:۱۸۵ الائیڈ بک سنٹر لاہور۔

۱۴۔ حجتہ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی ترجمہ محمد سعید الرحمٰن علوی۔ مکتبہ رحمانیہ۔

۱۵۔ ''تعمیر ملت'' خواجہ عبدالحکیم انصاری ناشر آستانہ توحیدیہ جی ۹۰ ماڈل ٹاؤن لاہور۔

۱۶۔ ''اسلام کا نظریہ جنگ'' از مولانا ابوالکلام آزاد۔

۱۷۔ ''اسلامی حکومت میں اقلیتیں'' از حافظ غلام حسین۔

۱۸۔ ''قوم یہود اور ہم'' قرآن کی روشنی میں از مولانا عبدالکریم پاریکھ۔

۱۹۔ معارف الحدیث از مولانا محمد منظور نعمانی۔ (الاشاعت کراچی)

۲۰۔ اشعار علامہ ڈاکٹر محمد اقبال۔



اسلام ایک ہمہ گیر، جامع واکمل، آفاقی اور ابدی دین ہے جس کی تعلیمات بلا امتیاز رنگ ونسل قیامت تک آنے والی انسانیت کیلئے ذریعہ رشد وہدایت ہیں۔

(قاری محمد یونس (بھمبر، آزاد کشمیر)

یونہی سیرت طیبہ قیامت تک آنے والے ہر دور اور ہر رنگ ونسل کے انسانوں کیلئے نمونہ کامل ہے نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی لائی ہوئی تمام تعلیمات اعتدال پر مبنی ہیں اور ہر شعبہ زندگی کو محیط ہیں۔

تعلیمات نبوی حالات کے بدلتے ہوئے تقاضوں اور انسانی فطرت کی ضروریات کا مکمل حل مہیا کرتی ہیں۔

یہاں عصری تقاضوں کی تکمیل اور انسانی ضروریات کی کفالت کے علاوہ تربیت واصلاح کا وہ ہمہ گیر نظام بھی موجود ہے جو انسانوں کو افراط وتفریط سے نجات دلاتا ہے اسے کفر وشرک، حرص وہوس، خود پسندی، تکبر، حسد، جبر وتشدد اور اخلاقی بے راہ روی سے پاک کرتا ہے اور ایمان واخلاص، تزکیہ نفس، رواداری، صبر وتحمل، قناعت اور قوت برداشت ایسے اخلاق حسنہ کا درس دیتا ہے۔ اسے دوسرے انسانوں کیلئے مدید، اعتدال پسند، وسیع النظر اور روشن خیال بننے کی رہنمائی کرتا ہے۔

زیر نظر مقالہ سیرت کا عنوان موجودہ حالات کے تقاضوں اور دور حاضر میں ایک اعتدال پسند اور روشن خیال معاشرہ کی تشکیل کے مدنظر منتخب کیا گیا ہے تاکہ سیرت طیبہ کے ان گوشوں کو نمایاں کیا جا سکے جو مستقبل کے تقاضوں کے مطابق معتدل اور روشن خیال معاشرہ کی تشکیل میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں وزارت مذھبی امور کا یہ اقدام یقیناً وقت اور حالات کی ایک اہم پکار ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ ہی وہ نمونہ کامل ہے حالات کی بنا چینیوں کا حل میسر ہے جہاں ہر درد کا درماں ہے انسانیت کو جب بھی مشکل گھڑی سے پالا پڑتا ہے تو سیرت طیبہ پر عمل ہی اسے درسِ امان دیتا ہے۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

زیر نظر مقالہ کے ذیل میں چند سوالات سامنے آتے ہیں جن کا جواب دینا سردست مقصود ہے۔

عصر حاضر کے تقاضے کیا ہیں؟ سیرت طیبہ کی روشنی میں زندگی کے کن کن شعبہ جات میں اعتدال پسندی اور روشن خیالی کی ضرورت ہے؟ سوانہی سوالات کا جواب شق وار اس مقالہ میں دیا جا رہا ہے۔

عصر حاضر کے تقاضے:

عصر حاضر آج کے اسلامی معاشرے سے ان امور کا تقاضا کرتا ہے۔

۱۔ قرآن و حدیث کے علوم کے علاوہ علوم جدیدہ (سائنس و ٹیکنالوجی) کی تحصیل تا کہ امت مسلمہ دور حاضر کے چیلنجوں کا مقابلہ کر سکے۔

۲۔ عالمی اور ملکی سطح پر امن و سلامتی کا قیام جو کہ پیغمبر انقلاب ﷺ کے مقررہ خطوط و اصول کی روشنی ہی میں ممکن ہے۔

۳۔ مضبوط اور مستحکم نظام معیشت کی بحالی۔

۴۔ اخلاقی قدروں کی بحالی۔ جس سے معاشرہ کو اسلامی طرز پر با کردار، اعتدال پسند اور روشن خیال بنایا جا سکے۔

۵۔ اسلامی نظام عدل و انصاف کا بے لاگ نفاذ تا کہ ظلم، جبر و تشدد، حقوق انسانی کی پامالی اور جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح پر قابو پایا جا سکے۔

عصر حاضر کے تقاضوں کا نبوی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ:

حضور ﷺ کی تعلیمات میں عصر حاضر کے ان جملہ تقاضوں کا حل موجود ہے۔

۱۔ عصری علوم اور ٹیکنالوجی کی اہمیت:۔

شرح شرعۃ الاسلام میں نبی ﷺ کی ایک حدیث مذکور ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ لوگ اس وقت تک بھلائی میں رہیں گے جب تک وہ علوم متداولہ اور ٹیکنالوجی کے حصول میں متفاوت رہیں گے جب وہ برابر ہو گئے (یعنی انہوں نے مختلف نوعیت کے عصری علوم اور ٹیکنالوجی کا احاطہ نہ کیا) تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔

اگر چہ دیگر بے شمار احادیث سے دینی علوم کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے مگر اس حدیث کا مدعا یہ ہے کہ دنیا میں عزت کی زندگی جینے اور ترقی میں دوسری اقوام سے گویا سبقت لے جانے کیلئے عصری علوم میں ماہرین کی جماعتیں تیار کرنا از حد ضروری ہے۔ بقول کسے اگر علم نہیں تو زور و زر ہے بے کار۔ محدثین نے عورتوں اور مردوں کی تعلیم کا باب قائم کر کے حضرت ابو سعید سے ایک حدیث ذکر فرمائی ہے کہ ایک عورت نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مرد آپ کی حدیث کا درس لے گئے آپ اپنی طرف سے ہم عورتوں کیلئے ایک دن مقرر فرما کر وہ علم عطا فرمائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تو حضور نے انہیں ایک مکان میں جمع ہونے کا حکم صادر فرمایا جب وہ جمع ہو گئیں تو آپ تشریف فرما ہوئے سو انہیں وہ علم سکھایا جو اللہ نے آپ کو ودیعت فرمایا ہے۔ (جامع ترمذی)

اس حدیث سے واضح طور پر مفہوم ہو رہا ہے کہ عورتیں اپنی چادر اور چار دیواری کی حفاظت کرتے ہوئے حصول علم سے بہرہ ور ہو سکتی ہیں۔

۲۔ قیام امن وسلامتی:

سید عالم ﷺ نے ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ہی یہود مدینہ اور دیگر اقوام کے ساتھ میثاق مدینہ فرما کر جہاں معتدل سیاست کی روشن مثال قائم فرمائی وہاں قیام امن وامان کا ماحول قائم فرمادیا۔ معاہدے کی یہ دفعات اہمیت کی حامل ہیں۔

"اگر معاہدہ کے کسی فریق سے کوئی جنگ کرے تو اس کے خلاف سارے شرکا سچے جذبے سے مددگار ہوں گے" اگر شرکار کو کسی صلح کیلئے مدعو کیا جائے تو سب کے ساتھ وہ صلح کریں گے۔

مذہبی آزادی ہوگی۔ مسلمانوں کیلئے ان کا دین اور یہود کیلئے ان کا مذہب۔

حضور ﷺ کے اس معاہدے سے اسلامی مملکت کیلئے معتدل خارجہ پالیسی کا باب کھلتا ہے جو قیام امن وسلامتی میں ممد ومعاون ہے۔

۳۔ مضبوط و مستحکم نظام معیشت:

حضور ﷺ کا یہ فرمان عالیشان مضبوط اور مستحکم معیشت کی راہ دکھاتا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے "اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے"

اوپر والا ہاتھ دینے والا اور نیچے والے سے مراد لینے والا ہے اس ارشاد نبوی پر عمل کرتے ہوئے عام فرد سے لے کر اوپر تک مملکت کا جب ہر فرد ہمہ تن سعی ومحنت کرے گا تو لازماً مجموعی طور پر معیشت مضبوط و مستحکم ہوگی اور پورے مسلم معاشرے کا ہاتھ اوپر والا ہاتھ بن جائے گا۔

۴۔ اخلاقی قدروں کا نفاذ:

معتدل اور روشن خیال معاشرہ کی تشکیل کیلئے منہج نبوی پر اخلاقی قدروں کا نفاذ اہمیت کا حامل ہے۔ نظام اخلاق سے متعلق نبی ﷺ کے بے شمار ارشادات میں سے مشتے نمونہ ایک ارشاد پیش خدمت ہے۔

"بے شک تم میں بہترین وہ لوگ ہیں جو اخلاق کے اعتبار سے سب سے زیادہ اچھے ہیں"

بد اخلاقی کے موجودہ سیل رواں سے بچنے اور معتدل مزاج معاشرہ تشکیل دینے کے لئے حضور کے ودیعت کردہ ضابطہء اخلاق کو زندگی کا حرزِ جاں بنانے کی ضرورت ہے۔

جب الفت میں یوں ہوتے ثابت قدم   تو کہہ سکتے اپنے کو خیر الامم ہم

اسلامی نظام عدل وانصاف کا بے لاگ نفاذ:

حضورﷺ نے خیبر کے یہودیوں کی اس شکایت پر مسلمانوں کی طلبی فرمائی کہ مسلمان ان کے کھیتوں سے سبزی لے جاتے ہیں حالانکہ یہودیوں نے ایک مقررہ حصہ دینے کا معاہدہ کر رکھا ہے۔ حضور علیہ السلام نے یہودیوں کے ساتھ بے لاگ عدل وانصاف فرمایا اس کے بعد مسلمان یہودیوں سے جب بھی کوئی سبزی یا دیگر پیداوار میں سے لے جاتے تو قیمت ادا کر کے لے جایا کرتے۔

اعتدال پسند اور روشن خیال معاشرے کی خصوصیات:

سیرت طیبہ کی روشنی میں اعتدال پسند اور روشن خیال معاشرے کی درج ذیل نمایاں خصوصیات ہیں۔

(۱) نظام صلوٰۃ زکوٰۃ عملی طور پر جس میں قائم ہو۔

(۲) جہاں نیک کام کرنے کی ترغیب اور برائیوں سے روکنے کا موثر نظام موجود ہو۔

(۳) جس کے تمام شعبوں میں خوف خدا کے ساتھ اللہ ورسول کی اطاعت کا جذبہ کارفرما ہو۔

(۴) جہاں سب کیلئے جینے کے مواقع یکساں ہوں کوئی فرد احساس محرومی کا شکار نہ ہو۔

(۵) جہاں اخوت ومروت، خیر خواہی، رواداری اور دوسروں کو برداشت کرنے کے جذبات موجزن ہوں جبکہ حسد، نفاق بغض، عناد اور ہٹ دھرمی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔

(۶) جس میں رہتے ہوئے اظہار رائے کی آزادی ہو اور حق گوئی پر کوئی قدغن نہ ہو۔

(۷) علم اور ترقی کے راستے کسی پر بند نہ ہوں۔

(۸) اقلیتوں کو مذہبی اور معاشرتی حقوق حاصل ہوں۔

(۹) دین اور مذہب کے نام پر کشت وخون نہ ہو نہ ہی مذہبی گروہوں کے درمیان جنگجویانہ جذبات ہوں بلکہ ایک دوسرے کے لئے احترام کی فضا ہو۔

(۱۰) جس کے بنیادی منشور میں عدل وانصاف، مساوات اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنا شامل ہو۔

(۱۱) قانون کی نظر میں سب برابر ہوں ادنیٰ واعلیٰ، امیر وغریب اور حاکم ورعایا کی تفریق نہ ہو۔

اسلامی نقطہ نظر کی روشنی میں اعتدال پسندی اور روشن خیالی کی حدود و قیود:

اسلامی نقطہ نظر کی روشنی میں اعتدال پسندی اور روشن خیالی کی حدود و قیود مقرر کی ہیں۔جن کے دائرے میں رہتے ہوئے اعتدال پسندی اور روشن خیالی اپنانے میں عافیت ہے ذیل میں یہ حدود و قیود مع حوالہ جات ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے دائرے میں ہو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے خطبہ خلافت میں یہ ضابطہ نبوی ارشاد فرمایا تھا کہ کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں جس میں خالق کی معصیت لازم آ رہی ہو۔

(۲) ظلم پر خاموشی کی صورت میں اعتدال پسندی نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نبی ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ جب ظالم کو دیکھ کر اسکے ہاتھ نہ روکیں تو وہ وقت قریب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سب پر عام عذاب نازل فرمادے۔(جامع ترمذی)

(۳) شعائر اسلامی کی پامالی نہ ہو۔قرآن حکیم میں ارشاد ہے"یہ (احکام الہیہ) اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور اللہ کی حدیں جو لوگ تجاوز کریں وہ ظالم ہیں"

(۴) غیر مسلموں کی وضع قطع اور لباس میں ایسی مشابہت نہ ہو جو اسلامی پہچان کے خلاف ہو۔

(۵) مردوں اور عورتوں کی ایک دوسرے سے مشابہت اور خلط ملط نہ ہو۔حدیث شریف میں نبی ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی۔ جو مردوں کی مشابہت کرنے والی ہوں۔(جامع ترمذی ج مد) حکیم الامت حضرت الامت حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے اسی موضوع کی غالباً ترجمانی کی ہے۔

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت ہے
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت

عصر حاضر ایک روشن خیال، اعتدال پسند، باکردار اور مخلص اسلامی معاشرے کی تشکیل کا خواہاں ہے سیرت طیبہ اس ضرورت کو پورا کرنے کی ضمانت دیتی ہے۔اور زندگی کے ہر شعبے میں درس اعتدال دیتی ہے جس سے سیرت مصطفیٰ کی وسعت ،شان اعتدال اور لینت خصال ظاہر ہوتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی صفت اعتدال:

سید عالم ﷺ کی ذات گرامی جامع اخلاق و خوباں ہے۔آپ کی شان اعتدال کیا تھی؟ اس پر ام المومنین

حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنی گواہی ان الفاظ میں ثبت فرمائی ہیں۔ ''رسول اللہ ﷺ کو جن بھی دو معاملوں میں اختیار دیا گیا حضور ﷺ ان میں سب سے زیادہ آسان کو ہی اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو اور حضور ﷺ نے اپنی ذات کیلئے کسی سے انتقام نہیں لیا مگر جہاں اللہ کی حرمت وعظمت کا معاملہ ہوتا تو انتقام اللہ کی خاطر لیتے۔

حضور ﷺ نے اپنے متعین کو ارشاد فرمایا کہ تم آسانی کیا کرو دشواری پیدا نہ کیا کرو لوگوں کو سکون بہم پہنچایا کرو انہیں متنفر نہ کیا کرو۔

غیر مسلم بارگاہ نبوت میں آتے گستاخانہ الفاظ میں سلام کہتے آپ جواب میں علیک ارشاد فرمادیتے اور امتیوں کو تعلیم فرماتے کہ یہود میں سے جب کوئی تمہیں سلام کرے تو وہ السّلام علیک ہی کہے گا اس کے جواب میں علیک کہہ دیا کرو۔

(مولانا امام مالک ص ۷۲۵)

امت کیلئے بے مثال درس اعتدال پسندی:

غزوہ بنی المصطلق کے دوران عبداللہ بن اُبی منافق نے شان رسالت مآب میں نازیبا کلمات کہے۔ ابن ابی کی اس گستاخی پر حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کی یارسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں آپ نے ارشاد فرمایا اسے چھوڑ دو کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے ہیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۲۸)

حضور ﷺ کا یہ جملہ امت کے ان گرہوں کے لئے بالخصوص درس اعتدال ہے جو مذہبی ومسلکی اختلاف کو بنیاد بنا کر دوسروں کا خون بہانے سے باز نہیں آتے۔

اسی مناسبت سے حضور ﷺ کا ایک ایمان افروز ارشاد نقل کیا جات ہے۔

''جو اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار کو سیدھا کرے اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں'' (ترمذی ج ۲ ص ۳۹)

انہی معاشرتی بے اعتدالیوں کی طرف ایک شاعر نشاندہی کرتا ہے۔

آپس میں صلح سے رہنا خوئے بنی آدم نہیں
اکثر اسی پہ عمل ہے یا تم نہیں یا ہم نہیں

عقائد میں غلو اور بے اعتدالی سے ممانعت:

اسلامی تعلیمات کے منافی خودساختہ اور من گھڑت عقائد پر سختی سے کاربند ہو جانا، حلال کو بلا دلیل حرام ٹھہرانا یا حرام کو بغیر سند کے حلال ٹھہرالینا عقائد میں غلو اور بے اعتدالی۔ ''کسی قسم کے غلو کو ترک کرنے کا حکم اہل کتاب کو مخاطب کر کے

ارشاد فرمایا گیا۔

''اے اہل کتاب اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور اللہ پر حق بات کے سوا کوئی بات نہ کہو (انساء ۱۷۱)

یونہی انبیاء کے درمیان ایمان میں تفریق کرنا یعنی بعض پر ایمان لانا اور بعض کا انکار کر دینا عقائد میں غلو اور بے اعتدالی کی روشن مثال ہے اہل ایمان کو قرآن حکیم میں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے عقائد وایمانیات کی وسعت اور اعتدال کا یوں اظہار کریں۔

(ترجمہ) ''ہم ان انبیاء میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے حضور گردن جھکائے ہوئے ہیں'' (ال عمران۔۸۴) خوبی طاعت کی ہے مسلم اب بھی عزت اسکی نہیں ہوئی کم اب بھی۔

عبادت میں اعتدال:

نبی علیہ السلام کے بعض صحابہ کی یہ بات آپ کو پہنچی کہ وہ رات کو نہ سوئیں گے بلکہ رات بھر عبادت کریں گے مسلسل روزہ کی حالت میں رہیں گے افطار نہ کریں گے آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ تمہارے جسم وروح کا بھی تم پر حق ہے۔

(بخاری ج ۲ ص ۸۳۷۔قدیمی کتب خانہ)

امامت کی بابت آپ نے تاکیدی حکم ارشاد فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی لوگوں کی امامت کرے تو قیام وقرأت میں تخفیف کرے کیونکہ نمازی لوگوں میں کمزور اور بیمار بھی ہوتے ہیں'' (جامع ترمذی ج ۱ ص ۲۸۶)

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم علیہ السلام نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ بے موقع عبادت میں تشدد کی راہ اپنانے والے ہلاک ہو گئے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۰۶۔قدیمی کتب خانہ کراچی)

معیشت میں اعتدال پسندی:

خرچ میں میانہ روی رحمٰن کے بندوں کی ایک نمایاں صفت ہے سورۃ الفرقان میں ارشاد خداوندی ہے

(ترجمہ) ''اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے درمیان اعتدال پر رہیں۔''

(الفرقان۔۶۷)

حدیث نبوی میں ارشاد ہے اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے خرچ کی ابتدا ان سے کرو جو تمہاری عیالداری میں ہیں اور بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی وتونگری رہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۰۶ قدیمی کتب خانہ کراچی)

معاشرتی اعتدال پسندی اور روشن خیالی:

معاشرتی اعتدال پسندی اور روشن خیالی کے لازمی عناصر عمدہ اخلاق کا مظاہرہ، قوت برداشت کی موجودگی اور ترک تشدد پسندی ہیں۔

''جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا'' ''لوگوں کے ساتھ عمدہ اخلاق کے ساتھ معاملہ کیا کرو''

حدیث شریف کی روشنی میں معاشرتی مساوات کا مظاہرہ کرنا معاشرتی اعتدال پسندی اور روشن خیالی کا مظہر ہے۔

حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ بدترین کھانا ایسے ولیمہ کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو دعوت ہو اور فقرا کو دعوت نہ ہو (جسے دعوت دی گئی) اس نے دعوت دی گئی) اس نے دعوت کو چھوڑ دیا اس نے اللہ تعالیٰ اور رسول کی نافرمانی کی۔ معاشرے کے کسی فرد پر کوئی ناکردہ گناہ تھوپنا، اس پر بلا دلیل کفر تھوپنا صریح ناانصافی اور بے اعتدالی ہے۔

کسی مسلمان پر لعنت بھیجنا اور اس پر کفر کا الزام لگانا اسے قتل کر دینے کے مترادف ہے۔ (بخاری شریف۔ ج ۲) ابو درداؓ سے مذکور ہے کہ ہم صحابہ لوگوں کیلئے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا کر رکھتے تھے اگرچہ ہم دل میں ان کی کسی برائی کی وجہ سے ملامت کر رہے ہوتے۔

حدیث مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی تربیت کی بدولت صحابہ کرام گراں قدر قوت برداشت سے مالا مال تھے۔

جنگ اور امن کی حالت میں راہ اعتدال:

اسلام امن وسلامتی کا دین ہے۔ جنگ کی اجازت ایسی ناگزیر حالت میں دی گئی ہے جب اسلام دشمن قوتیں بزور قوت اسلامی انقلاب کا راستہ روکنے کی کوشش کریں پھر انہی لوگوں سے لڑائی کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو لڑائی کیلئے میدان جنگ میں مسلمانوں کے مقابلے پر آئیں۔ جو کفار مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جائیں ان کا مثلہ کرنے یعنی ان کی شکلیں بگاڑنے سے منع کیا گیا ہے۔

ایسے ہی نبی ﷺ نے عورتوں اور بچوں پر ہتھیار اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔

فتح مکہ کے روز حضرت سعد بن عبادہ کی زبان سے یہ کلمات نکلے آج گھمسان کی لڑائی کا دن ہے۔

حضور ﷺ کی خدمت میں جب ابوسفیان نے شکایت کی تو حضور ﷺ والسلام نے فرمایا۔ آج کا دن تو رحمت کا دن ہے۔

آج دنیا میں قیام امن کے نام پر زبانی جمع خرچ کرنے والے حضورﷺ کی سیرت و کردار کو دیکھیں اور اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھیں کہ ان کے ہاتھ کتنے بے گناہ اور معصوم انسانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔

دنیا کو پھر ہے معرکہ ء روح و بدن پیش

تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

تبلیغ دین اور اعتدال پسندی:

اشاعت اسلام میں جس چیز نے سب سے اہم کردار ادا کیا وہ بلند اخلاقی برتاؤ، عفو و درگذر، عظمت کردار، حسن عمل اور نرم گفتاری و اعتدال مزاجی۔

اس خاموش اور موثر تبلیغ کے علاوہ مواعظ حسنہ، حکمت اور دلائل کی قوت کے زیر اثر تبلیغ کی بدولت انسانوں نے اسلام کو قبول کیا۔

آج مخالفین اسلام دھڑلے سے مسلمانوں پر تشدد پسندی کا الزام لگاتے ہیں اور یہ کہنے میں شرم محسوس نہیں کرتے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔

معاملہ دراصل برعکس ہے یہ الزام لگانے والے خود تشدد پسند ہیں تلوار یا مروجہ جدید ہتھیاروں سے انسانیت کو نیست و نابود کرنا خود انہی کا وطیرہ ہے۔

اسلام نے تو اپنے پیروکاروں کو واضح ہدایات دیں ہیں کہ وہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کریں قرآن حکیم نے واضح طور پر حکم دیا (ترجمہ) دین میں زبردستی نہیں بے شک راہ ہدایت گمراہی سے واضح ہو گئی ہے" (البقرہ۔۲۵۶)

کسی کو بزور شمشیر مسلمان بنانا نہ تو ممکن ہے اور نہ اسلام نے ایسا کرنے کی مسلمانوں کو اجازت دی تھی جو لوگ طاقت کی زبان بولتے تھے ان کو دل سے مطمئن کرنا عبث تھا اذن جنگ کے جو لوگ مسلمانوں کے خلاف آمادہ ء جنگ ہوئے انہی سے جنگ کی اور جن لوگوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا مسلمانوں نے ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی۔ (ضیاء النبی ج ۲ ۵۸۱)

اعتدال پسند اور روشن خیال اسلامی معاشرہ کی تشکیل کیلئے تجاویز:

سیرت طیبہ کے رنگ سے مزین کرنے کیلئے ایک اعتدال پسند اور روشن خیال اسلامی معاشرہ کی تشکیل کیلئے ذیل میں چند تجاویز ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں ملکی سطح پر اخوت اسلامی، عدل و مساوات اور اخلاق حسنہ کا خوب خوب پرچار کیا جائے۔

۲۔ نصاب تعلیم میں قرآن حکیم اور سیرت رسول کے وہ اقتباسات شامل کیے جائیں جن کی روشنی میں اسلامی معاشرہ میں اعتدال پسندی اور روشن خیالی کو فروغ حاصل ہو۔

۳۔ مختلف مکاتب فکر کے علماء و دانشور حضرات کے درمیان رابطہ کو بڑھایا جائے وقتاً فوقتاً ان کے درمیان مجالس مذاکرہ کا سرکاری وعوامی سطح پر انعقاد کیا جائے اور اختلاف ونزاع سے بچنے کے طریقے اور ضابطہ ہائے اخلاق تیار کیے جائیں جن پر عوام کو عمل کی رغبت دی جائے۔

۴۔ اندورن و بیرون ملک ان عناصر کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی جائے جو تشدد اور نزاع کو ہوا دے کر فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں۔

۵۔ مذہبی اور مسلکی سطح کے علاوہ سیاسی سطح پر بھی اعتدال، رواداری، وسعت ظرفی اور روشن مثالی کو اپنایا جائے ارباب سیاست ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کی پالیسی ترک کریں۔ مقتدر حلقوں کی طرف سے عمل کی روایت اپنا کر مثال اور عملی نمونہ پیش کیا جائے۔

سابقہ جملہ بحث کا ماحصل یہ ہے کہ دین متین اور شرع مبین دور حاضر کے تقاضوں اور سیرت رسول کریم آفتاب عالمتاب کی مانند ذریعہ رشد وہدایت ہیں۔

ایک اسلامی، معتدل مزاج اور روشن خیال معاشرہ کے قیام وتشکیل کی ضرورت تب پوری ہوگی جب زندگی کا ہر ہر شعبہ منہج نبوی پر اعتدال بداماں ہوگا اور عملی نفاذ کیلئے مخلصانہ کوششیں کی جائیں گی۔

مذکورہ صفات کے حامل معاشرہ کی تشکیل میں کامیابی اسی وقت ہوگی جب ہم عصر حاضر کے تقاضوں کا حل قرآن اور سیرت مصطفٰی کی روشنی و رہنمائی میں ڈھونڈیں گے اور فکری و عملی ہم آہنگی کے سات جدت کردار کا مظاہرہ کریں گے۔

علامہ محمد اقبال کے اس فکری پیغام کے ساتھ یہ مقالہ پایہ اختتام کو پہنچتا ہے۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار
عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں
فطرت افراد سے اغماض بھی کرلیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

ماخذ ومراجع

۱۔ قرآن مجید (الفرقان۔۴۷)،(النساء۔۱۷۱)،(البقرہ۔۲۸۶)،ال عمران۔۸۴

۲۔ الجامع الصحیح للبخاری ج ۲، ص۷۸۳،ص۷۲۸، ص۷۷۸

۳۔ جامع ترمذی ج۱۔ص۵۵، ص۲۸۶، جامع ترمذی ج دوم ص۱۹،ص۳۹،ص۱۰۶

۴۔ موطاامام مالک۔ص۷۲۵

۵۔ ریاض الصالحین

۶۔ شرح شرعۃ الاسلام ص۴۹۰مطبوعہ کوئٹہ

۷۔ سیرت مصطفٰی ازعبدالمصطفی اعظمی

۸۔ محسن انسانیت، نعیم صدیقی

۹۔ کلیات اقبال اردو

۱۰۔ مسدس حالی

۱۱۔ کلیات اکبر

۱۲۔ ضیاءالنبی۔ ج۷۔۵۸۱۔۵۶۴



عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت سیرت طیبہ کی روشنی میں۔

(پروفیسر عبدالرحمٰن (کوئٹہ)

عنوان بالا کئی اجزا پر مشتمل ہے، اور ہر جز گہرے غور وخوض کا متقاضی ہے۔ کیونکہ ہر پہلو اہم نکات اور وقیع مضمرات کا حامل ہے۔

نکتہ اوّل: ''عصر حاضر کے تقاضے'' سے کیا مراد ہے؟

نکتہ دوم: روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے معنی کی تعین، کیونکہ یہ الفاظ مختلف معنوں کا احتمال رکھتے ہیں۔ لہٰذا متعین معنی کی نشاندہی ضروری ہے۔

نکتہ سوم: اسلامی معاشرے کی تشکیل وترویج جو کہ سیرت طیبہ کی روشنی میں ہو۔ کے سلسلے میں مختلف طبقات کی ذمہ داریوں اور فرائض کے بارے میں واضح ہدایات اور احکام۔

سب سے پہلے نکتہ اولیٰ پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں۔ میری دانست میں یوں تو عصر حاضر کے تقاضے بے شمار ہیں۔ لیکن ان سب تقاضوں میں سے اہم تقاضا عالم اسلام کا باہمی اتحاد و اتفاق ہے۔ بحیثیت امت مسلمہ کے فرد کے، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ آپس میں افتراق و اختلاف ملت اسلامیہ کیلئے سخت نقصان دہ ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

ولا تنازعُوا فتفشلوا و تذهبَ ریحکُم . الا نفال . ۴۶

(ترجمہ) اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَاعتصِمو ابحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا . آل عمران. ۲ = ۱

(ترجمہ) اور اللہ کی رسی سب مل کر مضبوط تھامے رہو اور باہم نا اتفاقی نہ کرو۔

حدیث نبویؐ ہے:۔

المؤمنُللمومن کالبُنیانِ یَشدّ بعضهٗ بَعْضاًبین اصابعه۔(رواہ البخاری)۔

(ترجمہ) ایک مومن دوسرے مومن کیلئے عمارت کی طرح ہے کہ اس کا بعض بعض کو قوت پہنچاتا ہے اور آپؐ اپنی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل فرما دیں۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

(مَثل المومنین فی توادهم و ترحمهم و تعاطفهم مثل الجسد ، اذااشتکیٰ منه عضو" قد اعی له سائر الجسد بالسهر والحمیؒ) رواه البخاری و مسلم

(ترجمہ) باہمی الفت ومؤدت اور رحم وشفقت میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی ہے کہ جب اُس کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو تمام جسم اُس کے ساتھ بے خوابی اور بُخار میں شریک ہوتا ہے۔

الغرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اتحاد واتفاق کی تعلیم دی ہے۔آپؐ نے بالفعل مہاجرین اانصار میں دینی اخوت پیدا کی۔اور قبیلہ اوس وخزرج میں جو لڑائیاں واختلافات تھے اُس کو ختم کیا، اور مسلمانوں کو اُلفت ومحبت اور اتحاد واتفاق کی دعوت دیتے رہے۔

اور یہ واضح فرماتے کہ نااتفاقی اور اختلاف کی وجہ سے امت کس قدر فتنوں اور فساد میں گرفتار ہوگی۔

صحابہ کرامؓ اور خلفاء اسلام نے ارشادات نبویؐ پر حتی الِامکان عمل کیا۔قرآنی تعلیمات اور حضورؐ کے ارشاداتؐ کو حِرز جان بنایا اور ان پاکیزہ تعلیمات کو عملاً نافذ کردیا۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو مضبوطی سے تھام لیا۔تو پھر مُلکوں کی باگ دوڑ اُن کے ہاتھ میں تھی، اور وہ حکومتوں کے مالک بن گئے۔اور دُنیا ان کے سامنے سرنگوں ہوگئی۔اور محروم وکم نصیب لوگوں کو اُن کی وجہ سے سعادت ونیک بختی حاصل ہوئی۔اور اُنہی کی وجہ سے کمزوروں کو قوت حاصل ہوئی۔اور اُنکے عدل و انصاف کی وجہ سے طاقتور کمزور پڑ گئے۔اگر ان میں سے کسی مشرق میں رہنے والے کو یہ معلوم ہوتا کہ مغرب میں رہنے والے اُس کے کسی بھائی پر کوئی آفت یا مصیبت آئی ہوئی ہے تو وہ اُسکی وجہ سے رنج والم میں گرفتار ہوجاتا ہے۔اور پھر اُس کی مدد و اعانت کے کے سلسلے میں اُس کے بس میں جو بھی حسی، معنوی، قلمی یا مادی امانت ہوتی اُس کیلئے صرف کرنے اور اُس سے برائی اور مصیبت کے دور کرنے میں دریغ نہ کرتا، اسی سبب کی بناء پر اُن کا دین بلند وبرتر ہوا، اور انکی حکومتیں محفوظ ہوئیں اور اُن کی عزت وآبرو اور مال ودولت کی حفاظت ہوئی، دشمن اُن سے ڈرنے لگے، حکومت اُن کی طاقتور ہوگئی اور لوگ اللہ کی دین میں فوج درفوج داخل ہونے لگے، اور اُنہی کی وجہ سے حق کو غلبہ نصیب ہوا، اور علم پھیلا۔ثقافت اور تہذیب عام ہوئی اور تمام دوسرے لوگ ہر خیر وبھلائی میں اُن کے محتاج اور دست نگر بن گئے۔ہر شر سے بچنے کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے بعد اُن سے مدد طلب کرنے لگے، اور پھر وہ ایک جسم کی مانند بن گئے، جس کا ایک حصہ بیمار ہو تو تمام اعضا اُس کے ساتھ ہوتے ہیں اور بے

آرامی و بے سکونی محسوس کرتے ہیں۔ اور وہ ایک دست و بازو یا ایک عمارت کی طرح ہو گئے کہ اُس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔

مسلمانوں کے ہاتھ سے حکومت کی باگ ڈور اُس وقت نکلی اور اُن کے دشمنوں اور مخالفین کو اُن پر غلبہ و تسلط اس وقت حاصل ہوا جب ان کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی اور شیطان نے ان کے درمیان فتنہ انگیزی کی۔ انہوں نے خواہشات نفسانی کی پیروی کی اور گمراہ و باطل راستوں کو اختیار کیا۔ اور ان سب نے مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے نہ تھاما تو انسان نما بھیڑیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ یہود و نصارا کے مکر و فریب نے اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ کفریہ طاقتوں کی سیاست نے مسلم ممالک میں دخل اندازی شروع کی اور اپنی تہذیبی یلغار شروع کر دی۔ اس طرح مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا آج نام نہاد عالمی سپر پاور اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر اس اسلامی ملک پر حملہ آور ہوتا ہے جو اُس کی فرعونیت، شیطنت اور گھمنڈ کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتا۔ اب اس نے صلیبی جنگ شروع کر رکھی ہے۔ افغانستان اور عراق کے مسلمانوں پر انتہائی سنگدلی سے بموں اور میزائلوں کی بارش کر دی کہ انسانی تاریخ اس کے جرائم کے سامنے شرمندہ ہے۔ مسلم ممالک پر اُس کے خوف اور دہشت کا یہ عالم ہے کہ اِن مظالم کے خلاف آواز اُٹھانے کی اِن میں نہ جُرأت ہے اور نہ ہی ان کو توفیق ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر مسلمانوں کے خلاف جنگ، مظالم اور دہشت گردی کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی ایک میل کے فاصلہ سے ہی رُعب کے ذریعے جو مدد کی گئی تھی وہ ایک ایسے تھوڑے سے لشکر کے ساتھ تھی، جس کی تعداد تیس ہزار سے زائد نہیں تھی۔ لیکن وہ سب کے سب ایک ہی شخص کے دل کے مانند متحد تھے۔ وہ سب کے سب اپنے ملک، وطن، قوم و اُمت کیلئے عزت و شرف اور زندگی کیلئے خواہاں تھے۔ اللہ کے یہاں موجود اجر و ثواب کے حاصل کرنے کیلئے اپنی جان اور روح کو فروخت کر دیا کرتے تھے۔ اور اپنے دینی و مذہبی بھائی کی زندگی باقی رکھنے کیلئے خود اپنی جان نثار کر دیا کرتے تھے۔ لیکن جب سے وہ کاہل، سُست اور کمزور بن گئے۔ اور صرف اپنی ہی جان بچانے کے درپے ہو گئے، اور ان میں سے ہر شخص اپنے مفادات اور اغراض کو پیش نظر رکھنے لگا، اور دُنیوی مال و متاع کے حصول کو اولیت دینے لگا تو سنگدل، جفا پیشہ اور ظالم حکمران غلبہ و اقتدار کے ذریعے اُن پر حکومت کرنے لگا۔ اور ان کے ساتھ توہین آمیز سلوک اختیار کرنے لگا۔ یہ واقعات تاریخ اسلام کے دردناک حادثات ہیں۔ اور دور حاضر کے مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی ہیں۔

دوسرا تقاضا عصر حاضر کا یہ ہے کہ عالم اسلام بے دینی کے رویے کو ترک کر کے بحیثیت مجموعی عملاً دین اسلام کا پیرو کار بن جائے گا۔ کیونکہ مسلمان آج جس بری حالت میں مبتلا ہیں اس کا سبب دین سے دوری، دینی احکام کے تقاضوں پر عمل

نہ کرنا اور دینی مسائل کے سیکھنے اور سکھانے سے لا پرواہی برتنا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو پھر سے مسلمان بنانے کی ضرورت ہے۔ قانون خداوندی ہے کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا کر عہد شکنی اور نافرمانی کا راستہ اختیار کرتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے اپنی مدد اور رحمت سے محروم کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو عہد شکنی اور وعدہ خلافی انتہائی ناپسند ہے۔ قرآن مجید میں عہد کو پورا کرنے والوں کی تعریف اور عہد شکنی کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے عہد شکنی کو منافق کی علامت بتلائی ہے۔ ملت کے ہر فرد کو چاہیئے کہ وہ اپنے گریبان میں منہ ڈالیں کہ وہ اپنے اللہ اور رسولؐ سے کس حد تک وفادار ہے اور دین اسلام کی کس قدر پیروی کرتا ہے۔ ضمناً یہ بات قابل ذکر ہے کہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کا بنیادی سبب یہ تھا کہ ایک ایسا خطہ جو مسلم اسٹیٹ کے طور پر وجود میں آ جائے، جہاں اسلامی قانون نافذ ہو اور مسلم رعایا اپنی زندگی قرآن وسنت کے احکام کے مطابق گزار سکیں۔ اس مقصد کیلئے مسلمانانِ ہند نے بڑی قربانی دی۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں لیکن ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ'' ستاون سال گذر گئے، ملک آزاد ہوا۔ خدا اور اس کی مخلوق کے ساتھ کیا ہوا عہد و پیمان اب تک پورے نہیں ہوئے۔

یاد رکھیے! اس ملک کی بقا، استحکام، ترقی اور خوشحالی کا دارو مدار قانون خداوندی کے نفاذ پر ہے،، کیونکہ اس ملک کے وجود میں آنے کا بنیادی سبب اور اصل مقصد نظام مصطفیٰ کا اجرا تھا۔ برصغیر کی تقسیم سے پہلے مسلمانوں کا نعرہ: ''پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ'' تھا۔ نیز قائد کی بے شمار تقریریں اور دوسرے زُعما کے بیانات نفاذ قانون شریعت کے سلسلے میں ریکارڈ پر موجود ہیں۔ مگر بعد کے حکمران اور سیاستدان جو بھی آیا تخلیق پاکستان کے مقاصد کو طاق نسیان کی زینت بنا دیا، اور دوسری راہ پر چل پڑا۔ بہر حال اس ملک میں قانون قرآن وسنت کا نفاذ ضرور ہو گا انشاء اللہ، مگر یہ نہیں معلوم کہ کب اور کس خوش قسمت حکمران کے عہد زریں میں ہو گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ عہد حاضر کا تیسرا تقاضا حدود اللہ کو قائم کرنا ہے۔ حقیقت میں اگر روئے زمین پر اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حدود کو نافذ کر دیا جائے اور ظالموں اور ان کے ظلم وزیادتی کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دیا جائے تو مسلمان ہرگز پستی میں نہ کریں گے۔ اور نہ رجعتِ قہقریٰ کے شکار ہوں گے، اور نہ ہی ذلت ورُسوائی کے گڑھے میں کریں گے۔ اللہ جل شانہ اُن سے اپنی عطا کردہ نعمتیں ہرگز نہ چھینے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہی یہ ہے کہ وہ اپنی عطا کردہ نعمت کسی قوم سے اُس وقت تک نہیں چھینتا جب تک وہ خود بدل نہ جائیں۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) اس شخص کی مثال جو اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم ہو، اور اس کی مثال جو اللہ کے حدود کو توڑ رہا ہو ایسی ہے جیسے کوئی قوم کسی جہاز پر قرعہ اندازی سے سوار ہوئی ہو۔ چنانچہ بعض کو اُس کے اوپر منزل ملی ہو اور بعض کو نچلی منزل، وہ لوگ جو اُس

کی نچلی منزل میں ہوں وہ پانی کے لئے اوپر والوں کے پاس سے گزرتے اور آتے جاتے ہوں، وہ لوگ اگر یہ سوچیں کہ ہم اپنی منزل میں سوراخ کر کے سمندر سے براہ راست پانی لے لیں گے۔ اور ہمارے آنے جانے سے اوپر والوں کو بھی تکلیف نہ پہنچے گی، تو اگر اوپر والے اُن لوگوں کو اس خیال پر عمل کر لینے دیں گے، تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے، اور اگر اُن کا ہاتھ تھام لیں گے، اور اس حرکت سے روک دیں گے تو وہ خود بھی بچ جائیں گے، اور دوسروں کو (بھی ہلاکت سے) بچالیں گے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ

وَلکم فی القصاصِ حیاۃ" یا اولی الالباب لعلکم تتقون البقرہ . ۱۷۹

(ترجمہ) اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے۔ اے عقلمندو! تا کہ تم بچتے رہو۔

جو لوگ اسلام اور اس کی عظیم شریعت کے اِسرار و رموز سے واقف نہیں، وہ اپنی کوتاہ بینی اور ناسمجھی کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ کسی کو قصاص میں قتل کرنا، اور چور کا ہاتھ کاٹنا، مجرموں کو کوڑے لگانا اور جرائم پیشہ افراد کو سزا دینا بربریت اور وحشی پن ہے۔ جو اسلامی تہذیب اور کلچر کے خلاف ہے۔ اور دورِ حاضر کا تمدن اُس کو درست قرار نہیں دیتا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اس قسم کے لچر اور واہیات ٹائپ کے اعتراض کرنے والوں میں نام نہاد مسلم دانشور بھی شامل ہیں۔ غیر مسلم معترضین قانون شریعت پر اگر اعتراض کریں تو اتنا افسوس نہیں ہوتا جتنا کہ مسلمان معترضین پر ہوتا ہے۔ مستشرقین اور غیر مسلم اسکالرز کو تو اسلام اور اسلامی قوانین سے خدا واسطے کا بیر ہے۔ حالانکہ یہود، نصارا اور دوسرے کفار، مجرم تو بجائے خود بے گناہ اور غیر مجرموں کو بھی نہیں بخشتے۔ انسانی حقوق کی دعوے دار حکومتیں محض شک اور شبہے کی بنا پر بے گناہ لوگوں کا خون بہانے سے دریغ نہیں کرتیں۔ کمزوروں کو اُن کے اپنے ملکوں سے باہر نکال پھینکتی ہیں۔ اور اپنی شیطانی ایجادات اور مہلک ہتھیاروں کے ذریعے ایسی مملکتوں اور عظیم دارالحکومتوں کو کھنڈر میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ جہاں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں، کروڑوں انسان بستے ہیں، اور بالکل بے گناہ ہوتے ہیں۔ اور ان ظالموں کے پاس اپنی اس ناروا حرکت اور ناجائز شیطنت کا کوئی جواز نہیں ہے۔ سوائے اس بے لگام آزادی کے جو حقیقت میں تعصب پر مبنی ہے۔ جسے یہ لوگ تمدن کا نام دیتے ہیں اور سوائے اس وحشی پن کے جس نے ان سے انسانی فضیلت و شرافت کو سلب کر دیا ہے۔ یہ جو بھی دعویٰ کریں مگر یہ درندگی، بے رحمی اور انسانیت دشمنی کے لحاظ سے اسفل السافلین میں گر چکے ہیں۔ انسانیت ان پر نوحہ کناں اور شرافت و فضیلت مرثیہ خواں ہے۔ کسی عرب شاعر نے کیا خوب اور برمحل کہا ہے:

۱. سموک یاعصر الظلامہ شفاھۃ	عصر الضیاءِ دانت شر الاعصر
۲. وتقدمت فید الحضارۃ جسما	قالوا ذیاوحشیۃ المتحسر

۳. وتنورت فيد العقول وانما — يقع الخراب بزلة المتنور

۴. والعلمه قد يأئي بكلِّ بليّةِ — ويسير نحوالموت بالمستبصر

(ترجمہ) اے دورتاریکی وظلمت! انہوں نے ناسمجھی سے تمہارانام روشنی کا زمانہ رکھ دیا ہے، حالانکہ تم بدترین زمانہ ہو۔

۲۔ان کے بقول تمہارے دور میں ترقی نے پیش قدمی کی ہے۔ہائے اس ترقی یافتہ وحشت کے کیا کہنے۔

۳۔تمہارے دور میں عقلیں روشن ہوگئیں اور خرابی تو روشنی حاصل کرنے والے کی لغزش سے ہی واقع ہوتی ہے۔

۴۔بعض اوقات علم ودانش ہر مصیبت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔اور صاحب بصیرت کو موت تک گھسیٹ لے جاتا ہے۔

حدوداللہ اور جرم کے مطابق تعزیر کی اہمیت اور فوائد کتاب اللہ اور سنت نبویؐ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔علاوہ ازیں ایک عرب شاعر نے اس فلسفے پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

۱. وبعض الناس شرير و لكس — اذاعرف العقوبة قل شره

۲. ولاجرامه تحسبهٔ شديد — ويومه يحاكموه يهون امره

۳. وقدْ يَبْدوُ قوياً فيِ للعاصيِ — ضعيف الرائی يجهل مايضره

(ترجمہ) بعض لوگ شریر (اور سرکش) ہوتے ہیں، لیکن جب اُنہیں سزا کا علم ہو جائے تو ان کا فتنہ وشرارت کم ہو جاتی ہے۔

۲۔جرم وزیادتی میں (اے مخاطب) تم اُسے مضبوط وطاقتور سمجھو گے اور جب اُس کو سزادی جائے تو وہ بزدل ہو جاتا ہے۔

۳۔وہ گناہوں میں تو بڑا قوی اور طاقتور معلوم ہوتا ہے لیکن وہ ناسمجھ ہے اپنے آپ کو نقصان اور ضرر پہنچانے والی چیزوں کو نہیں پہچانتا۔

اسلامی معاشرے کے وجود میں لانے کیلئے دیگر تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ (کہ جن میں PRINT AND ELECTRONIC MEDIA دونوں شامل ہیں) کا رُخ درست کیا جائے۔کیونکہ ذرائع ابلاغ تلوار کی مانند ہیں۔جس طرح تلوار اگر مجاہد کے ہاتھ میں ہو تو وہ جہاد کے کام آتی ہے اور اگر دشمن کے ہاتھ میں ہو تو مسلمان اس سے نقصان اٹھاتا ہے، اسی طرح ذرائع ابلاغ کا حال ہے۔اگر ان سے معاشرے کی اصلاح کا کام لیا جائے تو ان سے زیادہ سے زیادہ خیر اور بہتری کی توقع کی جاسکتی ہے۔صحافی اور اخبارات ورسائل کے مالکان ومدیران حکومت اور عوام کے درمیان واسطہ اور سفیر ہوا کرتے ہیں۔انہی کی وجہ سے چیزوں کی حقیقت کھلتی ہیں۔حکومت تک لوگوں کی شکایات پہنچتی ہیں۔اور حکومت کو اصلاح احوال کا موقع ملتا ہے۔انہی سے سیاست کو عروج وزوال ہوتا ہے۔حتیٰ کہ ذرائع ابلاغ کو حکومت کا

چوتھا ستون کہا جاتا ہے۔ بلاشبہ موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ پڑوپیگنڈا اور تشہیر کے مؤثر ہتھیار ہیں۔ ملک اور قوم کی طرف سے ان پر بہت بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ لہٰذا انہیں چاہیئے کہ امن وامان قائم رہنے، شورشوں اور انتشار کو ختم کرنے، مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے اور بدکرداروں کو سزا دینے میں حکومت وقت کی امداد و مُساعدت کریں۔ خواہش اور منکرات کی اشاعت سے باز رہیں۔

بحیثیت مسلمان مدیرانِ جرائد اور مالکان اخبار کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ فحش مناظر کی تصاویر شائع نہ کریں۔ اور نشر و اشاعت کی آزادی اور آرٹ کے نام پر فتنہ انگیز تصاویر اور کارٹون پیش کرنے سے اجتناب کریں۔ اس سلسلے میں جرائد، رسائل ،اخبارات پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ قوم کو اخلاقی اور ذہنی اصلاح کی طرف بھرپور توجہ دیں۔ اسی طرح حکومت کے زیر کنٹرول ذرائع ابلاغ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مخرب اخلاق ڈراموں، ہیجان انگیز مکالمات اور فحاشی پھیلانے والے مواد کی نشر واشاعت سے کلی طور پر احتراز کریں۔ اور متعلقہ حکام کے فرائض میں یہ اہم ذمہ داری شامل ہے کہ وہ ان اداروں کی بطورِ خاص نگرانی کریں بصورت دیگر حکام اور ذمہ دار افراد پر فارسی کا یہ شعر صادق آئے گا:

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ   باز بے گوئی کہ تردامن مکن ہشیار باش

دور حاضر کے عوام الناس کی بے دینی، مساجد سے دوری، حکام کی بے راہ روی، تعلیمی اداروں اور مجالس ومحافل کی بے رونقی اور مساجد میں پراثر وعظ وتبلیغ کی معدومی کے سلسلے میں عربی شاعر کے احساسات کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ جو پورے معاشرے کی عکاسی کرتا ہے۔

۱۔ ارونی بینکم رَجُلاً   رکینا واضع الحسب
۲۔ ارونی نصف مخترع   ارونی ربع محتسب
۳۔ ارونی نادیاً حفلاً   باھل الفضل والاوب
۴۔ وماذا فی مدارسکم   من التعلیم و الکتب
۵۔وماذافی مساجد کم   من التبیان والخطب
۶۔ وماذافی مساجد کم   سوی التمویہ االکذب
۷۔حصائد السن جرت   الی الویلات والحرب
۸۔ فھیوامن مراقد کم   فان الوقت من ذھب

(ترجمہ) مجھے اپنے درمیان سے کوئی ایک بھی مضبوط قسم کا آدمی اور اچھے حسب ونام والا بتلا دو۔

۲۔ مجھے کوئی آدھا بھی موجد بتلا دو مجھے کوئی چوتھائی بھی اللہ کیلئے کام کرنے والا بتلا دو۔

۳۔ مجھے کوئی ایسی بھرپور مجلس بتلا دو جو اہل علم اور باکمال لوگوں سے بھری ہوئی ہو۔

۴۔ اور آپ کی تعلیم گاہوں میں تعلیم اور کتابوں کے اعتبار سے کیا رکھا ہے۔

۵۔ اور آپ کی مسجدوں میں کون سے اچھے اور صحیح و پُرمغز وعظ ہوتے ہیں۔

۶۔ اور آپ کے اخبارات وجرائد میں سوائے طمع سازی اور جھوٹ کے کیا رکھا ہے۔

۷۔ سوائے ان باتوں اور مضمونوں کے جو جنگوں اور ہلاکت کا پیش خیمہ بنتے ہیں۔

۸۔ لہٰذا خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اس لئے کہ وقت سونے سے زیادہ قیمتی ہے۔

عصر حاضر کا ایک بہت بڑا تقاضا یہ بھی ہے کہ معاشرے کے افراد کے اندر تحمل، برداشت اور بردباری کی عادت پختہ کی جائے تاکہ ناگوار حالات اور خلاف طبیعت امور کے پیش آنے سے انتقام لینے کا جذبہ متحرک نہ ہو جائے۔ فرقہ واریت کے ابھرنے، امن وامان کی بجائے بدامنی اور بے سکونی کو فروغ حاصل ہونے کی وجوہات میں سے ایک وجہ معاشرے میں حلم اور بردباری کا نہ ہونا ہے۔ قرآنی تعلیمات اور رسول ﷺ کے بہت سے ارشادات اس سلسلے میں موجود ہیں۔ منجملہ قرآنی آیات میں سے ایک مشہور آیت کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

''نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں تم بدی کو اس نیکی سے دور کرو جو بہترین ہو۔

تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کو عداوت تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔

اور یہ وصف نصیب نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں۔ اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں''

انسانی فطرت میں موجود شر کا ازالہ اور اس برائی میں کمی اچھے اخلاق اور عمدہ صفات سے متصف ہونے سے ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ ''جب تم اپنے دشمن پر قادر ہو جاؤ تو اسے معاف کرنے اور درگزر کو اس پر قادر ہونے کا شکریہ بناؤ۔'' دیکھئے فتح مکہ کے موقع پر آپ کے دشمن یہ سمجھ رہے تھے کہ آپؐ انہیں قتل کر دیں گے یا ماریں گے پیٹیں گے۔ اور انہیں قیدی بنائیں گے، ان کا مال لوٹ لیں گے۔ لیکن جب آپؐ ان کے درمیان تقریر کرنے کھڑے ہوئے اور آپؐ نے یہ فرمایا: ''تم کیا جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرنے والا ہوں؟ تو جو لوگ آپؐ کے حلم، بردباری، صبر، چشم پوشی اور ظالموں کو معاف کرنے کی عادت سے واقف تھے انہوں نے کہا:

آپؐ بہترین بھائی ہیں۔اور بہترین بھائی کے بیٹے ہیں۔تو آپؐ نے فرمایا: جاؤ تم سب آزاد ہو، میں تم سے وہی بات کہوں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی:

(ترجمہ) آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے، وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے کوئی نصیحت فرمادیجئے۔آپؐ نے فرمایا: غصے نہ ہونا، انہوں نے کئی مرتبہ یہ جملہ دہرایا اور آپؐ نے جواب میں یہ فرمایا: غصے نہ ہونا۔آپؐ نے ارشاد فرمایا: ایسے شخص کیلئے اللہ تعالیٰ کی محبت واجب ہوگئی۔ جسے اگر غصہ دلایا جائے تو حلم و بردباری سے کام لے۔نیز فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں جس سے قدر و منزلت بڑھتی اور درجات بلند ہوتے ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: جی ہاں! اے اللہ کے رسولؐ، آپؐ نے فرمایا: ''تم اس شخص کے ساتھ حلم و بردباری کے ساتھ پیش آؤ جو تمہارے ساتھ جہالت کا معاملہ کرے''۔اور جو تم پر ظلم کرے اس سے عفوودرگزر سے کام لو۔اور جو تمہیں محروم کرے اسے دو، اور جو قطع رحمی کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

لقمان حکیم کا قول ہے: کہ حلیم و بردبار کو غصے کے وقت پہچانا جاتا ہے۔اور بہادر کو جنگ کے دوران۔اور دوست کو ضرورت کے موقع پر آزمایا جاتا ہے۔اور کوئی بھی شخص غصے میں کوئی بات نہیں کہتا، مگر یہ کہ وہ غصہ ختم ہونے کے بعد اس پر نادم ہوتا ہے۔حلم و بردباری اسی وقت ہوتی ہے جب انسان کو غلبہ، فتح و نصرت اور اپنے مقابل پر قابو حاصل ہو۔اور عفو درگزر جبھی ہوتا ہے۔جب انسان کو قدرت اور طاقت حاصل ہو۔نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور طیبہ کا حلم و بردباری، عفوودرگزر بہت اہم پہلو ہے۔تاریخ انسانی میں فتح مکہ کے موقع پر دشمنوں سے حسن سلوک آپؐ کا بے مثال اور روشن ترین کارنامہ ہے۔جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عالم عاجز ہے۔ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

۱۔ ولَیس یَتمُّ الحلم للمرئِراضیاً   اِذاھو عندالسخط لم یتحلم

۲. کما لایتمُّ الجود للمرءِ موسراً   اذاھو عندالقترلم یتحشم

(ترجمہ) انسان کا حلم اس وقت تک مکمل و تام نہیں ہوتا جبکہ وہ راضی و خوش ہو اور غصے کے وقت وہ حلم و بردباری نہ اختیار کرے۔

۲۔جیسا کہ مالداری میں انسان کی سخاوت تام نہیں ہوتی۔جب تک کہ وہ تنگی کے وقت شرم نہ کرے اور مذمت سے نہ بچے۔

روشن خیالی کے نام پر بے دینی، فحاشی، منکرات، سیات، اخلاقی اور سماجی برائیوں کی اشاعت دینی نقطہ نظر سے ناجائز و حرام ہے۔پاکستان جیسے نظریاتی ملک میں امور منکرہ کو کسی صورت فروغ نہیں دیا جاسکتا۔البتہ ان سماجی برائیوں کی بیخ کنی، ترقی کے نام پر خلاف شرع کئے جانے والے سارے اقدامات کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ملک و ملت کی بھلائی کا راز اسی میں مضمر ہے۔

روشن خیالی سے مراد علم و ہنر، تحمل و بردباری، تواضع و انکساری، شجاعت و جوانمردی، امانت و دیانتداری اور اس قسم کے دوسرے اوصاف حمیدہ و اخلاق فاضلہ ہیں۔ تو بلا شبہ ان اوصاف کا حامل فرد، گروہ یا جماعت روشن خیال سمجھی جائے گی۔ وہ شخص یا قوم جس کے اندر یہ صفات پائی جائیں گی۔ وہ بلا شبہ عظیم نعمت سے بہرہ ور ہوگی۔ قرآن مجید کا صاف اعلان ہے:۔

(ترجمہ) جس کو چاہتا ہے (اللہ) حکمت عطا کرتا ہے۔ اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔

یہاں حکمت سے مراد صحیح بصیرت اور علم و دانش ہے۔ جس سے انسان کے اندر روشن خیالی اور معاملہ فہمی کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ شر سے بچنے اور خیر کے حصول کا جذبہ انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ اور دین و دنیا کے اندر مزید ترقی کا داعیہ پیدا ہونے کا سبب بنتا ہے۔ کامل مومن دین و دنیا دونوں کی ترقی چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دونوں جہاں کی بھلائی کی دعا کرتا ہے۔ خیالات کے اندر روشنی اور دل و دماغ میں بصیرت علم سے آتی ہے، خواہ یہ بصیرت دین سے متعلق ہو یا دنیاوی امور سے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن۔ (ترجمہ) دانائی کی بات مومن کی (متاع) گم گشتہ ہے۔ مطلب یہ کہ دانائی علم و حکمت جو روشن خیالی کا سبب ہو، مومن کو چاہیے جہاں کہیں سے بھی ملے حاصل کرنے کی سعی کرے۔ یہ چیزیں دراصل مومن کی اپنی ہیں۔ اس کے حصول میں کوتاہی نہیں کرنا چاہیے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) علم حاصل کرو، اگر چہ تمہیں چین جانا پڑے۔

چین کا ذکر خصوصی طور پر اس لیے فرمایا کہ اُس زمانے میں بعد مسافت کے اظہار کیلئے کسی دور واقع شہر کا نام لیا جاتا تھا۔ اور ممکن ہے چین میں اس زمانہ میں کسی نہ کسی شکل میں علم و دانش کا چرچا زیادہ ہو۔ بہر حال روشن خیالی کا مطلب یورپ کی مادر پدر آزاد تہذیب فحاشی و منکرات سے آلودہ آزادی اور خدا فراموش طرز زندگی نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ دنیوی امور میں کمال حاصل کرنے کیلئے جن علوم کی ضرورت ہے وہ جہاں کہیں سے ملے، اس کے حصول کیلئے کوشش ضرور کرنی چاہیے مشہور مقولہ ہے: ''کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی''۔

اسی سلسلے میں عرب شاعر کہتا ہے۔

۱۔ ومن یتھیب معود الجبال — یعش ابدالدھر بین الحضر

۲۔ کذالک قلت لی الکائنات — وحد شنی روحھا لمستتر

(ترجمہ) بلندیوں پر چڑھنے سے خوفزدہ ہونے والا شخص ہمیشہ پستی کے گڑھوں میں پڑا رہتا ہے۔

۲۔ یہ بات مجھے زندگی کے تجربات کائنات اور اس کی مخفی روح نے بتائی ان اشعار کے مفہوم کو ڈاکٹر اقبال نے اپنے

کلام میں یوں ادا کیا ہے۔

زندگی جہد است استحقاق نیست
جز بعلم انفس و آفاق نیست

نیز فرماتے ہیں:۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پر جو ڈالتے ہیں کمند

روشن خیالی اور اعتدال پسندی اپنے اندر پیدا کرنے کیلئے دوسروں سے دریوزہ گری کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اسوۂ حسنہ اور سیرت طیبہ کی پیروی کر کے مسلم قوم یہ صفات اپنے اندر پیدا کر سکتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ عصر حاضر کے تقاضے ملت اسلامیہ سے عموماً اور اہل پاکستان سے خصوصاً بے شمار ہیں۔ جن میں سے چند اہم اور بنیادی تقاضوں کی نشاندہی اپنی دانست کے مطابق گذشتہ سطور میں کر دی گئی ہے۔ جن پر اگر عمل کیا گیا، تو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت سے امید ہے کہ ایک روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ

ماٰخذ و مراجع

۱۔ القرآن الکریم۔

۲۔ تفسیر روح المعانی۔

۳۔ تفسیر معارف القرآن از مفتی محمد شفیع

۴۔ تفسیر تفہیم القرآن از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

۵۔ صحیح بخاری شریف محمد بن اسماعیل البخاری

۶۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج القشیری

۷۔ اصلاح المجتمع شیخ محمد بن سالم بیحانی

۸۔ کلیات اقبال فارسی علامہ اقبال

۹۔ کلیات اقبال اردو علامہ اقبال

۱۰۔ مجلة الاذاعة السعودية الرياض (۱۳۵۵ھ)

☆☆☆☆☆

عصرِ حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں

(ملک طفیل حسین اعوان (چکوال))

عصرِ حاضر میں اگر بحیثیت مجموعی اسلام اور اسلامی معاشرے کی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں ایک سقیم اور بے ربط سی صورتحال نظر آتی ہے کہیں تو دین اسلام کی ایسی تصویر دکھائی دیتی ہے جیسے جنگ و جدل ہی اس دین کا خاصہ ہے اور کہیں ایسی دھندلی کہ جیسے اس میں چند سانسیں باقی ہیں۔ ایک طرف تو ایسا شدت پسند اسلام نظر آتا ہے کہ جیسے باقی مذہب اور اقوام سے اس کا تعلق برائے نام ہے اور دوسری طرف ایسا جدت پسند کہ گویا دوسری اقوام کی معاشرت و تہذیب اس میں ضم ہوا چاہتی ہے۔

اگر جدید دور میں اس غیر متوازن سی صورتحال اور انفرادی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر اسلامی رویوں کا جائزہ نبوی تعلیمات اور سیرت مطہرہ کی روشنی میں لیا جائے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام کس روشن خیالی، اعتدال پسندی و میانہ روی کا درس اور کھلے ذہن سے سوچنے اور غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے اور ہمارا موجودہ رویہ ہمیں کس نہج پر ہانکے جا رہا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا ہر دور میں یہ مدعا و منشا رہا ہے کہ ایک فلاحی مملکت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ پھر ایسی مملکت کے غیر مسلموں سے تعلقات اور امداد باہمی کے نظریات کو بھی موضوع بحث بنایا گیا۔ دین اسلام اپنے ماننے والوں کی بہتری چاہتا ہے۔ اس کی عائلی و معاشرتی زندگی، عزت، جان اور مال کے تحفظ کی ضمانت چاہتا ہے اور پھر عالمی برادری میں بحیثیت مجموعی اسلامی معاشرے کا ممتاز اور برتر مقام دیکھنا چاہتا ہے اور انہیں عالمی برادری کی راہنمائی و قیادت کا عظیم منصب اور فریضہ سونپنا چاہتا ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: ۱۱۰)

لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ جس امت کو یہ ذمہ داری سونپی گئی وہ امت نا اتفاقی اور بالخصوص فرقہ پرستی کا شکار ہو کر اپنے مقصد کو بلا بیٹھی۔ نیز واسکی کی رائے ملاحظہ ہو۔

Profound differences between the cultural and social levels, discrepancies in

economic wealth, and contrasts in ideologies and political structures among Arab states largely accounted for the failure to achieve the desired unity.

(Georgy Lenczowski, The Middle East in World Affairs, P.763)

حقیقت میں وَلَا تَتَفَرَّقُوا کا سبق مسلمان بھلا بیٹھے۔اسی تفریق کا ایک بڑا عمل اعتدال پسندی سے ہاتھ دھونا ہے۔نظریات، رویوں اور ان کی practice میں افراط وتفریط کارفرما نظر آتی ہے۔ ان حالات میں ہمیں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اسلام ہمیں اس سلسلے میں کیا راہ دکھاتا ہے۔

اعتدال پسندی کے متعلق اسلامی تعلیمات

اللہ رب العزت نے اسلام کو ایک ایسا دین بنایا جس میں ہر اعتبار سے اعتدال وتوازن کا درس ملتا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اسلام دین اعتدال وتوازن ہے تو یقیناً یہ مبالغہ آرائی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ علیہ التحیۃ والثنا کو وہ کردار عطا کیا ہے جو توسط اور اعتدال پر مبنی ہے۔ قرآن مجید کا یہ ارشاد غور وفکر کا محتاج ہے۔

وَكَذَلِكَ جعلنكُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِتَكُونُوْ شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ .

''اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو''

(البقرہ:۱۴۳ ترجمہ از مولانا فتح محمد جالندھری)

اسی کی تفسیر میں عبداللہ یوسف علی نے اسے "an ummah justly balanced" کہا ہے۔

(The Meaning of the Holy Quran : Abdullah Yosuf Ali)

یعنی ایسی امت جو راہ حیات پر چلتے ہوئے ہر معاملے میں توازن کو برقرار رکھتی ہے اور صراط مستقیم سے ادھر ادھر نہیں ہوتی۔ جس طرح ترازو کے دو پلڑے ہوتے ہیں اور دونو وزن میں برابر ہوتے ہیں کوئی پلڑا ایک طرف نہیں جھکتا بعینہ یہ امت آخریں متوسط رہتے ہوئے اعتدال کو قائم رکھتی ہے یہی سبب ہے کہ امت محمدیہ ﷺ کو عالم انسانیت میں وہ کردار تفویض کیا گیا جو اسے مرکزیت عطا کرتا ہے۔ قرآن مجید نے کئی مقامات پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا لیکن اس میں بھی اعتدال کی تعلیم دی۔ مثال کے طور پر ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا۔

وَلَاتجْعَل يَدَكَ مَغْلُوْ لَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ.

''اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ پورا کھول دے''۔ (الاسراء:۲۹)

اسی سیاق میں ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا۔

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا۔

''اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔''

(الفرقان:٦٧) (ترجمہ از امام احمد رضا خان)

اعتدال کے ضمن میں یہ بات خصوصی طور پر توجہ کے قابل ہے کہ باوجودیکہ اس فرمان کے مطابق کہ وَمَا خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ اللہ جل شانہٗ حد سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ خواہ میری عبادت ہی کیوں نہ ہو اعتدال کو ملحوظ رکھا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا۔

''اور اپنی نماز نہ بہت بلند آواز سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ اور ان دونوں کے بیچ میں راستہ چاہو''۔

(بنی اسرائیل:١١٠)

پھر احادیث مبارکہ ماعال من اقتصد اور خیر الامور اوسطھا اس بات کی متقاضی ہیں کہ اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

اسلام کے اس تصور اعتدال کو سید محمد قطب نے بڑے دلکش الفاظ میں بیان کیا ہے۔

Islam was the most excellent system yet tried by mankind as it embraced the whole of man's life and struck a reasonable balance between different aspects of his existence.

Syed Muhammad Qutb: Islam the misunderstood religion (Islamic & Civilizations)

توسط اور اعتدال کے اس اسلامی سبق کا نچوڑ کیا ہے اور یہ کیسے اسلام پر منتج ہوا اس کو سید سلیمان ندوی نے یوں بیان کیا ہے۔

''عدل و انصاف ایک ایسی چیز ہے جس نے دنیا کے نظام کو قائم رکھا ہے اور احسان و رفق و ملاطفت کی آمیزش نے اس کو اور بھی خوش نما بنا دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت مجسم عدل تھی اس میں احسان و درگزر کی اخلاقی کشش بہت کم رکھی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مجسم رحمت کا پیام بن کر آئے، ان کی شریعت میں عدل و انصاف کے قائم کرنے کی روح بہت کم پائی جاتی ہے۔ لیکن اسلام نے عدل و احسان دونوں میں امتزاج پیدا کر کے دنیا کے نظام حکومت کو کامل تر کر دیا''۔

ان الله يامُرُ بالعدل والاحسان (نحل : ۹۰)

(علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ﷺ جلد ششم، باب توسط اور اعتدال)

یعنی زندگی کے ہر معاملہ میں جو درس اعتدال اسلام نے دیا ہے وہ فقط اسلام کا ہی خاصہ ہے لیکن عصر حاضر میں مسلمانوں کے اعمال انفرادی واجتماعی طور پر اسلام کے حقیقی سبق کو reflect نہیں کرتے۔ موجودہ دور میں اسلام کو جن چیلنجز کا سامنا ہے اس میں ایک یقیناً انتہا پسندی بھی ہے لیکن اگر حقیقت کی عینک لگا کر دیکھا جائے تو یہ بات ماننی ہوگی کہ اسلام تو ایسی انتہا پسندی کے الٹا مخالف ہے۔ اور اس کے مقابلے میں ایسی روشن خیالی کا درس دیتا ہے کہ اپنے تو اپنے پرائے کے ساتھ بھی (چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم) ہمدردی، خوش اخلاق ہونے اور عفوودرگزر سے کام لینے کی تلقین کرتا ہے۔ اگر اسلام کی تعلیمات متعلق بہ روشن خیالی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ظاہر ہے کہ اسلام تو دین ہی سراپا روشن خیالی ہے۔ اور میں اس بات کو مبالغہ آرائی نہیں سمجھتا کہ روشن خیالی اور کھلے ذہن سے کام لینے کا درس ایک ہی آیت میں شافی وکافی ہے۔ فرمانِ اللہ عزوجل ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ . (البقرة:۲۵۶)

''(یعنی) مذہب میں زبردستی نہیں ہے''۔

اس آیت کے شان نزول سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ جب غزوہ بنو نضیر ربیع الاوّل ۴ھ کے بعد بنو نضیر اپنا وطن چھوڑ کر نکلے تو ان کے جانے کے بعد یہ جھگڑا پیش آیا کہ انصار کی اولاد جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا اور یہودی ان کو اتحاد مذہب کی وجہ سے ساتھ لیے جاتے تھے، انصار نے ان کو روک لیا کہ ہم ان کو جانے نہ دیں گے اس موقع پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔ (تاریخ طبری) بحوالہ سیرت شبلی جلد اوّل۔ غور فرمائیے کہ اسلام تو اس روشن خیالی کا درس دیتا ہے کہ جبراً کسی کافر کو بھی مسلمان نہ بنایا جائے چہ جائیکہ مسلمانوں کے ساتھ کسی بھی قسم کی زیادتی ہو۔ اور پھر سیرت مطہرہ کی مثالیں یعنی آنحضرت ﷺ کا عیب جوئی سے اظہار ناپسندیدگی، تشدد سے نفرت، جودوسخا، حسن معاملہ، کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ سے برتاؤ دشمنوں کے حق میں دعائے خیر اور عفوودرگزر روشن خیالی ہی کی تو مثالیں ہیں۔ کیا آپ علیہ الصلوۃ والسلام فتح مکہ کے دن دشمنوں سے انتقام نہ لے سکتے تھے جنہوں نے آپ ﷺ کے اہل پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے لیکن اس منبع حلم وعفو نے فرمادیا۔

لاتشريب عليكم اليوم اذهبوا فانتم الطلقاء.

''تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو''

پس سیرت مطہرہ کا یہی درس آج بھی ہمیں اسی روشن خیالی سے اپنے اعمال وافعال کو رنگنے کا درس دے رہا ہے۔

آپ ﷺ نے دنیا کو یہ پیغام دیا کہ: "لاتباغصوا ولا تعاسدوا ولا تداب وو کونو عباداللہ اخوانا"
(الصحیح البخاری، باب الہجرۃ)

''ایک دوسرے پر بغض حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور اے اللہ کے بندو سب آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ''۔

بہر حال اس موضوع کا تقاضا ہے کہ اسلام اور معاشرے کا باہمی ربط و تعلق واضح کیا جائے۔ بقول ڈاکٹر طاہر القادری

''اسلام کی غایت و مقصد ایک ایسا صالح معاشرہ پیدا کر کے اسے عالمی سطح پر غالب کرنا ہے جو وحدت نوع انسانی کے تصور پر مبنی ہو، جو اخلاقی جدوجہد کرنے والے روحانی الذہن افراد پر مشتمل ہو اور پھر ان کی جدوجہد کا رخ یہ ہو کہ فرد اور معاشرہ ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ ہو جائے۔ اور اسلامی معاشرہ مَــمَــنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَاخَــوفٌ عَلَیهِــمْ وَلَا هُــمْ یَـحْـزَنُونَ (البقرۃ:۳۸) کی حقیقی تصویر نظر آئے۔ اور آخر میں یہ کہ اس معاشرے کی بنائے استحکام حضرت محمد رسول ﷺ سے خالص وفاداری ہو۔

لا یومن احد کم حتی اکون احب الیہ من والوہ وولرہ والناس اجمعین (صحیح البخاری)

(ڈاکٹر طاہر القادری، سیرۃ الرسول ﷺ جلد پنجم، اسلامی معاشرے کی خصوصیات)

اس ضمن میں ایک اور اہم نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ کوئی فرد واحد محض ایک ملکی معاشرے کا حصہ نہیں رہ گیا بلکہ وہ ایک بین الاقوامی معاشرے کا حصہ ہے۔ آج اس کی ضروریات کا دائرہ اس کے مرتبے اور مقام کے مطابق پوری دنیا میں کسی نہ کسی طرح سے پھیلا ہوا ہے ضروری نہیں کہ یہ افراد کسی ملک کا عام طبقہ ہوں بلکہ ان افراد میں ایسے طبقات کے نمائندہ اور حکمران بھی شامل ہیں جو حقیقتاً عالمی معاشرے کے ممتاز ارکان ہیں۔ اگر کسی انسان کی زندگی میں مذہب کا عمرانی نقطہ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو عمرانی ماہرین کے مطابق مذہب ایک ایسی طاقت ہے جو معاشرے میں لوگوں کو متحد کرتا ہے۔

پاول ہارٹن ایک فرانسیسی ماہر عمرانیات کے حوالے سے لکھتا ہے۔

The religious rituals helped people to develope sense of community. this unite the goup, leaving none to face life alone.

(Sociology: Horton & Hont. P.267: Religious Institutions)

اسلام نے تو سبق ہی فقط اتحاد اور اتفاق کا دیا ہے اور اس دین کی اور اس کے دروس کی جامعیت و ہمہ گیریت کا مقابلہ نہ کوئی دین کر سکتا ہے نہ کوئی معاشرہ۔

اِنَّمَا الْمُومِنُونَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْ ابَیْنَ اَخَوَیْکُمْ. (الحجرات:۱۰)

''اور مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لئے ان میں صلح کراؤ''

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی ایک حدیث ہے کہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

ترى المومنين فى تراحمهم و توادهم و تعاطفهم كمثال الجسدِاذا اشتكىٰ عُضوٌ تَراَعىٰ لَهُ سائرِ الجسدبالسهدو الحمّٰى . (صحیح البخاری، صحیح مسلم)

''تو مومنوں کو باہم رحم کرنے اور باہم محبت کرنے اور باہم شفقت کرنے میں ایک جسم کے مانند دیکھے گا کہ جب ایک عضو بیمار ہو تو تمام جسم اس کی خاطر بے خوابی اور بخار میں اس کے ساتھ شریک ہوتا ہے۔'' ایک اور حدیث مبارکہ ہے۔

لا يومن احد كم حتى يحب لِاَ خية مَا يحب لنِفسِهٖ (مسند احمد جلد ۳)

''تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

یعنی اسلام تو ایک ایسے معاشرے کی تکمیل کا خواہاں ہے جو محبت والفت کی بنیادوں پر استوار ہو اور جس کی بنیادیں رفق و ملاطفت سے لبریز ہوں۔ اگر ایسا معاشرہ اسلام کی تعلیمات اعتدال پسند یا روشن خیالی کو سامنے رکھ کر ان پر استوار کیا جائے تو پھر یقیناً ایک ایسے اسلامی معاشرے کی تکمیل ممکن ہے جو اسلام کا مقصود ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عصر حاضر میں اسلام کو کن مخدوش حالات کا سامنا ہے اور ان کا مقابلہ بطریق احسن کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اس بات کے تذکرہ کی ضرورت نہیں ہے کہ سب سے زیادہ نقصان اسلام کو اس وقت فرقہ واریت اور مذہبی تعصب کی وجہ سے پہنچ رہا ہے۔ جس کا ضرر مسلمانوں کی ترقی اور تہذیب کی شائستگی پر براہ راست ہو رہا ہے۔ اس جدید دور میں ضرورت تو اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کی اجتماعی معاشی صورتحال کو بہتر بنایا جاتا اور ان کے معیار زندگی کو بلند کیا جاتا خود وطن عزیز پاکستان میں یہ حال ہے کہ حکومت کو خصوصی توجہ فرقہ واریت کی بیخ کنی پر صرف کرنا پڑ رہی ہے۔ جس ملک کو لا الہ الا اللہ کے نام پر حاصل کیا گیا افسوس کی بات ہے کہ وہاں نمازیں بھی بندوقوں کے پہرے میں ادا کرنا پڑ رہی ہیں۔ قصور کس کا؟ چند لوگوں کا جو سارے اسلام کو یرغمال بنائے بیٹھے ہیں۔ اس اتحاد شکن مسئلے کا حل کیا ہے اور فرقہ واریت کو کیسے لاتفرقوا کے لباس سے ڈھانپا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے ہمیں اجتماعی کوششیں کرنا ہوں گی۔ ان تمام مسائل اور ان کے حل کے تین درجات ہیں اور ہر مسئلے کو اسی درجے میں حل کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ انفرادی ومقامی سطح پر

۲۔ قومی سطح پر

۳۔ بین الاقوامی سطح پر

ا۔ انفرادی و مقامی سطح پر

مملکت پاکستان میں جو خواندگی کی شرح ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور فی الوقت میں یہ بات کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا ہوں کہ انفرادی و مقامی سطح پر فرقہ واریت ناخواندہ یا نیم خواندہ حضرات کی اندھی تقلید اور دوسرے فرقے پر اندھی تنقید کی وجہ سے ہے۔ اور اس وبا سے کوئی فرقہ مستثنیٰ نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اختلاف نہ توحید پر ہے نہ رسالت پر سبھی اللہ عزوجل کو اپنا معبود گردانتے ہیں اور سبھی آنحضرت ﷺ کو اللہ کے رسول اور آخری نبی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اختلاف مقلد وغیر مقلد ہونے پر، وہابی، شیعہ اور سنی ہونے پر ہے۔ اور پھر انہی کو بنیاد بنا کر بُغض وکینہ کو ہوا دی جاتی ہے۔ اور اختلاف یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ہر فرقہ دوسرے فرقوں کو کافر سمجھتا ہے۔ پس یہی وہ تفرقہ ہے جس سے اسلام نے منع فرمایا ہے۔ اسی بُغض وتعصّب سے دور رہنے کی اسلام نے تعلیم دی تھی۔ لیکن افسوس

تعصب نے اس صاف چشمے کو آکر
کیا بغض کے خارو خس سے مکدر
بنے خصم جو تھے عزیز اور برادر
نفاق اہل قبلہ میں پھیلا سراسر
نہیں دستیاب ایسے اب دس مسلماں
کہ ہوایک کو دیکھ کر ایک شاداں

(مدوجزر اسلام از حالی)

مقامی و انفرادی سطح پر میرے ذاتی مشاہدہ میں جو بات آئی ہے وہ یہ کہ ہر فرقہ یا مسلک کے لوگ دوسروں کو بلاوجہ تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور ان پر وہ الزامات دھرتے ہیں جو وہ نہ کرتے ہیں اور نہ ایسا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس کا بنیادی مقصد جو نفسیاتی طور پر ہر فرقہ پرست کے ذہن پر سوار ہو چکا ہے وہ یہ کہ اپنے فرقہ کے لوگوں کو دوسرے فرقہ سے اتنا متنفر کر دیا جائے کہ وہ نہ تو دوسرے کی بات سننے کو تیار ہوں اور نہ وہ ان کے عقائد میں دلچسپی لیں مبادا کہ وہ اپنا فرقہ چھوڑ کر دوسرے سے مل جائیں یوں اس بات کو انہوں نے اپنے فرقے کی بقا کی ضمانت سمجھا ہوا ہے اور حقیقتاً کوئی ایک فرقہ بھی تو ایسا نہیں جو اس بات سے خالی ہو۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جناب والا فلاں فرقہ تو بڑا اچھا ہے اور فلاں نہیں ہے سبھی کا حال ایک جیسا ہے اور نا اتفاقی میں سبھی

برابر کے شریک ہیں۔

اور پھر دوسری بات کہ ہر کوئی اپنی اصلاح کرنے کی بجائے خود کو مصلح سمجھنے لگتا ہے اور اپنے سے زیادہ دوسروں کو سنوارنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے جب لوگ اس بات کا شکار ہوتے ہیں تو اس سے زیادہ فتنہ وفساد پھیلتا ہے۔ پھر بات مار دھاڑ، ایک دوسرے کی مسجدوں پر قبضے، آپس میں ناچاقی اور عداوت تک پہنچ جاتی ہے۔ ان ساری بیوقوفیوں کا نقصان کسی فرقے کا نہیں بلکہ یہ تو اسلام کا نقصان ہے۔ اسلامی ملک پاکستان کا نقصان ہے۔

ان حالات میں علماء کو چاہیے کہ وہ تمام لوگوں کو باہمی الفت ومحبت کا درس دیں اور حقیقتاً ذمہ داری ہر فرد پر انفرادی طور پر عائد ہوتی ہے کہ ہر کوئی خود اپنی اصلاح کا ذمہ لے اور اپنے رویے کو درست کرے۔ اس سلسلے میں حکومت جو اقدامات کر رہی ہے مثلاً لاؤڈ سپیکر کے استعمال پر پابندی وغیرہ اس سمت میں مثبت پیش رفت ہے۔ ایسے قوانین کو مزید موثر طور پر enforce کرنے کی ضرورت ہے۔ عوام کو چاہیے کہ راہنمائی ایسے عالم دین سے لیں جو انہیں صحیح راہ کی طرف راہنمائی کرے۔ جلتی پر تیل کا کام نیم ملا کر رہے ہیں۔

میں جانتا ہوں انجام اس کا
جس معرکے میں ملا ہوں غازی

(بال جبریل اقبال)

۲۔ قومی سطح پر

اسلام نے ہر سطح پر، اور ہر فورم پر فرقہ واریت کے خلاف آواز دی۔ رسول پاک ﷺ نے امت مسلمہ کو عالمگیر اور ہمہ گیر اخوت کا پیغام دیا۔ جس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس طرح عمل کر کے دکھایا کہ پوری تاریخ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی اور رضی اللہ تعالیٰ ورضوعنہ کا مردہ جانفزا سنا۔ اخوت کا تقاضا ہے کہ جس قدر ہو سکے مسلمان آپ میں متحد رہیں اور کوئی ایسا عمل نہ کریں جس سے اتحاد میں رخنہ پڑے اور کسی اختلاف کو راہ ملے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَاتَنَا زَعُوْا فَتَفْشَلُوْ اوَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ٥ (الانفال: ۴۶)

''اور آپس میں مت جھگڑو ورنہ تم ہمت ہار جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی''۔

اور پھر فرمایا۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ (آل عمران :۱۰۳)

''اور سب اللہ کی رسی کو تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو''۔

مزید ارشاد ہوا۔

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعاً ۠ (الروم : ۳۲)

''اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور خود فرقے فرقے بن گئے''

آپس کے اختلافات سے جماعت کمزور ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایسے اعمال اور باتوں سے بچنا ضروری ہے جس سے یہ رشتہ اخوت و محبت کمزور ہوتا ہو اور باہمی اختلافات کو ہوا ملتی ہو۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک

جس شدت سے موجودہ دور میں اختلافات جاری ہیں اس کا فائدہ دشمن اٹھا رہے ہیں اور اس کو ملک عزیز میں بدامنی پھیلانے اور اسے اندرونی طور پر کمزور کرنے کے لئے بطور آلہ Device کے استعمال کر رہے ہیں۔ ہماری اپنی حالت یہ ہے کہ رمضان اور عید کے چاند پر ہی اختلافات ختم ہونے میں نہیں آتے۔ یہ اختلافات بہت حد تک ملکی ترقی میں رکاوٹ ہیں اور بیرونی سرمایہ کاری کا راستہ روکے ہوئے ہیں۔ یہی صورتحال مجموعی طور پر اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی کا باعث بن رہی ہے پھر اس حقیقت سے انکار نہیں کہ مدارس ملک عزیز میں ایسی NGO's ثابت ہوئے ہیں جن کا مقابلہ بڑی بڑی NGO's نہیں کر سکتیں لیکن افسوس کی بات ہے کہ ان NGO's سے وہ کام نہیں لیا جا سکا جو لینا چاہیے تھا بلکہ بہت سے مدارس فرقہ واریت کا گڑھ بن گئے۔ اور

مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟

کے مصداق بن گئے۔

قومی سطح پر علما کو چاہیے کہ لوگوں کو آپس میں نرمی اور محبت کا درس دیں تا کہ فرقہ واریت کے زہر کو مزید سرایت کرنے سے روکا جائے اور ایک ایسا تریاق تیار کیا جائے جو اسلام کے جسم سے اس زہر کے اثر کو ختم کر ڈالے۔

فروع اختلافات دور کرنے کے لئے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مثال تمام مسلمانوں کو دعوت عمل دیتی ہے۔

''حضرت امام علیہ الرحمۃ کی تحقیق کی رو سے نماز میں رفع یدین کرنا واجب تھا اور وہ عام زندگی میں ایسا ہی کرتے تھے لیکن جب وہ امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر تشریف لائے تو انہوں نے حسب معمول رفع یدین نہ

کیا اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمتہ کے طریقے سے نماز پڑھی۔ آپ کے شاگرد بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ نے رفع یدین کیوں نہیں کیا جبکہ آپ کی تحقیق کے مطابق نماز میں رفع یدین کرنا چاہیے آپ نے اپنی ہی تحقیق پر عمل کیوں نہ کیا۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرمانے لگے۔ ''مجھے اپنی تحقیق پر اعتماد ہے مگر اتنے بڑے امام کے مزار پر آتے ہوئے مجھے اپنی تحقیق پر عمل کرنا باعث شرم لگ رہا ہے''۔ (الخیدات الحسان مرتجم: ۱۵، ۱۶)

اگر عوام کو اس روشن خیالی اور نرم دلی کا درس دیا جائے تو یقیناً بہت سے مسائل ہو جائیں۔

فَمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنتَ لَهُم وَلَوْ لحنتَ فَظّاً غَلِيظَ القَلبِ لَانفَصوٗ امِنْ حَولِكَ ص ٥

(آل عمران: ١٥٩)

''یعنی اللہ کی مہربانی سے آپ ﷺ ان لوگوں کے لئے نرم ہو گئے اور اگر آپ ترش رو، سخت ہوتے تو سب لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔''

۳۔ بین الاقوامی سطح پر

هُوَالَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ط وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

(الصف: ۹)

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے خواہ مشرک کتنا ہی ناپسند کریں۔''

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری

ارشاد نبوی ہے جسے جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے روایت کیا ہے۔

وَكان البنى يبعث اِلى قومه خاصته و بعثت الیٰ الناس عامة. (صحیح البخاری۔ ۱:۴)

''مجھ سے پہلے ہر نبی اپنی ایک مخصوص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا۔ لیکن میں تمام عالم انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔''

بین الاقوامی سطح پر مسلم معاشروں کی کشمکش کی وجہ ڈاکٹر خالد علوی نے یوں بیان کی ہے۔

مغربی تہذیب ایک غالب عالمی تہذیب ہے۔ استعماری دور میں عسکری غلبے سے محکوم قوموں کو ثقافتوں اور شناختوں کو تاراج کیا گیا، ریاستی ڈھانچے، عدالتی نظام، تعلیمی ادارے اور عسکری تنظیم کے ذریعے محکوم قوموں کے قومی تشخص کو مجروح کیا گیا اور ان کے اندر ایسے طبقات پیدا کئے گئے جو بظاہر ان قوموں کا حصہ تھے لیکن حقیقتاً وہ غالب تہذیب کے کارندے تھے ان کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ اپنی قوموں کو یہ باور کرائیں کہ تمہاری نجات اسی میں ہے کہ مغربی ثقافت اور مغربی اقدار کو اپنا لو۔ خوش قسمتی سے مسلمان معاشروں نے اخذ و جذب کے اس عمل کو مجموعی طور پر قبول نہیں کیا اور اس طرح تمام مسلم معاشرے ایک کشمکش کا شکار ہیں''۔

(اسلام اور مغرب کا فرق (مقالہ) روزنامہ جنگ، لاہور، ۲۵ جون ۱۹۹۵ء صفحہ نمبر ۴)

بین الاقوامی سطح پر بھی اسلامی معاشرے میں اتحاد و اتفاق اگرچہ کچھ کم حد تک لیکن بہر حال مفقود نظر آتا ہے۔ ندائے ملت کی ایک رپورٹ ملاحظہ ہو۔

''افغانستان میں امریکی سفیرز لمے خلیل زادے کی اہلیہ چیریل بینارڈ نے 90 صفحات پر مشتمل ایک سٹڈی رپورٹ تیار کی ہے جس میں حنفی مسالک اور حنبلی مکتبہ فکر کو آپس میں لڑانے کے لئے مختلف ہتھکنڈوں کو بروئے کار لانے کی سفارش کی گئی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اسلام کے حالیہ بحران کی بنیادی وجہ اس کے عالمی دھارے سے روابط کے فقدان میں منحصر ہے۔ اسلامی دنیا طویل پسماندگی اور اقتدار سے محرومی کے باعث بحران کی دلدل میں دھنس چکی ہے۔ اسے عروج کی جانب لے جانے کے لئے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی جس کے تحت ملت اسلامیہ مایوسی، بددلی اور غصہ و اشتعال کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ اس صورتحال کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مسلمان کسی ایک نکتہ پر اتفاق نہیں کرتے اور اہل مغرب اس بارے میں متفق نہیں کہ اسلامی معاشرہ بالآخر کس قالب میں ڈھلا ہونا چاہیے۔ رپورٹ میں مسلمانوں کو متعدد گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا گروپ بنیاد پرستوں پر مشتمل ہے جو مغربی تہذیب و ثقافت کو یکسر مسترد کرتا ہے اور کٹر مذہبی خیالات کے افراد پر مشتمل ریاست چاہتا ہے جو ان کے انتہا پسندی پر مبنی قانون کا نفاذ کر سکے گی۔ دوسرا گروپ روایت پسندوں کا ہے وہ اس امر کے خواہاں ہیں کہ اسلامی دنیا عالمی جدیدیت کا حصہ بنے۔ تیسرا گروپ لادینوں پر مشتمل ہے وہ چرچ اور ریاست کی طرز پر امت مسلمہ کی تقسیم چاہتے ہیں۔''

رپورٹ میں یہ تجویز دی گئی ہے کہ بنیاد پرست اکثر و بیشتر خطاب میں برتر ہیں جبکہ سیاسی طور پر غیر واضح انداز میں عمل پیرا ہیں۔ لہٰذا جدت پسندوں کی حمایت کی جائے اور ان کی تحریروں کی اشاعت کے لیے سبسڈی دی جائے۔ بنیاد

پرستوں کا مقابلہ ان کی اسلام کی تشریح وتوضیح کی مخالفت کے ذریعے کیا جائے، ان کی غلطیوں کو اچھالا جائے۔

(ہفت روزہ ندائے ملت لاہور 28 اکتوبر تا 3 نومبر 2004ء صفحہ 19)

اور اس فرقہ واریت کے منصوبے کی مدد خود بیوقوف مسلمان کرر ہے ہیں۔ فاعبتدوا یا الھالمسلمون ۔اس وقت اسلامی معیشت کا جو حال ہے اس سے کون ناواقف ہے۔

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصانہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

اسی ضمن میں طالبان کی مثال بھی پیش نظر رکھی جاسکتی ہے۔مسلمانان عالم کو اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ ان کی باہم چپقلش ان کے دینی اور دنیوی گھاٹے کا باعث بن رہی ہے۔کسی نے خوب کہا کہ

wise men propose but fools assist them.

اور اس وقت مسلمان موخرالذکر کا کردار ادا کرر ہے ہیں۔دشمنان اسلام تو چاہتے ہی یہی ہیں کہ

نہ سنی میں اور جعفری میں ہو الفت
نہ نعمانی و شافعی میں ہو ملت
وہابی سے صوفی کی کم ہو نہ نفرت
مقلد کرے نا مقلد پہ لعنت
رہے اہل قبلہ میں جنگ ایسی باہم
کہ دین خدا پہ ہنسے سارا عالم

(مدوجزر اسلام از حالی)

بہر حال اکا دکا ممالک کا کردار اس معاملے میں قابل ستائش ہے۔ندائے ملت نے ملائیشیا کے وزیر اعظم مہاتیر محمد کا انٹرویو کیا انٹرویو سے قبل انٹرویور لکھتا ہے۔

''مہاتیر کا دور ملائشیا میں سنہرے دور کی حیثیت سے یاد رہے گا کہ ملک نے سیاسی اور معاشی استحکام حاصل کیا، ملک میں معاشی اصلاحات عام ہوئیں تعلیم اور روزگار کی شرح ہمسفر ہیں یعنی 92 فیصد۔ملک کی آبادی اڑھائی کروڑ کے لگ بھگ ہے جن میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔دوسری قوموں میں چینی ہندو عیسائی اور بعض دوسرے مذاہب کے ماننے والے بھی ہیں لیکن سب کے سب نسلی اور مذہبی اختلافات کے باوجود ایک متحد قوم ہیں۔اگر چہ انگریزوں نے اپنی روایات کے مطابق

یہاں بھی تفرقہ پھیلانے کی کوشش کی لیکن سیاسی راہنماؤں نے بڑی دانش مندی کے ساتھ ان پر قابو پالیا صنعتی لحاظ سے ملائشیا بلاشبہ ایشیا کے صف اول کے ممالک میں شامل ہے۔"

(ہفتہ روزہ ندائے ملت لاہور 16 تا 22 ستمبر 2004ء صفحہ نمبر 30)

مسلمانوں اور مسلمان حکمرانوں کو اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ وہ اتحاد و اتفاق اور باہمی رواداری سے کام لیں اور باہمی محبت کی اس نعمت سے فیض یاب ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاذْ كُرُو انعمتَ اللّٰه عَلَيْكُمْ اِذ كنتمْ اَعَدَآ ءَ فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلوبُكمْ فَا صْبَحْتمْ بَنِعمَتِهٖ اخوَانَاہ.

(آل عمران۔۱۰۳)

نیز اس بات کو ذہن نشین کرلیں کہ ان الله لایغنیر مابقوم حتی یغیرو امابانفسھم .

کہ اس بات کا نتیجہ یہ نہ ہو کہ لاطاقة لنباالیوم بجالوت وجنوده (البقرۃ:۲۴۹) "آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں"۔ اور آج عالمی منظر نامہ یہی تصویر پیش کر رہا ہے۔ جہاں تک اس کی viabilityاور feasability کا تعلق ہے۔ تو اگر علماء قیام پاکستان کے لئے ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو سکتے ہیں اور اس پر امت کا اتحاد کرا کر ایک ملک وجود کو لانے کا باعث بن سکتے ہیں وہی علما استحکام پاکستان کیلئے بھی عوام کو ایک پلیٹ فارم پر لا سکتے ہیں۔ سیاسی مقاصد کے لئے متحدہ مجلس عمل بن سکتی ہے تو دینی مقصد کے لئے بھی متحدہ مجلس عمل بن سکتی ہے۔ اگر معاشی اور تجارتی بلاک بن سکتے ہیں تو متفقہ مذہبی بلاک بھی بن سکتا ہے۔ بات فقط نیت اور ارادے کی ہے۔ اس سلسلے میں عالمی اسلامی و سیاسی راہنماؤں کا یہ فرض ہے کہ وہ مسلمانان عالم کو اعتدال پسندی اور روشن خیالی کا سبق پڑھائیں۔ فاعتبر ویاالیها المسلمون وَلَا تكُونو كَالذينَ قَالُو سَمِعناَ وَهُمْ لَايَسْمَعُونَ . (الانفال)

☆☆☆☆☆

عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت سیرت طیبہ کی روشنی میں

(بلال احمد مشوانی (مانسہرہ)

جب ماضی اور حال کے حالات کو ملایا جاتا ہے تو منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کا مستقبل تاریک ہے۔ نہ صرف تاریک ہے بلکہ خطرناک حد تک تباہ کن بھی ہے۔ کیونکہ تباہی انسان کا سامان تو تیار ہو چکا ہے۔ لیکن اس سے بچاؤ کا کوئی طریقہ نہیں۔ ایٹم بم تو بن چکا ہے۔ لیکن اس سے دفاع کی کوئی صورت نہیں۔ مادہ کے بارے میں تو علم بڑی وسعت اختیار کر گیا ہے۔ لیکن خود انسان کے بارے میں ابھی جہالت ہی چھائی ہوئی ہے۔ اس قسم کے حالات یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ عصر حاضر امن کا متلاشی اور اطمینان کا پیاسا ہے۔ یہ امن اور سکون ہی آج کے دور کا سب سے اہم اور بڑا تقاضا ہے۔ اس کو ہم خوشحالی، روحانی اطمینان یا ذہنی سکون سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ متوسط طبقہ کے ایک فرد کو روٹی کپڑا اور مکان مل جائے تو وہ خوشحال ترین انسان کہلائے گا۔

اس خوشحالی اور امن کو قائم کرنے کیلئے بہت سی کوششیں بھی کی گئی۔ اسلامی اُمہ امن کمیٹی، اقوام متحدہ کا ادارہ اور سلامتی کونسل امن کی خاطر تشکیل پائے۔

اتنے انتظامات کے باوجود نتائج اس کے برعکس رہے ہیں۔ کیونکہ ابھی تک افغانستان اور کشمیر کے مسائل ویسے ہی ہیں۔ امریکہ کی عراق میں جنگ جاری ہے۔ کوئی بھی قوم ایسی نہیں جو ذہنی طور پر خوشحال ہو۔ اور جس سے فریاد کی جاسکے۔ امریکہ اور دوسری طاقت ور ریاستوں کی دوڑ آپس میں جاری ہے۔ ایک حریف دوسرے حریف سے آگے نکلنے کی کوشش میں ہے۔ اور وہ چھوٹی ریاستوں کو کٹھ پتلی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور نصف سے زیادہ کام ان ہی سے لیتے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے آپس میں جذبہ اخوت اور انسانیت ناپید ہوگئی ہے۔ اور جب کسی معاشرے یا قوم سے انسانی خصوصیات مٹ جاتی ہیں۔ تو خود انسانیت کی بقا ناممکن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دوسری انسانی خصوصیات بھی ختم ہوتی جارہی ہیں۔ اور افراتفری، بے چینی اور اضطراب بڑھتا جارہا ہے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے عصر حاضر کا ایک یہی تقاضا نظر آتا ہے۔ جس پر پوری انسانیت کا انصار ہے۔ اور اگر یہی حالت رہی تو زمانہ قریب میں ہی موجودہ انسانیت اپنی نسلیں غائب پائے گی۔ اور اگر

یہ تقاضا پورا نہ ہوا تو گویا انسانیت اپنے ہاتھوں اپنی موت کا باعث بنے گی۔

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان مسائل کا اصل سبب کیا ہے۔عصر حاضر میں پیدا ہونے والے مسائل پر مختصر سی روشنی ڈالنے کے بعد ہم عصر حاضر کے مسائل کے ابھاروں کے دور اور عصر حاضر کے تقاضوں کا ایسی صورتحال کے لحاظ سے جائزہ لیں گے۔

عصر حاضر کے مسائل کی اصل وجہ:۔

انسانی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ جن لوگوں نے زندگی کے سفر میں مجرد عقل کو اپنا راہ نما بنایا۔ان کے راہنما نے اپنے متبعین کی مسافرت کو مصائب و آلام سے بھر دیا۔یہی گمرہ کن راہبر ہے۔جس نے معزز انسانوں کو رہبانیت کی راہ پر ڈال کر زندگی اور اس کے تقاضوں سے فرار سکھایا۔اور یہی وہ راہبر ہے۔جس نے انسانوں کو انسانوں پر متولی کر دیا۔اور انہوں نے اپنی غلامی کا قلادہ اپنے ابنائے نوع کی گردنوں میں پہنا کر معیشت کا سارا نظام نفس پرستی کی بنیاد پر قائم کر دیا۔اور ان کے جسم و جان کو مشقت آمیز مجاہدوں اور ریاضتوں سے تکلیفیں پہنچا کر فرسودہ اور بے جان بنا دیا۔یہی عقل نارسا ہے۔جس کی زیر ہدایت، ہدایتِ ربانی سے محروم انسان نے زندگی کے مسائل اور معاملات حل کرنے کیلئے کئی فلسفے گھڑ لیے۔مثلاً سوشلزم (socialism) کیمونزم (communism)، کیپی ٹلزم (capitalism) ڈاروزم (Darwanism) وجودیت (enistentialism)، مادیت (Materialism)، متشکیک (scepticism)/1 وغیرہ ان سب کے پیچھے وہی ناقص عقل کارفرما تھی۔

عہد حاضر کے تمام مسائل اسی ناقص عقل اور خطا کار بصیرت پر حد سے زیادہ اعتماد کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ اور مندرجہ بالا تمام ازم انسانی مسائل کے حل کیلئے پیش کیے جانے کے باوجود نتیجہ بالکل برعکس رہا۔اور مزید مسائل میں الجھا رہا۔اب انسان اس دوراہے پر کھڑا ہے۔کہ اس نے وحی کی روشنی سے راہ حق نہ پائی تو ہلاکت و تباہی اس کا مقدر ہے۔اس میں کوئی شک نہیں۔اس وقت دنیا میں ہزاروں مصلحین اور بڑے بڑے انقلابیوں اور راہنماؤں نے جنم لیا اور انسانیت کی فلاح و نجات کیلئے ساعی ہوئے۔مگر ان تمام شخصیتوں اور ان کے پیش کردہ نظاموں میں سے کوئی بھی جامعیت کا حامل نہیں۔ کسی کا عزم کسی خاص پہلو کی اصلاح کی طرف مائل ہوا ہے۔کسی کا خیال سماجی رسومات کی درستگی کی طرف گیا۔کسی نے اخلاق اقدار کو معاشی اقدار کا تابع بنایا اور اقتصادی عوامل کی بنیاد پر سوسائٹی کی تشکیل کی۔کسی میں ذہنی و فکری ترنگ ہے۔مگر عملی افتادگی نہیں ہے۔کسی کے سیاسی کارنامے تدبر تک محدود ہیں۔تو کوئی شمشیر و سناں پر قادر اور فاتح دوراں ہے۔کسی نے

جماعت کی خاطر انفرادیت کا گلا گھونٹ دیا۔تو دوسرے نے انفرادیت کو اسطرح گلے لگایا کہ معاشرے اور خاندان کی اہمیت کم ہوگئی۔اور اجتماعیت کو توڑ موڑ کر رکھ دیا۔کہ روحانیت دب کر رہ گئی۔الغرض ایک ایسی شخصیت جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف کوائف ومظاہر، ہر قسم کے صحیح اور صالح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ اور معیار ہو۔وہ صرف اور صرف رسول اللہ کی مبارک ذات ہے۔جو بلا امتیاز ہر دور کے انسان کیلئے خواہ اس کی حیثیت کچھ ہی ہو۔اسوہ حسنہ ہے۔ارشاد ہے کہ:۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ .

ترجمہ:۔کہ رسول کی زندگی تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

آپؐ نے ایسا کامل اور مکمل نظام حیات عطا فرمایا جو انسانیت کو تمام شعبہ ہائے حیات میں طمانیت کی وافر دولت عطا کرتا ہے۔ آپ کے لائے ہوئے نظام میں افراط وتفریط کی بجائے روح وجسم اور فرد ومعاشرہ کے مابین اعتدال وتوازن ہے۔عدل و انصاف کا دور دورہ ہے۔انسانیت کا احترام ہے۔نظام معیشت میں ہمواری ہے۔طبقات انسانی میں کوئی طبقہ بھوک وافلاس کے ہاتھوں پریشان نظر نہیں آتا۔معاشرتی زندگی پاکیزہ امور بدکرداریوں سے پاک ہے۔اور تمام انسانوں کی عفت وعصمت کی مکمل حفاظت ہے۔

ایسی صورتحال میں عصر حاضر یہ تقاضے پیش کرتا ہے کہ افراد معاشرہ کا معیار زندگی بلند ہو۔آپس میں اتفاق واتحاد کی فضا قائم ہو۔اور معاشرے کے افراد دینی اور دنیاوی علوم سے جب تک فائدہ نہیں اٹھائیں گے وہ زندگی کی دوڑ میں آگے نہیں نکل سکیں گے۔اورانہوں نے خدا اور اس کے رسول کے پیغام سے فائدہ اٹھایا۔تو وہ پست تر ہو کر رہ جائیں گے۔اور نبی کی تعلیمات ہی ہیں۔ وکنتم علٰی شفا حضرۃٍ من النار کے مصداق انسانیت کو ایک بار پھر ہلاکت وتباہی کے گڑھے کے کنارے سے نجات دلا کر اسلام کی ازلی وابدی روشنی سے منور کر سکتی ہے۔

اب معاشرتی زندگی کے مسائل اور ان کی دلدل سے نکلنے کیلئے عصر حاضر کیا تقاضے پیش کرتا ہے۔اس سلسلے میں بحث کرتے ہیں۔

عصر حاضر کے تقاضے سیرت طیبہ کی روشنی میں

ا۔اخوت وبھائی چارہ:۔

عصر حاضر میں جہاں معاشرہ اتنی پیچیدگیوں کا شکار ہے۔افراد معاشرہ عوام کی خدمت سے سبکدوش ہوتے جارہے ہیں۔اور معاشرہ مادہ پرستی ونفس پرستی کی طرف مائل ہو رہا ہے۔اور وہ جذبہ اخوت وبھائی چارے کی قدر کھو بیٹھے ہیں۔خدا

اوراس کے رسولؐ نے بھی مسلمانوں کے باہمی تعلقات پر بہت زور دیا ہے۔قرآن کا ارشاد ہے کہ:۔

"انما المومنون اخوة فاصلحو بين اخويكم"

ترجمہ: مسلمان تو بھائی بھائی ہیں۔لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ اخوت و بھائی چارہ ہی معاشرے میں امن وامان کی فضا پیدا کرسکتا ہے۔جو کسی بھی معاشرے کے لیے ناگزیر ہے۔حضورؐ نے مومنین میں باہمی رشتہ واخوت کو بنیان مرصوص سے تعبیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اَلمُومِنُ لِلمُومِنِ کَاَ لبُنیاُن بعضَۃ بعضاً.

ترجمہ: "مومن ایک دوسرے کیلئے ایک دیوار کی اینٹوں کی طرح ہوتے ہیں۔کہ ہر دوسرے سے تقویت پاتا ہے۔آپؐ نے مومنین میں باہمی جذبہ والفت کو اجاگر کرنے کیلئے فرمایا۔

"تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا۔جب تک کہ وہ اپنے بھائی کیلئے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے" ایک اور ارشاد ہے کہ المسلم اخوا المسلم لا یظلمه ولا یکذبه وَلا یحقره "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔نہ اسے رسوا کرتا ہے۔نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے۔اور نہ اسکی تحقیر کرتا ہے۔"

آپ کی سیرت کا ایک روشن پہلو اور اسلامی معاشرے می اخوت و بھائی چارے کی سب سے عظیم مثال مہاجرین اور انصار ہیں۔جن کو آپؐ نے ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنادیا۔

۲۔ مذہبی واقتصادی تقاضے:

عقیدہ ہر انسان بالخصوص مسلمان کے تمام اعمال کی اساس ہوتا ہے۔اس میں بگاڑ یا خرابی پوری زندگی کے افعال و اعمال پر اثر انداز ہوتی ہے۔آج عالم اسلام کو ایک مشکل یہ درپیش ہے کہ مسلمانوں کے عقائد مردہ اور بے جان ہو چکے ہیں۔جدید طبقوں میں انہیں توہمات سمجھا جانے لگا ہے۔ہمارا عقیدہ توحید ورسالت ہو یا تصور آخرت یا جزا وسزا ان میں دراڑیں پڑ چکی ہیں۔کتاب وسنت کی تعلیمات کو قابل عمل اور عصر حاضر میں نتیجہ خیز ہونے پر ہمیں شک ہے۔الغرض ہمارے عقائد کا سارا ایوان متزلزل ہے۔لہٰذا ہمارے علماء کو بالخصوص اس وقت عقائد کے اختلافی پہلوؤں کے بجائے ایمانیاتی اور انقلابی پہلوؤں پر زور دینا چاہیے۔تاکہ مردہ عقائد پھر سے زندہ ہوجائیں۔اور ان کا تعلق حقیقی اور عملی زندگی کیساتھ دوبارہ بحال ہوجائے۔اور ہمارے معاشرے کے تمام افراد کا عقیدہ یہ ہونا چاہیے۔جیسا کہ قرآن میں کارشاد ہے کہ والھکم الہ واحد لا الہ الا ھوالرحمن الرحیم ۔ الغرض عصر حاضر یہ تقاضا پیش کرتا ہے کہ ہم عقیدہ کے اعتبار سے مضبوط ہوں۔اور اسلامی معاشرے

کے فرد کی حیثیت سے ہم مذہب کا پرچار کریں۔

پروفیسر فلپ ہٹی کہتا ہے کہ "اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں مذہبی اسلام نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کرلیں"

علامہ اقبال نے رسولؐ کی سیرت کے بارے میں کیا خوب کہا

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنا خدا اور رسولؐ کے بارے میں عقیدہ درست رکھیں۔ تب ہی ہم معاشرے میں اسلامی اصولوں اور قوانین کا نفاذ عمل میں لاسکیں گے۔

۳۔ تعلیمی تقاضے:۔

کسی بھی روشن خیال معاشرے کی تشکیل کے سلسلے میں عصر حاضر سب سے جو معیار مقرر کرتا ہے وہ افراد معاشرہ کا تعلیم یافتہ ہونا ہے۔ علم ایک ایسا بحر نا پیدا کنار ہے۔ جس میں زمین وآسمان کی وسعتیں پنہاں ہیں۔ علم ہی انسان کو ضابطہ حیات سکھاتا ہے۔ اس کے کردار کی تعمیر کرتا ہے۔ اور انسان کی دینوی اور اخروی زندگی میں اس کی فلاح و بہبود کا سبب بنتا ہے۔ دور قدیم میں علم اس قدر غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر ہی اسے چند با اثر افراد تک ہی محدود کر دیا گیا۔ تا کہ تمام افراد علم کی اہمیت آپ شیریں سے سیراب وشاداب ہوکر وہ بلند مقام حاصل نہ کرلیں جو کہ علماء کیلئے مخصوص ہے۔ ملکی ترقی وتعمیر کیلئے علم کی اہمیت سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ چینی اور جاپانی معاشرہ نے اسی وجہ سے بلند مقام حاصل کرلیا ہے۔ کہ ان کی اقوام کے افراد نے علم کی بدولت نئی ایجادات کیں۔ اسلام نے جو اہمیت علم کو دی اس کی مثال کا کسی بھی مذہب میں ملنا محال ہے۔ حضورؐ نے بھی حصول تعلیم پر بڑا زور دیا۔ اور طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیضَةٌ عَلٰی کُلِ مُسلِمٍ و مسلمةٍ ہ کے تحت حصول علم کو فرض کا درجہ دے دیا۔ آپ کا وضع کردہ یہ روشن قانون تشنگان علم کو دعوت حصول علم دے رہا ہے۔ حصول علم کیلئے عمر کا کوئی خاص حصہ ہی مخصوص نہیں بلکہ آپ نے فرمایا۔

اُطلبو العِلْم مَنِ اَلْمَهد وَللحد "یعنی گود سے گور تک علم حاصل کرو"۔

اسلام نے حصول کو اعلیٰ وارفع مقام عطا کیا۔ مثلاً "حصول علم کو جہاد کا رتبہ دیا گیا۔" "عبادت سے افضل قرار دیا گیا"۔ آخرت میں انبیاء کے قریب ترین درجہ دیا گیا۔ علم کی اس غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر "رَبِ ذِدنی علماً" کی دعا کو قرآن میں

شامل کیا گیا۔اس نے صرف علم حاصل کرنے کی ترغیب نہیں دی بلکہ اس پر عمل کا حکم بھی دیا۔ آپؐ نے فرمایا۔

''علم حاصل کرنا اس پر عمل کرنا اور اسکی اشاعت کرنا صدقہ ہے''۔اس کے علاوہ تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ غزوہ بدر کے قیدیوں کو حکم دیا کہ جو رقم ادا نہیں کر سکتے وہ دس دس مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں تو انہیں آزاد کر دیا جائے گا۔

الغرض تعلیم انسان کو انسان بناتی ہے۔اور ایک معاشرے کی خوشحالی اور ترقی کیلئے معاشرہ کے افراد کا پڑھا لکھا ہونا بہت اہمیت رکھتا ہے۔اس لیے ترقی پسند اور روشن خیال معاشرہ کا دارومدار افراد کے تعلیم یافتہ ہونے پر ہے۔

۴۔قانونی تقاضے:۔

ہر معاشرے میں جرائم کی روک تھام اور لوگوں کے جان و مال کے تحفظ کے سلسلے میں اس معاشرے کی طرف سے کچھ قوانین مقرر کیے جاتے ہیں۔تاکہ معاشرہ میں امن وامان کی فضا قائم ہو۔اور معاشرہ قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کیلئے حدود یا تعزیری سزائیں مقرر کرتا ہے۔تاکہ لوگ ایسے کاموں سے باز رہیں۔عصر حاضر میں جرائم کی اس قدر فراوانی ہو چکی ہے کہ ان کو برائی تصور ہی نہیں کیا جاتا۔عدلیہ اور قانونی اداروں کی عدم توجہی کا نتیجہ یہی ہے کہ معاشرہ اس ناگفتہ حالت کا شکار ہو چکا ہے۔بدقسمتی سے آج ہم مغربی قوانین پر عمل کرنے پر مجبور ہیں۔اسلام نے عمل وانصاف پر مشتمل جو قوانین مرتب کیے ہیں۔وہ دور حاضر میں بھی نافذ کیے جاسکتے ہیں۔عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ قوانین اسلامی فرسودہ ہو چکے ہیں۔لیکن اسلام کے قانونی اصولوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اسلامی قوانین ہی موجودہ دور میں امن وامان قائم کر سکتے ہیں۔ ۱۹۵۱ء میں پیرس یونیورسٹی کے شعبہ قانون نے فقہ اسلامی پر سیمینار منعقد کروایا۔اس سیمینار کے صدر نے افتتاحی خطاب کرتے ہوئے کہا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلامی فقہ کے بارے میں جمود اور نئے حالات میں قانون کی بنیاد بنانے کے سلسلہ میں اس کی عدم صلاحیت کی بات بیان کی جاتی رہی ہے۔اور جو مقالات اس سیمینار میں اس کی وسعت اور نئے حالات میں قانون بننے کی صلاحیت کے سلسلے میں، میں نے سنے ہیں۔اس کے بعد پہلی بات کی تائید کس طرح کروں''۔(شیخ محمد مصطفٰی زرقاء)

اسلامی قوانین کا بنیادی عنصر عدل وانصاف ہے۔ارشاد ہے کہ

''اور جب تم کچھ کہنے لگو تو انصاف سے کام لو چاہے وہ تمہارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔حضورؐ نے اس بنیادی اصول پر عمل کر کے دکھایا۔چنانچہ عرب کی ایک امیر عورت جو کہ بنو مخزوم قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔جب چوری کے ایک مقدمے میں گرفتار ہوئی۔تو لوگوں نے اس کے ہاتھ کاٹنے کی ذلت سے بچانے کیلئے حضرت اسامہ بن زید (جو کہ حضورؐ کو بہت عزیز تھے) کو سفارشی بنا کر

بھیجا۔آپ انتہائی جلال میں آگئے۔اور فرمایا ''اگر آج میری بیٹی فاطمہ بھی اس کی جگہ ہوتی تو اسے بھی اس کے کیے کی سزا ضرور ملتی۔

اسلامی معاشرے میں اعتدال کو برقرار رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ قانون کی ہر شخص پابندی کرے۔اور اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کو سخت سزائیں دی جائیں۔تا کہ معاشرے میں امن وامان کی فضا پیدا ہو۔اسلامی معاشرہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تمام قوانین کے فیصلوں کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں کیا جائے۔اور ایسے قوانین جن کے بارے میں قرآن وسنت میں وضاحت نہ ہو تو ہمیں اجتہاد سے کام لینا چاہیے اور معاشرے میں رائج تمام قوانین کو قرآن وسنت کی روشنی میں ڈھالا جائے۔جو کہ عصر حاضر کا اہم ترین تقاضا ہے۔

۵۔سیاسی تقاضے:

اسلامی ریاست یا معاشرہ کیلئے دور حاضر میں ایسا دستور تیار کیا جائے۔جو اسلامی نظام سیاست کے عین مطابق ہو۔ اور ہر اسلامی ملک وہاں ان تقاضوں کے مطابق حکومت بنا سکے۔لیکن بنیادی اصول یہ ہونے چاہئیں۔

۱۔ مقتدر اعلیٰ کا حق صرف خدا کو حاصل ہے۔

۲۔ قانون سازی کے اختیارات صرف خدا کو حاصل ہیں۔

۳۔ دیگر انبیاء اور آنحضورؐ خدا کے سیاسی اور قانونی حاکیت کے مظہر ہیں۔لہٰذا ریاست کے حکمرانوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ حاکیت کے دعوے سے بالکل مبرا اور جذبہ خدمت سے سرشار ہو۔

۴۔ حکمرانوں کیلئے ملکی قانون سازی میں اطاعت رسول ضروری ہے۔

۵۔ رئیس حکومت کا تقرر باہم مشاورت سے ہو۔تا کہ بعد میں اندورنی اختلافات پیدا ہونے کی گنجائش نہ رہے۔اور نظام ریاست پر امن رہے۔

۶۔ امراء، وزراء اہل شوریٰ کے لئے بنیادی شرائط یہ ہوں۔ووٹ کو خدائی حکم کے مطابق امانت سمجھتے ہوئے اس کے اہل ترین شخص کیلئے استعمال کیا جائے۔اس کے لئے ایماندار ہونا، صالح عمل، کم از کم معیار تعلیم شخصی وجاہت و استحکام فیصلہ کن اور موثر بات کرنے کی صلاحیت ہو۔

۷۔ معیار انتخاب تقویٰ پر ہونا چاہیے۔کیونکہ ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ .

۸۔ حدیث نبوی کے مطابق ان رہنماؤں کو منتخب کیا جائے۔جن سے عوام کو محبت ہو۔اور وہ بھی عوام سے محبت کرتے ہوں

۹۔ شوریٰ کا کردار: اسلامی حکومت میں مجلس شوریٰ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔اس لئے اسکے تمام ارکان کا انتخاب بھی قرآن وسنت کے ضوابط کے مطابق ہونا چاہئے۔تا کہ وہ عوام اور خلیفہ دونوں کے درمیان رابطہ رکھتے ہوں۔

٦۔عصر حاضر کا اہم تقاضا،خواتین کی تعلیم:۔

کسی بھی معاشرے کی تعمیر وترقی میں عورت کا بہت اہم کردار ادا ہوتا ہے کیونکہ عورت معاشرے میں ماں، بہن، بیٹی کی حیثیت سے سامنے آتی ہے اور اسے زندگی کے مختلف مراحل طے کرنے ہوتے ہیں۔جس کے لیے عورت کا تعلیم یافتہ ہونا بہت ضروری ہے۔ارشاد نبویؐ ہے۔

طَلَبُ العِلمِ فرِيضتهُ عَلىٰ كُل مُسلم وَمُسلمةِ ۔ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا مقصد معاشرتی حیثیت کو بلند کرنا ہے۔اس لئے اسلام نے عورت کو حصول علم کیلئے پورا حق دیا۔فارابی نے کہا تھا ''کہ پڑھی لکھی ماں کی گود بچوں کیلئے سب سے بڑی یونیورسٹی ہے'' بقول اقبال ماں قوم ومعاشرے کی خالق ہے۔مزید فرمایا جہاں را محکمی از امہات است لہٰذا عورت جو کہ معاشرے کا جزو لاینفک ہے۔اس کی گود میں آئندہ نسلیں پروان چڑھتی ہیں۔جس ہستی کی آغوش افراد ملت کی اولین درسگاہ ہے۔تعلیم سے اسے دور رکھنا قانون خداوندی اور تقاضائے فطرت کے منافی ہے۔

اس لئے عصر حاضر کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ عورتوں کو دینی و دنیاوی دونوں علوم کی تربیت دی جائے۔افلاطون کا قول ہے کہ بہترین مائیں بہترین بچے جنتی ہیں۔'' اس سے مراد تعلیم یافتہ عورتیں ہیں۔جو کہ اپنے بچوں کی تربیت کو بھی صحیح خطوط پر استوار کرتی ہیں۔جو کہ روشن خیال اور ترقی پسند معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔پچھلے صفحات میں ہم نے عصر حاضر کے تقاضوں پر بحث کی جو کہ کسی بھی اسلامی معاشرے کی تشکیل وترقی میں بہت اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔اور یہ تمام وہ تقاضے ہیں۔جن کا معاشرے کے ساتھ چولی،دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔اور یہ تمام معاشرتی ادارے میں جو کہ معاشرے کے افراد کی اصلاح ان کے حقوق وفرائض وغیرہ کا تحفظ کرتے ہیں۔اب تقاضوں کے بیان کرنے کے بعد ہم روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل وضرورت کو موضوع بحث بنائیں گے۔

۲۔روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل وضرورت:

معاشرہ کے لغوی معنی آپس میں مل جل کر زندگی گزارنا ہے۔اصطلاح میں معاشرہ اس اجتماع کا نام ہے۔جس کے سامنے کوئی مقصد ہو۔وہ گروہ یا ہجوم جو بغیر کسی مقصد کے اکٹھا ہو گیا ہو۔اس کو معاشرہ نہیں کہہ سکتے۔مثلاً ریوڑ کو معاشرہ نہیں کہا جا سکتا۔کیونکہ جانوروں کے سامنے کوئی اجتماعی مقصد نہیں ہوتا۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معاشرے کا مقصد کیا ہے۔

اب معاشرہ کے مقصد کے بارے میں اس وقت دو مختلف متضاد نظریے دنیا میں کارفرما ہیں۔ایک نظریہ یہ ہے کہ معاشرہ کا مقصد اس کی اجتماعی بہبود ہے۔دوسرے نظریے کی رو سے معاشرہ محض ایک بناوٹی چیز ہے۔اس کا اصل مقصد فرد کی بہبود ہے۔ایک نظریہ فرد کا طرف دار ہے۔اور دوسرا معاشرے کا۔دونوں نظریوں کے حامی اس وقت نہ صرف زبان وقلم کے ہنگامے کر رہے ہیں۔ بلکہ جنگ کیلئے بھی پر تول رہے ہیں اسلام ان دونوں نظریوں میں سے کسی کا بھی روادار نہیں۔اس کا اعلان ہے کہ معاشرہ کا مقصد نہ خود معاشرہ ہے۔نہ فرد بلکہ اس کا نصب العین اللہ کی عبادت ہے۔ارشاد ہے کہ:

وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ (۵۱.۵۶)۔ ترجمہ اور میں نے جن وانس کو اپنی ہی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔

اسلامی معاشرے کی تشکیل کا مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارضی خلیفہ حیثیت سے اس کے احکام بجالائے ارشاد ہوتا ہے کہ "لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة" کہ رسول کی زندگی تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے۔آنحضرتؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔اور اسلامی معاشرے کا مقصد ہی یہی ہے کہ افراد معاشرہ اپنے تو خدا کا نائب تسلیم کرتے ہوئے ۔خدا اور اس کے رسولؐ کے احکامات کی پابندی اور ان کے مطابق زندگی گزارنے یعنی آپؐ کی بعثت کا مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل وتمیم بھی ہے۔یہ حقیقت ہے کہ کسی اسلامی معاشرے کی تشکیل کے سلسلے میں کہ ہم زندگی کے ہر موڑ اور عمر کے ہر دور میں آپؐ کی سیرت طیبہ سے رہنمائی حاصل کریں۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ روشن خیالی واعتدال پسندی کیا ہے۔اور یہ اسلامی معاشرے کی تشکیل میں کیا کردار ادا کرسکتی ہے۔

بنیادی طور پر روشن خیالی اعتدال پسند افراد معاشرہ کی ایک صفت ہے۔تنگ نظری کا الٹ روشن خیالی ہے۔اور روشن خیالی کا اطلاق عمومی طور پر اس شخص پر ہوتا ہے۔جو کہ تعلیم یافتہ ہو۔اپنے حقوق وفرائض سے واقف ہو۔اس کے اخلاق بہتر ہوں۔اور وہ اپنی ذات سے بالاتر ہوکر دوسرے افراد معاشرہ کی تعلیم وتربیت،اور معاشرہ کی ترقی کا خواہش مند رہتا ہے۔ اور اعتدال پسندی سے مراد بھی یہی ہے کہ وہ معاشرے فرد ہو یا سربراہ وہ اعتدال کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔اور اس کا مقصد معاشرے کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہوتا ہے۔

روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کے سلسلہ میں ہمارے سامنے سب سے بڑی مثال آنحضرتؐ کی ذات بابرکات ہے۔آپ نے معاشرہ بلکہ پوری امت کے سربراہ ہوتے ہوئے بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آپ سردار ہونے کے باوجود بھی آپ نے فقیرانہ زندگی کو اپنے لئے پسند فرمایا۔آپ کی روشن خیالی کی بے حد مثالیں آپ کی سیرت طیبہ سے ملتی ہیں۔آپؐ انسانوں سے محبت کرنے والے تھے۔خصوصاً بچوں سے آپؐ بہت شفقت فرمایا کرتے تھے۔ روشن خیالی کا یہ عالم تھا۔کہ سربراہ ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی اہم فیصلہ فرماتے تو مشاورت سے اس کو انجام دیتے۔آپ کو حکم تھا

کہ "وشاورھمَ فی الامہ" کہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کرو۔

آپؐ نے معاشرے میں اعتدال توازن برقرار رکھا۔ اور معاشرے سے غریب، امیر، چھوٹے، بڑے کے معیار کو ختم کر دیا۔ اور "برتری کا معیار تقویٰ کو ہی قرار دیا"۔ آپؐ کی روشن خیالی کی سب سے بڑی مثال یہ تھی۔ کہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کا کوئی مقام نہ تھا۔ انہیں جائیداروں میں سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ بھیڑ بکریوں کا سلوک کیا جاتا تھا۔ آپ کی روشن خیالی کا یہ عالم تھا کہ غلاموں کو ان کا مقام دلایا۔ اور عورتوں کو جائیدادوں میں بھی حصہ دار بنا دیا۔ اور بیواؤں کو شادی کا حق بھی فراہم کیا۔ آپؐ کی روشن خیالی اعتدال پسندی کو دیکھتے ہوئے دوست تو دوست دشمن بھی گرویدہ ہو گئے۔ اور اس طرح اسلامی معاشرہ بہت وسیع اور مضبوط ہو گیا۔ اور آپؐ کی وفات کے وقت اسلامی ریاست کی سلطنتیں تقریباً 10 لاکھ مربع میل تک پھیل گئیں تھیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کل کے دور میں روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کس طرح ممکن ہے۔ روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کے تقاضے:

ا۔ مذہبی اختلافات کا خاتمہ:

روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کا سب سے اہم تقاضا یہ ہے کہ اسلامی معاشرے سے مذہبی اختلافات کا خاتمہ ہو جائے۔ اور وَعْتَصِمو بِحَبلِ اللهِ جَمِيعاً . کے مصداق پر متحد ہو جائیں ۔فرقہ پرستی اور مذہبی انتشار کے امراض آج ملت اسلامیہ کے رگ و ریشے میں اس طرح سرایت کر گئے ہیں۔ کہ اب یہ مرض لا علاج نظر آنے لگا ہے۔ مسلمان معمولی اور فروعی اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ لہٰذا اس کے تدارک کیلئے موثر منصوبہ بندی کی اشد ضرورت ہے۔ یہ اختلافات اب مذہبی حلقوں تک محدود نہیں رہے۔ بلکہ ان کے اثرات عالمی سطح تک پہنچ گئے ہیں۔ ہمارے گردو پیش سرعت سے تغیر پذیر حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں۔ کہ ہمیں ہر حال میں اندرونی اختلافات ختم کر کے عالمی سطح پر اسلام کی نصرت کیلئے کوششیں کرنی چاہئیں۔ اور وعتصو بحبل اللہ کے تحت اخوت واتحاد کی دعوت اور تفرقہ و انتشار کی مذمت پر زور دیا گیا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد نسل و رنگ اور قبائل پر مبنی تفاخر کے بتوں کو توڑ کر ایک مرکز پر دائمی وحدت کے رشتے میں منسلک کرنا ہے۔ لہٰذا مسلمان اپنی اجتماعی اور انفرادی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اس خدائی حکم پر عمل پیرا ہوں۔

ایسے ہی مسلمان مختلف طبقے اور فرقے جس ملت کے عضو ہیں۔ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہو کر نہ صرف انفرادی

سلامتی کو تباہ کر رہے ہیں۔ بلکہ اجتماعی خطرات مول لے رہے ہیں۔

۲۔ سقوط بغداد کے واقعہ سے عبرت پکڑتے ہوئے مسلمانوں کو متحد ہونا چاہیئے۔ جہاں شیعہ سنی اختلافات سے پوری ملت کا شیرازہ بکھرا اور صدیوں کی تہذیب وثقافت اور علمی ورثہ ضائع ہوا۔ دشمن کی تلوار شیعہ سنی، دیوبندی، بریلوی کی تمیز نہیں کرتی۔ تاریخی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو۔

۳۔ تفرقہ بازلوگوں کے متعلق قرآن فرماتا ہے۔ کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی گروہ ہو گئے۔ (اے محبوب) آپ کا ان سے کوئی علاقہ نہیں کے مطابق انقطاع تعلق کر دیا جائے۔ اس میں بہت بدنصیبی کا ذکر ہے۔ اور تفرقہ بازوں کیلئے عبرت ہے۔

۴۔ دینی تعلیم کیلئے مشترکہ اداروں کا قیام جو بلا امتیاز مسلک تعلیم دیں۔ کیونکہ آج ہر مسلک اپنے حلقہ درس میں مخصوص ذہن تیار کر رہا ہے۔

۵۔ علماء کیلئے عصری تعلیم کا بندوبست: تاکہ جدید علوم کے مطالعہ سے واقف ہوں۔

۶۔ مذہبی سطح پر منفی اور تخریبی سرگرمیوں کے خلاف عبرت ناک تعزیرات کا نفاذ کیا جائے۔

۷۔ تمام مکاتب فکر کے نمائندہ علماء پر مشتمل سپریم کونسل قائم کی جائے تاکہ باہم گفت وشنید ہو سکے۔

۸۔ منافقانہ فرقہ پرستی کی حوصلہ شکنی کیلئے عملی اقدامات ضروری ہیں۔

۲۔ بلاسود بینک کاری کا قیام:

ایک اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کیلئے ضروری ہے کہ معاشرے میں نافذ تمام غیر اسلامی اشیاء کا خاتمہ کیا جائے۔ اور خدا اور اس کے رسول کی متعین کردہ حدود کی پابندیاں کی جائیں۔ جدید معاشی ترقی کے اس دور میں سود کو بے ضرر اور کارآمد شے سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ قومی اقتصادی ترقی کا واحد محرک سمجھا جاتا ہے۔ سرمایہ دار اور سوشلسٹ دونوں اس کی افادیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ جدید معاشی مفکرین میں سے ہر ایک ان کے جواز کا قائل ہے۔ اسلامی معاشرہ نہ صرف اس کے ممنوع قرار دیتا ہے۔ بلکہ اسکے معاشرے کا بدترین دشمن سمجھتا ہے۔ خدا کا ارشاد ہے کہ:

''سود خور لوگ معاشرہ میں جو کردار اختیار کرتے ہیں۔ وہ اس شخص جیسا ہے۔ جسے شیطانی نے اس کے پاگل اور باولا بنا رکھا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ مزید ارشاد باری ہے۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اگر تم مومن ہو تو باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو خدا اور اس کے رسول کی جانب سے جنگ کیلئے خبردار ہو جاؤ۔ (آل عمران)

اسی طرح قرآن وحدیث کے کئی مقامات پر واضح ممانعت وارد ہے۔اس کی ممانعت میں کئی معاشی حکمتیں مضمر ہیں۔ جن میں مختصراً آج دنیا اہل ثروت اور دولت مندوں کا طواف کرتی ہے۔اور مفلس دن بدن معاشی بدحالی کا شکار ہورہے ہیں۔

۲۔ آج دنیا کا سارا نظام معیشت اس کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہے۔

۳۔ اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے بلاسود بنکاری ضروری ہے۔

اندریں حالات مسلم دنیا کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس نظام معیشت سے ہٹ کر ایسا بلاسود بینکاری نظام بنائیں۔جس میں اس صریح حرام اور لعنت سے چھٹکارا حاصل ہوسکے۔چنانچہ اسلامی دنیا کے بینک کے قیام کا ایک مقصد یہی ہے۔اس کے لیے بعض اسلامی ممالک میں کافی اقدامات ہورہے ہیں۔جن میں بہرحال پاکستان بھی پیش پیش ہے۔

اس کے علاوہ سود کے خاتمے کیلئے ہمیں سودی بنیادوں پر احکام شریعت کی روشنی میں بینکنگ کے اصول ایسے جامع نظام کو وضع کرنا ہوگا۔جو بیک وقت قابل عمل بھی ہو۔اور ملکی معیشت کی بقاو تحفظ کا ضامن بھی ہو۔

دینی تعلیم گاہوں کے نصاب میں تبدیلی:۔

اسلامی معاشرے کی تشکیل کیلئے ضروری ہے کہ ہماری درسگاہوں کا نصاب تعلیم جدید ہو۔اور ہمارے مذہبی تعلیمی ادارے جو اگرچہ صدیوں سے دینی سرحدوں کی حفاظت میں پیش پیش ہیں مگر یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ بدلتے ہوئے حالات کے باوجود یہاں پرانی روایات جاری ہیں۔وہی صدیوں پرانے علوم ہیں۔جن کو آنکھیں بند کرکے پڑھایا جارہا ہے۔ اور بکثرت ایسے علماء اب تک موجود ہیں۔جو کہ دینی مدارس میں جدید علوم کی تدریس کو منحوس وناجائز اور قابل نفرت سمجھتے ہیں۔ نتیجتاً یہاں سے فارغ التحصیل لوگ علمی دنیا میں دوسرے لوگوں سے پیچھے اور ذہنی طور پر احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔اور ان کی اس کمی کو پورا کرنا ہے۔جو کہ آج کے دور کیلئے ناگزیر ہے۔ان مسلمانوں میں یہ احساس بھی بیدار کرنا ہے کہ سائنسی علوم کا حصول بھی عین دین کا حصہ ہے۔اور جدید فنی ومعاشرتی علوم بھی نصاب میں شامل کیے جائیں۔

معاشرتی استحکام اور اتحاد ویکجہتی کا فروغ:

کوئی بھی مملکت اس وقت تک ثابت واستحکام حاصل نہیں کرسکتی۔جب تک اس کا معاشرہ ظلم وجبر، ناانصافی، خود غرضی اور مفاد پرستی، تعصبات ومکروہات اور انتشار وافتراق سے پاک نہ ہو۔معاشرے کو اگر گھن لگ چکا ہو۔بداخلاقی وبے راہ روی عام ہو۔امانت ودیانت کا فقدان ہو۔اخلاقی جرائم ومفاسد معمولات حیات بن چکے ہوں۔تو نہ مملکت مستحکم ہوسکتی ہے۔ اور نہ قوم فلاح وبہبود کے راستے پر گامزن ہوسکتی ہے۔اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے۔جو معاشرتی تعلق وروابط کے صحیح منصفانہ

اور پائیدار اصول وحدود مقرر کرتا ہے۔ ملکی حالات کے تناظر میں معاشرتی استحکام درج ذیل بنیادوں کا تقاضا کرتا ہے۔

ملک وملت کے حقیقی استحکام کی بنیاد یکجہتی ہے۔ قرآن حکیم نے اسے عظیم نعمت قرار دیا ہے۔

۱۔ اسلام کی نظر میں انبیاء کا مقصد ہی اختلافات کا خاتمہ ہے۔

۲۔ اس کے نزدیک تفرقہ بازی شرک کے مترادف ہے۔ اور اختلاف وتنازع ضعف وکمزوری اور عذاب خداوندی کا سبب ہے۔

۳۔ وہ اتحاد ومحبت کے راسے میں حائل ان رکاوٹوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ جونفرت وکدورت اور بغض وعداوت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ مثلاً استہزاء، طعنہ ذنی، بدگمانی وغیرہ یہ تمام چیزیں اسلامی معاشرے کی تشکیل کے راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں۔

شریعت اسلامی کا نفاذ، اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے اہم ضرورت:

شریعت اسلامی کا نفاذ اس ملک کی حیات وبقا کیلئے اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا کسی جسم کے زندہ رہنے کیلئے اس میں روح کا وجود ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا مقصد وجود ہی تھا۔ کہ ایک آزاد خطے میں مسلمان اپنے دین کو عملاً نافذ کر کے پوری انسانیت کے سامنے ایک نمونہ پیش کریں گے۔ انسانوں کیلئے اگر کوئی دائمی، ابدی، مثالی، معیاری، حقیقی اور فطری تمام زمان ومکان کے لئے ہمہ گیر اور قابل عمل نظام اگر کوئی ہوسکتا ہے۔ تو وہ نظام شریعت ہے۔ جس میں دین ودنیا، جسم وروح معاش ومعاد کا لحاظ اور دینوی واخروی اصلاح اور ترقی ونجات کی ضمانت وبشارت موجود ہے۔ اس کا نفاذ اس ملک کی ضرورت بھی ہے۔ اور مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ بھی۔ اور ملک کی سالمیت اور بقا کا دارومدار بھی اسی پر ہے۔ ایک اسلامی ریاست یا معاشرہ جس کی بنیاد ہی اسلامی نظریہ پر ہے۔ سیکولر نظریات کی ترویج، نظام شریعت سے انحراف اور تہذیب مغرب کی اندھا دھند تقلید اس ملک اور معاشرہ کے تحفظ وبقاء وارتقاء کی قطعاً ضامن نہیں ہوسکتی۔ تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم یا گروہ نے خود ساختہ نظاموں کے ذریعے زندگی کی گاڑی چلانے کی کوشش کی۔ اس میں ناکام ہوئے۔

نظام شریعت کے بلند مقصد کے حصول کیلئے نہ صرف حکومت کو بلکہ تمام طبقات کوٹھوس بنیادوں پر عملی اور علمی کام کرنا ہوگا۔ یہ مقصد محض (Lipseduice) سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے ہر طبقہ پر جداگانہ نوعیت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ بالخصوص حکمران طبقہ اقتدار وحکومت کرنے کیلئے اسلام کو بطور نعرہ استعمال کرنے کے بجائے اس کے نفاذ کا عملی اقدام کرے۔ اور ان کی کرسیوں کا استحقاق صرف اسی صورت میں قائم اور ثابت ہوسکتا ہے۔ جب دینی ومذہبی جماعتیں اس مقصد

کے حصول کیلئے حکومت اور اقتدار کی حریف بننے کے بجائے کردار سازی کی طرف توجہ دیں۔ حکمران طبقہ بھی اسی معاشرے کا حصہ ہے۔ افراد کی اصلاح سے معاشرہ خود بخود سدھرے گا۔ صالح اور باکردار ملک وقوم او اسلام کی محبت سے سرشار قیادت اسی معاشرے سے منتخب ہو کر سامنے آئے گی۔ ہمارے اکابرین نے ہر دور میں اسلام کے غلبے اور ترویج شریعت کیلئے برسرا قتدار طبقہ کو بالخصوص اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ اور حکومت واقتدار، جاہ ومنصب سے بے نیاز ہو کر دین کی سربلندی کیلئے کام کیا۔ حضرت مجدد کا طریق کار اسی نوعیت کا تھا۔ اگر وہ اقتدار چاہتے تو اس کا حصول ان کیلئے مشکل نہ تھا۔ امرائے دربار کی اچھی خاص اکثریت ان کی معتقد تھی۔ مگر اقتدار سے الگ رہ کر احیائے اسلام اور ترویج شریعت کیلئے جو خدمات انہوں نے انجام دیں وہ تاریخ کے طالب علم سے مخفی نہیں۔

دینی جماعتوں کو کردار سازی کے ساتھ ساتھ ٹھوس وعملی بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ تکہ وہ ملک وملت کو درپیش مسائل کا قرآن وسنت کی روشنی میں حل کر سکیں۔ اور نفاذ شریعت کی منصوبہ بندی کر سکیں۔

عوام پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی انفرادی زندگی میں دائرہ اسلام کی پیروی کریں۔ اور اپنے اخلاق و معاملات اور معاشرت کو اسلامی اصولوں کے تابع بنائیں۔

تمت بالخیر



عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت، سیرت طیبہ کی روشنی میں۔

(ظفر علی (بہاولنگر)

عصر حاضر سائنسی ایجادات اور شاندار ترقیوں کا دور ہے جن کی بدولت دنیا ایک عالمی گاؤں (Global Village) بن چکی ہے۔ زراعت، طب، صفت و حرفت اور تعلیم سمیت تمام شعبوں میں ایک انقلاب رونما ہو چکا ہے اور ماضی میں ناممکن نظر آنے والے بہت سے کام ممکن اور آسان ہو چکے ہیں۔ کمپیوٹر کی ایجاد سے تو ہمارے روزمرہ کے کام اور آسان ہو گئے ہیں۔ مگر ان سب کامیابیوں اور سہولیات کے باوجود انسانیت کو نہایت مہیب نوعیت کے خطرات کا سامنا ہے۔ ایٹمی اسلحہ کی تیاری کی دوڑ جاری ہے۔ طاقت ور اور بالا دست ممالک کمزور اور غریب ملکوں کا ناطقہ بند کئے ہوئے ہیں۔ قتل و غارت اور جرائم کے واقعات ایک معمول بن چکے ہیں، رہزنی، ڈکیتی اور چوری کی وارداتیں ہیں کہ رکنے کا نام نہیں لیتیں۔ دہشت گردی کے عفریت نے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ناخواندگی، غربت اور بیماریاں ان سب پر مستزاد ہیں۔ اس سارے منظر کو دیکھ کر انسان کو یہ سوچنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ وہ جائے تو جائے کہاں۔ کیونکہ انسان انسان کے ساتھ ہی مخلص نہیں اور اس پر حرص و ہوس اور بدنیتی کا بھوت سوار ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انسان نے اپنے ذہن میں صرف مادیت ہی کو جگہ دے کر اپنے لئے یہ سارے خطرناک مسائل پیدا کر رکھے ہیں جبکہ روحانیت کو اس نے کبھی کا خیرباد کہہ رکھا ہے۔ حالانکہ اسے یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ اس کا وجود دو چیزوں یعنی مادی جسم اور روح سے عبارت ہے۔ اس لئے اس کی ضروریات بھی دو طرح کی ہیں: (۱) مادی اور (۲) روحانی مگر اس نے صرف مادی ضروریات کو مدنظر رکھا ہوا ہے اور روحانی ضروریات سے صرف نظر کر رکھا ہے اور یہ بات پیش نظر رہنا چاہیے کہ ہر مذہب کا مقصد انسان کی ان ہر دو قسم کی ضروریات کو پورا کرنا ہوتا ہے مگر یہ اور بات ہے کہ بعد میں معاملہ کچھ کا کچھ ہو جائے۔ مذہب کی افادیت سے انکار کرنے والے افراد کو چھوڑ کر اس کی افادیت کے قائل لوگوں کی تو یہ کیفیت نہیں ہونا چاہیئے۔ اس سوال کا جواب تلاش کرنا کوئی مشکل نہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ یا تو مذہب میں بذات خود روحانی اصلاح کی اہلیت و استعداد نہیں یا پھر اس کے پیروکاروں نے اس کی تعلیمات سے روگردانی اختیار کر رکھی ہے۔ دنیا کے تمام

مذاہب کے بارے میں کچھ بیان کرنے کی بجائے ہم بطور مسلمان اپنے دین یعنی اسلام کے بارے میں بخوبی بتا سکتے ہیں کہ اس کی تعلیمات پر ہم کس قدر عمل پیرا ہیں۔

دنیا میں اس وقت مسلمانوں کی آبادی ایک ارب سے زیادہ ہے چھپن یا ستاون ملکوں میں ان کی حکومت ہے۔ دنیا کے دیگر بڑے بڑے ملکوں میں بھی وہ اقلیت کی حیثیت سے رہ رہے ہیں مگر سیاسی حیثیت سے مسلم بلاک نہایت غیر موثر اور کمزور ہے۔ حالانکہ سیاسی بلکہ ہر اعتبار سے مسلمانوں کو نہایت موثر اور مستحکم ہونا چاہیے کیونکہ اسلامی تعلیمات کا یہ اولین تقاضا ہے۔ اس ایک نکتے سے یہ نشان دہی ہوتی ہے کہ مسلمانان عالم اسلام کی تعلیمات خصوصاً معاشرتی اور اجتماعی تعلیمات یا با الفاظ دیگر حقوق العباد سے بے اعتنائی اختیار کیے ہوئے ہیں اور اس غلطی میں مسلمان عوام اور حکومتیں سب شریک ہیں بلکہ اس غلطی کا احساس تک دل بھی ہمارے دلوں سے مٹتا جا رہا ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل احساس زیاں جا تا رہا

لیکن اس افسوس ناک صورت حال سے مایوس ہونے کی بجائے امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم کے حصول کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ اصلاح احوال کی فکر کو مسلمان برادری میں خلوص نیت کے ساتھ پھیلایا جائے۔ چنانچہ عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلامی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تا کہ ایک روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرے کے قیام کی راہ ہموار ہو سکے۔ یہاں ایک اور بات کی صراحت بھی ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات اور سیرت طیبہ ایک ہی چیز ہیں کیونکہ قرآن پاک میں جناب رسالت مآب ﷺ کے مبارک اسوۂ حسنہ کے اتباع وتقلید کا حکم دیا گیا ہے اور آپ ﷺ نے سب سے پہلے قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر یہ اسوۂ حسنہ نسل انسانیت کی راہنمائی کے لئے چھوڑا ہے۔ نیز یہ بھی ملحوظ نظر رکھنا ضروری ہے کہ اسلام انسان کی جسمانی اور مادی ضروریات کے ساتھ اس کی روحانی ضروریات کو پورا کرنے کی مکمل ضمانت دیتا ہے اور دنیا اور آخرت ہر دو میں کامیابی کو یقینی بناتا ہے۔ عبادات کے علاوہ ہر اچھا کام اور اچھی بات عبادت، نیکی اور صدقہ کا درجہ رکھتی ہے، مثلاً جیسا کہ ایک حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے:

فِیْ کُلِّ ذَاتِ کَبِدٍ رَّطْبَۃٍ اَجْرٌ (متفق علیہ، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الزکوٰۃ، باب فضل الصدقۃ)

ترجمہ: ہر زندہ جگر (والی چیز) کے ساتھ بھلائی کرنے میں صدقے کا اجر ملتا ہے گویا اسلام نے دین و دنیا کو باہم شیر و شکر کر کے ناقابل تقسیم بنا دیا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے دنیا کا ایک بڑا مسئلہ امن کا قیام اور جارحیت کا خاتمہ ہے۔ اور اسلامی تعلیمات کا تقاضا بھی یہی ہے "اسلام" کے لفظی معنی "سلامتی اور اتباع" ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اسلام

کی تشریح یوں فرمائی ہے: "اَلْاِنْقِیَادُ لِاَمْرِ اللّٰہِ ۔ (محی الدین محمد: القول الفصل (شرح فقہ اکبر)، استنبول ۱۹۸۵ء)

۔انسانی جان کی قدر و قیمت کا اندازہ اس آیت مبارکہ سے کیا جا سکتا ہے:

اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعاً۔ (المائدہ:۳۲)

ترجمہ: بے شک جو کوئی کسی کو بلاعوض کسی جان کے یا بغیر فساد کرنے ملک میں قتل کر ڈالے تو گویا اُس نے (روئے زمین پر رہنے والے) تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا۔

فتنہ وفساد قتل سے بھی زیادہ برا اور بھیانک ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاْلفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۔ (البقرہ:۱۹۱)

ترجمہ: اور فتنہ قتل سے بھی سخت تر ہے۔

فتنہ وفساد کے خاتمے اور سرکشی کے قلع قمع کیلئے جہاد و قتال ضروری قرار دیا گیا ہے مگر بے قصور لوگوں کے قتل کی ممانعت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جارحیت کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے ان کے جرائم کی سزا پر اکتفا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور زیادتی سے منع فرمایا گیا ہے:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۔ (البقرہ:۱۹۰)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو تمہارے جو ساتھ لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔

جناب رسالت مآب ﷺ نے مخلوق پر رحم اور شفقت کا حکم دیا ہے اور اس بات کو بڑے حکیمانہ انداز سے بیان فرمایا ہے:

اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ (البیہقی: شُعَبُ الایمان، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب الرحمۃ والشفقۃ، فصل سوم)

ترجمہ: مخلوق (گویا) اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔سو مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب وہ ہے جو اس کی مخلوق (والے کنبے) سے بھلائی کرتا ہے۔

دور حاضر کا ایک اور تقاضا لسانی و گروہی تعصبات کا خاتمہ اور مساوات ہے۔ اسلام نے لسانی اور نسلی اختلافات کو مناسب تک مدنظر رکھتے ہوئے انسانی مساوات پر زور دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْباً وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔ (الحجرات:۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تمہاری پہچان ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

اس مساوات کو مزید مستحکم کرنے کیلئے مسلمانوں کو باہم بھائی بھائی قرار دے کر انہیں اتحاد و اتفاق کا سبق دیا گیا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ہ (الحجرات:۱۰)

ترجمہ: مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

تعصبات کے خاتمے کیلئے رواداری کا فروغ ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۔ (حم السجدۃ:۳۴)

ترجمہ: اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجئے پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست۔

نیز قرآن پاک میں پناہ طلب کرنے والے مشرکین کو پناہ دینے کا حکم دیا گیا ہے (سورۃ التوبۃ:۶) جھوٹے اور غیر حقیقی معبود اور اصنام نہایت قابل مذمت ہیں مگر انہیں سب و شتم (خصوصاً انکے مقتدوں کے سامنے) کرنے سے منع کر دیا گیا ہے کہ کہیں وہ لوگ ردعمل کے طور پر اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی نازیبا کلمہ نہ کہیں [1] (سورۃ الانعام:۱۰۸) ۹ھ میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد جناب رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ آیا۔ اس وفد کو مسجد میں بٹھایا گیا اور جب ان کی عبادت کا وقت آیا تو انہیں مسجد میں عبادت کرنے کی اجازت آپ ﷺ نے مرحمت فرمائی۔ (مارٹن لنگز [ابوبکر سراج الدین] Mohammad، لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۳۲۴)

[1] یہ آیت سدِ ذرائع کی ایک مثال ہے۔ اس اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ بعض جائز باتوں کو بعد میں پیش آنے والے نتائج بد کی وجہ سے ترک کر دیا جائے۔

عصر حاضر کا ایک تقاضا اعتدال پسندی ہے۔ اسلام بھی اپنی بنیادی تعلیمات سے صرف نظر کئے بغیر اعتدال اور میانہ روی کا داعی ہے اور اس نے سابقہ مذاہب کی سخت اور دشوار ہدایات کے خاتمے کا اعلان کیا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰلۃِ وَ الْاِنْجِیْلِ یَاْ

مُرُهُم بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۔ (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔

اعتدال پسندی کے وصف کی بناء پر امتِ مسلمہ کو امتِ وَسَط قرار دیا گیا ہے (البقرہ:۱۴۳)۔ نفلی عبادات اور زہد وغیرہ میں بھی اعتدال کو پیش نظر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح دین میں غُلُو سے منع فرمایا گیا ہے۔ (المائدہ:۷۷) علاوہ ازیں مالی امور اور روزمرہ کی عادات میں بھی میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے (اسراء:۲۹؛ لقمان:۱۹)

علم و تحقیق کی ضرورت و اہمیت بھی عصر حاضر کے حوالے سے محتاج بیان کو نہیں۔ قرآن پاک کی پہلی وحی میں علم اور قلم کا ذکر آیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو علم کی بدولت فرشتوں پر فوقیت حاصل ہوئی (البقرہ:۳۱) علم کی فضیلت کی وجہ یہ دعا سکھائی گئی ہے

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْماً ۔ (طٰہٰ: ۱۱۴)

ترجمہ: اور آپ یہ دعا کیجیے کہ اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرمادے۔ علم و حکمت کی بات قابلِ قدر اور لائق استفادہ ہوتی ہے۔ جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَآلَّةُ الْحَكِيْمِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا ۔

(ترمذی و ابن ماجہ، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، فصل دوم)

ترجمہ: دانائی کی بات عقلمندی آدمی کی گمشدہ چیز ہے پس وہ اسے جہاں پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔

علاوہ ازیں مظاہر قدرت اور دیگر مختلف النوع چیزوں کے مشاہدے کا حکم دیا گیا ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں سائنسی علوم کے اکتساب کا جذبہ پیدا ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۔ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۔ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۔ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۔ (الغاشیہ:۱۷۔۲۰)۔

ترجمہ: تو کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے اور

پہاڑوں کو کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں۔ اور زمین کو کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔

ایک مغربی دانشور رابرٹ بریفالٹ (Rohert Briffault) نے مسلمانوں کے سائنس کے ساتھ شغف کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''ایسے تو مغربی کلچر کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں عربی ثقافت کا رنگ نہ جھلکتا ہے۔ لیکن ایک شعبہ ایسا ہے جس میں یہ اثر بالکل نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اور یہی وہ شعبہ ہے جو درحقیقت دور حاضر کی حقیقی قوت کا باعث اور اس کی فتوحات کا ذریعہ ہے یعنی علوم طبیعہ اور سائنسی تحقیق کا جذبہ (Making of Humanity) ص ۲۴۴، بحوالہ، ظفر علی قریشی:، محسن انسانیت، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء)

دولت اور اس کے ذرائع بھی دور حاضر میں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں اور عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں ہرگز ہرگز نظر انداز نہ کیا جائے۔ اسلام نے دولت کو ''اللہ کا فضل'' قرار دیا ہے (الجمعہ:۱۰) نیز اس کے ضیاع سے منع فرمایا گیا ہے (النساء:۵) جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے: اَمۡسِکُوۡا عَلَیۡکُمۡ اَمۡوَالَکُمۡ وَلَا تُفۡسِدُوۡھَا. (صحیح مسلم، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، فصل دوم)

ترجمہ: اپنے مالوں کو محفوظ رکھو اور ان میں خرابی مت پیدا کرو۔

سود کی خرابیوں کے پیش نظر اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے تھوڑے سے لوگوں کا فائدہ ہوتا ہے۔ اور زیادہ لوگوں کا نقصان۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. (البقرۃ: ۲۷۵)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے سوداگری کو حلال ٹھہرایا ہے اور سود کو حرام

اسلام میں محنت کی اہمیت اور عظمت محتاج بیان نہیں کیونکہ یہ رزق حلال کے حصول کا واحد ذریعہ ہے۔ جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے:

طَلَبُ کَسۡبِ الۡحَلَالِ فَرِیۡضَۃٌ بَعۡدَ الۡفَرِیۡضَۃِ . (البیہقی: شعب الایمان، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح کتاب البیوع، فصل سوم)

ترجمہ: حلال روزی تلاش فرائض (عین) کے بعد کا فریضہ ہے۔

روزی کمانے کے مختلف پیشوں کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے مثلاً اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُؤۡمِنَ الۡمُحۡتَرِفَ . (الطبرانی: المعجم الاوسط، ریاض ۱۹۹۵ء ج ۹، [سلسلہ نمبر] ۸۹۲۹)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ حرفت کا کام کرنے والے مومن کو پسند فرماتا ہے۔

مزارعت، صنعت اور دیگر مفید پیشوں کو فقہا کرام نے فرائض کفایۃ کا درجہ دیا ہے کیونکہ معاشرہ ان کے بغیر چل نہیں سکتا (المنہاج، ۷، ص ۱۹۴، بحوالہ غلام رسول: اسلام اور معشرتی، سیاسی اور معاشی نظریات، لاہور [۱۹۷۱ء] ص ۵۸، ۵۹)

اسلامی تعلیمات کا ایک اور وصف اس کے احکامات میں حالات و زمانہ کی رعایت ہے۔ اس کی ایک مثال کیلئے اللہ تعالیٰ کا ایک ارشاد پاک پیش کیا جا سکتا ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (البقرہ:۱۷۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تو تم پر حرام کیا ہے مُردار کو اور خون کو جو بہتا ہو اور خنزیر کے کے گوشت کو اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کیا گیا ہو پھر بھی جو شخص بھوک سے بہت ہی بے تاب ہو جائے نہ طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

فقہ کی اصطلاح میں اُسے ''رخصت'' کہا جاتا ہے اس سلسلے میں مزید بحث اور تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے گا۔

۱۔ محمد تقی امین: احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت (۲) سید عبدالرحمٰن بخاری: اسلامی قانون کا نظریہ مصلحت ہر زمانے کے تقاضوں کے مدنظر ہر شعبہ زندگی میں ضروری تیاریاں اور کام از حد ضروری ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ۔ (الانفال:٦)

ترجمہ: اور ان کیلئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس کے ذریعے تم رعب جمائے رکھو ان پر جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے۔

اسلامی تعلیمات کی حقانیت اور افادیت ایک مسلمہ امر ہے لیکن اصل مسئلہ عمل اور صرف عمل کا ہے اور وہ ہم مسلمانوں کا کام ہے۔ مشہور مغربی مورخ آرنلڈ ٹائن بی (Arnold Tynle) لکھتے ہیں کہ موجودہ یورپی تہذیب کے دو ناسوروں یعنی نسلی عصبیت اور شراب خوری کا حل اسلامی تعلیمات ہی میں مل سکتا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"Two conspicuous sources of danger one psychological and the other material in the present relation of this consmopolitan proletariat with the

dominat element in our modern western society are race consciousness and alcohol, and in the struggle with each of those evils the islamic spirit has a service to render which might prove, if it were accepted, to be of high moral and social value." (civilization on trail, 205)

حرف آخر اسلامی تعلیمات میں عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے کی پوری پوری استعداد و صلاحیت موجود ہے کیونکہ یہ تعلیمات ابدی اور عالمگیر ہیں۔ البتہ ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر نئی چیز اور نئی بات کو یہ دیکھ کر اپنائیں کہ یہ ہمارے دین کی تعلیمات کے خلاف تو نہیں اور اس سے ہمارے دین کی روح مجروح تو نہیں ہوتی۔ اس مقصد کیلئے ارباب علم وفکر سے راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے اور ہمیں یہ کام کسی مرعوبیت کے بغیر کرنا چاہیے۔ نامور نومسلم مفکر محمد اسد مرحوم لکھتے ہیں:

"Our first step must be the shedding of that spirit of "apology" for Islam, for which is only another name for intellectual defection; only a masquerade fro our own seepticism. and the next stage must be our conscious, deliberate following of the sunnah of our prophet . By applying it as an ultimate test to the requirements of our daily life we will easily recognize which impulses from western civilization might be accepted and which ought to be regected. - Instead of meebly sulimitting Islam to alien norms, we must learn once again to regard Islam as the norm by which the world is to be judged." (Islam at the cross road. (جبرالٹر،۱۹۸۲،۱۰۲)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم وہ ہمیں اسلامی تعلیمات پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور عصر حاضر کے تقاضوں کو کماحقہٗ پورا کرنیکی طاقت بخشے۔ آمین ثم آمین و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

ماخذ: متن مقالہ میں مذکور ہیں علاوہ ازیں مندرجہ کتب سے استفادہ کیا گیا ہے:

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی: حجۃ اللہ البالغہ (اُردو ترجمہ مولانا عبدالرحیم، لاہور ۱۹۵۳ء)

۲۔ ظفر علی قریشی: محسن انسانیت، اسلام آباد ۱۹۹۵ء

۳۔ مولانا حامد الانصاری: اسلام کا نظام حکومت



عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل وضرورت سیرت طیبہ کی روشنی میں

ازمنور اقبال بلوچ (لیہ پنجاب)

عصر حاضر کا سفر

زمین اور انسان کا رشتہ ازلی وابدی ہے۔ جبکہ سائنس، آرٹس، فلسفہ اور مذہب ہر دو کی حقیقت سے پردہ اُٹھاتے ہیں۔ زمینی علم کا احاطہ جغرافیائی علم سے ہوتا ہے۔ جو دو انگریزی الفاظ جیو اور گرافی کا مرکب ہے۔ جیو کا مطلب زمین اور گرافی کا مطلب بیان کرنا ہے۔

عمر کے لحاظ سے زمین کی عمر 5 ارب سال بتائی ہے۔ سرحدی تقسیم کے اعتبار سے 7 براعظم ایشاء، افریقہ، یورپ۔ شمالی جنوبی امریکہ آسٹریلیا اور انٹارکٹکا پر مشتمل ہے۔ رقبہ کے لحاظ سے تقریباً 196940000 مربع میل پر پھیلی ہوئی ہے۔ آبادی کے اعتبار سے ایک محتاط تخمینی اعداد شمار کے مطابق دنیا کی کل آبادی 6 ارب ۔۔۔۔۔ پر مشتمل ہے۔ زمین پر انسانی ارتقاء کے بارے میں مذہب اور سائنس کے درمیان تضاد موجود ہے۔ سائنسی علوم کے مطابق تقریبا ایک کروڑ چالیس لاکھ سال قبل نسل انسانی بن مانس سے الگ ہوا اور راما پتھکس کرہ ارض کا اولین انسان قرار پایا۔

قرآن انسان کے آغاز کے بارے میں کہتا ہے کہ کائنات خدا کے حکم سے چھ ادوار میں مکمل ہوئی اور انسان کے متعلق فرمایا کہ اسے فطرت صحیحہ پر پیدا کیا گیا ہے۔ اور انسان کے اندر خدا کو قبول کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ کرہ ارض کو انسانی زندگی کے اعتبار سے 3 ادوار یعنی قبل از تاریخ قبل از مسیح اور بعد از مسیح میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور اس عرصہ میں ارتقاء کے نتیجہ میں بے شمار انقلاب رونما ہوئے۔

کرہ ارض پر بے شمار انقلابات کے دوران ارتقائی عمل کے نتیجے میں خاندان، رسومات، رواج اور قانون مرتب ہوتے رہے۔ اور ایک معاشرہ تشکیل ہوا اور اس معاشرہ کے خدوخال کی تعمیر میں مذہب، سائنس، آرٹ اور فلسفہ کا ایک اہم مقام ہے جس کے نتیجہ میں انسان عصر حاضر میں داخل ہوا۔

آدمیت کی ابتدا گفتار سے تمدن کی زراعت سے صنعت کی ابتدا آگ سے اور تجارت کی ابتدا معاشرت سے شروع ہوئی۔تجارت نے غیر تمدن دنیا کو درہم برہم کر دیا۔دولت جمع کرنے کے شوق سے منافع کے حصول کا آغاز ہوا اور یہاں سے ملکیت کا تصور اجاگر ہوا۔

قانون کے ارتقاء میں پہلا مرحلہ شخصی انتقام ہے ایک غیر مطمن شخص کہتا ہے کہ ''انتقام میرا ہے میں ہی اسے پورا کروں گا چنانچہ متعدد ابتدائی معاشروں میں زید کے ہاتھوں بکر کے قتل کا بدلہ بکر کا بیٹا زید سے لیتا رہا ہے۔

لفظوں نے انسان کو اتنا کچھ دیا کہ وہ مقدس لگنے لگا۔سوچ کی وسعت اور گویائی کا سب سے بڑا تحفہ تعلیم تھا۔تحریر کی ایجاد کی ایک لمبے عرصے تک مخالفت کی جاتی رہی کہ یہ اخلاق کا بیڑہ غرق کر دے گی ''ہربرٹ سپنسر'' کی مستند رائے کے مطابق تحریر کا آغاز پروہتوں نے شروع کیا جو 25 سو سال قبل از مسیح کا واقعہ ہے۔حروف تہجی تحریری طور پر تین ہزار سال قبل از مسیح مصر میں موجود تھے۔حروف کی ایجاد۔۔۔۔۔۔۔کے بعد انسان کے اندر سوچ کا سلسلہ شروع ہوا۔اور سوچ کی ابتدائی شکل یہ تھی کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟۔اور کیوں آیا ہے؟۔ان سوالوں کی تلاش میں انسان مذہب کی طرف لاشعوری طور پر متوجہ ہوا۔

مذہب سے بیگانہ بعض مفکرین مذہب کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ یہ مافوق الفطرتی قوتوں کی عبادت کا نام ہے۔
عہد قدیم میں دیوتاؤں اور لافانی روحوں کو مذہب کی اساس قرار دیا جاتا تھا ''لکریش'' اور اس جیسے کئی اور فلاسفروں نے خوف کو مذہب کی بنیاد قرار دیا۔خصوصاً موت کا خوف، دیوتاؤں کا اولین سرچشمہ تھا۔یونان اور قدیم تہذیبوں میں پہاڑ، دریا، چٹانیں درخت ستارے، سورج، چاند، آسمان وغیرہ کو مقدس اشیاء اور مذہب کی اساس تصور کیا جاتا رہا۔بقول قدیم مذاہب کے تمام اشیاء میں روحیں ہیں۔منگولوں، چینیوں، ایرانیوں اور قدیم ہندوستانیوں میں آسمان دیوتا تھا۔اور لوگ اپنی حفاظت کے لئے آسمان سے خرید اکرتے تھے۔

جنس، شرم گاہ، آلہ تناسل وغیرہ کو مذہبی اساس تصور کیا جاتا تھا۔مذہب کے نام پر انسانی قربانی جس کی بہت سی اشکال تھیں کسی نہ کسی عہد میں احترام سے دیکھی جاتی تھیں۔عصر حاضر میں روئے زمین پر ہندومت، بدھ مت، جین مت، زرتشت سکھ مت، یہودیت، عیسائیت اور اسلام کو ماننے والے لوگ موجود ہیں۔

کائنات جیسی اب ہے پہلے کبھی نہ تھی اور جیسی اب ہے ویسی ہمیشہ نہیں رہے گی۔اور اس کا بنیادی سبب ارتقاء ہے اور ارتقاء ایک لامحدود مادے سے شروع ہوا۔بہر حال مذہب انسان کی اخلاقی اور روحانی ترقی کا وہ راستہ ہے جس کی ابتدا اور انتہا خدا کی ذات سے منسلک ہے۔

عصر حاضر تک پہنچنے کے سفر میں آرٹ اور فلسفہ کی بھی ایک خاص اہمیت ہے۔ آرٹ حسن کی تخلیق کا نام ہے۔ آرٹ میں ظروف سازی، مجسمہ سازی، پینٹنگ کا آغاز ہوا۔ رقص بھی آرٹ ہی کی ایک قسم ہے۔ جو لمبے عرصے کا سفر کر کے موجودہ بے ہنگم شور تک پہنچتی ہے۔ اور آج کا انسان اسے روح کی غذا قرار دیتا ہے۔

رقص سے آلات موسیقی کا آغاز شروع ہوا۔ اور دنیا فنون لطیفہ کے ایک نئے دور میں داخل ہوگئی۔ عصر حاضر کی تعمیر میں سائنس کا ایک اہم کردار ہے 15 ہزار ملین سال پہلے کائنات کی تمام توانائیاں اور مادے ریاضی کے ایک نقطے پر مرتکز تھے بعدازاں یہ وحدانیت پھٹ پڑی اور یہ کائنات وجود میں آئی۔

اور اس کائنات کے پھیلاؤ میں متواتر مادہ تخلیق رہاتا ہے۔ اور یہ نظریہ (Steady State Theory) کہلاتا ہے

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شائد
کہ آرہی ہے دما دم صدائے کن فیکون

کائنات میں نظام شمسی میں عطار، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری، زحل، یورینس، نیپچون، اور پلوٹو نو غیر منور سیارے مختلف فاصلوں پر رہتے ہوئے سورج کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ عصر حاضر میں سائنسی اعتبار سے ایٹم کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور یہ وہ نقطہ آغاز ہے جہاں سے دنیا نئے دور میں داخل ہوئی۔

سائنس کی ایجادات میں تابکاری شعاعیں، حرارت، مدوجزر مقناطیسیت، ایکسرے، ایٹمی دل، کمپیوٹر، ریل گاڑی ہوائی جہاز، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، ٹیلی پرنٹر، فیکس، ویڈیو کیمرہ، وی سی آر، ڈش انٹینا، انٹرنیٹ وغیرہ یہ وہ ایجادات ہیں جس نے دنیا کو نئے اور ترقی یافتہ دور میں داخل کر دیا۔

عصر حاضر کی تعمیر میں قوموں کے تصادم، مذہب کے نام پر خون اور جنگوں کے علاوہ بعض قوموں، خاندانوں اور بادشاہوں کا بہت عمل دخل ہے۔ قرون وسطیٰ سے عہد کا سفر بہت طویل اور تکلیف دہ ہے۔ قرون وسطیٰ میں یورپ کا جاگیرداری عہد جس میں جبر سماجی ظلم اور تہذیبی طاقتیں دونوں اس نظام کے پشت پناہ تھے۔ اس نظام کی شکل صورت بدلی تو تجارت منڈی کا حصول افرادی قوت کی ضرورت، سرمایا کاری غرض کی رفتہ رفتہ نئے نظام کی بنیاد مرتب ہونے لگی۔ انگلستان، ہالینڈ، فرانس، سویڈن اور ڈنمارک میں تجارتی کمپنیاں وجود میں آگئیں۔

سترھویں صدی کے آغاز تک زر کا یہ نظام ایک نئے معاشی نظام کے طور پر بین الاقوامی شکل اختیار کر چکا تھا۔ روئے زمین پر 1917ء میں قائم ہونے والی کمیونسٹ ریاست یو ایس آر کا خاتمہ دسمبر 1991ء میں ہوگیا۔ یہ تھا قدیم دور سے عصر حاضر تک کا سفر جس کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

زندگی، موت، بھوک، پیاس اور بیماری کے مشترکہ احساسات کے باوجود انسان انسان کا دشمن ہے اور علاقائی لسانی مذہبی اور رنگ و نسل کے تعصبات کی آڑ میں ایک دوسرے سے نفرت کرتا ہے۔ دنیا کو خوبصورت بنانے اور تعمیر کی اغراض و مقاصد کے لئے لاکھوں ٹن بارود شہری آبادیوں پر مسلسل برساتا رہتا ہے۔

چاند تک کا سفر کر چکا ہے۔ لیکن اپنی ذات کے اندر کے سفر کو مکمل نہیں کر سکا۔ اس خوبصورت دنیا میں جہاں انسان کو زندگی کی ساری سہولتیں میسر ہیں۔ وہاں انسان اندر سے بے چین ہے۔ جس کی وجہ سے عصر حاضر کے مسائل ہیں۔ جو درحقیقت انسان کے خودساختہ ہیں۔

وہ جو تعمیر ہونے والی تھی

لگ گئی آگ اس عمارت میں

اسی ارتقائی عمل کے دوران زمین مسائل سے بھر گئی۔ اور آج بنی نوع انسان کے سامنے بے شمار مسائل موجود ہیں۔ جو زمین پر زندگی کے خاتمے کا سبب بن سکتے ہیں آیئے ان مسائل کا جائزہ لیتے ہیں۔

عصر حاضر کے مسائل

تمدنی مسائل

غربت، ماحولیاتی آلودگی، بیماریاں، آبادی کا پھیلاؤ، ایڈز، عورتوں کو اپنے حقوق سے محروم کرنا بچوں سے بیگار، کرپشن معاشی بدحالی، پناہ گزینوں کے مسائل، جاگیردارانہ نظام ایٹمی ہتھیاروں کا پھیلاؤ، زنا بالجبر، فرسودگی، منشیات کا رجحان

مادی مسائل

حیاتیاتی فضا کی آلودگی، جسم فروشی، قحط، منشیات کا پھیلاؤ، ثقافتی یلغار، مادیت، غذائی کمی کا مسئلہ

لسانی مسائل

علاقائی عصبتیں، نسلی امتیاز۔

نسلی مسائل

قبائلی امتیاز، خانہ جنگی، لوٹ مار، جغرافیائی امتیاز، جنگیں، طبقاتی کشمکش۔

فکری مسائل

مایوسی، خلفشار، بدامنی، ذہنی بیماریاں، کینسر، دہشت گردی، انتشار، اجتماعی خودکشی۔

تہذیبی مسائل

عدم سکون القلبی ، عائلی نظام میں شکست وریخت، تقلید پسندی، توسیعی پسندی، سمگلنگ، جنسی جرائم، گداگری، شخصیت پرستی جنریشن گیپ، ہم جنس پرستی، رشوت، کمیشن مافیا۔

سیاسی مسائل

سیاسی عدم استحکام، اختیارات کا ناجائز استعمال۔

معاشی مسائل

بے روزگاری، معاشی بدحالی، قوت خرید میں کمی، غذائی قلت، کساد بازاری، بے سکونی، اسلحہ کا پھیلاؤ، ٹیکنالوجی پر انحصار افراط زر، سودی نظام، مزدوروں میں بے چینی، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ۔

مذہبی مسائل

مذہبی اقدار سے دوری، خدا کی ذات کا انکار، اقلیتوں کے ساتھ ناانصافی ، مذہبی تعصب، سائنس اور مذہب کا تضاد، امت مسلمہ کی زبوں حالی، لادینیت۔

روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کی تعریف

جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ سب کو اللہ نے اپنے حکم سے تمہارے کام پر لگا دیا ہے۔ جو لوگ غور کرتے ہیں۔
ان کے لئے اس میں اللہ کی نشانیاں ہیں۔ (جاثیہ 13)
اور جو نیک عمل کرتے ہیں۔ ان کے لئے دنیا میں خوبصورتی ہے۔ (رمز 10)
ان کے لئے سامان حفاظت اور دنیا میں حکومتیں عطا کی جائیں گی۔ (انفال 4)
اس کے علاوہ جو نیک عمل کریں گے ان کو دنیا میں حکومتیں عطا کی جائیں گی۔ (نور 55)
اور وہ جو میرے احکام سے روگردانی کریں گے۔ ان کا رزق تنگ کر دیا جائے گا۔ (طہ 124)

روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ سے مراد ایک ایسا خوبصورت معاشرہ جہاں اللہ کی حاکمیت کے تابع انسان انسان کے قریب رہتا ہو۔ جہاں اعتماد ہو، تحفظ ہو، یقین ہو، علم دوستی ہو، اور انسان کو تمام بنیادی ضروریات زندگی عزت سے میسر ہوں۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں انسان قابل عزت قرار پائے۔ اور اُس کی پیشانی شکرانے کے لئے ہر وقت اپنے خالق اور

رب کے سامنے جھکنے کے لئے بے تاب رہے۔۔۔

دنیا میں اسے بھرپور خوبصورتی میسر ہو اور اسی خوبصورتی پر اس کی آخرت کی بنیادیں استوار ہوں۔ اور اسے آخرت میں بھی خوبصورتی نصیب ہو۔ اور پھر اسے اپنے رب کی قربت نصیب ہو جو تمام خوبصوتی کا مالک ہے۔

روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کیوں نہ قائم ہو سکا؟

اسباب:۔

1۔ توحید پر غیر یقینی

2۔ علم و ٹیکنالوجی سے بیزاری

3۔ غیر ملکی امداد

4۔ مال و دولت سے پیار

5۔ دین میں تاویلیں

6۔ غور فکر کا فقدان

7۔ عدم احترام آدمیت

8۔ انسان کی انسان پر حکمرانی

9۔ عدم تحفظ کا احساس

10۔ اجتہاد پر پہرہ

روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کی بنیادیں

1۔ حاکمیت اعلیٰ کا حقیقی تصور

2۔ تخلیق پر غور و فکر

3۔ تحقیق اور شعور

4۔ قانون عدل کا ادارک

5۔ محبت، عشق اور وفا کے فلسفہ کا عدم ادراک

6۔ انسان، مقام احترام کے فلسفہ کا ادراک

7- جدوجہد کا فقدان

8- رزق حلال کی جدوجہد

9- دنیا کی خوبصورتی کے فلسفہ سے دلچسپی

10- آخرت پر کامل یقین

روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کی تشکیل کیسے ممکن ہے؟

عصر حاضر کا جائزہ اور اس عہد کی مشکلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب ہم اعتدال پسند معاشرہ کی تعمیر کی طرف بڑھتے ہیں کہ اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کیا ہے۔

چار عناصر مل کر تہذیب کو مکمل کرتے ہیں اور انسان تاریخ کا سفر معاشی، سیاسی، اخلاقی اور علم وفن کے حوالوں سے جاری وساری رہتا ہے۔ ان حوالوں سے دنیا میں، سائنس، فلسفہ، ادب اور آرٹ تخلیق ہوتا رہا ہے۔ اور ساتھ ہی انسانی رویوں کی اصلاح کے لئے وحی کی رہنمائی آتی رہی جو ہمارے پیارے آقا پر آ کر تکمیل کو پہنچی اس سلسلہ میں قرآن کا ارشاد یہ ہے۔

''یقیناً ہم نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا جس میں مختلف امکانی صلاحتیں پیدا کیں (پھر اسے) ہم مختلف حالتوں میں گردش دیتے رہتے ہیں۔ اسے سننے اور دیکھنے ولا بنا دیا پھر ہدایت کا راستہ دکھایا اور اسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا کہ وہ چاہے تو اسے قبول کرے اور چاہے اس سے انکار کردے۔

اس آیت میں انسان کا ذکر کرتے ہوئے پھر اسے سننے اور دیکھنے والا بنا دیا۔ پھر ہدایت کا راستہ دکھایا اور اسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ یہ خاتمیت کا مقام ہے جہاں دین کی تکمیل کر کے انسان کو آزاد کر دیا کہ اب وہ اپنی زندگی کی کیا راہیں متعین کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے تمام ضابطے کھول کھول کر بیان کر دیئے اور آنحضور ﷺ نے ان میں سے اکثر پر عمل کر کے دکھا دیا اور اکثر قرآنی ہدایات کے متعلق وضاحتیں بھی کر دیں۔

ایک روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے متعلق تمام پہلوں پر روشنی ڈالی۔ اس مقالہ میں جن مسائل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان تمام کا حل خوبصورتی ہے سمجھا دیا گیا ہے۔ سر دست روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کے حوالے سے آج کے عہد اور پاکستانی معاشرہ کے حوالے سے برداشت Acceptance رواداری، جیسے رویوں کے متعلق کچھ تحریر کیا جائے گا۔ کیونکہ ان ہی رویوں کے نہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ میں عدم برداشت کی اور تضاد کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے اور پاکستان ترقی کی دوڑ میں خصوصاً اقتصادی حوالوں سے بہت پیچھے جا رہا ہے۔ ملک میں عدم برداشت کی وجہ سے مساجد

جو امن کے لئے بنیادی اکائی کا درجہ رکھتی ہیں۔ محفوظ نہیں رہیں اور معصوم عبادت گزاروں کو ایک اعلیٰ فرض کی ادائیگی کے دوران شہید کر دیا جاتا ہے۔ اور اس صورت میں سرمایہ لگاتے ہوئے خوف کھاتے ہیں۔ اور اس صورت حال میں بے روزگاری اپنے عروج پر ہے اور 40% لوگ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ جس کی وجہ سے ملک میں لاقانونیت بڑھ گئی ہے اور معاشرہ عدم توازن کا شکار ہے۔ اور مسائل سے بھر گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل کیسے ممکن ہے۔

برداشت اور رواداری، جیسے رویوں کو حضور اقدس ﷺ کی تعلیم کے حوالے سے دیکھئے پہلے بنیادی طور پر ان حوالوں سے تمثیلاً کچھ پہلوؤں پر غور کرنا ضروری ہے۔

کائناتی صداقت

کائنات مین مختلف رنگ ونسل اور اقسام کے پودے، جانور اور حشرات الارض اور انسان اپنی پوری توانائیوں سے موجود ہیں۔ جو نظام ربوبیت کے تحت پیدا ہوتے ہیں۔ پروان چڑھتے ہیں اور اپنے منطقی انجام سے پہلے بھرپور طریقہ سے زندہ رہتے ہیں۔ اور کائنات میں یہ سلسلہ صدیوں سے جاری وساری ہے۔ انسان کے علاوہ دوسری کچھ اشیا روئے زمین پر ناموافق حالات اور ارتقائی عمل کے نتیجہ میں ختم ہو گئی ہیں۔ لیکن ان کے خاتمہ میں عدم برداشت کا رویہ کارفرما تھا، اور نہ ہی ان میں سے کسی نسل کو منصوبہ بندی سے ختم کرنے کی سعی کی گئی بلکہ قدرت تو مختلف انواع واقسام کی چیزوں کی بھرپور ربوبیت کرتی ہے۔

انسانوں کی کثرت نے ہمیشہ اپنے خالق کو ماننے سے انکار کیا لیکن قدرت کا نظام ربوبیت ان کو زندگی کی ضمانت مہیا کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ اللہ ہی نے حضرت اقدس ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ''اگر میں چاہتا تو روئے زمین پر تمام لوگوں کو ایک راستے پر چلا دیتا۔ حضور ﷺ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے محمد کیا تو ایسا چاہے گا۔

قرآن مجید کی ایک آیت ہی برداشت ورواداری، کے حوالوں مختلف نظریات رکھنے والوں کو زمین پر موجودگی کی ضمانت مہیا کرتی ہے۔

جمالیاتی صداقت

گلاب کا پھول ایک ایسا پھول ہے جو دنیا کے ہر حصہ میں پایا جاتا ہے۔ اور دنیا کے ہر خطہ میں موجود ہونے کے حوالے سے دنیا کے 6 ارب انسان اس سے متعارف ہیں۔ اس کی وجہ صرف اور صرف اس کی مختلف اقسام ہیں یہ پھول، سفید،

سرخ، کاسنی، پیلے، گلابی اور کالے رنگوں میں پایا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ پودوں کی مختلف اقسام اور مختلف بناوٹیں موجود ہیں۔ اور اسی تصویر کی وجہ سے خوبصورتی کا احساس جنم لیتا ہے۔ اور لوگ اسی تضاد کی خوبصورتی دیکھنے کے لئے باغوں کی سیر کو جاتے ہیں۔ اور اگر دنیا میں ہر پودا اور پھول ایک ہی قسم کا ہوتا تو دنیا شاید اتنی خوبصورت نہ ہوتی کی وجہ تضاد ہے۔ اور اس سے قدرت ہمیں یہ درس دینا چاہتی ہے۔ کہ مختلف تضاد کو برداشت کرنا سیکھیں اسی میں خوبصورتی ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے ہر خطہ کا انسان اگر ایک جیسا سوچتا تو دنیا کی ترقی ممکن نہ ہوتی ایک جیسے سوچنے کا انداز تو جانور کا ہوتا ہے انسان تو بہر حال جانور سے ممتاز ہے۔

سائنسی صداقت

ایک سائنسی اصول کے مطابق جب کسی مادی چیز پر سورج کی روشنی پڑتی ہے۔ تو اس میں اس چیز کا عکس پیدا ہوتا ہے۔ جسے ہم سایہ کہتے ہیں۔ سورج، صدیوں سے زمین کو روشن کر رہا ہے۔ اور جب بھی کسی مادی چیز پر اس کی روشنی پڑتی ہے اس کا سایہ بنتا ہے۔ اب یہاں دھوپ اور سائے کو اپنے گھر کے حوالے سے دیکھتے ہیں جہاں ہم رہتے ہیں۔ سورج صبح مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ تو ہمارے گھر کا سایہ مغرب کی طرف ان گھروں پر پڑتا ہے۔ جو ہمارے مغرب میں ہیں اور جب وہ 12 بجے سے 3 بجے سہ پہر تک ہمارے گھر کا سایہ شمال اور جنوب میں موجود گھروں پر پڑتا ہے۔ اور 3 بجے سے غروب آفتاب جب سورج مغرب کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔ تو ہمارے گھر کا سیاہ ان گھروں پر پڑتا ہے۔ جو مشرق میں ہوتے ہیں۔ اس طرح چاروں اطراف میں رہنے والے ہمارے ہمسائے کہلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ یہ لازمی تو نہیں کہ ہمارے سارے ہمسائے ہم خیال ہوں۔ اس طرح کہ مختلف خیال فکر رکھنے والے لوگوں کی موجودگی کے احساس کے بعد بھی حضرت اقدسؐ کی تعلیم کا صرف یہی ایک ارشاد مبارکہ انقلاب عظیم برپا کرسکتا ہے۔

1۔ پوری دنیا میں غربت کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

2۔ نفرتیں یکسر ختم ہوسکتی ہیں۔

3۔ انسان، انسان کے قریب ہوسکتا ہے۔

4۔ دنیا خوبصورت ہوسکتی ہے۔ جس کی دعا انسان کو سکھائی گئی ہے وہ قول مبارکہ ہے۔

''جبریل مجھے پڑوسی کے حق میں برابر وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھے خیال ہو چلا کہ وہ اسے وارث بنا دیں گے۔ جس شخص کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہ ہوا وہ جنت میں نہ جائے گا'' (بخاری)

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے۔ مومن وہ نہیں ہوتا جو خود تو سیر ہو کے کھائے اور اس کے پہلو میں اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔(مشکوۃ)

اور قرآن مجید کی اس تعلیم کو ملا کر سمجھنے سے بات اور واضح ہو جائے گی کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے۔ قرابت داروں کے ساتھ احسان کرو اور قرابت داروں میں ہمسایہ سب سے قریب ہوتا ہے۔ اس قول مبارکہ کے عمل کے بعد اگر ہر ایک اپنے ہمسائے کا خیال رکھنا شروع کر دے تو پوری دنیا سے غریب اور نفرتوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ اس طرح دنیا میں امن اور خوبصورتی کا حل مندرجہ بالا ارشاد کے ساتھ ارشاد میں پوشیدہ ہے۔ جو چیز اپنے لئے پسند کرو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو اب بھلا ایک شخص تو آسودہ حال ہو اور خوب کھاتا ہو اور اس کا ہمسایہ بھوکا سوئے یا پھر یہ کہ ایک شخص تو بھرپور طریقہ سے زندہ رہتا ہو۔ اور دوسروں کو مارنا چاہے اس کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ حضرت اقدس کے ارشاد کے مطابق اس پر لازم آتا ہے۔ کہ وہ دوسرے کی زندگیوں میں بھی خوبصورتی بھر دے۔ اسی طرح ان ہی چند قول مبارکہ کے حوالوں سے بین الاقوامی پرامن معاشرہ کی بنیاد ڈالی جاسکتی ہے۔ اور ایک روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کی تعمیر ممکن ہوسکتی ہے۔ جو وقت کی ضرورت ہے۔

روشن خیال اعتدال پسند معاشرہ کے بنیادی خدوخال

قرآن کا حکم ہے

تمہارے لئے اللہ کے رسول ایک نمونہ ہیں ہر اس شخص کیلئے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہے۔ (اخراب 21)

حضرت اقدس نے روشن خیال معاشرہ کی بنیاد کے لئے جو اہم اصول بتائے وہ درج ذیل ہیں۔

تکمیل اخلاق

میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تا کہ حسن اخلاق کی تکمیل کروں۔ (قلم)

اصول وفاداری

مسلمانوں کو لازم ہے کہ اپنے اولی الامہ کی بات سنے اور مانے خواہ پسند ہو یا ناپسند۔ (بخاری و مسلم)

عصبیت کی مخالفت

کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی گورے کو کولے پر اور کسی کالے کو گورے پر فضیلت نہیں ہے۔ فضیلت صرف کردار کی پاکیزگی پر ہے۔ (زادالمعاد)

اتحاد کی تلقین

مجھے اس کا خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرو گے مگر ڈرتا اس سے ہوں کہ کہیں تم دنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور آپس میں لڑنے نہ لگو۔ ایسا کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ جس طرح پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ (سیرت ابن ہشام)

رحم کا حکم

اللہ اس شخص پر رحم نہ کرے گا۔ جو دوسرے لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری)

تعلقات کی درستگی

فرمایا کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتادوں جو روزے اور صدقے اور نماز سے بھی افضل ہے؟ صحابہ نے عرض کی ہاں ارشاد ہوا آپس کے تعلقات کو ٹھیک کرنا۔ (ترمذی)

حلال روزی کا حکم

فرض روزی کے بعد حال روزی کمانا بھی ضروری ہے۔ (مشکواۃ)

بنیادی ضروریات سب کے لئے برابر ہیں

تمام مسلمان تین چیزوں پر برابر حق رکھتے ہیں۔ پانی، گھاس اور آگ۔ (حجتہ اللہ البالغہ)

مسلمانوں کی بین الاقوامی حیثیت

تم ایک بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کو لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ (ال عمران 110)

کافر کون مسلمان کون؟

اب ایک روشن خیال اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کی طرف چلتے ہیں۔ پاکستان کے حوالے سے ہر وہ شخص اپنی اصلاح کی فکر کئے بغیر دوسرے کی اصلاح کے لئے تلوار اُٹھائے ہوئے ہے۔ اور اس سے خوف ناک بات یہ کہ ہر شخص اپنے آپ کو تو مسلمان سمجھ رہا ہے۔ اور دوسرے کو کافر حالانکہ قرآن نے واضح طور پر بتا دیا ہے۔ کہ کافر کون ہے اور مسلمان کون ہے۔

''جو لوگ اللہ کے حکموں کے مطابق اپنے معاملات کا فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں''۔ (مائدہ 66)

اب چلتے ہیں قرآن کا حکم قرآن تحقیق کی بنیادیں کن نقاط پر استوار کرتا ہے۔

1۔ اللہ سب کا رب ہے۔

2۔ محمد ﷺ تمام دنیا کے لئے نبی ہیں۔

3۔ تمام انسان قابل احترام ہیں۔

4۔ زمین کے ذرائع پیداوار سب کے لئے یکساں ہیں۔

5۔ انسان کا ذرائع پیداوار پر اتنا حق ہے جتنی وہ محنت کرتا ہے۔

6۔ جنگ ان کے ساتھ جائز ہے۔ جو تم سے لڑتے ہیں اور یہ جنگ حکومت وقت کے حکم سے لڑی جا سکتی ہے۔

7۔ کسی ایک انسان کا قتل ساری انسانیت کا قتل ہے۔

8۔ زندگی کے امور چلانے کا ایک دستور ہے۔ وہ ہے دعدل رواداری، یہ ہے کہ کافر اگر اللہ کو چھوڑ کر جن چیزوں کی پرستش کرتے ہیں ان کو بھی برا نہ کہو۔

قرآن زمین پر مختلف نظریات کے قیام کی موجودگی کے احساس کو اجاگر کرتے ہوئے خوبصورتی سے انسان کی توجہ اس طرف دلاتا ہے۔

"اگر ایک جماعت کے ذریعے دوسری جماعت کی روک کے انتظام نہ کرتا رہے تو راہبوں کی خانقاہیں۔ عیسائیوں کے گرجے یہودیوں کے عبادت خانے دیگر مذاہب کی پرستش عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ سب ڈھادئے جائیں۔ (حج 40)

ہر شخص تخلیق کے جبر سے پیدا ہوا اور پھر یہ بھی تو تخلیق کا جبر ہے کہ کوئی کہیں پیدا ہو گیا۔ کوئی کسی رنگ و نسل کی برادری میں پیدا ہو گیا۔ کوئی کسی ہندو کے گھر پیدا ہو گیا کوئی یہودی کوئی عیسائی اور پھر کوئی مسلمان کے گھر۔ تخلیق کی یہ تقسیم میں ہمیں کب اس بات کی اجازت ہے کہ اس شخص سے جو ہمارے نظریات کے علاوہ دوسرے نظریات رکھتا ہے۔ اس سے اس کی زندگی رزق اور خوبصورتی چھین لیں۔ جو اس کو اس کے اللہ نے دی ہے۔ اگر ہم سمجھتے ہیں کہ اُس کے نظریات درست نہیں تو ہمیں اس بات کی اجازت ہے کہ ہم بہترین دلائل کے ساتھ اسے مائل کرنے کی کوشش کریں۔ اور پھر ہم اپنی زندگی اس قدر خوبصورتی، شعور، علم، صفائی، عاجزی، انکساری، عفو درگزر جیسے خوبصورت رویوں کے تابع گزاریں تا کہ وہ جس کو ہم راستے سے بھٹکا ہوا سمجھ رہے ہیں۔ ہماری طرف متوجہ ہو۔

عدل ہی کائنات میں خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔عدل تو ہر حال ہمیں اپنی ذات سے شروع کرنا ہوگا۔جب عدل کے تحت ہمارے وجود میں خوبصورتی پیدا ہوگی تو یقیناً یہ خوبصورتی ہمارے اطراف کو روشن کرے گی۔اور اطراف میں بسنے والے لوگ ہمارے وجود سے روشنی حاصل کر کے اللہ کی جانب سفر شروع کرسکیں گے۔

عصر حاضر کے تقاضے اور اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کی ضرورت

آج جب کہ دنیا گلوبل ولیج ہے یعنی ایک ایسی آبادی جہاں انسان انسان کے اس قدر قریب ہو کہ ہزاروں میل دور رہنے والے انسان کی حرکات وسکنات ہر لمحے دیکھے جاسکتے ہوں۔علم وشعور اور ایجادات کے حوالے سے لحہ لحہ جو دنیا میں ہورہا ہے۔اُسی لمحے انسان کو ہورہا ہو۔

تجارتی اتار چڑھاؤ کی لحہ لحہ خبریں ترقی کی راہیں ہموار کررہی ہوں کائنات کی طاقتوں کو مسخر کر کے کائنات کو خوبصورت بنایا جارہا ہو۔جدید ایجادات سے انسان کا معیار اس قدر بلند ہوگیا ہو۔جہاں انسان پورے اعتماد سے کائنات کی دسعتوں کا احاطہ کرسکتا ہو۔کائنات میں موجود صداقتوں کا شعور حاصل کرسکتا ہو۔

اوران ہی صداقتوں میں وہ خدا کی ذات کی سب سے بڑی صداقت کو تلاش میں تیز تیز قدم سے چل رہا ہو۔اور خدا کی تلاش کی منزل اُسے سامنے ہو۔اس صورت حال میں پاکستان کو بھی اس دنیا کا حصہ بنانا پڑے گا۔بصورت دیگر ارتقاء کی زبردست طاقت تو وقت کے ساتھ ساتھ نہ چلنے والی قوتوں کو مٹا دیتی ہے۔انسان اور قومیں تو خساروں کی راہوں پر رواں دواں ہیں۔

وہ جو یقین واعتماد کے ساتھ صداقتوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔اور صداقتوں کو تلاش کرتے ہیں۔ایمان لاتے ہیں اور ان ہی صداقتوں کی روشنی میں اپنی زندگی کو قانون کے مطابق بسر کرتے ہیں۔باوجود کہ بعض دفعہ صداقتوں کی تلاش میں امتحان آتے ہیں۔لیکن وہ ثابت قدمی سے جذبات انا کی تسکین اور جہالت سے ماورا حرکت کرتے ہیں۔مطمئن رہتے ہیں خوبصورتی، حسن، روشنی، پھول، چاند، ستارے، خوشیاں اور اطمینان ان ہی کو نصیب ہوتی ہیں۔انسان کو خدا کا قرب نصیب ہوتا ہے۔۔۔دنیا اور آخرت کی خوبصورتی نصیب ہوتی ہے۔ایسا اطمینان اور خوشی جو ہمارے آقا کو نصیب ہوئی۔جس کا ذکر سورۃ ضحیٰ میں ہے۔

سورج کی روشنی کی قسم اور رات کی تاریکی جب چھا جائے۔اے محمد ﷺ تمہارے پروردگار نے تم کو نہ تو چھوڑا ہے اور نہ ناراض ہوا۔

آخرت تمہارے لئے پہلی حالت سے کہیں بہتر ہے۔اور تمہارا پروردگار عنقریب وہ کچھ عطا کرے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔اللہ ہمیں بھی اپنے پیارے آقا کی سیرت کی پیروی میں اس قسم کا اطمینان نصیب کرے۔اور پاکستان میں اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل ممکن ہو سکے۔

منور اقبال بلوچ

M.A

Asstt.Vice President (UBL)

کتابیات

قرآن مجید کا ترجمہ اور احادیث کا انتخاب مندرجہ ذیل کتب سے لیا گیا۔

1۔ نور ہدایت قرآن پاک کا سلیس بامحاورہ ترجمہ اور مولانا فتح محمد خان جالندھری

2۔ اسلام ایک نظر میں مولانا صدرالدین اصلاحی اسلامک پبلیکیشنز لیہ

3۔ زمین پر زندگی۔ منور قابل بلوچ داور پبلیکیشنز لیہ

4۔ دین کا قرآنی تصور صدرالدین اصلاحی اسلامک پبلیکیشنز عشاہ عالم مارکیٹ لاہور

5۔ عالمی معلومات، زاہد حسین انجم فروز سنز لاہور



عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت سیرت طیبہ کی روشنی میں

پروفیسر عبدالرحمٰن عبد (بھمبر آزاد کشمیر)

مقالۂ ہذا میں ۱۳ سالہ مکی دور کی تہذیبی اور ۱۰ سالہ مدنی دور کی تمدنی ترقی میں شارع اسلام اور ربانی ریاست مدینہ حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ کا جائزہ لیا جائے گا کہ سیرت طیبہ کی روشنی میں عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایک روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل کی راہوں کی نشان دہی ہو سکے۔

اسلامی معاشرے میں تہذیب اسلامی عوامل (عقائد و نظریات) یا اجزائے ایمان وہ متحرک قوتیں Driving Forces ہیں جو مسلمانوں کے فکر و عمل کی راہیں متعین کرتی ہیں اور انھیں اپنے مخصوص راستے پر گامزن کرتی ہیں۔

انسان پہلے سوچتا ہے اور پھر عمل کرتا ہے یعنی انسانی عمل ضرور کسی نہ کسی سوچ یا نظریے کا مرہون منت ہوتا ہے۔

''تہذیب کسی سوچ اور نظریے کا نام ہے جس کے زیر اثر تعلیم و تربیت دینا (To Educate) خوش اخلاق بنانا (To Polish The Style) اور اصلاح کرنا (To Refine) ظہور میں آتا ہے'' امریکہ کا ''ورلڈ سکوپ انسائیکلوپیڈیا لکھتا ہے'' تہذیب ایک گروہ کی پختہ عادات و روایات، سماجی رسومات، اخلاقی اقدار اور معاشرتی معاملات ہی روحانی، علمی اور فنی رجحانات و تصورات کا مجموعی نام ہے'' (۱)

اوپر کی تشریحات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ تہذیب اقدار VALUES ''فلسفہ تعلیم'' کو کہتے ہیں جن کا دوسرا اور اصطلاحی نام عقائد و نظریات ہے جن کے زیر اثر کسی معاشرے میں تمدن (Social State) کے تمام عناصر پروان چڑھتے ہیں۔

مکہ دنیائے اسلام کا مرکز آدمؑ کی بعثت کے ساتھ ہی بنا اور آپ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کر کے مکہ کو تا ابد اسلام کا سرچشمہ بنا دیا۔

یہ کعبہ جو حضرت آدمؑ نے تعمیر کیا تھا وہ زمین پر حضرت نوحؑ کے طوفان کے زمانے تک قائم رہا۔ طوفان کے بعد اس

کے کوئی آثار باقی نہیں رہے۔ ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ کی مدد سے اس کی اللہ کے حکم سے ازسرنو تعمیر کی۔ (۲)

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا

ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ کی معاونت سے ان ہی بنیادوں پر پھر سے خانہ خدا کی بنیادیں بلند کیں اور دوران تعمیر میں رحمت خداوندی کو متوجہ پا کر دعا کی۔

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایتک ویعلمھم الکتب والحکمۃ ویز کیھم ط انک انت العزیز الحکیم ٥ البقرا۔١٢٩ (٣)

سلسلہ رسالت آگے بڑھتا رہا اور حضرت عیسیٰؑ تک پہنچا آپؑ نے دعائے ابراہیمؑ کے مقصود و مطلوب احمد ﷺ کی آمد کی نوید سنائی۔

واذقال عیسی ابن مریم ینبی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصد قالمابین یدی من التوارۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد. الصّف:٦ (٤)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا انا محمد وانا احمد والحاشر۔۔۔۔۔۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کا شعر ہے۔

صلی الالہ ومن یحف بعرشہ واطیبون علی المبارک احمد

"اللہ نے اس کے عرش کے اردگرد جمگھٹا لگائے ہوئے فرشتوں نے اور سبؓ پاکیزہ ہستیوں نے بابرکت احمد پر درُود بھیجا ہے"

١٢ ربیع الاول اعام الفیل (٥٧١ء) کو حضرت عبداللہؓ کے گھر آمنہؓ کی گود اور مکہ شہر میں مطلوب آدمؑ، دعائے ابراہیمؑ اور نوید مسیح کی ولادت سعادت ہوئی۔

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ لکھتے ہیں۔

"آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب سے روایت ہے کہ جب آپ حمل میں آئے تو ان کو خواب میں بشارت دی گئی کہ تم کہنا اس امت کے سردار کے ساتھ حاملہ ہوئی ہو جب وہ پیدا ہوں تو یوں کہنا اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد اور اس کا نام محمد رکھنا" (٥)

آپ ﷺ نے چالیس برس تک مکہ میں مختلف حیثیتوں سے زندگی گزاری۔ لوگوں نے ہر معاملے میں ہر حیثیت میں آپ ﷺ کو صادق اور امین پایا۔ جب آپ ﷺ نے چالیس برس سے آگے قدم بڑھایا تو رحمت خداوندی جوش میں آئی۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فھم رسول من انفسھم یتلو اعلیھم ایتہ ویز کھیم ویعلمھم الکتب

والحکمة ج وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین (آل عمران:۱۶۴) (۶)

''حقیقت ایمان لانے والوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کے درمیان انھیں میں سے ایک رسول اٹھایا جو انھیں اس کی آیات سناتا ہے اور ان کا تزکیہ بھی کرتا ہے۔ اور انھیں کتاب حکمت کی تعلیم دیتا ہے ورنہ اس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی ہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

اسلام کا تہذیبی دور

آپ ﷺ کے اعلان کے ساتھ ہی مکہ میں نظریاتی تطہیر کا عمل شروع ہو گیا اور اسلامی معاشرے کا ہیولیٰ تیار ہونے لگا۔ مکی دور نظریاتی تکمیل اور اسلامی تشخص کا دور ہے۔ اس دور میں اسلامی معاشرے کے نظریاتی پہلو کی تشکیل کی بنیاد پڑی۔

''مسلمان سوچ، فکر اور نظریے میں قریش مکہ سے مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ قبلہ کے انتخاب میں بھی قریش مکہ سے منفرد قرار پائے''

حضور ﷺ نے مکی دور میں تہذیب اسلامی کے بنیادی عقائد اور نظریاتی فکری اساس کی تعلیم دی۔ یہ وہی بنیادی عقائد اور اجزائے ایمانی کی تعلیم تھی جو ہر زمانے کا نبی اپنی اپنی امت کو دیتا رہا تھا۔

۱) اللہ پر ایمان ۲) فرشتوں پر ایمان ۳) الہامی کتابوں پر ایمان ۴) پیغمبروں پر ایمان ۵) آخرت پر ایمان

تہذیب اسلامی کے عوامل یا اجزائے ایمان کو عملی زندگی میں لانے کے لیے تہذیب اسلامی کے عناصر پانچ ارکان اسلام ہیں جو ہر امت میں بطور فرائض کے فرض رہے ہیں۔ اسلامی تہذیب کے عناصر بھی یہی پانچ ارکان ہیں۔ جو زندگی کے بقیہ اعمال میں روح اور خون کی حیثیت رکھتے ہیں یہی اساسیات اسلام حسن عمل کے ضامن ہوتے ہیں۔ (۷)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے **"بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمد عبده ورسوله واقام الصلوة وایتاء الزکوة والحج وصوم رمضان"۔** (۸)

اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر اٹھائی گئی ہے اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے (آخری) رسول ہیں نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

۱) **کلمہ شہادت:۔** ارکان دین میں سب سے اہم اور اساسی کلمہ، کلمہ شہادت ہے جس کے الفاظ ہیں۔

اشهدان لا اله الا الله وحده لا شریک له واشهدان محمد اعبده ورسوله.

اسلام ایک مکمل اور جامع نظام حیات ہے۔ وہ اپنے پیروں کاروں کو ان کی پوری زندگی کو ان اعتقادات کے سانچے میں

انسانی عبادات کا ایک نیا مفہوم پیش کرتا ہے جس میں تمدن کو بہترین صورت پر مشتمل ہے۔

۲) نماز:۔ نماز کی اہمیت قرآن مجید کی متعدد آیات اور نبی کریم ﷺ کی بہت سی احادیث سے ثابت ہے ارشاد خداوندی ہے۔ اقیموا الصلوۃ ولا تکونوا من المشرکین ۔ سورۃ الروم ۳۱ (۹)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رأس الامر الاسلام وعمودہ الصلوۃ ۔ (۱۰)

۳) روزہ:۔ روزہ دین کا بنیادی رکن ہے اور قرآن حکیم کے بیان کے مطابق یہ پچھلی امتوں پر بھی فرض رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یاایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۔ (۱۱)

۴) زکوٰۃ:۔ انسانی معاشرے کی تشکیل میں نظام معیشت بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا۔ سورۃ توبہ ۱۰۳ (۱۲)

۵) حج:۔ ارکان اسلام میں حج کی اہمیت کا اندازہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے بخوبی ہوتا ہے۔

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ط ومن کفر فان اللہ غنی عن العلمین ۔ سورۃ آل عمران ۹۷ (۱۳)

اسلام کا تمدنی دور

تہذیب جب عملی شکل اختیار کرتی ہے تو تمدن ظہور میں آتا ہے۔ تمدن اپنی مخصوص تہذیب کا واضح آئینہ دار ہوتا ہے۔ تمدن کی یہی حیثیت ثقافت Culture کہلاتی ہے۔ تہذیب Design ہے اور تمدن اس ڈیزائن پر بنائی گئی عمارت Building ہے۔ مکی دور میں اسلامی تہذیب انتہا کی بلندیوں تک پہنچی اور مدنی دور میں اسلامی تمدن بام عروج تک پہنچا۔ علامہ راغب اصفہانی کہتے ہیں ''اسلامی سرگرمیوں کا مدار تین حقیقتوں پر ہے اول (عمارت الارض) روئے زمین پر عمرانی تمدن کو بروئے کار لانے کے لیے دوسرے (خلافت) اسلام طرز کی نیابتی حکومت جو سیاست کے اعتبار سے خدا کے اقتدار اعلیٰ کی مکمل اطاعت کرے۔ تیسرے مکارم شریعت یعنی اسلامی قانون کے اعلیٰ اوصاف'' علامہ اصفہانی اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ان الخلافۃ تستحق بالسیاسۃ یعنی خلاف کا استحقاق کی بنا پر ہوتا ہے۔ (۱۴)

ہجرت مدینہ کا مقصد اعلیٰ میں ہجرت کا مقصد اعلیٰ مدینہ میں ملت اسلامیہ کی انفرادی حیثیت کو معرض وجود میں لانا تھا۔ ہجرت سے قبل مسلمان دشمنوں کے نرغے میں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ انھیں طرح طرح کی تکالیف اور ایذاؤں کا ہدف بنایا جاتا تھا۔ ہجرت مدینہ سے مسلمانوں کا ایک منظم معاشرہ وجود میں آیا۔ اسلام اب چند عقائد اور مذہبی فرائض تک محدود محض مذہب ہی نہیں تھا بلکہ قرآن حکیم کے مطابق ایک دین تھا یعنی ایک مکمل ضابطہ حیات جس کا تعلق ایک فرد کی انفرادی اور اجتماعی دو قسم کی زندگیوں سے تھا۔

مدینے میں اب رسول خدا صرف نبی اور ہادی نہ تھے بلکہ مسلمانوں کے سیاسی راہنما اور مدینے کی اسلامی ریاست کے تاجدار بھی تھے ان کا قائم کردہ سیاسی نظام اس قدر مضبوط اور منظم تھا کہ دس برس میں تمام عرب رسول اللہ کے زیر نگین ہو گیا۔ ریاست مدینہ کی سب سے پہلی دستوری تحریر میثاق مدینہ ہے۔

''میثاق مدینہ تاریخ انسانی کی سب سے پہلی دستوری تحریر ہے جو باون دفعات پر مشتمل ہے اس میں قانون سازی، صلح و جنگ، عدل و انصاف، افرادی و اجتماعی ذمہ داری، غرض سلطنت و ریاست کی گوناگوں دفعات موجود ہیں۔ للمسلمین دینہم وللیہود دینہم ''مسلمانوں کے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لیے ان کا دین ہے یعنی وہاں جتنے بھی لوگ بستے تھے ان کو دینی، عدالتی اور قانونی آزادی کا اطمینان دلایا گیا تھا۔ آنحضور ﷺ کو اس حکومت کا صدر تسلیم کیا گیا۔ دفاع کے سلسلے میں فیصلہ رسول ﷺ کے اختیار میں ہوگا۔ ''مختلف قبیلوں میں جھگڑا ہو تو عدالت اپیل رسول اللہ ﷺ کی ذات ہوگی۔ یہی شہری مملکت دس سال بعد آپ ﷺ کے وصال کے وقت تیس لاکھ مربع کلومیٹر پر مشتمل تھی'' (۱۵)

ریاست کی اہمیت اور ضرورت اس دعا سے واضح ہوتی ہے۔

واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا۔ (۱۶)

ریاست کی اہمیت اور ضرورت اس قول سے بھی واضح ہوتی ہے۔ ان اللہ لیزع بلسلطان مالا یزع بالقرآن ''اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سد باب کر دیتا ہے جن کا سد باب قرآن سے نہیں کرتا''

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد　　　رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم

۱) حاکمیت الٰہی:۔

اسلامی ریاست و تمدن میں حاکمیت صرف اللہ کی ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے وھوالذین فی السماء الہ وفی الارض الہ وھوالحکیم العلیم۔ (۱۸) وہی اللہ آسمانوں میں معبود ہے اور وہی زمین میں معبود ہے

وہی حاکم مطلق ہے۔حاکمیت یا اقتدار اعلیٰ Supreme' Auhtority کا مالک شارع مطلق (Law Giver) کی حاکمیت مطلقہ کو تسلیم کرنا اور اس کے احکامات کی پیروی کرنا نہ صرف انسان پر لازم ہے بلکہ اطاعت الٰہی اور عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔

۲) قانون الٰہی کی بالاتری۔

اسلامی ریاست وتمدن میں قانون الٰہی کو بالاتر حیثیت دی جاتی ہے لیکن تمام تشریحی احکام سنت رسول ﷺ کی روشنی میں تیار کیے جاتے ہیں۔آنحضور ﷺ کا کام اللہ تعالیٰ کے رسول کی حیثیت میں اللہ کے احکام کو دنیا تک پہنچانا، ان کی روشنی میں مزید احکام جاری فرمانا اور ان کی عملی وعملی تعبیر پیش کرنا تھا۔آنحضرت ﷺ اسلامی ریاست کے سربراہ اور ملک کے بے تاج فرماں روا تھے۔سورہ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''خدا کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی تنازعات میں رسول اللہ ﷺ کو فیصلہ کن حیثیت نہ دیں اور اس کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں بلکہ اس کے فیصلے کے خلاف دل میں بھی کوئی ملال محسوس نہ کریں۔''

داخلہ حکمت عملی۔

-- اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ میں اسلامی ریاست کا پورا نظام شورائیت کے اصولوں پر چلانے کی تاکید کی ہے۔مدینہ کی ریاست می حکومت کے تمام شعبوں کا مکمل انتظام آنحضور ﷺ کے کے ہاتھ میں تھا تاہم ان امور کے بارے میں باشندگان مدینہ سے مشورہ لیا جاتا تھا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔

آپ ﷺ اللہ کے رسول تھے۔اللہ تعالیٰ کے بعد آپ ﷺ کی حکمت، فرست، تدبر اور سیاست کو صحابہؓ پر فوقیت رکھی تھی اس لیے آپ ﷺ کے لیے ضروری نہیں تھا کہ ان مشوروں پر لازمی طور پر عمل کریں۔

''اے محمد ﷺ! اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین پر بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے وہ تو تمھیں محض گمان پر چلاتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں'' (۱۹)

آپ ﷺ نے برتری کا معیار انسانیت میں تقویٰ کو سب سے اہم وصف قرار دیا۔ارشاد خداوندی ہے۔

یاایھاالناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعار فوا ط ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ط ان اللہ علیم خیر ہ (۲۰)

سب کی اصل ایک ہے ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے پوری بنی نوح انسانی وجود میں آئی ہے۔ قوموں اور قبیلوں میں بنی نوع انسان کا تقویم ہونا گزیر تھا تا کہ پوری روئے زمین پر قبائل اور اقوام سے ان کی شناخت ہو سکے۔ انسان کی برتری خلقی نہیں بلکہ اخلاقی ہے۔

مدینہ کی ریاست میں میثاق مدینہ سے خطبہ حجۃ الوداع ۱۰ء تک کی تعلیمات قیامت تک کے لیے مینارہ نور ہیں گے۔ نبوت کے ۲۳ سالہ دور کی تعلیمات کو محفوظ اور پسند فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیمم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ۔المائدہ:۳(۲۱)

آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دیا اور تمھارے لیے اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا۔

یاایھاالناس الا ان بربکم واحد وان اباکم واحد لافضل لعربی علی عجمی ولا لاحمر علی اسود ولا سود علی احمر الابالتقوی۔(۲۲)

مسند امام احمد۔ اے لوگو! بیشک تمھارا رب ایک ہے اور بیشک تمھارا باپ ایک ہے کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی سرخ کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر صرف تقویٰ کی وجہ سے تمھارا خان اور تمھارا مال اس مہینے کی حرمت کی طرح مسلم ہے۔ اللہ نے یہ بات طے کر دی ہے کہ سود حرام ہے لوگو! تمھارے اوپر تمھاری عورتوں کے حقوق ہیں عورتوں تمھاری پابند ہیں عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو تمھارے غلام! ان کا خیال رکھو جو تم کھاؤ انہیں کھلاؤ جو تم پہنو انہیں پہناؤ کوئی خطا کریں تو معاف کر دو یا انھیں فروخت کر دو اور انہیں سزا نہ دو۔

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اگر تم پر کوئی نکٹا حبشی غلام بھی امیر بنا دیا جائے جو تم پر کتاب اللہ کو قائم کرے تو اس کی اطاعت کرو۔"

غیر مسلموں سے برتاؤ کے بارے میں تاکید فرمائی:۔

الامن ظلم معاهد اوانتقمه او کلفه فوق طاقته او اخذ منه شیئا بغیر گیب نفسه فانا حجیجه یوم القیامة.

سن لو! جس کسی نے کسی غیر مسلم ذی پر ظلم کیا یا اس کے حقوق میں کمی کی یا اس کی طاقت سے زیادہ اس کو تکلیف دی یا اس کی کوئی چیز اس کی دلی رضامندی کے بغیر حاصل کی تو قیامت کے روز اس کی طرف سے وکیل بن کر دعویٰ دائر کروں گا۔

خارجہ حکمت عملی

آپ ﷺ کی بعثت کی غایت ہر اچھے اصول اور ہر نیک عمل کی قولی و عملی تشکیل و تکمیل ہے دنیا کے کل نظاموں اور

دستوروں کے مقابلے میں نظام اسلامی و دستور شرعی کا غلبہ، تفوق اور برتری اور کا دین حقہ کا حق قرار دیا۔ یہ بعثت نبی اکرم ﷺ سے حضرت عمرؓ کے وصال تک دین حقہ کا غلبہ قیصر و کسریٰ نے تسلیم کیا اور ایک بار پھر انشااللہ اس کا نظارہ دنیا کی پاورز کریں گی۔

ارشادی خداوندی ہے ''ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ حضور ﷺ نے عیسائیوں سے معاہدے بھی کئے۔آپ کے معاہدات بین الاقوامی روابط کی روح اس اسلام کی عظمت کی منہ بولتی حقیقت ہیں۔غیر مسلم مملکتیں جو اسلامی ریاست سے عداوت نہ رکھیں ان سے اچھے اور دوستانہ تعلقات میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لا ینھکم اللہ عن الذین لم مقاتلو کم فی الدین ولم یخر جو کم من دیار کھ ان تبروھم وتقسطو ا الیھم ط ان اللہ یحب المقسطین ہ (۲۳)

اعتدال پسند اور روشن خیال معاشرے کی تشکیل:۔

آسمانی ہدایت کا آخری پیغام قرآن مجید اور اس کی عملی شکل آخری نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ ہیں۔آپ کی عادات، اطوار، اخلاق و اعمال کی شرعی اصطلاح میں سنت کہا جاتا ہے۔قرآن وسنت کے اس مجموعے کا نام اسلام ہے۔
حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اسلام کی تعریف یوں کرتے ہیں اسلام، اللہ کی عبادت، حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی اطاعت اور مخلوق کی خدمت کا نام ہے۔ارشاد ربانی ہے ان الدین الطاعة لامر اللہ و الشفقة علی خلق اللہ
اسلام نے اللہ اور رسول کی اطاعت کے بعد امیر کی اطاعت کو لازم قرار دیا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے''امیر کی اطاعت کرو اگرچہ تمھارے امیر کے کان ناک کٹے ہوں اور اس کا سر منقہ جیسا ہو۔
سربراہان اسلامی مملکت کے لیے خلفائے راشدین کا نمونہ قابل تقلید ہے۔خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بیعت خلافت کے بعد اپنے اولین خطبے میں فرمایا''تمھارا کمزور میرے نزدیک قوی ہے۔جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلادوں اور تمھارا قوی میرے نزدیک کمزور ہے۔جب تک اس ذمے جو حق ہے وہ اس سے نہ لے لوں۔
حضرت عمرؓ نے شہادت کے وقت بیٹے سے دریافت فرمایا''اے عبداللہ بن عمرؓ! دیکھ میرے اوپر کتنا قرض ہے''حساب لگایا گیا تو چھیاسی ہزار درہم کے لگ بھگ نکلا۔فرمایا اگر آل عمر کا مال اسے پورا کر سکے تو ادا کر دینا ورنہ بنوعدی سے درخواست کرنا اگر پھر بھی پورا نہ ہو تو قریش سے سوال کرنا ان کے علاوہ اور کسی سے نہ مانگنا۔
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا''بیت المال سے قرض لے کر کیوں ادا نہیں کر دیتے''۔

فرمایا ''معاذ اللہ میرے مرنے کے بعد تم اور تمھارے دوست یہ نہ کہیں کہ ہم نے اپنا حصہ عمرؓ کے لئے چھوڑ دیا''

اسلامی ریاست میں نگران اعلیٰ کی حیثیت ایک امین کی سی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص حکمران ہو اس کو سب سے زیادہ بھاری حساب دینا ہوگا اور وہ سب سے زیادہ عذاب کے خطرے میں مبتلا ہوگا۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے۔ ''دریائے فرات کے کنارے ایک بکری کا بچہ بھی اگر ضائع ہو جائے تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ اللہ مجھ سے باز پرس کرے گا''۔ (۲۶)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایک مرتبہ ساری رات مصلے پر بیٹھے روتے رہے صبح کو بیوی نے اس غیر معمولی رنج وغم کا سبب دریافت کیا تو فرمایا ''میں نے اپنے آپ کو اس پوری امت کے سیاہ وسفید کا ذمہ دار پایا۔ مجھے زمین کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے غریب الوطن، خستہ حال بھکاری محتاج غربا، مجبور ومظلوم قیدی اور اسی قبیل کے دوسرے لوگ یاد آئے۔ مجھے یہ احساس ہوا کہ اللہ ان سب کے بارے میں مجھ سے محاسبہ کرے گا اور محمد ﷺ ان کے معاملے میں میرے خلاف مقدمہ لڑیں گے۔ میں ڈرا کہ خدا کے آگے میرا کوئی زور نہ چلے گا اور محمد ﷺ کو میں کسی بھی دلیل سے مطمئن نہ کر سکوں گا۔ اس پر میری جان لرز اٹھی اور مجھے اپنے بارے میں بڑا ڈر لگنے لگا''

ارشاد خداوندی ہے ''الذین ان مکنا ھم فی الارض اقامو الصلوۃ . (۲۷)

آپ ﷺ اور خلفائے راشدینؓ نے اسلامی حکومت کی فطرت میں اس درجہ سادگی، امانت اور دیانت کو داخل کیا کہ چور دروازے خود بخود بند ہو گئے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے ایک بار یہ خواہش ظاہر کی کہ مجھے بھی کسی جگہ کا امیر مقرر کر دیا جائے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''تم کمزور ہو اور امارت ایک امانت ہے۔ قیامت کے دن یہ رسوائی اور پشیمانی کا باعث بن جائے گی بجز اس شخص کے جو اس کا حق رکھتا ہو اور اسے اختیار کر کے اس سلسلہ میں عائد ہونے والی ذمہ داریاں ادا کرے۔ (۲۹)

انصاف کی حقیقت کا نفاذ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا پہلی امتیں اس لیے تباہ ہوئیں کہ ان میں دو قانون نافذ تھے ایک امرا کے لئے اور ایک غربا کے لئے۔ جب کوئی امیر جرم کرتا تو گرفت سے بچ جاتا غریب جرم کرتا تو سزا پاتا۔ اسلام ایک اعتدال پسند دین ہے اس نے عدل انصاف کی فراہمی میں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز بھی روا نہیں رکھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''اعطاء کل ذی حق حقہ'' انسانوں کے بنیادی حقوق میں اسلامی ریاست کے ہر شہری کو مساویانہ حقوق دیئے جانے کو پابند فرمایا ہے۔ علامہ ابن حزمؒ نے اپنی کتاب المحلیٰ میں ذکر کیا کہ ہر انسان کے لیے رسول اکرم ﷺ نے جلف الخبز والماء ثوب یواری عورتہ بیت یسکنہ اور والعلاج والتعلیم . اس کے علاوہ محمد صلاح الدین نے بنیادی حقوق صفحہ ۲۴۱ تا ۳۲۰ اسلام کے عطا کردہ سترہ بنیادی حقوق قلم بند کیے ہیں۔

۱۔ تحفظ جان

۲۔ تحفظ ملکیت

۳۔ تحفظ آبرو

۴۔ نجی زندگی کا تحفظ

۵۔ شخصی آزادی کا تحفظ

۶۔ عمل غیر سے برأت

۷۔ ظلم کے خلاف احتجاج کا حق

۸۔ آزادی اظہار رائے

۹۔ آزادی ضمیر و اعتقاد

۱۰۔ حق مساوات

۱۱۔ حصول انصاف کا حق

۱۲۔ معاشی تحفظ کا حق

۱۳۔ معصیت سے اجتناب کا حق

۱۴۔ آزادی تنظیم و اجتماع

۱۵۔ سیاسی زندگی میں شرکت کا حق

۱۶۔ آزادی نقل و حرکت و سکونت

۷۔ حق اجرت و معاوضہ

''اسلامی ریاست جس طرح مسلمانوں کے معاملہ میں قرآن وسنت کے طے کردہ حقوق کے نفاذ اور احترام کی پابندی ہے اسی طرح وہ ذمیوں کے معاملہ میں بھی قرآن وسنت کی قائم کردہ حدود کی پابند ہے۔'' اسلامی ریاست میں اجتماعی کوشش سے حاصل ہونے والے سرمایہ و دولت کو اسلامی بیت المال کی ملکیت قرار دیا جاتا ہے اور اس کے استعمال میں ہر شہری کو برابر شریک سمجھا جاتا ہے اس کے علاوہ امرا سے زکوۃ صدقات وصول کر کے غربا میں تقسیم کرنے کا مکمل انتظام کیا جاتا ہے۔ اس باب میں غربا پر منت واحسان جتانے اور تکلیف دینے کو حرام قرار دیا۔

''رابرٹ ڈیوی کا یہ بھرپور طنز ملاحظہ ہو

اس کے برعکس ترقی یافتہ معاشرے پر رابرٹ ڈیوی کا یہ بھرپور طنز حقیقت حال کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے۔

''۵ لاکھ غلاموں اور ہزاروں درآمد شدہ سفید فام خدمت گاروں کی کالونی میں بیٹھ کر تھامس جیفرسن نے جو خود بھی ان غلاموں کے ایک دولتمند آقا تھے۔ کس طمطراق سے امریکہ کے اعلان آزادی کے لیے الفاظ رقم فرمائے ہیں۔ اندورن ملک اس نسلی امتیاز سے ہٹ کر باہر کی دنیا میں امریکہ کے کردار کا جائزہ لیجئے تو صورت حال اور بھی بھیانک نظر آتی ہے۔ ہیروشیما، ناگاساکی، کوریا، ویت نام، کمبوڈیا، افغانستان اور مشرق وسطیٰ کے چپے چپے پر (خصوصاً اب عراق) اس کے ہاتھوں ''بنیادی انسانی حقوق'' کی پامالی اور ظلمت میں ڈوبی ہوئی روشن خیالی کی روح فرسا داستانیں بکھری ہوئی ہیں۔ (۲۹)

اسلام نے حاکم کو اصحاب علم ودانش اور تقوی وتدبیر سے مشاورت جاری رکھنے کا پابند بنا دیا۔ آپ ﷺ نے ہر کام کے مہرین کی شوریٰ کا اسلامی حکومت کے کاموں کی روح قرار دیا۔

آپ ﷺ نے سربارہ مملکت کی حیثیت سے فوج کی تنظیم کی۔ آپ ﷺ نے نو جنگوں اٹھارہ دفاعی حربی مہموں میں حصہ لیا اور انتالیس جنگی مہموں کو محاذوں پر روانہ فرمایا۔ فتح کے حصول کے بعد دشمنوں پر رحم وترحم اور معافی واحسان کی عملی مثالیں پیش کی۔ اس کے مقابلے میں آج کی سپر پاور اور روشن خیال مملکت امریکہ کی ''گوانتانا موبے اور ابوغریب جیل کی انسانیت سوز کارروائی تاریخ کا سیاہ باب ہے۔ آپ ﷺ نے مرکزی شعبہ تعلیم قائم فرمایا جس میں دینی اور دنیاوی تعلیم کے حصول کو مسلمانوں کے لیے دینی فریضہ قرار دیا۔

''پاکستان میں دین ہی قومی زندگی کی مسلمہ اساس ہے۔ دین اسلام اپنی نہایت کے اعتبار سے انسانیت کے مستقبل کے لئے ناگزیر ذریعہ تکمیل اور وسیلہ نجات ہے اور یہی وہ نظریہ زندگی ہے جو اس سائنسی دور میں دنیا کو ایک مکمل نظام عقائد اور مکمل نظام عمل دے سکتا ہے''

مغرب کی سائنسی ترقی اور معاشی بالادستی، علوم اسلامی سے ناواقفیت اور ہماری معاشی زیردستی نے ہمارے نظریے تعلیم کو متزلزل کر دیا ہے۔ ''ہماری تعلیم مستقلاً دو کیمپوں میں تقسیم ہوگئی اور دونوں طرف غلط تفاخر وپندار اور بے جا طرفداری وتعصب کی فضا ابھر آئی۔ چنانچہ پرانے درس کے معتقد اپنے نصاب کے زائد المعیاد اجزا سے بھی یوں چمٹے رہے گویا ان کے نصاب کا ایک ایک لفظ وحی الہام کی سی تقدیس رکھتا ہے۔ دوسری طرف نئی تعلیم کے حامل تعلیم قدیم کے ہر پہلو کو حقیر، گھٹیا اور زائد المعیاد سمجھ کر اس سے بالکل قطع تعلق کر بیٹھے اور انصاف یہ ہے کہ اس دور کشاکش میں اگر چند بوریا نشین مقہوری اور ذلت کے احساس کے باوجود ان کی حفاظت پر قائم نہ رہتے تو اسلامی علوم اب تک بالکل ناپید ہو چکے ہوتے۔ بہر حال علوم کی یہ امانت اب پاکستان

کوملی ہے'' (۳۰)

فرقہ بندی اور باہمی منافرت ومناقشت عذاب الٰہی کو دعوت دینے کا سبب بنتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

ولا تکونو کالذین تفرقوا واختلفو امن بعد ماجاء ھم البینت ط اولیک لھم عذا ب عظیم ہ (۳۱)

ان (جماعتوں یا افراد) جیسے نہ ہو جانا جو آپس میں فرقے فرقے ہو گئے اور ان کے پاس کھلے کھلے احکام آئے پیچھے آپ میں اختلاف کرنے لگ گئے اور یہی لوگ (جو امم میں تفریق کا سبب بنے یا امت محمد یہ ﷺ میں تفریق کا سبب بنیں گے) ہیں جن کو بہت براعذاب ہوگا۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔

''ہر شخص خود ہی اپنا امام ہے اور اس نے جو اپنے مقام پر اپنی رائے سے طے کرلیا ہے۔ اس کے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ اسے قابل اطمینان وسیلوں اور مضبوط ذریعوں سے حاصل کیا ہے۔'' (۳۲)

مفتی محمد شفیعؒ مرحوم ومغفور فرماتے ہیں کہ میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ کی خدمت میں ایک دن نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے غمزدہ بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا ''مزاج کیسا ہے''۔ انہوں نے کہا کہ ہاں! ٹھیک ہے میاں، مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کردی۔۔۔۔ میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں دین کی اشاعت میں گزری ہے۔ ہزاروں شاگرد علماء ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی۔ تو حضرت نے فرمایا کہ ''میں تمہیں صحیح کہتا ہوں کہ اپنی عمر ضائع کردی!'' میں نے عرض کیا کہ حضرت اصل بات کیا ہے؟ فرمایا ہماری عمروں کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کوششوں کا خلاصہ یہ رہا کہ دوسرے مسلکوں پر حنفی مسلک کی ترجیح قائم کردیں، امام ابوحنیفہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں، یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا!۔۔۔

اب غور کرتا ہوں کہ کس کس چیز میں عمر برباد کردی پھر فرمایا ''اے میاں اس بات کا کہ کون سا مسلک صحیح تھا اور کون سا خطا پر اس کا راز تو کہیں حشر میں بھی نہیں کھلے گا اور نہ دنیا میں اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی قبر میں منکر نکیر پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا؟ (نماز میں) آمین زور سے کہنا حق تھا یا آہستہ آہستہ کہنا حق تھا۔ برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کی جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا، روز محشر اللہ تعالیٰ نہ امام شافعیؒ کو رسوا کرے گا نہ امام ابوحنیفہؒ کو نہ امام مالکؒ کو، نہ امام احمد بن حنبلؒ کو۔۔۔ اور نہ میدان حشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے گا کہ امام حنفیہؒ نے صحیح کہا تھا یا امام شافعیؒ نے غلط کہا تھا ایسا نہیں ہوگا۔

''تو جس چیز کا نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ، برزخ میں نہ محشر میں۔ اس کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی اور جو ''صحیح اسلام'' کی دعوت تھی جو سب کے نزدیک مجمع علیہ اور وہ مسائل جو سبھی کے نزدیک متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاء کرام لے کر آئے تھے جن کی دعوت کو عام کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج اس کی دعوت نہیں دی جا رہی، یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے اور اغیار سبھی دین کے چہرے کا مسخ کر رہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہئے تھا، وہ پھیل رہے ہیں؛ گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی پر چلی آ رہی ہے، حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فروعی بحثوں میں!۔۔۔۔

اس لیے غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی۔ (۴۳)

اس لعنت سے بچنے کے لئے اسلام کے سنہری اصول، **واعتصو بحبل الله جمعیا ولا تفرقوا** کے مطابق رجوع الی القران وسنت کرنا ہوگا۔ (۴۴) دشمن ہماری اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرقہ بندی کو ہوا دیتا ہے اور کبھی ایک کی طرف داری کر کے دوسرے کے طرف سے وار کر کے پہلے کی خون کی ہولی کھیلتا ہے اس طرح صفوں میں دوست نما دشمن اور مار آستین کو پہچاننا مشکل ہو رہا ہے ایسے میں اپنا مسلک چھوڑو نہیں اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہیں کے فارمولے پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔

وہ بتوں نے ڈالے ہیں وسوسے کہ دلوں سے خوف خدا گیا　　　وہ پڑی ہیں روز قیامتیں کہ خیال روز جزا گیا

دشمن ہماری مذہب سے وابستگی کو اس لیے کمزور کرنا چاہتا ہے کہ وہ مذہب کے معاملے میں اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہو چکا ہے اور اسے آئندہ کے لیے اسلام کی بالادستی یقینی نظر آتی ہے چرچ تہذیب کھوکھلی ہو جاتی ہے۔

''لندن (بی بی سی ڈاٹ کام) امریکہ میں رومن کیتھولک فرقے سے تعلق رکھنے والے چرچ آرچڈ یوسیس پادریوں پر جنسی زیادتیوں کے الزامات میں ہرجانہ ادا کرتے کرتے دوالیہ ہو گیا ہے۔ چرچ نے دوالیہ ہونے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسا کرنے پر اس لئے مجبور ہوا ہے کہ اسے پادریوں پر لوگوں سے جنسی زیادتیوں کے الزامات میں بھاری معاوضے ادا کرنے پڑے ہیں۔ پورٹ لینڈ کا چرچ ابھی تک پانچ کروڑ تیس لاکھ ڈالر ہرجانے کے طور پر لوگوں کو ادا کر چکا ہے۔ لیکن اب بھی اسے بہت سے دعووں کا سامنا ہے جن میں ہرجانے کی کل رقم پندرہ کروڑ ڈالر سے زیادہ ہے۔'' (۴۵)

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

اقبال

متذکرہ بالا حقائق کی روشنی میں ہم اسے نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ

انسانی برادری کی تقسیم خود انسان کی سرکشی اور بغاوت سے ہوتی رہی جس نے اللہ کے دین کو چھوڑ کر اور نبیؐ کی تعلیمات سے منہ موڑ کر اپنے لیے اپنی خودساختہ روشن خیالی پر ایک امت کو سیکڑوں امتوں میں تقسیم کر لیا۔ انسان کو پھر وحدت کے رشتے میں پرونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیا کرام کے ذریعے اپنا پیغام ہدایت بھیجا اور آخری پیغام ہدایت محمد رسول ﷺ کو ''رحمۃ للعالمین'' بنا کر اتارا۔ اسی پیغام ہدایت ''اسلام'' سے ہی انسانی برادری کو جغرافیائی تفریق، معاشی تفاوت نسلی امتیاز، قبائلی تعصب سیاسی تفاخر اور حربی بالادستی سے نجات دلا کر انسانیت اور آدمیت کے بلند و بالا مقام پر فائز کیا جا سکتا ہے۔

حواشی

۱۔ اسلامی تہذیب وتاریخ ۴۴

۲۔ خطباتِ بہاول پور ۱۹۵

۳۔ البقرہ:۱۲۹

۴۔ الصف:۶

۵۔ جب حضور ﷺ آئے ۴۲

۶۔ آل وعمران ۱۶۴

۷۔ عناصر جمع ہے عنصر کی جس کے معنی جڑ، بنیاد اور اصل کے ہیں ارکان جمع ہے رکن کی جس کے معنی ستون اور اساس کے ہیں عناصر خمسہ، پانچ ارکان اسلام۔

۸۔ بخاری، مسلم

۹۔ قائم رکھو نماز اور مت ہو شرک کرنے والوں میں

۱۰۔ دین کی اصل بنیاد خدا اور رسول کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہے اور اس عمارت کا ستون نماز ہے۔

۱۱۔ اے ایمان والو فرض کیے گئے تم پر روزے جیسے فرض کیے گئے تھے تم سے اگلوں پر تا کہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔

۱۲۔ لے ان کے مال میں سے زکوٰۃ کہ پاک کرے تو ان کو اور بابرکت کرے تو ان کو اس وجہ سے۔

۱۳۔ اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پر واہ نہیں رکھتا جہاں کے لوگوں کی۔

۱۴۔ الزریعہ الی مکارم شریعہ

۱۵۔ عہد نبوی میں مملکت اور نظم ونسق ۲۰۴ تا ۲۰۶ صفحہ

۱۶۔ بنی اسرائیل:۸۰

۱۷۔ تفہیم القرآن جلد دوم ۶۳۸ صفحہ

۱۸۔ الممتحنہ:۸

۱۹۔ سورۃ الانعام:۱۱۶

۲۰۔ الحجرات:۱۳

۲۱۔ المائدہ:۳

۲۲۔ مسند امام احمد

۲۳۔ ابوداود

۲۴۔ الممتحنہ:۸

۲۵۔ آل عمران:۱۹

۲۶۔ تاریخ اسلام ۲۱۹ تا ۲۵۹ صفحہ

۲۷۔ بنیادی حقوق ۱۹۵ صفحہ

۲۸۔ بنیادی حقوق ۱۹۵ صفحہ

۲۹۔ بنیادی حقوق ۵۵ صفحہ

۳۰۔ تعلیمی خطبات۔ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

۳۱۔ نہج البلاغہ (اردو ترجمہ) صفحہ ۲۶۴ خطبہ ۸۶

۳۲۔ وحدت امت از مولانا مفتی شفیع بحوالہ ندائے خلافت سرورق

۳۳۔ سورت آل عمران:۳۔۱

۳۴۔ نوائے وقت لاہور۔۸ جولائی ۲۰۰۴

کتابیات

۱۔ تفہیم القرآن: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ادارہ ترجمان القرآن لاہور۔۱۹۷۴ء

۲۔ مصارف الحدیث: مولانا محمد منظور نعمانی مکتبہ رشیدیہ ساہیوال۔سن ندارد

۳۔ راہ عمل: مولانا جلیل احسن ندوی اسلامک پبلیکشنز لمیٹیڈ لاہور

۴۔ خطبات بہاولپور ڈاکٹر محمد حمید اللہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۹۹

۵۔ بنیادی حقوق محمد صلاح الدین ادارہ ترجمان القرن لاہور، ۱۹۷۸

۶۔ تاریخ اسلام محمد عبداللہ ملک قریشی برادرز پبلشرز لاہور۔۱۹۹۸

۷۔ اسلامی تہذیب وتاریخ پروفیسر محمد ارشد خان بھٹی اصباع الادب لاہور،۱۹۷۶ء

۸۔ نہج البلاغہ (اردو ترجمہ) علامہ مفتی جعفر حسین اعلیٰ امامیہ پبلکیشنز پاکستان، سن ندارد

۹۔ جب حضورؐ آئے: محمد متین خالد فاتح پبلشرز اردو لاہور۔۲۰۰۱ء

۱۰۔ نوائے وقت (روزنامہ) لاہور ۸ جولائی ۲۰۰۴ء

۱۱۔ ندائے خلافت (ہفت روزہ) لاہور ۲۲ ستمبر ۲۰۰۴ء

☆☆☆☆☆

دورِ حاضر میں مہذب، اعتدال پسند اور روشن خیال معاشرہ"
سیرتِ طیبہ کی روشنی میں

پروفیسر (ر) عبدالرزاق ابنِ حبیب قلات (بلوچستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

"اَلحَمدُ للّٰہِ رَبِّ العٰلَمِین وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلامُ عَلیٰ سَیِّدِ الْمرسَلین،"

'سُخنائے گفتنی'

یہ ایک واضح اور زمین حقیقت ہے کہ ہم عام پاکستانیوں کی غالب اکثریت تنگ نظر فرقہ واریت سے نفرت کرتے اور اس امر کو ناشائستہ اور غیر مہذب قرار دیتے ہیں۔ تمام مکاتیب فکر سے تعلق رکھنے والے ماسوائے چند انتہا پسند مفاد پرستوں کے بلا تفریق ایک دوسرے کے دکھ درد اور خوشیوں میں برابر شریک ہیں اس معاشرے، اس ملک میں بظاہر کسی جگہ اختلاف نظر نہیں آتا ہر گلی، ہر محلے میں شیعہ سنی، دیوبندی اور بریلوی ایک دوسرے کے ہمسایے ہیں، ایک ایک گھر میں یہ دونوں بھائی بھائی کی طرح رہ رہے ہیں۔ اسکولوں کالجوں اور دفتروں میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے، ایک دوسرے کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ یہ آپس میں رشتے اور کاروباری شراکت کرتے ہیں، ایک دوسرے کے جنازے میں جاتے ہیں، ان کی عیدیں اور دیگر مسرت انگیز تقاریب ایک ہیں، ان کے ایم این اے، ایم پی اے اور اب ناظم مشترکہ ہوتے ہیں۔ کسی جگہ کوئی اختلاف، کوئی تقسیم نظر نہیں آتی لیکن پھر امام بارگاہوں اور مسجدوں میں حملے کیوں ہو رہے ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں جو ایک دن امام بارگاہ میں بم پھینکتے ہیں اور دوسرے دن مسجد میں، یہ لوگ یقیناً ہمارے دشمن ہیں، یہ لوگ ہمارے قاتل ہیں یہ لوگ ہمارا اتحاد ہماری محبت اور ہماری اعتدال پسندی کو توڑنا چاہتے ہیں۔

وقت آگیا ہے کہ امت کے درد رکھنے والے علماء، دانشور اور اہل قلم اس سازش کو سمجھ جائیں، اس کا تدارک اس کا حل نکال دیں۔ امن و سلامتی کے پیامبر سردار کائنات ﷺ کی امت پر ایسا کڑا وقت کیسے آیا کہ پاکستان سمیت اطراف عالم میں آج ہم مسلمان ہر جگہ مغلوب اور شکست خوردہ ہیں ہمارا داخلی معاشرہ انتہا پسندی کے ہاتھوں کیوں یرغمال ہو رہا ہے۔ بلا

تفریق و امتیاز تمام ممالک اسلامیہ ان منفی اور تنگ نظر رجحانات کے زیر اثر ہیں۔ از راہ کرم اس صورت حال کو جتنی جلد ممکن ہو روک لیں اور عوام الناس (عامتہ المسلمین) جو کہ غالب اکثریت میں ہیں ان کو زبان دی جائے اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ یہ واضح اکثریت مہذب اور اعتدال پسند ہیں۔

مجموعی طور پر اس وقت صورت حال یہ ہے کہ علم، اخلاق اور رزق کے معاملے میں مسلم امہ پر نہایت کسمپری کی حالت طاری ہے، ہم غریب کے اس مقام پر ہیں کہ ہماری آبادی کی اکثریت بنیادی ضروریات زندگی سے محروم ہیں، جہالت کی یہ سطح ہے کہ ان علوم سے بھی غافل ہو چکے ہیں جنہیں خود ہم نے وجود بخشا تھا۔

اخلاقی پستی کا یہ عالم ہے کہ بددیانتی، دھوکہ دہی، ملاوٹ اور قانون شکنی میں دنیا بھر میں ہمارا کوئی ثانی نہیں ہے۔ بے وقاری کی حالت یہ ہے کہ بین الاقوامی معاملات میں ہم پر کوئی قوم اعتماد کرنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ اور مظلومت کا یہ عالم ہے کہ صحیح ہو یا غلط، ہر حال میں مجرم قرار پاتے ہیں اور سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری اس حالت زار کی سب سے بڑی وجہ لائحہ عمل کی غلطی ہے۔ افغانستان اور عراق کے پے در پے سانحوں کے بعد ممکن ہے کہ اس غلطی کا ادراک کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو پھر ہمیں جارحیت کا لائحہ عمل ترک کر کے اخلاقی و دعوتی جارحیت کے نئے لائحہ عمل کو اختیات کرنا چاہیے یہی وہ واحد راستہ ہے جسے اپنا کر کوئی کمزور اور مظلوم وقوم اپنے لئے تعمیر و ترقی کے بند دروازے کھول سکتی ہے۔

"پس چہ باید کرد؟

اس سلسلے میں سب سے پہلے اس حقیقت کا ہمیں اعتراف کرنا چاہئے کہ ہم اگر چہ اپنی تعداد کے لحاظ سے دنیا کی چند بڑی اقوام میں شمار ہوتے ہیں۔ مگر قوت اور استعداد کے لحاظ سے اقوام عالم میں ہمارا کوئی مقام نہیں ہے۔ دنیا کے سیاسی، اقتصادی اور سائنسی و تکنیکی منظر پر ہمارا کوئی جگہ نہیں ہے اور نہ اس بات کا امکان ہے کہ مستقبل قریب میں کوئی جگہ پیدا ہو جائے اس اعتراف حقیقت کے بعد ہمیں (امت مسلمہ) کو مسلح جدوجہد کے بجائے اخلاقی و دعوتی جدوجہد کا آغاز کرنا چاہئے۔ ہم انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے اعلیٰ اخلاقی و دعوتی معیار پر کھڑے ہو جائیں اور قومی اور بین القوامی دونوں معاملات میں اخلاقی و دعوتی موقف اپنائیں اور اس کیلئے اگر مفادات (انا، رہبری، لیڈر شپ) بھی قربان کرنے پڑیں تو اس سے دریغ نہ کریں، اگر فریق مخالف سے تشدد کا سامنا کرنا پڑے تو بھی صبر و استقامت کیساتھ اس کا سامنا کریں۔

مہذب اور معتدل فضا کے قیام کیلئے قرآن حکیم میں ارشادی باری ہے" کہ بھلائی اور برائی دونوں یکساں نہیں، تم

جواب میں وہ کہو جو اس سے بہتر ہو پھر تم دیکھو گے کہ تم میں اور جس میں دشمنی تھی، وہ ایسا ہو گیا جیسا کوئی قریبی اور گرمجوش دوست" (حم السجدہ آیت ۳۴)

آیت مذکورہ کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا "أمر اللّٰه بالمومنين بالصبر دندالغضب وَالحلم عندالجهل وَالعفو عندالاساة فادافعلو اذٰلک عصمهم اللّٰه مِن الشيطن وخضع لَهم عَدوهم کا نهٗ ولي حميم" (۱)

"اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ غصہ کے وقت صبر کریں، کوئی جہالت کرے تو اس کو برداشت کریں۔ برائی کی جائے تو معافی اور درگذر کا طریقہ اختیار کریں جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ ان کو شیطان سے بچائے گا اور ان کے دشمن کو اس طرح جھکا دے گا کہ وہ ان کا قریبی دوست بن جائے۔"

خُذالعَفو وَأمر بالعفرِ وأعرض عن الجائلين ہ

"درگزر اختیار کیجئے اور معروف (مفیدِ عام) کا حکم دے اور جاہلوں (غیر مہذب) سے کنارہ کش رہیئے"

لہذا مسلم اُمہ اپنے حقوق کی جدوجہد کو سرتاسر مظلومانہ بنائیں اور ظالم کو یہ موقع نہ دیں کہ وہ پھر کسی بہانے ہم پر حملہ آور ہو سکے۔ اِس مقصد کیلئے اگر تنازعات کو یکطرفہ طور پر بھی ختم کرنا پڑے تو اس سے گریز نہ کریں۔ ہر طرح کے تعصب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آزادی جمہوریت، روشن خیالی، اعتدال پسندی اور انسانی ہمدردی جیسی اقدار کا بول بالا کریں ہر حال میں جنگ کی مذمت کریں اور امن وسلامتی کی تلقین کریں۔ مذہبی وسیاسی اختلافات کو برداشت کریں اور دوسروں کو بھی یہی طرزِ عمل اپنانے کی نصیحت کریں۔ یہ کام لگاتار کرتے رہیں تا آنکہ معاشرے میں موجود مذہبی تنگ نظری اور جنونی کیفیت ختم ہو جائیں اور اعتدال پسندی اور روشن خیالی غالب آجائیں۔

یہ کام اتنا آسان بھی نہیں کہ فقط وعظ وتلقین سے انجام دیا جا سکے بلکہ ان مقاصد کی حصول کیلئے عصر حاضر کی اخلاقی بیداری سے بھی بھرپور فائدہ اٹھائیں، اِن اداروں کی تعمیر وترقی میں کردار ادا کریں جو دنیا میں انسانی حقوق کی آواز بلند کر رہے ہیں۔ اور میڈیا کے تمام ذرائع کو پوری طرح بروئے کار لا کر نبی اکرم ﷺ کے لائے ہوئے بے تعصب روشن فکر اور شائستہ دین سلام کو اطراف عالم میں پھیلائیں۔

دعوتی یا اخلاقی جارحیت درحقیقت صبر و برداشت اور حکمت و دانش سے عبارت ہے، یعنی جب کوئی قوم کسی ظالم اور بالادست قوم کے مقابلے میں مجبور و بے بس ہو، جب اس کے پاس دفاع کی معمولی طاقت بھی موجود نہ ہو، جب اقوام عالم میں کوئی اس کی مدد کی ہمت نہ کر سکے اور جب دنیا میں کوئی ایسی عدالت بھی قائم نہ ہو جو اس پر ہونے والے ظلم کو قوت قانون

سے روک سکے۔ تو ایسی صورت حال میں واحد لائحہ عمل جنونی جارحیت نہیں بلکہ دعوتی اور اخلاقی جارحیت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جور وستم کا مقابلہ اخلاق و کردار کی قوت سے کیا جائے۔

قومی وجود میں امن، آزادی، استدلال، عدل، روشن خیالی، صلح رحمی اور حق پرستی جیسی انسانیت کی مشترک اقدار کو مستحکم کیا جائے اور ان کی بنا کر انسان کے اجتماعی ضمیر کو آواز دی جائے۔ کوئی قوم اگر صبر و استقامت سے یہ آواز بلند کرتی رہے تو انسانیت کا اجتماعی ضمیر لازماً اس پر لبیک کہہ اٹھتا ہے۔ اگر ضمیر انسانیت پھر بھی نہیں جاگتا تو عالم کا پروردگار اپنی آواز اس آواز میں شامل کر دیتا ہے۔ مظلوم کی دادرسی آسان سے ہوتی ہے اور ظلم و جبر کی بساط بالآخر لپیٹ دی جاتی ہے۔ اس لئے کہ ملکوں، قوموں اور بادشاہتوں کے عروج و زوال فطری اصول رکھتے ہیں اور وَلَن تجدَلِسنة اللّٰہِ تَبدیلا ہ

مذکورہ بالا آیت اور عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت کو سامنے رکھ کر دیکھتے کہ رسول اقدس ﷺ نے فرمایا۔ اَنَّ اللّٰـہَ لَایَمحر السَّیئ بِالسیّئ ولکِن یَمحر السَّیئ بالحَسن .اَنَّالخبیث لا یَمعو الخَبِیث (۲)

''اللہ برائی کو برائی کے ذریعہ نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو بھلائی کے ذریعہ مٹاتا ہے۔

بری چیز کبھی بھی بری چیز کو نہیں مٹاتی آیت اور حدیث اور صحابی رسول ﷺ کی تشریح کو مدِنظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ موجودہ حالات میں ہم مسلمان جو کچھ کر رہے ہیں وہ سراسر شریعت اسلامی کے خلاف ہیں عرصہ دراز سے مسلمان ردِعمل کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں حالانکہ صحیح یہ ہے کہ وہ صبر، درگزر اور اعراض کا طریقہ اختیار کرے مسلم امہ اپنے نیم خواندہ مذہبی راہنما اور نابالغ عقل سیاسی قیادت کے بتائے ہوئے نسخہ مسلح جدوجہد اور مذہبی جنونیت پر پچھلے پچاس برس تک کم از کم پچاس ہزار بار عمل کر چکے اور ہمیشہ ناکام ہوئے لہٰذا اب خدا اور رسول ﷺ کے بتائے طریقہ کا تجربہ کرنا چاہیے۔ وہ یہ کہ مسلمان برائی کے بدلہ میں بھلائی کی روش اختیار کریں۔ یعنی وہ شور اور ہنگاموں کا بدلہ خاموشی اور صبر و سکون سے دیں اور نفرت کے مقابلے میں محبت کا مظاہرہ کریں۔ اعتدال پسندی و روشن فکری کو شعار بنائیں۔ صبر و برداشت کی بھولی ہوئی سنت رسول ﷺ کو اپنائیں۔ اس لئے کہ رب جلیل نے اپنی دنیا کا جو نظام بنایا ہے اسمیں برائی کا خاتمہ جوابی برائی سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا خاتمہ اس طرح ہوتا ہے کہ برائی کے جواب میں بھلائی کی جائے خدا کی اس دنیا میں صبر کی طاقت غصہ سے زیادہ ہے یعنی ادھر جہالت کے مقابلے میں برداشت زیادہ وزن رکھتی ہے۔

نرمی اور تحمل کے طریقہ کی اہمیت حدیث میں مختلف طریقوں سے واضح کی گئی ہے مثلاً فرمایا۔ اَن رسول ﷺ قال اِنَّ اللّٰـہ تعالیٰ رفیق '' یحِبّ الِرّفق ویعطی علی الرفق مالا یعطی علی العنف وَمَالا یعطی علیٰ ماسواہُ . انّ الرّفق لَایکون فی شَیئیٍ اِلّا زانَہُ وَلا ینزعُ مِن شیئیٍ اِلّا شانَہُ . مَن یحرمُ الرفق بحرم الخیر. (۳)

رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرم و مہربان ہے اور نرمی و مہربانی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ نرمی پر وہ چیز دیتا ہے جو وہ سختی پر نہیں دیتا اور نہ کسی اور چیز پر دیتا ہے نرمی جس چیز میں بھی ہو وہ اس کو زینت دے گی اور وہ جس چیز سے بھی اٹھ جائے اس کو عیب دار بنا دے گی جو شخص نرمی سے خالی ہو وہ ہر بھلائی سے خالی ہو جائے گا۔'' صبر و اعراض کے ذریعہ ہم فساد کے ہر بم کو یقیناً ناکارہ (DEFUSE) کر سکتے ہیں اس لئے کہ یہ حل ''ہم جہاد ہم غازی'' کا مصداق ہے۔ اور یہ حل خود ربِ ذوالجلال اور سرور کائنات ﷺ کی طرف سے ہمیں بتایا گیا ہے۔

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ موجودہ زمانہ کے مسلم مہم جوؤں نے اپنے سیاسی خیالات اور انقلابی طریقہ کار کے ذریعہ جس اسلام کا نمائش کیا ہے وہ مبنی بر تشدد اور سخت گیر انداز تبلیغ ہے۔ بعض انتہا پسندوں کے عاقبت نا اندیشانہ افعال کے باعث دنیا کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کی جو منفی تصویر پیش کی گئی ہے اس کا صحیح اور حقیقی رخ (امن و سلامتی) پیش کیا جائے اور وقت آ گیا ہے کہ ہم دنیا کو بتا دیں کہ اسلام ہی مہذب، معتدل دین ہے اور امن و محبت اور انسان دوستی کا درس دیتا ہے۔

اسلام دین رحمت و عافیت ہے مگر انقلابی اسلام کے علمبرداروں نے اسے دین تخریب و دین دہشت بنا دیا ہے۔ کیسے عجیب ہیں وہ لوگ جو اسلام کی تخریب میں مصروف ہیں اور نادان یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ اسلام کی تعمیر کیلئے جہاد فی سبیل اللہ کا عظیم کارنامہ انجام دے رہے ہیں ان بے جا کوششوں کے باعث آج کی دنیا میں مسلمان سب سے زیادہ پست، حقیر اور مغلوب بلکہ مفتوح قوم بن گئی ہے۔

آج دنیا میں مسلمانوں کے ساٹھ کے لگ بھگ با اختیار اور آزاد ممالک ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد ساری دنیا میں سوا ارب سے زیادہ ہے یہ تعداد ماضی کے کسی بھی دور کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔ مسلمانوں کے درمیان آج ہمیشہ سے زیادہ مسجدیں، خانقاہیں اور مدارس ہیں۔ تاریخ اسلام میں کبھی بھی مسلم علماء اور اسکالرز اتنی کثیر تعداد میں نہیں پائے گئے جتنے کہ آج علماء اور سکالرز موجود ہیں۔ قرآن اور احادیث اور دوسری اسلامی کتابیں آج اتنی زیادہ مقدار میں ہیں کہ ماضی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خدا اور رسول ﷺ کے نام پر آج جتنے جلسے جلوس اور سیمینار اور کانفرنس ہو رہی ہیں ان کی تعداد ساری انسانی تاریخ میں ہونے والے تمام جلسوں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے۔ آج مسلمان ایسے عظیم الشان اجتماعات ہر سال منعقد کر رہے ہیں جن میں پچیس لاکھ تک افراد بیک وقت جمع ہوتے ہیں۔ جبکہ رسول اقدس ﷺ کے آخری اجتماع (حجۃ الوداع) میں جمع ہونے والے مسلمانوں کی کل تعداد بمشکل سوا لاکھ تھی۔

آج مسلمانوں کے پاس قحط الرجال بھی نہیں مسلم ہجوم نے آج بڑے بڑے مفکرین اسلام، حکیم الامت، رہبر شریعت داعی انقلاب، مجاہد ملت، بطل حریت اور اکابرین ملت پیدا کر لکھے ہیں جن میں سے ہر ایک عہد آفرین شخصیت صلاحیت کا مالک کہلاتا ہے۔اور ان میں ہر ایک کے متعلق ان کے معتقدین یہ اعلان کر رہے ہیں۔

ہمارے حضرت والا کے فیض سے یارو! تمام عالم اسلام جگمگایا ہے

یہ تمام چیزیں مسلم امہ کے پاس وافر مقدار میں موجود ہیں اس کے باوجود وہ ساری دنیا میں پست اور حقیر ہو رہے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ ان سب کے باوجود کوئی اور چیز ہے جو مسلمانوں کو عزت اور غلبہ کے مقام تک پہنچا سکتی ہے اور بدقسمتی یہ کہ وہی چیز آج ان کے پاس موجود نہیں۔

اگر آپ اسلام کی مطلوبہ چیزوں کی فہرست بنا کر اس معاملے پر غور کریں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ عصر حاضر میں یہاں اگرچہ تمام چیزیں موجود ہیں۔مگر ایک چیز ان کے درمیان سے مکمل طور پر غائب اور عنقا ہے، اور وہ دعوت الی اللہ ہے۔شومئی قسمت کہ جو چیز حذف ہوئی وہی اس حقارت و ذلت کے معاملے میں اصل اہمیت رکھتی تھی۔

''ہمیں رزق کہ سیاہ گشتہ مدعا اینجاست''

''معتدل اور مہذب اسلام میں یہ تبدیلی کیوں؟''

اٹھارویں صدی کے بعد سے مسلمانوں کو دوسری قوموں کی طرف سے برابر ذلت اور ہزیمت کا تجربہ ہو رہا ہے اس تلخ تجربہ نے مسلمانوں کے دلوں میں دوسری قوموں خصوصاً بالادست اور زبردست کیلئے نفرت پیدا کر دی۔لہٰذا وہ دوسری قوموں کو دشمن یا حریف کی نظر سے دیکھنے لگے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری قومیں مسلمانوں کیلئے محبت کا موضوع نہ رہیں، وہ صرف نفرت اور تعصب کا موضوع بن کر رہ گئیں۔یہی وہ اصل سبب ہے۔جس نے مسلمانوں سے داعیانہ جذبہ کو چھین لیا اور ان کے درمیان دعوتی یا اخلاقی جارحیت کے عمل کو زندہ نہ ہونے دیا۔دین رحمت کی پیغام رسانی کیلئے داعی کے اندر محبت و شفقت کا جذبہ ہونا ضروری اور لازمی ہے کوئی شخص ایسے لوگوں پر دعوت کے فرائض انجام نہیں دے سکتا جو اس کی نظریں قابل نفرت بنے ہوئے ہوں۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اَلخلق عیال اللّٰہ فاحبُّ الخلق الی اللّٰہ مَن اَحسَن الیٰ عیالہٖ ۔ (۴)

''یعنی مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، پس جو اس کے عیال (مخلوق) کیساتھ بھلائی کرتا ہے۔وہ اسے سب سے پیارا ہے۔'' اسی لیے مسلمانوں کو ان سے نہ لڑنے والے اور صلح جو کافروں کیساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے ارشاد باری ہے۔

لَاینھٰکم اللّٰہ عن الذین لَمْ یقاتلو کم فِي الدین وَلم یخرجو کم مِن دِیار کم ان تبرر ھم وَتقسِطوا الیھم اِنّ اللّٰہ یحبُ المقسطین ۔ (الممتحنہ آیہ ۸)

”اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کیساتھ احسان اور انصاف کا برتاو کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے“۔ اس امر سے یہ واضح ہوا کہ اعتدال پسندی اور انصاف کا عمل خود قادر مطلق کو بھی محبوب ہے۔

زمین پر تنوع اور رنگارنگی کا اصول۔

وَمِن الناس والدّواب والانعامِ مُختلفاً الوانۃ کَذالک ۔ (القرآن)

جس زمین پر ہم زندگی گزار رہے ہیں اس کا نظام تنوع اور رنگارنگی کے اصول پر قائم ہے۔ یہی تنوع انسانوں کے درمیان بھی مطلوب ہے۔ ہمیں انسانوں کے درمیان یہ مزاج بنانا چاہیے کہ وہ اختلاف کے باوجود متحد ہوں۔ وہ مختلف اور متنوع انسانوں کیساتھ ملکر زندگی گزارنا سیکھیں۔

انسانی یک رنگی قائم کرنے کیلئے فرق کو مٹانا قدرت کے نظام تخلیق کے خلاف ہے اس لئے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس دنیا میں بے حساب تنوع اور رنگارنگی ہے اس تنوع پر سارا نظام چل رہا ہے۔ اسی (pattern) پر انسانوں کے پیدا کرنے والے نے انسانوں کے اندر بھی فرق اور تنوع رکھا ہے۔ اس تنوع کو باقی رکھنے ہی میں انسانیت کی ترقی اور کامیابی ہے اس تنوع کو ختم کرنا ایسا ہی ہے جیسے انسانوں کو یکساں اور مساوی قد کا بنانے کیلئے لوگوں کو نیچے اوپر سے تراش خراش کر برابر کیا جانے لگے۔ اور یہ وہ چیز ہے جو خدا کی اس زمین پر قرآن حکیم کے الفاظ میں غیر مطلوب عمل قرار پاتی ہے۔ لَاتُفسِدُ رانی الا رضِ بَعدَ اِصلَا حِھاَ۔ ترجمہ: ”زمین میں فساد نہ کرو اس کی اصلاح کے بعد“ (البقرہ آیہ۔ ۲۲۹) اور آگے فرمایا:

وَمَن یتعدَّحدود اللّٰہ فاولٰک ھم الظلمون۔ (ایضاً البقرہ)

”کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدوں کی خلاف ورزی کریں وہ اللہ کی نظر میں ظالم ہیں“ جب کہ حدیث رسول ﷺ میں یہی بات اس طرح کہی گئی ہے ”وَحدَ حدودَ فَلاَ تحتد وھَا“ ”اور اللہ تعالیٰ نے ہر معاملے میں حدیں قائم کر دیں ہیں تو تم ان حددوں کی خلاف ورزی نہ کرو“

”الغرض کرہ ارض کے مشرق و مغرب میں بالخصوص ممالک اسلامیہ میں جاری مذہبی و ریاستی انتہا پسندی کا رجحان ایک غیر مہذب اور منفی ردعمل کا طریقہ ہے اور یہ طریقہ یقیناً قرآن و سنت کے خلاف ہے ایسے مواقع پر جبکہ مسلم اُمہ ناخواندہ اور پس ماندہ ہو تو

اس دور یا حالت کیلئے قرآن حکیم اور سنت نبویؐ نے اعراض کا حکم دیا ہے۔(۵) نہ کہ جوابی طور پر الجھنے اور فتنہ بڑھانے کا۔(۶)

اِنّ الفِتنة نَا ئِمة لعن اللّٰه من ایقاصنها۔ یقیناً فتنہ سوئی ہوئی ہے۔پس اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جس نے سوئی ہوئی فتنہ کو جگا دیا۔

تائید ایزدی اور خدا کی منشاء۔

مسلم اُمہ عرصہ نصف صدی سے اسی منفی اور جوابی روش پر قائم ہے اور وہ اس کو جہاد سمجھتے ہیں۔(۷) مگر اصل مسلہ کا حل نہ ہونا بلکہ اس کا مزید بڑھتے رہنا (فلسطین کشمیر، افغانستان اور عراق کی مثالیں ہمارے سامنے کی ہیں) ان کے بڑھنے اور دوسرے ممالک کا اس کی لپیٹ میں آنے کا واضح مطلب یہ ثابت کرتا ہے کہ ان تمام ممالک میں ہم نے دشمن کے خلاف جس طریقہ سے ردعمل کا اظہار کیا، بیشمار کوششیں کی، لیکن نتیجہ ہمیشہ کی طرح ہمارے حق میں نہیں تھا۔ یہ امر ثابت کرتا ہے کہ وہ ہمارا ردعمل کا طریقہ خدا کی منشا کے خلاف ہے۔(۸)

اگر ہمارا عمل خدا کی منشا و مرضی کے مطابق ہوتا تو خدا کی مدد آتی اور مسئلہ کو حل کر دیتی۔ مگر جان و مال کی بے پناہ ہلاکت کے باوجود اب تک اس معاملے میں خدا کی مدد نہیں آئی۔ یہ واقعات اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں کہ ہمارے ردعمل کا یہ انداز خدا تعالیٰ کے نقشہ کے مطابق نہیں۔

درحقیقت اب آخری وقت آ گیا ہے کہ مسلمان اور ان کے رہنما اپنی اس روش دیرینہ کو کاملاً تبدیل کر دیں۔(۹) ورنہ اندیشہ ہے کہ صورتحال مزید ابتر ہو جائے اور حالات کلی طور پر ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں۔

حاصل کلام:۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ جب اپنے اصحابؓ کو کسی قوم، گروہ یا برادری کی طرف روانہ کرتے تو ان سے ارشاد فرماتے "کہ تم لوگوں کو بشارت دینا، نفرت نہ دلانا، تم آسانی کی بات کہنا، سختی کی بات نہ کہنا۔ بَشّرِ و او لاتفروا وَاو لا تعسّرِ وا. (۱۰) اگر ہم بشارت اور یسر والے الفاظ بولیں تو سننے والے کے اندر امید اور حوصلہ والا ذہن بنے گا اور اس کے برعکس نفرت اور عسر کے الفاظ بولیں تو اس سے سننے والے کے اندر ناامیدی اور شکستگی کا مزاج پیدا ہو گا۔ اور یہ معلوم ہے کہ دعوت کا عمل انتہائی خیر خواہی کا عمل ہے۔ بدقسمتی سے اس وقت مسلم اُمہ اپنی مدعو قوموں (غیر مسلم دنیا) کی زیادتیوں اور بعض ممالک پر جارحیت اور قبضہ کی بناء پر ردعمل کا شکار ہو کر ان کے (غیر مسلم دنیا کے) خلاف نفرت اور تعصب و عداوت کی نفسیات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

مدعو سے نفرت اور تعصب کرنا ایسا ہی ہے جیسے ڈاکٹر اپنے مریض سے نفرت کرنے لگے۔ یا تاجر اپنے گاہکوں سے بیزار ہو جائے۔ ایسی صورت حال میں جو داعی اپنے مدعو کے بارے میں نفرت اور بیزاری میں مبتلا ہو جائے وہ کبھی مدعو کے اوپر اپنے داعیانہ ذمہ داری کو ادا نہیں کر سکتا، اسی لئے داعی کو اپنے مدعو کی زیادتیوں، ناانصافیوں اور برملا جارحیت کے باوجود صبر کا حکم دیا گیا ہے۔

وَجَعَلنَامِنهُم اَئِمَّة یَهدُونَ بِاَمرِ نَا لَمَّا صَبرُوا. (۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ امام (رہنمائے) ہدایت بننے کیلئے صبر کی شرط کو پورا کرنا پڑتا ہے۔ اور لوگ اس لازمی شرط کو پورا نہ کریں، وہ امام ہدایت بننے کی توفیق پانے سے بھی محروم رہیں گے۔

دورِ حاضر میں مہذب، اعتدال پسند یا ور روشن خیالی کا چرچا مگر کیسے؟

اسلام کے پاس نظریہ ہے مگر مسلم اُمہ کے پاس آج مردانِ کار (رجل رشید) نہیں۔ عہد حاضر میں یہی اُمت کا اصل مسئلہ ہے۔ آج سوا ارب مسلمانوں کی تعداد اس سرزمین پر زندگی گزار رہی ہیں۔ مگر افسوس کہ یہ باشعور اور حدیث کے الفاظ میں اَن یکونَ بصیراً بزمانِہ. (۱۲) (اپنے زمانے کی بھرپور جانکاری لئے) نہیں۔ یہ فقط تقلیدی انسانوں کی بھیڑ ہے آج کرنے کا اصل کام فقط یہ ہے کہ مسلمانوں کو شعوری معنوں میں مسلمان بنایا جائے۔ نفرت، انتہا پسندی، غیر مہذب، دہشت اور درندگی نہ ماضی میں مسلم تاریخ میں جگہ پائی اور نہ آئندہ دین رحمت میں ان مذموم و مکروہ اعمال کا کوئی مقام ہوگا۔ جس دن مسلم اُمہ اپنی حیثیت، مرتبہ اور "کُنتُم خیر اُمَّتِاخرِجتُ لنَّاسُ" کا مطلب اور مقصد سمجھ جائیں۔ اسی دن سے دین رحمت (اسلام) کی وہ نئی تاریخ بننا شروع ہو جائے گی جس کا آج زمین و آسمان کو سب سے زیادہ انتظار ہے۔

تہذیب ذات اور تہذیب غیر۔

علامہ شیخ احمد الصاوی تفسیر جلالین میں اس بابت یوں رقمطراز ہیں۔

هٰذهالامّة لَها شبهٌبالا نبیآءِ مِن حیث اجها متهدیة فی نفسها وَ هَا دیَةٌ لغیرهَا. ۱۳

"اس امت کو انبیاء سے یک گونہ مشابہت ہے۔ اس طرح کہ وہ خود بھی راہِ راست پر ہے اور دوسروں کو بھی راہ دکھاتی ہے"

امت مسلمہ کو جو امتیاز حاصل ہے وہ خیر اور مہذب پن کا یہی وصف ہے۔ امام رازی کے الفاظ میں پس واجب ہوا کہ یہ عبادات خیر کے اس وصف کی علت ہیں۔ (۱۴)

تہذیب ذات (تکمیل نفس) کا مرحلہ طے کر کے تہذیب گیر (تکمیل غیر) کے مرحلہ کیلئے سعی کرنا اس امت کی امتیازی وصف ہے تہذیب ذات کا یہ عمل ایسی بہترین حکمت عملی ہے جو غیر مسلموں میں مفقود ہے۔ اس خصوصی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے ابوحیان اندلسیؒ رقمطراز ہیں۔

لمَّا كَمِوا فِي انفُسهِم سعوا فِي تكميل غَيرهبهدين الرصفين . (۱۵)

جب وہ اپنی ذات میں مکمل (مہذب اور شائستہ) ہو چکے تو امر بالمعروف ونہی عَنِ المنکر کے اوصافِ حمیدہ کے ذریعہ انہوں نے دوسروں کی (CIVILIZATION) تکمیل وتہذیب کی کوشش شروع کی۔

اصلاح ذات کے بعد دوسروں کی اصلاح وفلاح کیلئے جدوجہد اسلامی معاشرہ میں احتساب عمل کا تقاضا ہے۔ یہ انبیاء کا طریقہ ہے جس پر گامزن ہو کر ہی مثبت، معتدل اور مہذب نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ بقول امام رازیؒ إذا كَملت نفسک بِعبادة الله فكَمِل غير کَ فإِ ن شغل الأ نبياء وورشتهم مِن العلماء هو ان يكمِلُو افِي انفسهم ويكمِلوا غيرهم.(۱۶)

اللہ کیعبادت کے ذریعہ جب تم اپنی ذات کی تکمیل (تہذیب) کر چکو تو دوسروں کی بھی تکمیل (تہذیب وروشن فکر) کراؤ۔ اس لئے کہ انبیاء اور ان کے وارث علماء کا یہ کام رہا ہے کہ وہ اپنی ذات کا تکمیل (تہذیب) کرتے ہیں اور دوسروں کی بھی۔

علامہ ابن کثیرؒ اس معاملہ پر یوں رائے دیتے نظر آ رہے ہیں۔

نقاموا بعبادة الحق وَنصح الخلق. (۱۷)

"اللہ کی عبادت کے ساتھ مخلوق کی خیر خواہی کا فرض بھی انجام دیتے ہیں"

تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے تکمیل وتہذیب کے نتیجے میں مہذب انسان تشکیل پاتا ہے وہ اپنی ذات کے دائرہ میں گھومتے رہنے کی بجائے دوسروں تک بھی اصلاح وتہذیب کا دائرہ وسیع کرتا ہے۔ یہی تہذیب وشائستگی کی عمل کا تکملہ ہے اور یہی منشاء ایزدی بھی ہے چنانچہ علامہ محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں۔

كانه' قِيل الكامِلونَ فِي أ نفسِهِم المكملونَ لغيرهِم . (۱۸)

"گویا یہ کہا گیا ہے کہ وہ اپنی ذات میں کامل ہوتے ہیں اور دوسروں کی تکمیل کرتے ہیں"

سیرتِ محمد عربی ﷺ کی روشنی میں دیکھا جائے تو مہذب، معتدل اور روشن خیالی کا یہ منظر نظر آتا ہے۔ خطبہ رسول اقدس ﷺ کے دوران ایک شخص نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ انسانوں میں سب سے بہتر انسان کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

خیر النّاسِ أقراهم وَأمَرهَم بالمعروفِ وَ أنهاهم عَنِ المنکر وَ أو صلهم الرحم۔ 19

''انسانوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو خدا کی کتاب پڑھے، جو ان میں سب سے متقی ہو، جو ان میں سب سے معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے اور جو سب سے زیادہ لوگوں میں صلہ رحمی کا مظاہرہ کرے۔

القصۃ دورِ حاضر میں مہذب، اعتدال پسند اور روشن خیال معاشرہ کا قیام صرف اسی طرز و فکر و عمل سے ممکن ہے کہ جس کا کھلم کھلا مظاہرہ سرور کائنات، فخر موجودات ﷺ اور خیار انسانیت صحابہ کرامؓ نے چودہ سو سال قبل کی تنگ نظر، بد باطن اور ظلم و تعدی سے بھر پور ماحول میں عملی نمونہ بن کر پیش کیا۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا وَ اجعَلنا مِنَ الّذِینَ یجاھِدُونَ فِي سبیلک حَقًّا یَأ مُرُوْنَ بَالمعروفِ وَ یَنْھَوْنَ ع.نِ المنکرِ وَ لَا یخافُونَ فِي اللّٰہِ لَومَۃَ لَاْ مرٍ.

وَمَا عَلینا الا البَلَاغ

''کتابیات''

القرآن الحکیم

۱۔ تفسیر ابنِ کثیر الجزء الرابع ص ۱۰۱
۲۔ مشکاۃ المصابیح الجزء الثانی ص ۸۴۵
۳۔ ایضاً الجزء الثالث ص ۱۴۰۷
۴۔ تفسیرِ عثمانی الاعراف ص ۲۰۶
۵۔ بیہقی شعب الایمان بحوالہ مشکاۃ کتاب الآداب
۶۔ قرآن الحکیم الفتح (۲۔۱)
۷۔ تجرید البخاری باب الفتن
۸۔ کاروانِ ملت (مولانا وحید الدین خان
۹۔ تفہیمات حصہ اوّل جہاد فی سبیل اللہ
۱۰۔ صدقِ جدید ۱۳، اکتوبر، ۱۹۶۷ء ایک مریضانہ ذہنیت
۱۱۔ مشکاۃ المصابیح جلدِ دوئم صفحہ ۱۰۹۹
۱۲۔ القرآن الکریم السجدہ ۲۴
۱۳۔ تجرید البخاری (فراستِ المومن)
۱۴۔ حاشیہ الصاوی علیٰ تفسیر جلالین (المطبعہ الازہریہ مصر ص ۱۵۳
۱۵۔ مفاتیح الغیب فخرالدین رازی ص ۲۷
۱۶۔ البحر المحیط علامہ اندلسی مطبع مصر ۱۳۲۰ء ص ۲۶
۱۷۔ مفاتیح الغیب محولہ بالا ص ۵۷۸
۱۸۔ تفسیر ابن کثیر مطبع مصطفےٰ محمد مصر ج ۴ ص ۵۲۳
۱۹۔ روح المعانی جز ۱۱ ص ۳۲

۲۰۔ مسند احمد جلد ۶ ص۱۰۹

۲۱۔ مقالاتِ سیرت طبع ۲۰۰۰ء زیرادارت وفاقی وزات مذہبی امور

ذاتی کوائفِ مقالہ نگار

نام: پروفیسر عبدالرزاق ابنِ حبیب ولد: مولانا نور حبیب

تعلیم: ایم اے اسلامیات۔ایم اے عربی۔فاضلِ شہادۃ العلمیہ (وفاق)

مشغلہ: تدریس گورنمنٹ کالج قلات۔سینیئر ٹیوٹر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، مذہبی وسیاسی تجزیہ نگار قومی جرائد

سکونت: مسلم محلّہ بازار قلات بلوچستان۔فون رابطہ: گھر084-210473 کالج084-210270

☆☆☆☆☆

مقالہ سیرت برائے مقابلہ 1426ھ 2005ء وزارتِ مذہبی امور اسلام آباد

عنوان مقالہ سیرت اسوہ حسنہ ﷺ کے تناظر میں عصرِ حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور ضرورت۔

پروفیسر خواجہ محمد اسحٰق (سرگودھا)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحطالب ۲۱)

بے شک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی ایک قابل تقلید نمونہ ہے چنانچہ اس نمونہ عمل ذات والا صفات کا اتباع ہر شعبہ زندگی میں لازمی قرار دیا بفرمان حق۔ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ . یعنی اگر رب تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو اس کے رسول کی پیروی اور اتباع کرو خدا تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔ یعنی محبوبیت خداوندی کا معیار اسوہ حسنہ کی پیروی بنیاد قرار پایا۔ آنحضور ﷺ کی ہستی جامع کمالات وصفات ہے جس ذات بابرکات پر تمام کمالات ختم کر دیئے گئے۔

بَلَغَ العُلیٰ بِكَمالِهِ كَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمالِهِ حَسُنَت جَمِيعُ خِصَالِهِ صلو عَلَيه و آلِه. کتنا بڑا کمال اور اعجاز ہے کہ آپ نے جو تعلیم فرمائی اس کا عملی نمونہ بھی پیش کر دیا انسان تعلیم سے زیادہ عملی نمونہ سے سیکھتا ہے آپ کی ذات گرامی نے زندگی کے ہر گوشہ کو منور کر دیا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے یہ منفرد اعزاز آپ کے حصہ میں آیا کسی نبی اور رسول کی زندگی ہر پہلو اور جہت میں آپ لوگوں کی رہنمائی نہیں کر سکے گی۔ ایک عیسائی یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ازدواجی زندگی کیسے گذارے نان ونفقہ کیا چیز ہے اور جہاں بانی اور کشور کشائی کیا اور کیسے کی جائے۔ تعدد ازدواج میں بیویوں کے ساتھ عدل وانصاف کیسے کیا جائے الغرض سیاست تجارت، معاملات، معاش اور معاشرت نزاعات کا فیصلہ الغرض ہر شعبہ میں اسوہ حسنہ سے کامل رہنمائی موجود ہے دوسرے انبیاء مشاہیر کے حالات وواقعات تسلسل کے ساتھ نہیں ملتے اس سے واضح ہوتا ہے کہ خود حق تعالیٰ

نے یہ منفرد اعزاز حضور ﷺ کی ذات گرامی کیلئے مقدر فرمادیا تھا۔ قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا اِنَّا نَحنُ نزلنَا الذِّکرَ وَاِنّا لَهُ لَحَافِظُون کے فرمان کے ساتھ ہی وَرَفَعنَا لَکَ ذِکرَکَ کا وعدہ بھی پورا فرمادیا اور آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ بھی مکمل جزئیات کے ساتھ محفوظ اور قیامت تک کیلئے جاری وساری فرمادیا آپ کا اتباع مقصود تھا اس لئے حق تعالیٰ آپ ﷺ کی تعلیمات وسیرۃ کے واقعات کا محافظ بن گیا اِنَّ اللّٰهَ وَملٰئکة یصلون علیٰ النبی یا ایھاالذین آمنو صلّو عَلَیهِ وَ سَلِمُو تَسلِیمًا کے فرمان کے مطابق آپ ﷺ کی ذات بابرکات پر صلوٰۃ وسلام فرض قرار دیا آپ ﷺ کی حیات وسیرۃ کو زندہ رکھا اور آپ ﷺ کے ذکر جلیل کو بھی دوام اور تابندگی بخش دی۔

﴿آپؐ کے حسن تبسم کی زکاۃ — اور کیا شئے ہے بھلا یہ کائنات﴾
﴿ایک ھستی اور اتنی باکمال — ایک انسان اور اتنا ذی صفات﴾
﴿حسن ہے پھر علم ہے پھر حسن ہے — مل نہیں سکتی تحیرّ سے نجات﴾
﴿وہ تو آقاؐ نے سویرا کر دیا — ورنہ دنیا کے مقدر میں تھی کالی رات﴾
﴿حُسن یوسف، دم عیسیٰ ، ید بیضاداری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہاداری﴾

﴿نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر﴾
﴿وہ قرآن و ہی فرقان وہی یٰسینؔ وہ طٰہٰ﴾

قرآن حکیم آپ کے حسن اخلاق اور سیرت پاک پر گواہ ہے انک لعلی خلق عظیم کے فرمان کے مطابق آپ کی حیات طیبہ حَسُنَت جَمِیعُ خِصَالِهِ کا مرقع ہے حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کے اخلاق حسنہ سے متعلق بتایئے تو فرمایا کَانَ خَلقُهُ القرآن سارا قرآن ہی آپؐ کا اخلاق ہے اور گویا آپ چلتا پھرتا قرآن ہیں تاریخ عالم میں بڑے بڑے مشاہیر کی شخصیات وکردار کا ذکر ہے جن کو تاریخ Heroes ہیروز اکابر میں شمار کرتی ہے جب یہ ھیروز آپؐ کی شخصیت کے مقابل لائے جاتے ہیں تو قدوقامت میں چھوٹے اور بونے نظر آتے ہیں ان مشاہیر عالم میں کوئی بھی کمالات کے اعتبار سے کامل و اکمل نہیں ان کے کمالات کی چمک ودمک صرف چند گوشوں تک محدود ہے کوئی نظریات کا بادشاہ ہے مگر عمل میں کمزور کسی کے کمالات سیاسی تدبیر تک محدود ہیں کوئی محض فوجی ذہانت رکھتا ہے کسی نے اخلاقی وروحانی پہلو کو لیا گیا مگر معیشت وسیاست کو بھلا دیا الغرض تاریخ عالم یک رخے ہیروز پیش کرتی ہے دینا کی بڑی شخصیات میں ایک بھی ایسی نہیں جو ماحول کی پیدا کردہ نہ ہو مگر آپؐ جیسا شخص پیدا نہ ہوا جو بہترین اخلاق سکھانے والا تزکیہ نفس کرنے والا ہو جس نے تربیت وتہذیب سے بانجھ خطہ کو

مردم خیز بناڈالا یہی نہیں کہ وہ شخص وہ شخص ماحول کی پیداوار نہیں بلکہ جب اس کے کمالات کا تجزیہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمان ومکان کی قید سے آزاد ہے وہ انسان کو ہر زمانے اور ہر ماحول میں دیکھتا ہے وہ ان لوگوں میں سے نہیں جن کو تاریخ نے پرانا کردیا جن کو صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ زمانے اور اپنے وقت کے رہنما تھے بلکہ یہ اعزاز صرف اور صرف آپ کے حصہ میں آتا ہے کہ سب سے منفرد اور ممتاز انسانیت کا ایسا رہنما ہے جو زمان ومکان کے ساتھ چلتا ہے مارچ کرتا ہے اور ہر دور میں ویسا ہی جدید نظر آتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے دور کیلئے تھا۔

﴿ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تم ہی تو ہو﴾
﴿دل جس سے زندہ ہیں وہ تمنا تم ہی تو ہو﴾

انقلابات عالم میں جتنے لیڈروں نے انقلاب برپا کئے وہاں پہلے سے انقلاب کے اسباب وحالات پیدا ہو چکے تھے انقلابی لیڈروں نے صرف اتنا کیا حالات واسباب سے فائدہ اٹھا کر تبدیلی کا کریڈٹ لے لیا مگر تاریخ میں یہ واحد شخصیت آپ کی ہے کہ جہاں انقلاب کے اسباب کا شائبہ تک نہ تھا مواد تک نہ تھا وہاں انقلاب کے حالات پیدا کئے جب کہ ماحول میں اور لوگوں میں اسکی استعداد تک نہ تھی وہاں یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ کے فیضان سے ایسے لوگ تیار کئے جن کو اپنی زبردست شخصیت کے قالب میں ڈھال کر رکھ دیا۔

﴿اک عربؐ نے آدمی کا بول بالا کر دیا﴾
﴿خاک کے ذروں کو ہمدوش ثریا کر دیا﴾

اس کے جمال وکمال سے تیئس سالوں میں عرب کی کایا پلٹ گئی۔

﴿عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا﴾
﴿پلٹ دی بس ایک آن میں اس کی کا یا﴾

عرب جاہلیت میں سے زیادہ مظلوم طبقہ عورتوں کا تھا قرآن حکیم شاہد ہے کہ جب ایک عورت کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی تو اس کی حالت قابل رحم ہوتی وَاِذَبُشّر احد ھم بالا نثیٰ ظل وجھہ مسود افھو کظیم اور جب کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملتی تو اس کا چہرہ غصہ اور غم سے کالا سیاہ ہو جاتا اس لئے دختر کشی کی رسم عام تھی تمدن عالم میں بھی عورت کا اس وقت کوئی مقام نہ تھا مگر عربوں کی تمدنی اور معاشرتی حالت تو حد درجہ خراب تھی موسیو لیبان ہندو قانون کا مطالعہ کر کے لکھتا ہے کہ ہندومت میں تقدیر دوزخ طوفان اور زہریلے سانپوں میں سے کوئی چیز عورت جتنی خراب اور خطرناک نہیں کتاب مقدس میں بھی عورت کو موت سے زیادہ تلخ قرار دیا گیا ہے تمدن عرب میں عورت مال مویشیوں کی طرح گھروں میں بھر لیتے تھے کوئی قانون وآئین

تک نہ تھا اس سرزمین بے آئین میں شوہر کے مرنے کے بعد عورتیں اس کے بیٹوں میں مال منقولہ کی طرح تقسیم کر لی جاتی تھیں الغرض دنیائے انسانیت پر ایک عذاب مسلط تھا۔ تہذیب جدید اور عصر حاضر نے اپنے موجودہ دور میں اس کو سب کچھ دیا تاہم دراصل حقیقی وآزادی سے کوسوں دور ہیں حقوق تو کچھ بھی نہ ملے البتہ حقوق کے نام پر مادر پدر آزادی جو بمنزلہ بربادی کے ہے اس نے گھروں کا سکون اور مستقبل کا سکھ چین بھی چھین لیا۔ مغرب نے عورتوں کو اتنی آزادی اور تہذیب کی درخشانیوں کے باوجود بھی مرد سے علیحدگی اور خلع کا حق نہیں دیا ثبوت زنا کے بغیر علیحدگی ناممکن ہے نہ اس کے لئے مہر اور نہ شوہر کے مال میں حق وراثت ہے ستم کی انتہا ہے کہ عورت کی کوئی جداگانہ حیثیت اور نام تک نہیں کنواری ہے تو مس فلاں شادی شدہ ہے تو مسز فلاں دنیا میں سب سے پہلے آپؐ نے جو قدیم و جدید دنیا کے انقلاب کے بانی ہیں عورت کو قرآن کے الفاظ میں مژدہء جانفزا سنایا۔

ھُنَّ لباس لَّکُمْ وانتُمْ لباس لَّھُنَّ حقوق نسواں کی کس درجہ خوبصورت تفسیر وتشریح کی کہ تم عورتوں کا لباس ہو اور عورتیں تمہارا لباس ہیں تمہاری سیرت وکردار اور زینت عورتوں سے وابستہ ہے تم ایک دوسرے کے بغیر ننگے اور برہنہ ہو اسی طرح فرمایا لاتفسقو وعاشروھن بالمعروف انہیں تنگ مت کرو بلکہ عمدہ طریقہ سے حسن سلوک کے ستھ رکھو سورہ نسا میں حقوق نسواں تفصیل وار بیان کئے گئے ہیں ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف یعنی حیثیت اھمیت حقوق وسلوک میں مساوات قائم کر دی آپ نے دیگر مذاہب اور تہذیبوں کے برعکس فرمایا ایک صالح عورت سے بڑھ کر دنیا میں مرد کیلئے کوئی نعمت نہیں فرانسیسی مورخ موسیو لیبان حقوق نسواں اور قرآن میں تعلیمات اسلامی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے عورت کو حقوق دیئے اس کی حالت درست کر کے اس کو ترقی کی راہ پر ڈالا یا عورت کو تمدن میں ساری حقوق دیئے یہی وجہ ہے کہ مشرقی عورت تربیت وتعلیم کے اعتبار سے مغربی عورت کے مقابلہ میں ہمیشہ فائق رہی ہے۔ آپؐ کی ازدواجی زندگی حقوق ومساوات کا زندہ نمونہ ہے عورت، بیٹی، بیوی، بہن اور ماں ہر حیثیت میں آپ کا اسوہ حسنہ بطور رہنمائی کے موجود ہے۔ عصر حاضر میں اکیسویں صدی میں مختلف حیثیات میں عورت اپنے حقوق سے محروم ہے یہ بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ آج گھر گھر میں قرآن اور احادیث کے مجموعے موجود ہیں سیرت کی کتابوں سے لائبریریاں بھری پڑی ہیں مختلف مذہبی تقاریب میں سیرت کے جلسوں میں تقاریر ہوتی ہیں لیکن ہمارے قول وفعل کا تضاد ہماری عملی زندگی سے نمایاں ہے یہی وجہ ہے کہ عدالتیں، نکاح، طلاق، خلع نان ونفقہ اور حقوق شکنی کی شکایتوں کے مقدمات سن سن کر عاجز آ گئی ہیں عہد حاضر کی ان مشکلات کا حل صرف اور صرف سیرۃ سے رہنمائی حاصل کرنے میں ہے۔ فرمان رسول اللہ ﷺ خیر کم خیر کم لا ھلہ تم میں سب سے بھلا وہ شخص ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ بھلا ہو اسی طرح فرمایا خیار کم خیار کم لنساھم تم میں سے

بھلے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے اچھے ہیں۔ آپ اپنی اولاد کیلئے حد درجہ رحیم و کریم تھے بحیثیت باپ آپ اس درجہ مہربان اور شفیق تھے کہ جب سفر کو جاتے تو سب سے آخر اور واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ کو ملنے آتے جب آپ حضرت فاطمہ حاضر ہوتیں تو رسالت مآب کھڑے ہو جاتے پیشانی چومتے اور بہتر نشست پر بٹھاتے آج کل مسلمانوں میں غرور و نخوت و تکاثر مال و دولت سے رشتوں کا احترام ختم ہو کر رہ گیا رشوت بد دیانتی کے عیب نے غریب اور امیر کا فرق اور درجہ بندی کر دی نمود و نمائش کی زندگی نے معیار بندی کی بجائے معیار زندگی کو رواج دیا محبت کا معیار بھی روپیہ پیسہ بن گیا عزت کا معیار بھی روپیہ پیسہ ہے بیوی بچے عزیز رشتہ دار محبت و احترام تب کرتے ہیں جب پیسہ ہو ورنہ نفرت سے بیزاری سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنے پاک اسوہ میں روپیہ پیسہ کو معیار محبت نہیں بنایا ازواج و اولاد سب کو فقر و فاقہ اور سادگی کی زندگی کا معیار تقویٰ مرحمت فرمایا چنانچہ فرمایا الفقر فخری اگر مسلمان اسوہ رسول ﷺ پر چلیں اپنی حق و حلال کی کمائی پر قانع رہیں اور سادگی اختیار کریں تو انہیں رشوت، اقربا پروری بدعنوانی اور ناجائز کمائی کی ضرورت نہ رہے روپیہ پیسہ کی محبت نے گھروں میں سو طرح کے فتنوں کو رواج دیا ہے محبت کا معیار پیسہ ہے چنانچہ روپیہ پیسہ نہ ہو تو بیوی نالاں ہو کر گھر چھوڑ دیتی ہے اولاد و عزیز دوست تک سب چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ حسن اخلاق اور صلہ رحمی جیسے اخلاق ہمارے معاشرہ میں ختم ہو کر رہ گئے ہیں قریبی عزیز ہوں یا دور کے احباب ہر جگہ ہمیں صرف اپنی ذات اور ذاتی اغراض سے سروکار رہنا ہے صلہ رحمی تو دور کی بات ہے ہم دوسروں کے جائز حقوق بھی ادا نہیں کرتے حالانکہ فرمان نبوی ہے وَ اَحْسِن کَمَاَ احسن اللہ الیک اور احسان کیا کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے۔ آج ہم اکیسویں صدی میں اس فرمان نبوی پر کس درجہ عمل پیرا ہیں تو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم اس معیار محبت سے یکسر محروم ہو چکے ہیں جس کا اسلام تقاضا کرتا ہے آپ کی سیرت طیبہ صلہ رحمی اور حسن اخلاق کے واقعات سے بھری پڑی ہے ابن سعد نے محمد بن منکدر کی روایت نقل کی ہے کہ ایک عورت نے حضورؐ کے پاس حاضری دی جس نے بچپن میں آپ کو دودھ پلایا تھا آپؐ نے اس کو دیکھتے ہی میری ماں کہتے ہوئے استقبال کیا اور تواضع و محبت و شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے چادر مبارک بچھا دی فتح مکہ کے موقع پر حلیمہ سعدیہ کی بہن حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ کو حلیمہ سعدیہ کی وفات کی خبر سنائی آپ آبدیدہ ہو گئے اور پھر آپؐ نے اس کو دوسو درہم کپڑے اور کجاوے سمیت اونٹ عطا فرمایا غزوہ ہوازن کے موقع پر قیدی مرد اور عورتوں میں حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیما بھی شامل تھیں آپؐ نے انہیں پہچان لیا مہربانی و شفقت سے پیش آئے اور عزت سے خاندان والوں کے پاس بھیج دیا ہوازن کے وفد نے جب آپؐ سے رحم کی درخواست کی اور کہا قیدیوں میں آپ کی خالائیں بھی ہیں اور امائیں بھی ہیں جنہوں نے آپ کو گود میں کھلایا ہے تو آپؐ نے فرمایا جو میرا اور بنی عبد المطلب کا حصہ ہے وہ میں نے چھوڑا انصار نے کہا جو ہمارا حصہ ہے وہ ہم نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے چھوڑ دیا

اس طرح آپؐ نے چھ ہزار قیدی چھوڑ دیئے اور زر کثیر بھی لوٹایا آپؐ کی صلہ رحمی اور حسن اخلاق کی عظمت اور ہمہ گیری پر بے شمار واقعات موجود ہیں قرآنی تعلیمات میں صلہ رحمی کے لیے متعدد آیات ہیں۔

واتیالمال علی حبہٖ ذوی القربیٰ والیتٰمیٰ والمساکین وابن السبیل و السائیلین و فی الرقاب (سورۃ بقرہ آیت 177) اور نیک لوگ خدا کی محبت میں قریبی رشتہ داروں یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرنے میں مال خرچ کرتے ہیں واتی ذالقربیٰ حقہ (سورہ بنی اسرائیل آیت 26) اور قریبی رشتہ دار کو اس کا حق دو قُل ما انفقتم من خیرٍ فللو الدین والقربین والیتٰمیٰ والمساکین وابن السبیل (سورہ بقرہ آیت 215) اے نبی فرما دیجئے کہ تم جو مال بھی خرچ کرو تو والدین رشتے داروں یتیموں مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ (سورۃ شوریٰ آیت 23) اے نبی فرما دیجئے کہ میں تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا مگر یہ کہ تم رشتہ داری کی محبت قائم رکھو رشتہ داریوں کے قیام اور صلہ رحمی سے ملک وقوم اور خاندان مستحکم ہوتے ہیں اور اتحاد و اتفاق کی برکات حاصل ہوتی ہیں جس سے اتحاد ملی کا خواب پورا ہو سکتا ہے آپؐ کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے کہ آنحضورؐ نے خود قبائلی سرداروں سے رشتہ داریاں قائم کیں جن کے ذریعے تبلیغی مشن کو کامیاب بنایا ساتھ ہی صدیوں پرانی عداوتوں کو ختم کر کے رشتہ داری کے ذریعے محبت و اخوت کو پروان چڑھایا اس طرح دین اور دنیا میں ہم کامیاب و کامران ہو سکتے ہیں کہ اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر اتحاد امت جو آج کی بہت بڑی ضرورت ہے پورا کر سکتے ہیں اخوت و مساوات تعلیمات قرآنی اور سیرۃ نبوی کا نمایاں عنوان اور پروگرام ہے فرمان خداوندی ہے۔ وَاذْ کُرُو نِعْمَةَ اللہ علیکم از کنتم اعداء خائف بین قلوبکم فاصبحتم سبغتہٖ اخواناً (سورۃ آل عمران آیت 103) اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کے انعامات کو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر اس نے تمہارے دل محبت اور الفت سے جوڑ دیئے اور تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

کو الفقت مافی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم انه عزیز حکیم (سورۃ انفال آیت 63) اور اگر زمین میں جو کچھ ہے وہ سب بھی خرچ کر ڈالتے تب بھی دلوں کو جوڑ نہیں سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے دلوں کو باہم جوڑ دیا اللہ غالب حکمت والا ہے آپؐ نے فرمایا تری المومنین فی تراحمھم و توادھم و تعاطفھم کمثل الحبه ذااشتکی حضور تر احیٰ له سائبر الجبهه بالسھم والخمی یعنی باہمی شفقت اور مہربانی میں تم اہلِ ایمان کو ایک جسد واحد کی طرح دیکھو گے کہ ان کے جسم کا ایک حصہ دکھنے لگے تو سارا جسم خواب اور بیداری میں ساتھ دیتا ہے تعلیمات نبوی کی رو سے رشتہ اخوت ومودت ایک مقدس رشتہ ہے ہجرت مدینہ کے بعد آپؐ نے انصار و مہاجرین کا رشتہ

اخوت قائم کیا اس مواخات کے ذریعے وہ محبت ومودت قائم ہوئی اور ایثار وقربانی کے وہ مظاہر دیکھنے میں آئے کہ تاریخ عالم مثال پیش نہیں کر سکتی۔

مسلمان ان ملکوں میں تجارت کیلئے جاتے تھے مگر صرف اموال تجارت کا تبادلہ کر کے واپس آجاتے تھے علم وتہذیب کی روشنی ان کے ساتھ نہ آتی تھی علمی اور تہذیبی اعتبار سے اُمی تھے نہ کوئی مکتب ومدرسہ تھا اور نہ با قاعدہ تعلیم کا کوئی تصور موجود تھا پورے عرب میں گنتی کے چند لوگ نوشت وخواند جانتے تھے اہل عرب کے پاس ایک اعلیٰ درجے کی زندہ زبان لسان عربی مبین ضرور تھی جس میں خیالات کے ادا کرنے کی غیر معمولی صلاحیت تھی بہترین ادبی مذاق بھی موجود تھا مگر کس درجہ محدود تھیں اور تہذیب وتمدن میں کس درجہ پست تھے سیاسی وملکی اعتبار سے وہاں کوئی با قاعدہ حکومت نہ تھی کوئی ضابطہ وقانون نہ تھا ہر قبیلہ خود مختار تھا یہاں پر صرف جنگل کا قانون چلتا تھا پاک پلید، جائز ناجائز شائستہ وناشائستہ کی تمیز سے بالکل بے بہرہ تھے وہ ایک دوسرے کے سامنے بے تکلف برہنہ ہو جاتے عورتیں برہنہ ہو کر طواف کرتی تھیں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے باپ کے مرنے پر اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کر لیتے الغرض طہارت، نفاست وپاکیزگی کے معمولی آداب تک کو نہ جانتے تھے۔ ایسے ماحول میں ایک شخص پیدا ہوتا ہے جس کو ماں باپ کی سرپرستی حاصل نہیں اس قدر ناگفتہ بہ ماحول اور حالات وواقعات میں یہ شخص بچپن، لڑکپن، جوانی کے مراحل طے کرتا ہے۔ بچپن اور لڑکپن میں بد لڑکوں کے ساتھ بکریاں چرانے کے بعد جوانی میں شغل تجارت میں لگ جاتا ہے اسفار تجارت میں شام کے سفر آتے ہیں مگر اس زمانے کے تجارتی قافلوں سے کتنا کچھ علم آثار تہذیب وتمدن مشاہدہ میں آسکتے ہیں اور ان کا اثر ایک شخص کی سیرت وکردار پر اتنا زبردست اور ہمہ گیر نہیں ہو سکتا جس سے ایک شخص منفرد کردار اور زبردست شخصیت کا حامل بن جائے جو اپنے ماحول سے بالکل آزاد سراسر مختلف اور اتنا اعلیٰ وارفع بن جائے کہ اس ماحول سے کوئی نسبت اور موازنہ نہ رہے ناممکن ہے وہ صرف ملک عرب کا ہی نہیں ایک زمانے کا ہی نہیں بلکہ تمام زمانوں کا لیڈر بن جائے۔ اس تاریک ماحول میں یہ شخص ایسے نظر آتا ہے جیسا گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ایک شمع روشن ہو یا پتھروں کے ڈھیر میں ایک ہیرا چمک رہا ہو۔ یہ بشریت نبوی کا کمال ہے کہ انہیں لوگوں میں پیدا ہو کر ان میں ہی رہ کر ایک منفرد کردار کا حامل انسان وجود میں آئے۔

دعائے خلیل واسماعیل کے مطابق ربنا وابعث فهم رسولا منهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمته صفاتِ خداوندی کے مظہرِ اتم حضور پرنور جامہء بشریت میں نجات دھندہ انسانیت اور رحمتہ اللعالمین بن کر تشریف لائے۔

محمد مصطفٰے آئے بہاراں مسکراپیاں۔

بعثت نبوی کے وقت انسانیت اتھاہ تاریکی کے قعرمذلت میں ڈوبی ہوئی تھی سب سے زیادہ قابل رحم خطہ صحرائے عرب کا تھا جہاں صدیوں سے کوئی تہذیبی وعلمی روشنی کی کرن تک نہیں پڑی تھی حق تعالیٰ کو اس خطہ کی حالت زار پر رحم آیا اور دعائے خلیل اور نوید مسیحا پوری ہوئی رَبَّنَاوَ ابعَث فِیهِمْ رَسُولًا مِنهُم کی اجابت کا وقت آیا اور مبشر اَمبشرًا اور من بعدی اسمه احمد کی نوید جانفزا بن کر آقائے دوجہاں رحمتہ اللعامین بن کر تشریف لائے ایک اسوہ حسنہ اور نمونہ کامل جس کیلئے دنیائے عالم صدیوں سے بے تاب اور منتظر تھی پوری ہوئی بعثت سے پہلے مخلوق خدا غلاموں کا ریوڑ تھی جس کو طاقت ور اپنی مرضی سے جدھر چاہتا ہانک کر لے جاتا تعلیم وتعلم کے کلید بردار اور ٹھیکیداروں کے مختلف فرقے بن گئے تھے ہندوؤں میں برھمن یہودیوں کے احیار عیسائیوں کے پادری ہدایت ونجات جنت ودوزخ کے مالک بن گئے تھے ان ناگفتہ بہ حالات میں آپ ﷺ کی بعثت عالمین کیلئے بفرمانِ حق ویضع عنهم اصرهم والاغلل التی کانت علیهم کے مطابق نجات دھندہ انسانیت کی صورت میں ہوئی آپ ﷺ کی شان رحمت نے غلاموں کو غلامی سے نجات دے کر آقا ومولا کر دیا صدیوں سے غلامی کی زنجیروں میں بندھی اور جکڑی انسانیت کو اپنی صلاحیتوں کا احساس ہوا شرافت کا معیار بدل گیا حسب ونسب اور زروجواھر کی برتری کا دور ختم ہوا یہ واضح کر دیا گیا کہ رسول اور نبی نہ کوئی دیوتا اور اوتار ہے اور نہ ہی مافوق الفطرت قوت و عادات کا مالک ہے بالکل نہیں وہ تمہارے جیسا ایک انسان ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ربُ العالمین کا فرستادہ ہے ساری دنیا ماحول کی پیداوار ہے جب کہ نبی اور رسول ماحول ساز ہے ماحول کو سازگار اور زندہ رہنے کے قابل بنانے کے لئے آیا ہے اس لئے اس کی اتباع وپیروی کر و دنیا وآخرت کے دکھوں سے نجات پا جاؤ گے فلاح دارین کا نسخہ شافی وکافی نبی رحمت کے پاس ہے۔

كَشَفَ الدُّجىٰ بِجَمَالِهٖ

نبوت سے پہلے کی پاکباز زندگی

پہلا جمال دور جاہلیت کا عرب کفروشرک رزائل اور طغیان کا گڑھ تھا یہاں پر کوئی نظام سیاست، معاش اور معاشرت نہ تھا تہذیب وتمدن کا یہاں نام ونشان تک نہ تھا قبائل باہم برسرپیکار رہتے تھے صدیوں تک جنگ وجدال کا سلسلہ جاری رہتا ایسے ماحول میں ہر شخص شُتر بے مُہار تھا کمزور اور زیردست کا کوئی معاون ومددگار نہ تھا مرد رندمست اور عورتیں بے پردہ تہذیب حاضر کی طرح حسن وجمال کی نمائش کر کے صنف مخالف کو دعوت گناہ دیتی تھیں اس پر مستزاد یہ کہ کثرت

شراب نوشی نے غیرت کا جنازہ نکال دیا تھا جوانی ہر ملک میں اور ہر زمانہ میں دیوانی مشہور رہی ہے یہ مستی اور مدہوشی کا دور ہوتا ہے جوانی اور پھر عرب کی اور پھر مکہ وطائف کی جوانی جہاں اموال تجارت کی فراوانی نے عیاشی کے دروازے کھلے چھوڑ دیئے تھے ایسے ماحول میں موسم شباب و جوانی کے دور میں کوئی شخص دامن چاک اور گریبان تار تار کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا قصائد کی تشبیب میں کھلے بندوں شریف زادیوں سے حسن وعشق کے چرچے عام تھے شرفا کی بہو بیٹیوں کو مخاطب کر کے برسرِ عام مجلسوں میں ان کے جسم کے ایک ایک اعضا کا نقشہ کھینچ کر عریاں کرنا فخر و ہنر اور شعر گوئی کا کمال سمجھا جاتا تھا مقامات مقدسہ پر ان کی برہنگی اور عریانی کا یہی عالم تھا مرد وزن مخلوط برہنگی کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے ایسے تو بہ شکن اور اخلاق باختہ ماحول میں شانِ رحمت لڑکپن اور جوانی کے ادوار سے گزرتے ہیں شان رحمت پر شباب آیا آپ محسن وشباب کی عالم فریب دل پسند اور سدا بہار تصویر تھے پیدا آپ بھی اسی مرز بوم میں ہوئے تھے اسی آسمان کے نیچے پرورش پائی اسی ماحول اور فضا میں پل کر جوان ہوئے کوئی روک ٹوک نہ تھی کوئی اخلاقی و مذہبی قیود نہ تھی کسی کا خوف نہ تھا الغرض کوئی امر مانع نہ تھا آپ نے اس پر آشوب دور میں شباب و جوانی کا بہار آفریں زمانہ عصمت وعفت پاکبازی وشرافت کے ساتھ گزار دیا اور اپنے دامن پر رزائل کی ایک چھینٹ تک نہ پڑنے دی شراب وخم کو منہ تک نہ لگایا اور نہ کسی صحبت اور فواحش کے طرف قدم اٹھایا لغویات سے لاتعلق ہو کر رشد وہدایت کے مراحل کامیابی سے طے کئے نوجوانان عرب جہاں بداخلاقیوں خرمستیوں اور بدکاریوں میں آگے بڑھتے گئے وہاں آپ صدق وامانت، عصمت وعفت، پاکیزگی وطہارت تواضع وفروتنی غربا پروری شفقت ومحبت اور رحمت و دریا دلی اور سخاوت میں ترقی کرتے چلے گئے حتیٰ کہ مکارم اخلاق میں اس درجہ کمال پر پہنچنے کی وجہ سے آپ کی ہر دل عزیزی کا عالم یہ تھا کہ آپ عرب کے چاند اور صدق وامانت کے پیکر تصور کئے جاتے تھے عمائدین عرب مختلف تحریکوں میں آپ کے فیصلوں اور اقدامات کو شرف پذیرائی دیتے تھے ثالثی میں آپ کا فیصلہ حرف آخر قرار پاتا تھا عرب کا ہی نہیں تمام دنیا کا ماحول پیش نظر رکھیں اور دیکھئے کہ یہ کیسا شخص ہے جو جیسے ماحول اور جن لوگوں میں پیدا ہوا بچپن، لڑکپن گذارا اور جوانی کی حدود تک پہنچا وہ بالکل منفرد اور عادات واخلاق میں یگانہ روزگار شخصیت ہے پچیس سال تک تجرد کا زمانہ مکمل پاکبازی عصمت وعفت کے ساتھ گذارا اور کمال درجہ کے حسن و جمال کے باوجود کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا اور پھر کاروباری معاملات کے بعد جب عقد کیا تو چالیس سالہ خاتون سے جس کا شباب ڈھل چکا تھا پندرہ سالہ ازدواجی زندگی کے بعد چالیس سال کی عمر میں شادی کرتے ہیں تو پھر بھی بوڑھی عورت سے جس کی عمر پچاس سے زیادہ ہے عرب میں یہ بات یگانہ اور منفرد حیثیت سمجھی جاتی تھی جب کہ اعلان نبوت پر مخالفتوں کے طوفان اٹھ کھڑے ہوئے تو آپ کو ترغیب وترہیب کے ذریعے روکا گیا مگر ہر حربہ ناکام رہا آپ اپنے مشن پر قائم رہے حسینانان عرب کے ساتھ نکاح کی پیش کش کی گئی زروجواھر کے آورسیادت وقیادت کے مناصب پیش کئے

گئے مگر آپؐ نے ان پیشکشوں کو یکسر ٹھکرا دیا۔

چالیس سال تک پاک صاف اور شفاف زندگی گزارنے کے بعد اس خاموش طبع اور غور وفکر کرنے والے انسان کی زندگی میں ایک انقلاب شروع ہوتا ہے یہ پر سکون شخصیت اس ماحول کی تاریکی گمراہی اور ضلالت سے گھبرا اٹھتی ہے یہ مفرد کردار جہالت بداخلاقی بدکرداری بدنظمی اور کفر وشرک کے اس ہولناک ومہیب بیابان سے نکل جانا چاہتا ہے چنانچہ یہ بے چینی اور اضطراب اس کو غار حرا کی خلوتوں میں لے جاتی ہے جہاں اس برگشتہ بخت قوم کے سوئے ہوئے نصیبوں کو جگا سکے اور انہیں خوبصورت زندگی گزارنے کا لائحہ عمل دے سکے چنانچہ اس آفتاب ہدایت کو خطاب ہوتا ہے وَ وَجَدَکَ ضَالًا فَھَدٰی اور آپ کو پریشان وحیران پایا یہ حیرانی و پریشانی دستور حیات کے لئے تھی چنانچہ ھدایت نامہ زندگی نسخہ کیمیا اس کیمیا گر کو دے دیا جس نے مس خام کو کندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا

﴿عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا﴾
﴿پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا﴾
﴿یہ کڑکا تھا بجلی کا یا صوتِ ھادی﴾
﴿عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی﴾

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ کے اعلان خواندگی سے اس معلم کائنات کو اس ناخواندہ جاہل اور غیر مہذب قوم کی خواندگی اور تہذیب وتربیت کا فریضہ تفویض ہوا چنانچہ یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ کے تحت بلغ ما انزل الیک کے فرمان کی بجا آوری کا مشکل منصب انا سنلقی الیک قولاً ثقیلاً ھم آپ کی طرف ایک بوجھل فرمان اور مشکل مشن بھیج رہے ہیں اس کی کما حقہ بجا آوری آپ کا کام ہے

چنانچہ اہل عرب نے دیکھا کہ یہ اُمی لقب جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا مکہ کے اس تاجر کو شغل تجارت کے علاوہ کوئی کام کرتے نہ پایا وہ غار حرا کی خلوتوں سے گوشہ نشینی کے بعد ایک دم بدلا ہوا انسان تھا اس سے پہلے کسی نے اس کو الٰہیات، فلسفہ اخلاق، قانون، سیاست، معاش ومعیشت معاشرت اور انبیاء سابق کے حالات وواقعات بیان کرتے نہ سنا تھا، چالیس سال کی عمر تک اہل عرب اس کو صادق وامین پاکباز وعفیف شخصیت خاموش طبیعت کے تاجر کے طور پر جانتے اور پہچانتے تھے اب وہ خاموش طبع شخص جو کئی کئی دن غار حرا کی خلوتوں میں گم سم غور وفکر کرنے والا ایک دم سحر انگیز اور حیرت انگیز کلام سنا رہا تھا اس کی خطابت سے اور معجز بیانی سے سارا عرب جس کو اپنی کلام وزبان پر ناز تھا گنگ ہو کر رہ گیا یہ شخص ایک دم بے مثال خطیب ایک لا جواب مصلح اخلاق تہذیب وتمدن ایک زبردست قانون دان ایک ماہر سپہ سالار جنگ ایک اعلیٰ درجے کا ریفارمر بن گیا اس ان

پڑھ اور امی صحرا نشین نے حکمت و دانائی کی وہ باتیں کہنا شروع کر دیں جو اس سے پہلے عربوں نے کسی سے نہ سنی تھیں وہ وہ امی الٰہیات کے عظیم الشان مسائل پر فیصلہ کن تقریریں کرنے لگ گیا معاشرت و بعثت، اجتماعی معاملات اور سیاسیات کے متعلق قوانین بنانے لگ گیا اس کی حکمت و دانش کے مقابل سب مہر بلب ہو کر رہ گئے وہ خاموش اور پر امن تاجر جس نے زندگی بھر اس سے پہلے کبھی تیر کمان نہیں پکڑا تلوار نہیں چلائی ان کے سامنے دیکھتے دیکھتے ایک زبردست ماہر جنگ بن گیا ایسا زبردست سپہ سالار جنگ جس نو سال کے عرصہ میں سارا عرب فتح کر لیا ایسا معرکۃ الآرا کمانڈر جس کی فوجی تنظیم اور جنگی سپرٹ سے بے سروسامان عربوں نے چند سالوں میں قیصر و کسریٰ جیسی سپر پاورز کے تاج و تخت اچھال دیئے وہ گوشہ نشین جو ماحول کی سنگینی سے گھبرا کر پہاڑوں میں مراقبہ اور چلہ کشی پر مجبور ہو گیا تھا وہ الگ تھلگ رہنے والا خاموش طبع سکون پسند انسان یکا یک اتنا زبردست ریفارمر اور مدبر و منتظم بن کر سامنے آیا کہ تیئس سال کے عرصہ میں بارہ لاکھ مربع میل میں پھیلے ہوئے منتشر عرب قبائل کی شیرازہ بندی کی اور اس جاہل غیر مہذب و ناشائستہ قوم کو ریل، تار، ریڈیو اور پریس کے بغیر ایک شائستہ، مہذب اور متمدن قوم بنا دیا ان کے خیالات بدل دیئے ان کے فضائل و اخلاق بدل دیئے ان کی وحشت و بربریت کو بہترین مدنیت اور ان کی بدکرداری و بداخلاقی کو اصلاح و تقویٰ اور عمدہ اخلاق میں بدل ڈالا اس واد غیر ذی زرع میں جو ہر لحاظ سے ویران اور بانجھ تھی مردم خیز بنا دیا کہ اس میں ایسے عظیم رجال اور شخصیات پیدا ہوئیں کہ دنیا میں اخلاق و تہذیب کا درس دینے والے اطراف و اکناف عالم میں چار سو پھیل گئے۔

﴿اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا﴾
﴿خاک کے ذروں کو ہمدوش ثریا کر دیا﴾
﴿وہ دانائے سبل ختم الرسل، مولائے کل جس نے﴾
﴿غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا﴾

آج انسانیت عالمی سطح پر کئی پیچیدہ مسائل میں الجھی ہوئی ہے۔ اور یہ مسائل بڑھتے چلے جا رہے ہیں جس سرچشمہ فیض سے مسائل حل اور موجودہ دور کے دکھوں کا مداوا ہو سکتا تھا۔ اس کو دنیا چھوڑ چکی ہے۔ عصر حاضر عالمگیریت کا دور ہے۔ دنیا سکڑ کر اور سمٹ کر ایک گلوبل ویلج بن چکی ہے۔ انفارمیشن اور میڈیا نے فاصلوں کو مٹا کر رکھ دیا ہے۔ اس وقت امت مسلمہ کو بے شمار چیلنج درپیش ہیں۔ مغربی میڈیا دانستہ طور پر انتہا پسندی اور دہشت گردی کا الزام دے رہا ہے۔ حالانکہ اسلام اعتدال کا مذہب ہے۔ برداشت اور جمہوری سوچ کا مذہب ہے۔ جس معاشرے کی بنیاد اسلام نے رکھی تھی۔ وہ سلامتی کا معاشرہ تھا۔ عدل و انصاف اور امن کا گہوارہ تھا۔ اور انسانی عظمت کا امین اور علمبردار تھا۔ آج ہمیں جہاں امت مسلمہ کے تشخص کو بحال کرنا ہے۔

وہاں ایک روشن خیال اور اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کو تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔

اسلامی معاشرہ سیرت پاک کی روشنی میں اعتدال پسندی اور روشن خیالی جیسی خصوصیات کا علمبردار ہو سکتا ہے۔ موجودہ دور میں ان اہداف کو حاصل کرنے کے لئے عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔ زبانی جمع خرچ، تقاریر، سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کرنے سے یہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے۔ ایک اعتدال پسند اور روشن خیال اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لئے درج ذیل خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔

مساوات

اخوت و مساوات بنیادی وصف ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے انسانی آزادی کا چارٹر دیا۔ اس میں اخوت و مساوات سرفہرست ہے۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو۔ اور آدمؑ مٹی سے بنے۔ کسی عجمی کو عربی پر اور کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں۔ غلامی کا مکمل خاتمہ کر دیا گیا۔ پہلی دفعہ انسانی تاریخ میں غلاموں کو آزاد کر کے اسلامی معاشرہ کا باعزت شہری قرار دیا۔ سورہ محمد ﷺ میں ارشاد خداوندی ہے۔ یا تو جنگی قیدی کو احسان کر کے چھوڑ دو۔ یا ان کی رہائی کے لئے فدیہ وصول کرو۔

یہ پہلا سبق تھا کتاب ھدیٰ کا۔ کہ مخلوق ہے ساری کنبہ خدا کا

اسلامی معاشرہ کا دوسرا وصف احسان، ایثار، انفاق ہے۔ جو اعتدال پسند معاشرہ کی جان ہے۔ جبکہ موجودہ عالمی نظام استحصالی نظام ہے۔ جو لوٹ کھسوٹ پر مبنی ہے۔ موجودہ دور کی معاشی ناہمواریوں نے اس کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر 219 میں ارشاد ہے۔ کہ اے رسول ﷺ یہ لوگ آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، فرما دیجئے کہ زائد مال راہِ خدا میں خرچ کر دیں۔ کیونکہ مال دار لوگوں کے مال میں محروم اور بے روزگار لوگوں کا حق ہے۔

غربت اور افلاس کا خاتمہ

غربت آج کے دور کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ یہ صرف عالم اسلام کا ہی نہیں۔ بلکہ ساری انسانیت معاشی ناہمواریوں کا شکار ہے۔ رحمت کائنات ﷺ نے جب مدینہ ہجرت فرمائی۔ تو سب سے پہلا کام مہاجر و انصار میں رشتہ اخوت قائم کیا۔ باہم بھائی چارے سے ایک مہاجر کو انصاری کا بھائی بنایا۔ اور جائیداد میں برابر کا حصہ دار ٹھہرایا۔

ایثار اور احسان کی اس سے بڑی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ سگے خونی رشتے وراثت و جائیداد میں اس درجہ قربانی کی مثال پیش نہیں کر سکتے۔ یہ وہ سوشل آرڈر تھا۔ جو اسلامی ریاست مدینہ کے اسلامی معاشرے میں بنیاد قرار پایا۔ اس طرح شان رحمت نے غربت اور معاشی ناہمواری کی جڑ کاٹ دی۔

آج کے دور میں امت مسلمہ کی زبوں حالی اور غربت و افلاس کو دور کرنے کے لئے معاشی استحکام اور معتدل روشن خیال معاشرہ صرف اس صورت میں ہی وجود پا سکتا ہے۔ کہ اسلامی معاشرہ کا صاحب مال معیار زندگی کی بجائے انصار مدینہ کی طرف معیار بندگی اور تقویٰ کو بنیاد بنائے۔ امت مسلمہ کے اسلامی معاشرہ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ایک شخص مال و زر کے انبار لگا تا جائے۔ اور دوسرا نانِ شبینہ کے لئے ترس جائے۔

آج کا انسان مادی ترقی اور آسائشوں کے حصول میں کمال کی بلندیوں پر پہنچ چکا ہے۔ کائنات کی تسخیر کا دعوے دار ہے۔ مگر اپنے مسلمان بھائی کے دل کو مسخر نہیں کر سکا۔ کسی کی جان مال اور عزت محفوظ نہیں ہے۔ بھوک ننگ، غربت، جہالت سے بے اطمینانی، بدامنی اور اضطراب بڑھتا جا رہا ہے۔ تہذیب جدید کے دعوے داروں نے اخلاقیات کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کے لئے رزق حلال، کسبِ کمال انسانیت کی معراج ہے۔ رزقِ حلال کی حوصلہ افزائی سے غریب امیر کا فرق ختم ہو سکتا ہے۔ الکاسب حبیب اللہ، فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق ایک مثالی اسلامی معاشرہ فلاحی مملکت کی بنیاد اور اساس بن سکتا ہے۔

آج ہم اکیسویں صدی کے افتراق و انتشار میں اسوہ حسنہ سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں اتحاد و اتفاق اور یگانگت کی برکات حاصل کر سکتے ہیں۔

اتحاد امت تاریخ شاہد ہے کہ اتحاد باہمی سے امت مسلمہ ایک زبردست قوت بنی اور اس جذبہ سے سرشار ہو کر قیصر و کسریٰ جیسی سپر پاورز کے غرور کو مٹاڈالا مدینہ سے مشرق کو جانے والا لشکر ایران اور مکران کا فاتح بنا مغرب کو جانے والی فوجوں نے مراکش اور سپین پر جھنڈے گاڑ دیئے شمال کو جانے والا لشکر بخارا اور سمر قند تک جا پہنچا اور جنوب کو جانے والے یمن اور حضر موت کے فاتح بنے آج امت مسلمہ متفق و متحد نہیں افتراق و انتشار کا شکار ہے اکیسویں صدی کے نزول کے ساتھ امت مسلمہ کی مظلومیت اور بے کسی و بے بسی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے مسلمان بوسنیا میں زندگی کے حق سے محروم ہے تو کشمیر میں نصف صدی سے زائد عرصہ سے غلامی کی زنجیر میں جکڑا ہوا سسک رہا ہے انسانیت پنجہ یہود و ہنود میں فلسطین اور ہندوستان بھارت میں مظالم کا تختہ مشق بنی ہوئی ہے ہم یہود و ہنود اور نصاریٰ کو اس افتراق کا ذمہ دار ٹھراتے ہیں لیکن مقام فکر ہے بلکہ امت مسلمہ کا عظیم المیہ ہے کہ مسلمان ممالک جن کی عظمت و قوت و شوکت کی بنیاد اتحاد اور اسلامی خلافت قرآن کے آفاقی کلام و احکام میں ایک حاکم ایک متحدہ حکومت کا تصور ہے انہوں نے نام نہاد جمہوریت کے نام پر اپنے خود مختار حکومتیں قائم کر لی ہیں اور اس کا نام متحدہ عرب امارات رکھ دیا اور پھر ستم کی حد ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کیلئے تیار نہیں عراق کو امریکہ مار رہا ہے لیکن وہ

لیبیا سے اتحاد کے لیئے تیار نہیں سوڈان افغانستان سے اتفاق واتحاد نہیں چاہتا افغانستان میں اسلامی نظریاتی مملکت کا وجود عمل میں آیا اتحاد واتفاق اور امن وسکون کا ماحول پیدا ہوا تو امریکہ نے وہشت گردی کی آڑ میں اپنی کولیشن بنا کر ختم کر ڈالا اسلامی مما لک کو بھی ساتھ ملا لیا جس میں پاکستان حرف اول کا فرنٹ لائن کا ملک اور اتحادی بنا۔

﴿اس گھر کو آگ لگ گئی کے چراغ سے﴾

اور افسوس صد افسوس کہ مثالی اتحاد واتفاق کی واحد اسلامی مملکت کو بھی ان اتحاد کے دشمن حکمرانوں کیا آشیر باد سے مغربی طاقتوں نے مٹا دیا الکفر ملة واحد کے مصداق امریکہ، برطانیہ، فرانس جاپان یورپی مما لک نے اپنی کئی مما لک کی کولیشن قائم کر رکھی ہے نہ وہاں الگ ویزہ کی ضرورت پڑتی ہے نہ آنے جانے پر پابندی ہے وہ بین الاقوامی قانون کی رو سے ایک ہیں علمی برادی U.N.O دولت مشترکہ کے نام پر اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل جیسے ادارے بنا رکھے ہیں اور اسلامی مملک ہیں کہ منتشر بھیڑ بکریوں کی طرح بغیر چرواہے کے ظالم بھیڑیوں کے رحم وکرم پر ہیں اور مار کھا رہے ہیں۔ وحدت امت کی اشد ضرورت کے تحت ایک خلافت ایک خلیفہ ہوتا اقوام متحدہ میں کوئی مقام اور ویٹو پاور ہوتی الغرض افتراق امت کا سبب مسلمانوں کی خلافت کا ٹوٹنا ہے جب کہ حکومتوں میں عالمی انتشار اور نفاق پیدا ہو گیا اپنے اپنے مفادات الگ ہو گئے تو امت مسلمہ کا شیرازہ بکھرنا لازمی امر تھا امت مسلمہ کے دانش وروں اور فلاسفروں نے تو ہمیں سبق دیا تھا۔

﴿ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت﴾
﴿وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد﴾
﴿وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت بازو﴾
﴿آتی نہیں کچھ کام یہاں عقل خداداد﴾

رسول اللہ ﷺ نے قبل از بعثت اتحاد وبین المشرکین قائم کر کے دکھایا انجمن تاسیس امن کے قیام کے سلسلہ میں اور اس طرح میثاق مدینہ کی رو سے آپؐ نے وقت مصالح کے تحت اتحاد بین المشرکین والمنافقین والیہود انصاری آمہ مومنین مہاجر وانصار قائم کر کے دکھایا آج ہم اتحاد بین المسلمین قائم نہیں کر سکتے اور اسلامی مما لک کا متحدہ بلاک نہیں بنا سکتے یہی وجہ نفاق ہماری تباہی وبربادی کی ہے حالانکہ ایک صدی پہلے حکیم الامت نے فرما دیا تھا

﴿ایک ہوں مسلم کی پاسبانی کے لئے﴾
﴿نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کا شغر﴾

اختلاف رائے اور آزادی اظہار مافی الضمیر انسان کا پیدائشی حق ہے حضور ﷺ صاحب وحی رسول ہونے کے باوجود اپنے

اصحابہ سے مشورہ کرتے تھے اوآزادی اظہاراور اختلاف رائے کا پوراحق دیتے تھے آپ کی سیرت طیبہ میں اکثر ایسے واقعات ملتے ہیں جب آپؐ نے اپنی رائے سے مختلف آرا کو پسند فرمایا اور آزادی اظہار کے انسانی حق کی تعلیم دی قرآن عظیم میں وشاورھم فی الامر کے فرمان کو آپؐ ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے غزوہ بدر میں حضورؐ نے خیمہ زن ہونے کیلئے جگہ کا انتخاب فرمایا تو جناب خباب بن منذر نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے جگہ کا انتخاب وحی کے حکم کے مطابق کیا ہے یا محض تدبیر جنگ کے طور پر آپؐ نے فرمایا وحی نہیں ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ ہمیں آگے چل کر فلاں جگہ خیمہ زن ہونا بہتر ہوگا آپ ﷺ نے رائے قبول فرمائی اور اس پر عمل کیا غزوہ خندق میں خندق کھودنے کا کام آپؐ نے صحابہ کی مشاورت سے کیا اور بنوعطفان سے صلح کا ارادہ فرما کر انصار کے اختلاف رائے اور مشاورت سے بدل دیا اور صلح نامہ کے مسودہ کی توثیق نہیں فرمائی۔ یہ تو اختلاف رائے مدینہ کے مصائب الرائے اور سوسائٹی کے معزز اشخاص کا تھا آپؐ نے تو غلاموں اور لونڈیوں کو بھی اس حق سے محروم نہیں کیا ان میں بھی آزادی اظہار کی روح پھونک دی ہریرہ ایک لونڈی تھی جو شوہر سے متنفر ہو کر آپؐ کے پاس شکایت لے کر حاضر ہوئی حضورؐ نے اس کو رجوع کرنے میں رائے اور سفارش کی کنیز اور لونڈی نے عرض کیا کہ حضور ﷺ کا حکم ہے یا سفارش آپؐ نے فرمایا سفارش ہے تو اس نے کہا کہ میں اپنے شوہر کے پاس نہیں جانا چاہتی چنانچہ آپؐ کی شان رحمت نے اختلاف رائے کو قطعاً برا اور ناپسند نہیں سمجھا بلکہ اس کی تائید فرمائی۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ قرینہ سے یا آپؐ کی تصریح سے لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ آپ ﷺ عام باتوں میں اپنی ذاتی رائے دے رہے ہیں تو لوگ بسا اوقات آزادی سے اپنی رائے دے رہے ہیں تو لوگ بسا اوقات آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کر سکتے تھے آپؐ حوصلہ افزائی فرماتے اور رائے قبول کر لیتے تھے حقوق انسانی کے سب سے بڑے علمبردار اور داعی ہونے کے اعتبار سے آپ ﷺ کے شایان شان یہی بات ہو سکتی ہے جس پر قرآن شاہد ہے فَبِمَا رَحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظاغليظ القلب لانفضو من حويك یہ اللہ تعالیٰ کا احسان اور رحمت خاص ہے کہ اس نے آپ کو نرم دل اور ان کے سراپا رحمت بنایا ہے اور اگر آپ سخت دل والے تندخو اور بدمزاج ہوتے تو کوئی بھی آپؐ کے قریب نہ آیا اس لئے فرمایا وشاورھم فی الامر اے رسولؐ ان سے مشاورت کیجئے عصر حاضر اکیسویں صدی کی روشنی کا زمانہ اور آزادی اظہار کا دور کہا جاتا ہے لیکن ذرا آپ حقوق انسانی اور امن عامہ کے علمبردار ممالک کو دیکھیں کہ کہاں تک وہ زیردستوں کو اور کمزور ممالک واقوام کو رائے دہی اور آزادی اظہار کا حق دیتے ہیں امریکہ جو دنیا کا بہت بڑا جمہوریت پسند اور جمہوریت نواز ملک ہے اس نے ایک حقوق انسانی اور رائے عامہ نیز کمزور اور زیردست ممالک کو آزادی انکار کیلئے ایک پلیٹ فارم اور پبلک انٹرنیشنل فورم کو طور پر مانتے ہیں وہ خود U.N.O کو نہیں مانتے بلکہ اس کو زرخرید لونڈی اور کنیز بنا رکھا ہے جو مرضی ہو منواتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دنیا زبردستوں کے ظلم جبر اور بربریت سے جہنم کا گہوارہ

بن چکی ہے ظالم کے ظلم کی دہائی دینے والوں کی زبانیں کھینچ لی جاتی ہیں انڈیا بھارت جو جمہوریت کا علمبردار کہلاتا ہے اس نے کشمیریوں کے حق ارادیت کو UNO میں تسلیم کر کے پچپن سالوں سے مظلوم کشمیریوں کے خون سے ہولی کھیل رہا ہے حق ارادیت کی بجائے اپنی مرضی اور جبر ہی نہیں بلکہ آٹھ لاکھ فوج مسلط کر رکھی ہے جس نے ایک لاکھ بے گناہ کشمیریوں کا قتل عام کیا ہے مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کا وجود امن اقوام عالم کے لئے ایک ناسور اور کینسر کی شکل اختیار کر چکا ہے جو لا علاج کیس ہے پنجۂ یہود و ہنود میں مظلوم مسلم اُمہ کے کمزور ممالک کب تک ظلم وجور کا شکار رہیں گے حقوق انسانی کا نعرہ لگانے والی اقوام کا ماضی حال سے بھی زیادہ بھیانک اور خوفناک ہے تاریخ عالم گواہ ہے کہ صلیبی جنگوں سے لے کر آج تک یہ سلسلہ کشت وخون جاری ہے بیت المقدس جب عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا تو عیسائی فاتحین نے جو چنگیزیت و بربریت دکھائی اس کو فرانسیسی مورخ میشو ایک عینی شاہد ریماند واز یل یوئی کا بیان نقل کرتا ہے کہ ہیکل سلیمانی میں اس قدر خون بہایا گیا کہ صحن میں ہر طرف لاشیں تیرتی تھیں کسی کا ہاتھ کسی کا پیر کسی کا دھڑ غرض یہ کہ اس پر بس نہیں کی بلکہ قتل عام کا حکم دیا گیا کہ کل باشندے بیت المقدس مسلمان، یہودی اور عیسائی بلا تفریق مذہب وملت اور تیغ کر دیئے جائیں ان کی تعداد ساٹھ ہزار تھی عورتیں بچے اور بوڑھے بہت قتل کر دیئے گئے درندگی کی انتہا ہے کہ صلیبیوں نے فتح بیت المقدس کے بعد پوپ کو لکھا کہ بخدا اگر آپ جاننا چاہیں کہ ہم نے وہاں موجود دشمنوں سے کیا سلوک کیا۔

تو اس قدر لکھ دینا کافی ہے تا کہ جب ہمارے سپاہیوں کے گھوڑے معبد سلیمانی میں داخل ہوئے تو ان کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا۔ مفتوح شہر کے باسیوں سے یہ المناک سلوک ان اقوام کی افواج قاہرہ کا تھا جو حقوق انسانی اور بقائے انسانیت اور امن عالم کا ڈھنڈورا پیٹتے تھکتے نہیں اور آج بھی کوسوو، چیچنیا، بوسنیا، فلسطین اور کشمیر میں خون مسلم کی ارزانی ہے سقوط ڈھاکہ سے لیکر سقوطِ امارات اسلامیہ کابل افغانستان تک جو نسل کشی قتل کشی وغارت امت مسلمہ کا ہوا ہے اس کے علمبردار الٹا اس قدر دہشت گردی ریاستی دہشت گردی کے باوجود کمزور اسلامی ممالک کو دہشت گرد قرار دے کر صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتے ہیں۔ امت مسلمہ کی نجات صرف اور صرف اس صورت میں ہے کہ آپؐ کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہوں اور قرآنی تعلیمات کو لازم پکڑیں مسلمانوں کا مفتوح اقوام سے سلوک قطعی طور پر مختلف رہا ہے کیونکہ اہل اسلام نے ہمیشہ رسالت مآب کے اسوہ حسنہ احترام انسانیت اور تعالیٰ انسانیت کو پیش نظر رکھا اور یہ آپ کی شان رحمت کا فیضان ہے کہ غلامانِ محمد ﷺ نے شرف انسانیت کو ہر حال میں برقرار رکھا شان رحمت نے محبوب وطن اور شہر مکہ کو نہایت مجبوری کی حالت میں چھوڑا تیرہ برس مظالم برداشت کئے شعب ابی طالب محصوری سے ہجرت مدینہ کی مجبوری تک آگ اور خون کے دریا عبور کئے مگر فتح مکہ کے بعد فاتح مکہ کی شان دیکھئے کہ تیرا سال مکہ میں اور دس سال مدینہ میں کل تئیس سال عرصہ حیات تنگ کرنے والوں کی

درخواست پر عام معافی کا اعلان فرمادیا اور کوئی شرط نہیں لگائی بلکہ فرمایا **لاتثریب علیکم الیوم** آج تم کو کوئی گرفت نہیں جاؤ تم آزاد ہو جس نے کعبۃ اللہ کو دروازہ آپؐ پر بند کیا آپؐ نے اسی کو کعبۃ اللہ کی کلید مرحمت فرمائی آپ کی سیرۃ طیبہ ہر دور میں ہر قوم کیلئے بلا تفریق مذہب و ملت مشعل راہ ہے اس شان رحمت کے پاک اسوہ جو **رحمت العالمین من رب العالمین** ہے کی روشنی میں عصر حاضر اکیسویں صدی کے مسائل جو لاینحل نظر آتے ہیں کا حل ہے امت مسلمہ کے اضطراب، بے چینی اور مظلومی سے نجات کا واحد نسخہ کافی و شافی اور زخموں کا مرہم اور نہ ختم ہونے والے دکھوں کا مداوا سیرۃ پاک سے رہنمائی اور اعمال و افکار میں ہے

﴿اے خاصہء خاصاں رسل وقت دعا ہے﴾
﴿امت پہ تری عجب وقت آن پڑا ہے﴾

وما توفیقی الاباللہ

☆☆☆☆☆

عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت سیرت طیبہ کی روشنی میں

مسعود الرسول (سرگودھا)

اسلام نے اسلامی معاشرے کی اساس حقوق اللہ، حقوق العباد، ایمانیات، معاملات اور اخلاقیات پر رکھی ہے۔ اسلامی بھائی چارے کی تشکیل انہیں اُصولوں کے تحت ہوتی ہے۔ جب انسان اللہ تعالی کے بتائے ہوئے دینی، مذہبی، سیاسی، تعلیمی و ثقافتی اور رُوحانی اُصولوں کی پاسداری کرتا ہے تو وہ شخص معاشرے کا مفید فرد بن جاتا ہے۔ ایسا شخص اپنی زندگی بے غرضی، خوش اخلاقی، روشن ضمیری، اعتدال پسندی، قانون کی پابندی، عفوودرگزر، برائی کے بدلے نیکی، صبر و شکر، جیسے اوصاف میں گزارتا ہے۔

محسن انسانیت نے جو عظیم انقلاب برپا کیا اس کی روح تشدد کی روح نہ تھی۔ محبت و خیر خواہی آپ کا پیغام تھا۔ آپؐ انسانیت کیلئے حد درجہ رحم دل تھے اور بنی آدم کے آپ کو سچا پیار تھا۔ اپنی دعوت کی نوعیت کو آپ نے مثال دے کر سمجھایا کہ تم لوگ پروانوں کی طرح آگ کے گڑھے کی طرف لپکتے ہو اور میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ قرآن نے اسی لئے آپ کو رحمت کا پیغامبر قرار دیا۔

مذہب اسلام امن، خیر، ہدایت اور سلامتی کا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ جب میں نے اپنے اُوپر ظلم حرام کر دیا ہے تو دوسرا بھی کوئی ظلم نہ کرے۔ دوسروں سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ اُن کے جان و مال کا تحفظ ہو، اسلامی مملکت میں عدل و انصاف ہو اور یہ فلاحی مملکت بنے۔

اسلامی معاشرے میں حضورؐ کی تربیت اور اسلام کے فیضان سے سب سے بڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ ان میں ایک مخصوص اخلاقی احساس پیدا ہوا پہلے یہ اپنے ہر عمل میں قبیلے کے رسم و رواج کی پیروی کرتے تھے اب ان کی زندگی کا نصب العین یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو اور زندگی کتاب و سنت کے سانچوں میں ڈھلے۔

حضور ﷺ دونوں جہانوں کیلئے رحمت ہیں اسی لئے آپ کا منشور نیکی کی دعوت دیتا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کیلئے دوستی اور امن و بھائی چارے کا پیغام لے کر آئے۔ آپ نے ہر اُس کام سے سختی سے روکا جو امن و سلامتی کیلئے نقصان دہ

ثابت ہو سکے۔آپؐ نے ہر قسم کے شروفساد، ظلم وتشدد اور جبر سے منع فرمایا۔آپؐ نے ہمیشہ قرآنی آیات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی کیونکہ قرآن کی تعلیمات میں بنی نوع انسان کیلئے امن وآشتی کا پیغام دیا گیا ہے۔جو لوگ اللہ تعالیٰ کی زمین پر فساد برپا کرتے ہیں ان کیلئے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

''کسی سرزمین پر امن قائم ہونے کے بعد فساد نہ کرو۔''

دین اسلام کا سچا اور صحیح خادم بننے کیلئے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے اعمال اور معاملات میں استقامت اختیار کرے۔دین اسلام کی خدمت صرف اسی صورت ممکن ہے کہ ہم عملی طور پر اسلام کو ہر چیز سے منسوب کرلیں جس طرح غیر مسلموں نے اپنے آپ کو اپنے دین کیلئے صرف کر رکھا ہے۔اسلام نے جان کر حرمت پر بڑا زور دیا ہے ہم کون ہوتے ہیں جو دوسروں کی زندگیوں کا فیصلہ کریں۔آج اس وجہ سے اسلام اور دعوت اسلام کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔قرآن وسنت سے دوری اُمت کیلئے تباہی کا باعث بنے گی۔ضرورت اس امر کی ہے کہ آپس میں اتحاد قائم کر کے اپنی صفوں کو مضبوط بنایا جائے کیونکہ اتحاد اور صف بندی کے بغیر ہمارے معاملات سدھر نہیں سکتے اور نہ ہماری اقتصادی ترقی ہو سکتی ہے اور نہ ہی ہمارے حالات بہتر ہو سکتے ہیں۔

مذہب اسلام انتہا پسندی کی بجائے اعتدال پسندی کا درس دیتا ہے۔اُمت مسلمہ کا عظیم سرمایہ مسلمان نوجوان ہیں۔مسلمان نوجوانوں پر اُمت کی طرف سے بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔مسلمان نوجوان اسلام کے فرائض کی پابندی کر کے پکے اور سچے مسلمان بن جائیں۔وہ اپنے دلوں کے اندر تمام نفرتیں اور کدورتیں نکال دیں۔ہر صورت میں قرآن وسنت کے بتائے ہوئے راستے پر چلا جائے۔

علمائے حق اسلام کی ترویج واشاعت میں اہم مقام رکھتے ہیں۔علماء کا فرض ہے کہ وہ اپنے علم سے مسلمانوں کو نفع پہنچائیں۔علمائے حق کی غفلت کے باعث لوگ اندھیرے میں رہ رہے ہیں۔علماء کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے پیغام سے روشناس کرائیں۔قرن وسنت کے پیغام کو پھیلائیں۔لوگوں کو اس بات کا فرق کرانا ہوگا کہ جھوٹ اور سچ میں فرق کیا ہے۔علماء کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے سامنے اللہ کی حدود بیان کریں۔لوگوں کو یہ سمجھانا علماء کا کام ہے کہ اسلام میں جان کی حرمت کس قدر ہے اور کسی انسان کو قتل کرنا کس قدر گناہ ہے۔

اسلام تو انسانی جان کی حفاظت کرتا ہے۔مومن کی نشانیوں میں سے ایک نشانی آپؐ نے یہ بھی بتائی کہ وہ خندہ رو ہوتا ہے اور کھلی پیشانی سے ملتا ہے۔یہ آپس میں باہمی الفت ومحبت بڑھانے کا ذریعہ بنتا ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ ''تیرے بھائی کیلئے تیرا مسکراتا ہوا چہرہ صدقہ ہے۔'' اسلام کا مادہ ''مسلم'' سے ہے جس کے معنی سلامتی کے ہیں اور ایمان ''امن'' سے نکلا

ہے پس اسلام ساری کائنات کیلئے امن وسلامتی کا ضامن ہے۔ مشکوۃ کی مشہور حدیث ہے۔
''خُدا کو وہی شخص سب سے محبوب اور پیارا ہے جو اس کی مخلوق کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے اور جو اس کی مخلوق کے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرے۔ مولانا حالی نے اس حدیث کو ایک مصرعہ میں یوں بیان کرتے ہیں۔

کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا

سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔
''تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کی خاطر پیدا کیا گیا ہے تم اچھی باتوں کا حکم وترغیب دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں دین اسلام کو امن کا گہوارہ بنایا وہ حضور اکرم ﷺ کو رحمت کا پیکر بنا کر بھیجا۔ آپؐ نے بعثت نبوی سے پہلے بھی مسائل کو اپنی فہم وفراست اور امن وامان سے حل کیا۔

خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی ہے جب دیوار حجر اسود کے مقام تک پہنچتی ہے تو قبائل میں کشت وخون کا زبردست خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ ہر قبیلہ حجر اسود نصب کرنے کا خواہش مند تھا آپؐ نے اس موقع پر ایک بہت بڑی جنگ کی فضا کو اپنی اعتدال پسندی اور فہم وفراست سے بدل ڈالا۔ آپؐ نے اپنی چادر بچھائی اس میں حجر اسود رکھا اور پھر حکم دیا کہ تمام قبائل کے نمائندے مل کر اٹھائیں۔ جب اس مقام تک پہنچتے ہیں جہاں حجر اسود کو نصب کرنا ہے تو خود اٹھا کر نصب کر دیتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم نے ارشاد فرمایا۔
''کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کو اپنی جانوں اور مالوں کا تحفظ حاصل ہو۔''

امن کو تہہ وبالا کرتے ہیں سب سے بڑا کردار جنگ کا ہوتا ہے لیکن اسلام نے جہاد فرض کرنے کے باوجود اس ضمن میں ہدایات دی ہیں اس سے کسی غیر متعصب شخص کیلئے اسلام پر ظلم وتشدد کا الزام دھرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اسلامی جہاد کا مقصد غیر مسلم اقوام کو جبراً اسلام میں داخل کرنا نہیں اور نہ ہی ان کے امن وسکون کو تباہ وبرباد کرنا ہے بلکہ دیکھا جائے تو یہ جنگ قیام امن کا باعث بنتی ہے اور یہ جہاد صرف ان لوگوں کے مقابلے میں لڑا جاتا ہے جو معاشرتی امن کے دشمن ہیں اور اسلام کے عدل وانصاف پر مبنی نظام حیات کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں اور جو لوگ امن وسکون تباہ کرنے کے درپے نہیں ہوتے اسلام ان کے خلاف محض اس بنیاد پر تلوار نہیں اٹھاتا کہ وہ غیر مسلم ہیں بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اسلام تہذیبوں کے درمیان تصادم نہیں مفاہمت چاہتا ہے اسلام تمام انسانوں کو مل جل کر امن وامان سے زندگی گزارنے کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے۔ اسلام ہی دنیا میں عدل وانصاف اور مساوات پر مبنی نظام کو قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ توحید الٰہی پر مبنی تمام ادیان انسانی فلاح و بہبود اور امن وامان کو فروغ دیتے ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ ان مذاہب کو سیاسی مقاصد کیلئے استعمال کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ اسلام میں دہشت گردی، تنگ نظری یا عصبیت سے تعلق کی کوئی گنجائش نہیں اسلام محبت اور رواداری کا دین ہے۔

رسول اکرمؐ نے اعلان نبوت کے بعد تیرہ سال مکہ میں کسی جنگ اور قتال کے بغیر اسلام کی دعوت دی اور مخالفین کی طرف سے دی سختیوں کو برداشت کیا۔ صحابہ کرامؓ زخمی ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے حالات کی شکایت کرتے اور جوابی کارروائی کی اجازت مانگتے لیکن آپ تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دیتے۔ اسلام اعتدال پسندی کا نام ہے۔ اسلام سے پہلے زندگی کے بارے میں مختلف گروہوں کا رویہ افراط وتفریط پر مبنی تھا۔ ایک گروہ مادی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتا تھا، دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ سچی مذہبیت ترک دنیا ہی سے حاصل ہو سکتی ہے اسلام نے ان دونوں رویوں کے درمیان اعتدال کی راہ اپنائی یعنی اگر ایک انسان کاروبار کو اللہ کے احکام وقوانین کے مطابق چلائے تو دنیا کی لذتیں حاصل کرتا ہے۔ اور مذہبی راحت سے بھی بہرہ مند ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو امت وسط قرار دیا ہے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل امت بنایا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہی دیں گے۔''

قرآن نے انتہا پسندی کیلئے جو اصطلاح استعمال کی ہے وہ غلو ہے جس کے معنی بڑھنا، زیادہ ہونا ہیں دین کے تعلق سے اس کا مفہوم یہ ہے کہ دین میں جس چیز کا جو درجہ و مرتبہ ہے اس کو بڑھا کر پیش کر دیا جائے۔ مسلمان کبھی انتہا پسند نہیں ہو سکتا۔ ہمارے انتہا پسندانہ رجحانات اگر کہیں پائے گئے ہیں تو وہ منحرف گروہوں میں پائے گئے جنہیں امت کے اجتماعی ضمیر نے ہمیشہ رد کیا۔ اسلام ایک کھلا، اصولی اور عقلی دین ہے۔ اسلام اور کفر کا بنیادی فرق اعتدال اور انتہا پسندی کا ہے۔ اسلام نے اختلاف کیلئے بھی اصول دیئے اور فرمایا گیا۔

''یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔''

ایک اور جگہ یوں فرمایا گیا کہ

''اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔''

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کی صحیح تصویر لوگوں کے سامنے پیش کی جائے۔ اسلام ایک روشن خیال او اعتدا پسند مذہب

ہے جو دہشت گردی اور انتہا پسندی کو مسترد کرتا ہے۔ ہمیں اپنی اقدار کے اندر رہتے ہوئے اپنے آپ کو جدید بنانا ہوگا مسلمان کو کسی صورت بھی مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ

''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو بنایا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کیلئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد انہیں امن بخشے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے گا تو ایسے لوگ بد کردار ہیں۔''

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کسی کو برا بھلا نہیں کہتے تھے۔ برائی کے بدلے برائی نہ کرتے بلکہ درگزر سے کام لیتے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد آپؐ نے تمام تصور واروں کو معاف فرما دیا حالانکہ چاہتے تو ایک ایک ظلم کا بدلہ لے سکتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا

''آج تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو''

اس کائنات میں امن و آشتی کا نظام صرف اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جب ان لوگوں اور ان عوامل کا خاتمہ کر دیا جائے جو فساد پیدا کرنے والے ہیں اگرچہ اسلام اپنے ماننے والوں کو ایسے عناصر کے خلاف جہاد کا حکم دیتا ہے جو زمین پر فساد پھیلاتے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کی ذات ایسے معاملات مین جہاں جہاد کرنا ناگزیر ہو جاتا تھا تلوار نکالنے والے آخری آدمی ہوتے تھے پہلے آپ کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ تبلیغ و دعوت سے ہی ایسے عناصر پر قابو پایا جائے۔ جہاں کہیں بھی امن و سلامتی، اعتدال پسندی، اخوت اور معاہدے کی گنجائش ہوتی تھی آپؐ فوراً ایسا کرنے پر راضی ہو جاتے تھے اور یہ ان قرآنی احکامات کی پیروی میں ہوتا تھا۔ جس میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اور اے نبی ﷺ اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کیلئے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔''

بعض اوقات تو امن قائم کرنے کی خاطر آپ نے ایسے معاہدے کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جن میں چند ایسی شرائط بھی قبول کرنا پڑی تھیں جو شدید عام حالات میں ایک عام آدمی بھی قبول کرنا مناسب نہ سمجھے جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ والوں کا کوئی آدمی خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو بھاگ کر حضورؐ کے پاس آئے گا تو وہ اسے مکہ والوں کو واپس کر دیں گے۔ لیکن قریش کے ہاتھ اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی آئے گا تو اسے واپس نہیں کریں گے اور حضورؐ نے ابو جندل اور ابو بصیر کو واپس کر کے اس صلح نامے پر باقاعدہ عمل بھی کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو امت وسط کا نام دے ہے اور اسلام کو اعتدال کا دین بنایا ہے۔ سیدھا راستہ اسلام کا راستہ ہے۔ حق و باطل کے درمیان کوئی آمیزش نہیں ہے۔ یہ خالص اور سچا دین ہے۔

عام طور جب کسی قوم کو فتح حاصل ہوتی ہے تو وہ لوٹ مار قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتی ہے اور ان کی اس جنگ کا مقصد بھی خواہشات کی تکمیل اور ہوس ملک گیری اور ہوس زر ہوتا ہے۔ لیکن اسلام نے اپنے ماننے والوں کو واضح الفاظ میں بتایا کہ اگر تمہیں کہیں لڑنا پڑے اور تم فتح حاصل کرلو تو چونکہ تمہارا مقصد دولت کا حصول نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کا نفاذ ہے لہٰذا نہ تو کسی پر ظلم کرو اور نہ لوٹ مار بلکہ اب تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مزید ایک علاقے میں نفاذ اسلام کا موقع فراہم کیا ہے۔

تعلیمات نبویؐ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ہمیں خودغرضی کی بجائے دوسروں کی بہتری کا جذبہ بیدار رکھنا چاہیے۔ اس لئے کہ دین نام ہی سراسر خیر خواہی کا ہے۔ اپنی خیر خواہی، خلق خُدا کی خیر خواہی اور ساری اُمت مسلمہ کی خیر خواہی۔

قرآن وسنت کی تعلیمات یہ بتاتی ہیں کہ نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ بلکہ ظلم کو ظلم کرنے سے روک دو، گناہ کے راستے ہی بند کردو تا کہ معاشرہ میں امن وسکون ہو۔

اسلام امن و آشتی کا دین اور ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور یہ امن کا سچا دین ہونے کے ناطے دنیا کے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی معاملات کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی معاملات میں بھی اسلام اپنے پیروکار افراد اور اقوام کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام بیک وقت سربلندی اور قربانی، برداشت اور جرات تحمل اور بہادری، صبر اور سرفرازی کا حسین امتزاج ہے۔ اس کی جامعیت کا یہ اعجاز ہے کہ یہ افراد و اقوام میں ایک اللہ کے آگے سر جھکانے کے ساتھ ساتھ کسی بھی دنیاوی طاقت کے آگے سرنگوں نہ ہونے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اس کی تذلیل نہیں کرتا۔ ایک آدمی کیلئے یہی شر بہت ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔"

قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ

"یعنی وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کی اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ

دیئے۔تم روئے زمین کی سری دولت خرچ کرڈالتے ہوتو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے۔''

مذہبی انتہاپسندی کے باعث مسلمان اور اسلام کو بدنام کیا جارہا ہے جبکہ اسلام اعتدال پسندی اور امن کا درس دیتا ہے۔مذہب کے نام پر کوئی بھی کارروائی جائز قرار نہیں دی جاسکتی اسلام ہر ظلم کے خلاف آواز اٹھانے پر ابھارتا ہے مسلمان ہر طرح کے مظالم کے خلاف قربانیاں دینے کیلئے تیار رہتے ہیں۔ہماری غفلتوں،صدیوں کی غلطیوں اور عاقبت نااندیشیوں نے مسلمانوں کو ذلت ورسوائی سے دوچار کردیا کیونکہ ہم نے قرآن کا پیغام بھلا دیا مگر مسلمان ایک دفعہ پھر اپنا مقام حاصل کرلیں گے کیونکہ

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان اسلام کی صحیح سوچ کو سمجھیں خود حضورﷺ نے اپنی زندگی میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ کیا جس کی تمام شقیں بظاہر ہر مسلمانوں کے خلاف تھیں مگر بعد میں یہی معاہدہ فتح مبین کہلایا۔

موجودہ امت مسلمہ کے مسائل کا حل یہی ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان انتہائی ذمہ داری دیتے بہتر اور موثر فیصلے کریں۔امیر مسلمان ملک غریب مسلم ممالک کو ریلیف دیں۔تعلیم وسائنس اور ٹیکنالوجی کے حصول کو اپنے پہلے ایجنڈے میں شامل کریں۔مسلم امہ کو چاہیے کہ اس وقت جدید علوم کی وجہ سے وہ جتنا کفار سے پیچھے ہیں اور جس کی وجہ سے وہ پستی اور محرومی کا شکار ہیں اسے دور کریں۔

اسلامی تعلیمات پر اگر سرسری نظر ڈالی جائے اور پیغمبر اسلامؐ کی سیرتؐ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ دنیا میں برداشت کا درس کس نے دیا۔حضور اکرمؐ اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک جنازہ آیا آپ کھڑے ہوگئے صحابہ نے عرض کی کہ یہ تو یہودی کی میت ہے اس پر آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ انسان نہیں تھا۔حضرت عمر فاروقؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک منافق ایک یہودی کے ساتھ کسی مسئلہ میں اُلجھا اور فیصلہ حضورؐ کی خدمت میں لے گیا۔ حضورؐ نے یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا اس منافق نے سوچا کہ یہ یہودی ہے اور میں تو بظاہر مسلمان ہوں حضرت عمرؓ کی خدمت میں اس مقدمہ کو لے جاتا ہوں ان کو ویسے بھی کفار سے نفرت ہے جس کی وجہ سے وہ میرے حق میں فیصلہ دیں گے۔ جب گفتگو کا آغاز ہوا تو اس یہودی نے دوران گفتگو یہ کہہ دیا کہ ہم ابھی نبی اکرمﷺ سے فیصلہ کرواکے آئے ہیں یہ سننے کے بعد حضرت عمرؓ اندر تشریف لے گئے اور تلوار لے کر آئے اور فرمایا کہ جو حضورؐ کے کئے ہوئے فیصلے سے سرتابی کرے اس کا فیصلہ عمر کی تلوار سے ہوگا۔

اسلام میں برداشت ہی برداشت کا مادہ ہے۔عدم برداشت،تشدد،جلاؤ گھیراؤ اسلام کے مزاج میں نہیں ہے

۔قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ مسلمان باہم جھگڑتے نہیں ارشاد ربانی ہے۔

''باہمی جھگڑا نہ کرو ورنہ ناکام ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

مسلمانوں میں باہمی امن قائم کرنے کیلئے احترام انسانیت کے احکام پر عمل کرنا ہوگا اور پیغمبر امن وسلامتی کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھا جائے کہ مسلمان کو گالی دینا اور قتل کرنا کفر ہے۔

ہمارے مسائل صرف اسی صورت حل ہو سکتے ہیں کہ ہر شخص جو کلمہ گو ہے اس پر اب یہی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ معاشرے میں اس مشن کو جاری رکھے جس میں ظالم کا ہاتھ روکا جاسکے اور مظلوم کی دادرسی ہو۔اللہ کے نظام کو غلبہ حاصل ہو۔ انسان ہونے کی حیثیت سے تمام انسان بلا امتیاز مذہب وملت اور بلا تفریق رنگ ونسل عزت واحترام کے مستحق ہیں قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

''اور البتہ ہم نے انسان کو واجب الاحترام بنایا۔''

اسلام عقائدی مذہب نہیں ہے۔اس کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ نوع انسانی ایک گھرانہ اور ایک خاندان بن جائے۔ دنیا میں نسلی، لسانی اور علاقائی تعصبات ہی فتنہ وفساد کی بنیاد بنتے رہے ہیں۔صرف دین اسلام ہی ان کی نفی کرتا ہے۔اسلام کے سوا اور کوئی ایسا طریقہ نہیں جس پر کاربند ہو کر یہ امتیازات مٹ جائیں۔اسلام نے جو فرائض، ارکان یا عبادات کے طریقے مقرر کیے ہیں ان سب کا مدعا یہ ہے کہ انسانی قلوب کو رنگ، نسل اور قوم کے امتیازات سے پاک کر دیا جائے۔

آج کے اس نازک دور میں جب دنیا کی سپر پاور امریکہ افغانستان وعراق میں بے گناہ مسلمانوں کا خون بہا رہی ہے۔مسلمانوں کے شہر اور بستیوں پر آتش وآہن کی بارش کر کے انہیں کھنڈرات میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔بغداد، فلوجہ، کابل، قندھار جیسے شہروں کو تباہ کیا جا رہا ہے مسلمانوں کی ثقافت، تہذیب کو بدلنے کی سازش ہو رہی ہے مسلمانوں کو ان مصائب کا مقابلہ کرنے کیلئے متحد ہونا پڑے گا اور اسلام کے صحیح تصور پر عمل کر کے عصر حاضر کے تقاضوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔

اتحاد امت صرف ہمارے آج کی ضرورت نہیں بلکہ یہ قوم کے مستقبل کے تحفظ کی بھی ضمانت ہے۔

تمام انبیاء کرام اور بالخصوص حضور اکرمؐ نے ہمیشہ مدافعانہ جنگیں لڑی ہیں اور وہ کبھی جارحیت کے مرتکب نہیں ہوئے ورنہ اگر آپؐ چاہتے تو مشرکین اور اسلام دشمن قوتوں کے ہاتھوں مصائب اور تکالیف اٹھانے پر مشتعل ہو کر ایک ہی بددعا کر کے عرب سے مشرکین اور اسلام دشمنوں کا خاتمہ کر سکتے تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ انہوں نے طائف کے گلی کوچوں میں پتھروں سے لہولہان ہو کر بددعا نہیں کی اور ان لوگوں کیلئے ہدایت کی دعا فرمائی۔

امت مسلمہ کو قرآن حکیم میں ایک ذمہ دار امت ٹھہرایا گیا ہے قرآن میں امت مسلمہ کو اتحاد کی اہمیت سے یوں

روشناس کرایا گیا۔

"اے مسلمانوں تم مشرکوں جیسے مت ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور جتھوں میں بٹ گئے اور ہر فرقہ اسی میں مست و مگن ہو گیا جو کچھ ان کے پاس تھا۔"

قرآن حکیم اور نبی کریم ﷺ کی سنت میں یہ کمال موجود ہے کہ اگر تم اس کی طرف رجوع کرتے رہو گے تو متحد رہو گے۔

ہمیں اسلام کی صحیح اور سچی تعلیمات پر عمل کر کے ایک سچے اور باکردار مسلمان کا تصور ابھارنا ہوگا اور اسلام کے روشن خیال اور اعتدال پسند رویے پر عمل کر کے ہی ثابت کرنا ہوگا کہ اسلام میں جدید دور کے تمام مسائل کا حل بھی موجود ہے۔ ہمیں ایک خدا، ایک رسولؐ اور ایک کتاب پر اپنے ایمان کو پختہ کرنا ہے۔ دنیا میں سپر پاور کوئی نہیں سپر پاور صرف خدا کی ذات ہے اسلام پر مصائب و آلام کے جو پہاڑ یہود و نصاریٰ توڑ رہے ہیں اس سے اسلام کندن بن کر سامنے آئے گا۔

مسلمان خدا کی رحمت اور مدد سے کبھی مایوس نہیں ہوتا کیونکہ وہ خدا کی مدد اور رحمت پر یقین رکھتا ہے۔ مسلمان انتہا پسندی اور دہشت گردی میں ملوث نہیں بلکہ دنیا کے دہشت گرد تو افغانستان و عراق میں تباہی پھیلانے والے ہیں جنہوں نے اپنے مذہب کی بنیادی تعلیمات کو نظر انداز کر کے صرف ہوس ملک گیری اور طاقت کے نشے میں دو اسلامی ملکوں کو تخت و تاراج کر دیا۔ مسلمان متحد ہو رہے ہیں اور وہ وقت آنے والا ہے جب اسلام ساری دنیا پر اپنی سچی تعلیمات کی وجہ سے چھا جائے گا۔



قومی سیرت کانفرنس برائے مرد
۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

مقالات سیرت



سیرت طیبہ کی روشنی میں

وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر
حکومت پاکستان